بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللؤلؤ المكنون

في سيرة النبي المأمون

(٢)

ہجرت سے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں داخل ہونے تک

مدینہ کی طرف ہجرت[1] کی اجازت

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مسلمانوں نے دوسری مرتبہ ہجرت کی، مگر یہ ہجرت عربی سرزمین کی طرف تھی، اس بستی کی طرف جس کے بارے میں مقدر یہ تھا کہ وہ زمانے بھر ریگستان کے پیچھے ایک گمنام اور ضائع شدہ بستی بنی رہے، یہاں تک کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ سے مشرف ہو۔ پھر وہ "امّ المدائن" (شہروں کی ماں) اور "عاصمہ العواصم" (تمام دارالحکومتوں کا دارالحکومت) بن گئی۔ اسی سے خیر وہدایت کے چشمے پھوٹ کر زمین میں پھیل گئے، اسے سیراب کیا اور اپنی برکتوں سے معمور کر دیا۔ اور اسی کی طرف دنیا بھر سے بادشاہت، دولت اور اقتدار کی نہریں بہنے لگیں[2]۔

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں روایت کی ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ کہتی ہیں کہ جب بیعت عقبہ کے بعد لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ کو خوشی ہوئی کہ اللہ رب العالمین نے آپ کے لئے ایک جماعت بنادی ہے جو آپ کی مدد کریں گے اور وہ آپ کی طرف سے جنگ لڑیں گے اب مسلمانوں پر پریشانی اور بڑھ گئی مشرکین کی جانب سے کیوں

---

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۲۴-۲۵) میں فرماتے ہیں: ہجرت کا معنی ہے چھوڑنا اور کسی چیز کی جانب ہجرت کرنے کا مطلب ہے کسی اور کو چھوڑ کر اس کی جانب جانا اور شریعت میں ہجرت کا معنی ہے ہر اس چیز کو چھوڑنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور اسلام میں یہ ہجرت دو طرح سے واقع ہوئی ہے؛

۱- خوف والے جگہ سے امن والے جگہ کی طرف منتقل ہونا جیسا کہ حبشہ کی جانب کیے گئے دونوں ہجرتوں اور مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کے ابتدائی دور کا کا معاملہ تھا۔

۲- کفر کی جگہ سے ایمان کی جگہ ہجرت کرنا اور یہ اس وقت ہوا جب نبی ﷺ مدینہ میں قیام پذیر ہوئے اور اور جن مسلمانوں کے لیے ممکن ہوا وہاں ہجرت کر کے چلے گئے اور اس وقت ہجرت مدینہ کے جانب منتقل ہونے کے لیے خاص تھی یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا تو یہ اختصاص بھی ختم ہو گیا اور دار کفر سے منتقل ہونے کا عموم ان لوگوں کے لیے باقی رہا جو اس کی قدرت رکھتے ہوں۔

(2) رجال من التاریخ از شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ ص ۱۵۔

کہ انہیں مدینہ کی جانب ان کے نکل جانے کی خبر لگ چکی تھی لہذا انہوں نے ان پر دائرہ تنگ کیا اور انہیں اس قدر برا بھلا کہا اور پریشان کیا جس طرح پہلے نہیں کیا کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھیوں نے آپ سے اس کی شکایت کی اور آپ سے ہجرت کی اجازت طلب کی[1]۔

تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہارے ہجرت کی جگہ کو دکھا دیا گیا ہے وہ کھجوروں والی جگہ ہے دو پہاڑوں کے درمیان دو کالے پتھروں کے درمیان[2]، پھر آپ ﷺ کچھ دنوں تک ٹھہرے رہے پھر خوشی خوشی اپنے صحابہ کے پاس آئے اور فرمایا: مجھے تمہارے ہجرت کی جگہ سے متعلق خبر دی گئی ہے چنانچہ جو اس کی جانب جانا چاہے وہ وہاں کے لئے نکل جائے[3]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو موسی اشعری کے واسطے سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی جانب ہجرت کر رہا ہوں جہاں پر کھجور کے باغات ہیں میرا گمان یہ ہوا کہ وہ یمامہ یا ہجر کی سرزمین ہوگی مگر وہ مدینہ یعنی یثرب تھی[4]۔

اور شیخان نے ہی اپنی صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک ایسی بستی کی جانب جانے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ تمام بستیوں کو کھا جائے گی[5] لوگ اسے یثرب[1] کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے وہ لوگوں کو اسی طرح سے چھانٹ کر کے الگ کرے گی جس طرح سے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے[2]۔

([1]) الطبقات الکبری از ابن سعد (۱۰۸/۱)۔

([2]) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ھجرۃ النبي صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر ۳۹۰۵۔

([3]) ابن سعد نے اس حدیث کو اپنی طبقات (۱۰۹/۱) میں تخریج کیا ہے۔

([4]) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ، حدیث نمبر (۳۶۲۲) اور صحیح مسلم، کتاب الرؤیا باب رؤیا النبي ﷺ حدیث نمبر (۲۲۷۲)۔

([5]) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۷۲/۴) میں کہا ہے کہ یعنی وہ اس پر غالب آجائے گی اور کھانے کے ذریعے غلبہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ کھانے والا کھائی جانے والی چیز پر غالب ہوتا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت دی اور یہ کہا کہ جا کر اپنے انصار بھائیوں سے مل جائیں اور ان سے کہا کہ اللہ رب العالمین نے تمہارے لئے کچھ بھائی بنائے ہیں اور تمہارے لئے ایک گھر بنایا ہے جہاں پہ تم امن کے ساتھ رہو گے [3] لہذا لوگ جماعت در جماعت چھپے ہوئے پیدل یا سوار ہو کر نکل گئے۔

اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں ٹھہر کر اللہ رب العالمین کی اجازت کا انتظار کرنے لگے کہ انہیں مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا جائے۔

● مہاجرین حبشہ کا مدینہ کی جانب ہجرت کرنا :

اور جب حبشہ میں مسلمانوں نے اپنے بھائیوں کے مدینہ کی جانب ہجرت کے بارے میں سنا تو ان میں سے ۳۳ مرد میں اور ۸ عورتیں واپس آ گئیں ان میں سے دو لوگ مکہ میں فوت ہو گئے اور سات لوگ مکہ میں قید کر لئے گئے جن میں سے ہشام بن عاص بن وائل اور سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بھی تھے، اور باقی لوگوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور جعفر بن ابی طالب اور حاطب بن حارث اور معمر بن عبداللہ العدوی رضی اللہ عنہم اسی طرح گنتی کے چند قریشی مہاجرین اور اللہ کے رسول

اور ابن بطال کہتے ہیں جیسا کہ ان سے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۷۲/۴) میں نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے لوگ دوسری بستیوں کو فتح کریں گے اور ان کے مال کو کھائیں گے اور ان کے بچوں کو قید کریں گے کہتے ہیں اور یہ بہت ہی فصاحت سے بھرا کلام ہے عرب کے لوگ کہتے ہیں ہم نے فلاں شہر کو کھالیا جب وہ اس کے اوپر غالب آ جائیں۔

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۵۷۲/۴) میں کہتے ہیں یعنی بعض منافق اسے یثرب کا نام دیتے ہیں جبکہ اس کے لیے مناسب نام مدینہ ہے اور بعض علماء نے اس سے مدینہ کو یثرب نام دینے کی کراہت کو سمجھا ہے اور کہا ہے قران کریم میں اسورہ احزاب کی ایت نمبر ۱۳ میں اللہ تعالی کے فرمان: ﴿وَإِذْ قَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَٱرْجِعُواْ ۚ وَيَسْتَـْٔذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ ٱلنَّبِىَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِىَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا﴾ میں جو واقع ہے وہ غیر مومنوں کے قول کی حکایت کے طور پر ہے۔

([2]) صحیح بخاری کتاب فضائل المدینۃ، باب فضل المدینۃ وأنھا تنفي الناس، حدیث نمبر (۱۸۷۱) اور صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفي شرارھا، حدیث نمبر (۱۳۸۲)۔

([3]) سیرت ابن ہشام (۱۳۸۲)۔

ﷺ کے درمیان نجاشی اور ان کے باغیوں کے ساتھ پیش آنے والی جنگ حائل ہو گئی اور وہیں حبشہ کی سرزمین پر ہی رہ گئے پھر وہ آپ ﷺ کے پاس خیبر والے سال سنہ ۷ ہجری میں آئے جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ [1]۔

● سب سے پہلے ہجرت کرنے والے:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے پاس اللہ کے نبی کے اصحاب میں سے جو آئے وہ مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے وہ ہمیں قرآن سکھایا کرتے تھے پھر عمار، بلال، سعد اور پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیس لوگوں کے ساتھ آئے پھر نبی ﷺ تشریف لائے [2]۔

اور ابن اسحاق اور ابن سعد کہتے ہیں اور موسی بن عقبہ نے بھی اپنے مغازی میں اسی کو جزم کے ساتھ کہا ہے کہ سب سے پہلے مدینہ کی طرف قریش کے ہجرت کرنے والے ابو سلمہ بن عبدالاسد بنو مخزوم میں سے تھے جن کا نام عبداللہ تھا وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال پہلے آئے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے پاس حبشہ کی سرزمین سے مکہ آئے تھے چنانچہ جب انہیں قریش نے تکلیف دی اور انہیں انصار سے مسلمان ہونے والوں کی خبر پہونچی تو وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے [3]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: بخاری کی حدیث اور المغازی اور سیر کی حدیث کے درمیان جمع کرنا اس طرح سے ممکن ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ صفت پر محمول کیا جائے، وہ اس طرح کہ ابو سلمہ مشرکوں سے فرار ہو کر مدینہ آئے تھے نہ کہ اقامت کے لئے آئے تھے مصعب بن

---

(1) دلائل نبوت از بیہقی (۴۵۹/۲)، سیرت ابن ہشام (۴۰۴/۱)۔

(2) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ ﴿سبح اسم ربک الأعلی﴾ حدیث نمبر (۴۹۴۱)، کتاب المناقب، باب مقدم النبي صلى الله عليه وسلم و أصحابه المدينة، حدیث نمبر (۳۹۲۴) اور (۳۹۲۵)۔

(3) سیرت ابن ہشام (۸۲/۲)، الطبقات الکبری از ابن سعد (۱۲۸/۳) شرح المواہب (۹۰/۲)، فتح الباری (۶۷۷/۷)۔

عمیر کے برخلاف کہ وہ مدینہ میں رہنے کے لئے آئے تھے اور لوگوں کو کو نبی پاک ﷺ کے حکم سے اسلام کی تعلیم دینا چاہتے تھے تو ہر ایک کو کسی خاص وجہ سے اولیت حاصل ہے [1]۔

مہاجروں کو درپیش مشکلات:

مسلمانوں کا مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا اتنا آسان نہیں تھا کہ قریش ان کے بارے میں سنیں اور انہیں اس سے خوشی ہوتی رہی ہو، بلکہ وہ مکہ سے مدینہ کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ ڈالتے تھے اور وہ مہاجرین کو ہر طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کرتے تھے اور مہاجرین بھی اپنے اس پلان سے پیچھے ہٹنے والے نہ تھے اور نہ ہی انہیں مکہ میں رہنا پسند تھا وہ جانتے تھے کہ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی مصلحتوں کو قربان کر دیں، اپنے مال اور دولت کو قربان کر دیں اور صرف اپنی جان کو بچا کر نکل جائیں ان کو یہ بھی پتہ تھا کہ ان کے مال اور دولت سب لٹ جائیں گے اور وہ راستے کی شروعات یا آخر میں ہلاک ہو جائیں گے، یہ بھی جانتے تھے کہ وہ ہجرت کرنا مبہم مستقبل کی جانب جانا ہے، کسی کو یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کب ان پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات پائے گا [2]۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی آزمائش:

ام سلمہ کا نام ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ تھا ان کے شوہر ابو سلمہ عبد اللہ نے اسد تھے جو اللہ کے رسول کے رضاعی بھائی تھے، اور ان کی والدہ برہ بنت عبد المطلب تھیں یعنی وہ نبی ص ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے وہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے، ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال غزوہ احد

([1]) فتح الباری (۷/۶۷۷)۔

([2]) سیرت نبوی از ابو الحسن ندوی رحمہ اللہ ص (۱۶۱)، اور الرحیق المختوم ص (۱۵۵)۔

کے بعد ہوا انتقال ہوا، ان کی وفات کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور وہ مومنوں کی ماں قرار پائیں۔

یہ پہلی خاتون ن تھیں جنہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی، امام ترمذی نے اپنی جامع میں مجاہد کے حوالے سے صحیح سند کے ساتھ تخریج کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلی عورت ہیں جو مدینہ ہجرت کر کے آئی تھیں[1]۔

رہی بات ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے آزمائش کی تو ابن اسحاق نے اسے اپنی سیرت میں بسند حسن نقل کیا ہے آیئے ہم ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حوالے سے ان کی اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ ہجرت کے قصے کو سماعت کرتے ہیں ام سلمہ کہتی ہیں کہ: جب ابو سلمہ نے مدینہ نکلنے کے لئے پختہ عزم کر لیا تو انہوں نے اپنے اونٹ کو میرے لئے تیار کیا، پھر مجھے اس پر سوار کیا اور میرے ساتھ میری گود میں میرے بیٹے سلمہ بن ابی سلمہ کو بھی سوار کیا پھر مجھے لے کر میرے اونٹ کو کھینچتے ہوئے اس کے آگے آگے چلنے لگے، جب بنو مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے لوگوں نے انہیں دیکھا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا: اپنے بارے میں تم ہم پر غالب آگئے لیکن تمہاری بیوی کو ہم نہیں جانے دیں گے ہم تمہیں اس کو لے کر یہاں وہاں کیسے بھٹکنے دے سکتے ہیں؟ وہ کہتی ہیں: ان لوگوں نے ان کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل کو چھین لیا اور مجھے مجھے ان سے پھیر لے گئے، وہ کہتی ہیں کہ پھر ابو سلمہ کی جماعت سے بنو عبدالاسد کے لوگ غصہ ہوئے، انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم ہم اپنے بیٹے کو اس کے پاس نہیں چھوڑیں گے، اگر تم اس کو ہمارے ساتھی سے الگ کر رہے ہو، وہ کہتی

([1])امام ترمذی نے اسے اپنی جامع میں کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ النساء، حدیث نمبر (۳۰۲۲) پر تخریج کیا ہے اور اسے امام ابن الاثیر نے جامع الاصول میں حدیث نمبر (۵۶۳) پر نقل کیا ہے امام ترمذی اس اثر کو امام مجاہد سے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں یہ حدیث مرسل ہے۔
اور امام احمد شاکر نے طبری پر اپنی تعلیق کے وقت امام ترمذی کے قول یہ حدیث مرسل ہے پر رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بغیر دلیل کے جزم کیا گیا ہے اور مجاہد نے ام سلمہ کو یقینی طور پر پایا تھا اور ان کے زمانے کے ہی تھے کیونکہ وہ سنہ ۲۱ ہجری میں فوت ہوئے اور ام سلمہ سنہ ۶۰ ہجری کے بعد فوت ہوئی تھیں اس بات پر سب کو یقین ہے چنانچہ ہمارے یہاں اس حدیث کا متصل ہونا اور صحیح ہونا ثابت ہے -اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے-۔

ہیں چنانچہ انہوں نے میرے بیٹے سلمہ کو چھیننا چاہا یہاں تک کہ انہوں نے ان کا ہاتھ چھڑا لیا اور بنو عبدالاسد کے لوگ اسے لے کر چلے گئے، اور مجھے بن مغیرہ نے اپنے پاس روک لیا، پھر میرے شوہر مدینہ کی جانب نکل پڑے وہ کہتی ہیں پھر میرے اور میرے شوہر اور میرے بیٹے کے درمیان جدائی کر دی گئی، وہ کہتی ہیں : میں ہر صبح صبح نکل کر مکہ کی ایک وادی میں بیٹھ کر رویا کرتی تھی یہاں تک کہ شام ہو جاتی، یہ سلسلہ ایک سال یا اس کے قریب مدت تک چلتا رہا، یہاں تک کہ بنو مغیرہ سے میرے چچازاد بھائی کے قبیلے کا ایک آدمی وہاں میں سے گزرا اور اس نے مجھے دیکھا اور اسے مجھ پر ترس آئی تو اس نے بنو مغیرہ سے کہا کہ کیا تمھیں اس بے سہارا عورت پر ترس نہیں آتی تم نے اسے اس کے شوہر اور اس کے بچے سے جدا کر دیا ہے، وہ کہتی ہیں پھر انہوں نے کہا: اگر تم چاہتی ہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ کہتی ہیں کہ : پھر میں نے اپنے اونٹ کو تیار کیا اور پھر اپنے بیٹے کو لے کر اپنے گود میں لے کر سوار ہو کر مدینہ کی جانب اور شوہر کو تلاش کرنے کے لئے نکل پڑی وہ کہتی ہیں: میرے ساتھ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی نہیں تھا، میں نے کہا: جس سے بھی ملاقات ہو گی میں اس کے ہمراہ اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤں گی، جب میں تنعیم[1] کے مقام پر تھی تو میری ملاقات عثمان بن ابو طلحہ سے ہوئی جو بنو عبدالدار کے بھائیوں میں سے تھے انہوں نے مجھ سے کہا: اے ابو امیہ کی بیٹی تم کہاں جا رہی ہو؟

وہ کہتی ہیں : میں نے کہا: میں مدینہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں، انہوں نے کہا: کیا تمہارے تمہارے ساتھ کوئی اور ہے؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم سوائے اللہ کے اور میرے بیٹے کے، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے چنانچہ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور مجھے لے کر میرے ساتھ جلدی جلدی چلنے لگے، اللہ کی قسم میں نے عرب میں کسی بھی آدمی کو اتنا اچھا نہیں دیکھا، جب وہ کہیں پڑاؤ کی جگہ پہنچتے تو اونٹ کو بٹھاتے تو وہ مجھ سے دور

([1]) تنعیم: مکہ سے دو فرسخ کی مسافت پر مکہ میں حدود حرم سے باہر مکہ اور سرف کے مابین ایک جگہ ہے، دیکھیے: معجم البلدان (۱/۴۵۸)۔

ہو جاتے جب میں اونٹ سے اترتی تو وہ میرے اونٹ لو لے جا کر اس کے کجاوے کو نیچے رکھتے اور اسے درخت سے باندھ دیتے پھر وہ مجھ سے دور ہو کر درخت کے پاس جاتے اور وہاں اس کے نیچے لیٹ جاتے، جب چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کے پاس جاتے اسے آگے لاتے اسے تیار کرتے اور مجھ سے دور ہو جاتے اور کہتے سوار ہو جاؤ، چنانچہ جب میں سوار ہوتی اور اونٹ پر مکمل طریقے سے بیٹھ جاتی تو وہ اس کی نکیل کو پکڑتے اور اس کو کھینچتے ہوئے آگے آگے لے کر چلتے یہاں تک کہ ہم کہیں اور جا کر رکتے وہ ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچ گئے جب انہوں نے مدینہ میں قبا کے علاقے میں عمرو بن عوف کی بستی کو دیکھا تو کہا کہ تمہارے شوہر اسی بستی میں ہیں ابو سلمہ وہیں ٹھہرے ہوئے تھے اب تم اللہ کی برکت سے اللہ کا نام لے کر اس بستی میں چلی جاؤ، پھر وہ مکہ واپس ہو گئے۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ کہا کرتی تھیں کہ: میں کسی گھر کو نہیں جانتی جسے اسلام کے بارے میں ابو سلمہ کے خاندان سے زیادہ مصیبت پہنچی ہو، اور میں نے کسی بھی ساتھی کو عثمان بن طلحہ [1] سے زیادہ اچھا نہیں دیکھا[2]۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ کہتے ہیں: ہمارے لئے عثمان کے اس قصے میں غور کرنا چاہیے کہ وہ اس وقت کافر تھے کیونکہ وہ حدیبیہ کے بعد اسلام لائے تھے اور یہ قصہ عرب کے لوگوں کی نفاست اور اچھائی اور جاہلیت میں ان کے فضائل خصوصا مروت اور پاکدامنی اور کمزور کی مدد کے بارے میں میں نے جو ذکر کیا ہے اس پر دلیل ہے، یہ ان کی مروت اور ان کا عربی بلند اخلاق تھا کہ انہوں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ کوئی شریف عورت اکیلے اس بیابان صحرا میں چلے اگرچہ وہ کسی اور دین کی ماننے

([1]) عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے بعد اسلام لائے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے دن انہیں خانہ کعبہ کے چابیاں دی تھیں، دیکھیے: اسد الغابہ (۲۱۱/۳)۔

([2]) ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ازمائش کا قصہ ابن اسحاق نے سیرت (۸۲/۲) میں تخریج کیا ہے اور اسے ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۱۸۳/۳) میں نقل کیا ہے۔

والی ہی کیوں نہ ہو یہ اخلاق آج ہمارے مسلم قوم کے اندر کہاں ہے؟ مسلمانوں اور عرب میں سے اے میری قوم کے لوگوں بیسویں صدی کے ترقی یافتہ اخلاق میں یہ مثال کہاں مل سکتی ہے؟ اس کے برعکس لوگ آزادی کو کچلتے ہیں اور عزتوں سے کھلواڑ کرتے ہیں بلکہ سر راہ لوگوں کی عصمت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں[1]۔

عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی کی ہجرت

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد جو سب سے پہلے مدینہ آئے وہ عامر بن ربیعہ تھے جو بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے ان کے ساتھ ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابو حثمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو سب سے پہلے مدینہ ہجرت کر کے آنے والی خاتون تھیں[2]۔

بنو جحش کی ہجرت:

پھر عبداللہ بن جحش نے ہجرت کی جو بنی امیہ بن عبد شمس کے حلیف تھے، انہوں نے اپنے گھر والوں اور اپنے بھائی ابو احمد عبد بن جحش کو اپنے ساتھ لیا اور ابو احمد اندھے آدمی تھے وہ مکہ کے اوپری اور نچلے حصہ میں بغیر رہنما کے آتے جاتے تھے، وہ شاعر بھی تھے، ان کے پاس فارہہ بنت ابو سفیان بن حرب تھیں اور ان کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن جحش بھی تھے اسی طرح ان کی عورتوں میں سے زینب بنت جحش، حمنہ بنت جحش اور ام حبیبہ بنت جحش نے بھی ہجرت کی جس کی وجہ سے بنو جحش کے گھر کو بند کر دیا گیا، وہاں سے عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبد المطلب اور ابو جہل بن ہشام کا گزر

([1]) دیکھیے: السیرۃ النبویۃ از دکتور محمد أبو شہبہ (۱/۴۶۱)۔

([2]) اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں حدیث نمبر (۶۹۷۸) اور ابن اسحاق نے سیرت (۲/۸۳) میں کی ہے۔
ہم نے تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے کہ ام سلمہ یہ مدینہ ہجرت کرنے والی پہلی خاتون تھیں اور ان دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح سے جمع کیا جا سکتا ہے کہ لیلی اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ آنے والے پہلی خاتون تھیں اور ام سلمہ تنہا آنے والی پہلی خاتون تھیں۔

ہوا وہ مکہ کے اوپری حصے پر جا رہے تھے تو عتبہ بن ربیعہ نے دیکھا کہ ان کے دروازے بند ہیں اور ان کے گھر خالی ہیں تو جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو حسرت بھری آواز میں کہا:

كل دار وإن طالت سلامتها يوما ستدركها النكباء والحوب

پھر عتبہ نے کہا: بنو جحش کا گھر ویران ہو گیا ہے، ابو جہل نے کہا: اور ان کے لئے کوئی رونے والا بھی نہیں ہے، پھر اس نے عباس سے کہا: یہ تمہارے بھتیجے کی کرامت ہے اس نے ہی ہماری جماعت کو منتشر کر دیا، ہمارے معاملے کو علیحدہ کر دیا اور ہمارے درمیان تعلقات کو ختم کر دیا ہے[1]۔

شیخ محمد غزالی کہتے ہیں: ابو جہل کی اس بات سے مکمل سرکش لوگوں کی طبیعت ظاہر ہو رہی ہے، کیونکہ وہ خود جو کرتے تھے اس کے الزام کو کسی اور کا سر ڈال دیتے تھے اور کمزوروں پر ظلم کرتے تھے اور اگر وہ صبر سے انکار کریں تو ان کا انکار مسائل کا سبب اور بدامنی کا باعث تصور کیا جاتا[2]۔

مصعب، ابن ام مکتوم، بلال، سعد اور عمار رضی اللہ عنہم کی ہجرت:

پھر صحابہ کرام نے جماعت در جماعت یکے بعد دیگرے ہجرت کرنا شروع کیا، چنانچہ مصعب بن عمیر، عمرو بن ام مکتوم نے ہجرت کی، یہ دونوں انصار کو قرآن پڑھایا کرتے تھے اور بلال بن رباح اور سعد بن ابی وقاص نے بھی ہجرت کی۔

([1]) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۲/۸۳-۸۴)، البدایہ والنہایہ (۳/۱۸۴)۔

([2]) دیکھیے: فقہ السیرۃ (۱۵۶) از شیخ محمد غزالی۔

امام بخاری اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں براء بن عازب[1] کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے پاس نبی ﷺ کے صحابہ میں ہجرت کر کے مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم آئے جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے پھر عمار اور بلال اور سعد[2] بھی آئے۔

میں کہتا ہوں: موسی بن عقبہ کا گمان ہے زہری کے واسطے سے کہ سعد بن ابی وقاص نے اللہ کے رسول ﷺ کے بعد ہجرت کی اور صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے پہلے ہجرت کی جیسا کہ صحیح بخاری[3] کے اندر موجود ہے۔

عمر بن خطاب اور عیاش بن ابی ربیعہ کا مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہجرت کرنا:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:... پھر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نبی ﷺ کے ۲۰ صحابہ کے ساتھ آئے[4]۔

([1]) یہ براابن عازب اوسی انصاری ہیں یہ اور ان کے والد دونوں صحابی تھے انہیں اللہ کے رسول ﷺ نے بدر کے دن کم عمر ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا تھا چنانچہ امام بخاری نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر پر براابن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے اور ابن عمر کو بدر والے دن کمسنی کی وجہ سے واپس کر دیا گیا تھا اور انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ۱۴ غزوے کیے تھے اور انہوں نے ہی سنہ ۲۴ ہجری میں رے نامی شہر کو فتح کیا تھا، دیکھیے: الاصابہ (۴۱۱/۱)۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبي و أصحابه المدينة، حدیث نمبر (۳۹۲۴)، (۳۹۲۵) پر اور انہوں نے ہی کتاب التفسیر، باب سورہ "سبح اسم ربک الأعلی" میں حدیث نمبر (۴۹۴۱) پر اور امام احمد نے اس سے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۸۵۱۲) پر تخریج کیا ہے۔

([3]) دیکھیے: البدایہ والنہایہ (۱۸۷/۳)۔

([4]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبي و أصحابه المدينة، حدیث نمبر (۳۹۲۵) اور کتاب التفسیر باب سورۃ "سبح اسم ربک الاعلی" حدیث نمبر (۴۹۴۱) میں اور امام احمد نے مسند میں حدیث نمبر (۱۸۵۱۲) پر کی ہے۔

ابن اسحاق نے ان میں سے درج ذیل لوگوں کے نام بیان کئے ہیں: زید میں خطاب، سعید بن زید، عمرو بن سراقہ، اور ان کے بھائی عبداللہ اور واقد بن عبداللہ اور خالد اور ایاس اور عامر اور عاقل بنو بکیر اور خنیس بن حذافہ جو کہ حفصہ بنت عمر بن خطاب کے شوہر تھے اور عیاش بن ابی ربیعہ اور خولی بن ابی خولی اور مالک بن ابی خولی، اور یہ سبھی عمر بن خطاب کے رشتے دار اور ان کے حلیفوں میں سے تھے[1]۔

اور ابن اسحاق نے ان تیرہ لوگوں کے علاوہ کسی کا نام نہیں ذکر کیا ہے۔

اور حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے: شاید بیس میں سے ان کے علاوہ دیگر لوگ ان کے پیروکاروں میں سے رہے ہوں[2]۔

اور ابن اسحاق نے بسند صحیح عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب ہم مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر رہے تھے تو میں اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن العاص بن وائل السہمی سب نے تناضب نامی جگہ ملنے کا وعدہ کیا جو سرف[3] کے اوپری حصہ میں بنو غفار کے قریب پانی جمع ہونے کی جگہ تھی، ہم نے کہا: جو وہاں نہ پہنچے تو گویا وہ روک دیا گیا ہے چنانچہ باقی دونوں چلے جائیں جب میں اور عیاش بن ربیعہ تناضب کے پاس پہنچے تو ہشام کو ہم سے روک دیا گیا اور اسے لالچ دی گئی تو وہ لالچ میں آ گئے[4]۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے ہجرت کے سلسلے میں یہی خبر صحیح ہے اس میں جو مشہور اور ضعیف خبر ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کو اعلانیہ طور پر

([1]) دیکھیے سیرت ابن ہشام (۹۰/۲) دلائل نبوت (۴۶۰/۲) از امام بیہقی۔

([2]) دیکھیے فتح الباری (۶۷۷/۷)۔

([3]) سرف: را کے زیر کے ساتھ مکہ سے دس میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے اور اسی مقام پر ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہ کی قبر بھی ہے، دیکھیے: النہایہ (۳۲۶/۲)۔

([4]) اس کی تخریج ابن اسحاق نے سیرت (۸۸/۲) میں کی ہے اور اسے حافظ ابن حجر نے الاصابہ (۴۲۳/۶) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

انجام دیا تھا اس کی مخالفت ہے جس میں ہے کہ انہوں نے مشرکوں سے کہا تھا کہ جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اسے گم پائے اور اس کا بیٹا یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی بیوہ ہو جائے تو وہ مجھے اس وادی کے پیچھے ملے۔۔۔ مکمل قصے پر مشتمل روایت[1]۔

میں کہتا ہوں: جو اس خبر کے ضعیف ہونے کی تاکید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی قوت اور شجاعت کے باوجود بھی اکیلے پورے قریش سے قتال کرنے کی طاقت نہ رکھتے، اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈرے ہوئے اپنے گھر میں تھے[2] اس وقت ان کے پاس عاص بن وائل سہمی آیا جو کہ جاہلیت میں ہمارے حلیفوں میں سے تھے، انہوں نے ان سے کہا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: تمہارے قوم کے لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اگر میں اسلام لے آیا تو وہ مجھ سے قتال کریں گے، انہوں نے کہا کہ وہ تمہارے پاس ہرگز نہیں پہونچ سکتے، پھر عاص وہاں سے نکل گئے اور دیکھا کہ لوگ اتنی کثیر تعداد میں باہر ہیں کہ جن سے وادی بھری ہوئی ہے، انہوں نے لوگوں سے کہا: تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم خطاب کے بیٹے کے پاس جا رہے ہیں جو کہ بد دین ہو گیا ہے، انہوں نے کہا: کہ میں اس کو پناہ دینے والا ہوں، ان کے پاس نہیں جا سکتے لہٰذا لوگ بکھر گئے[3]۔

اور قریش کے لوگ جب بھی کسی کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ ہجرت کرنے والا ہے وہ اسے تکلیف پہنچاتے تھے اور اس کو روکنے کی کوشش کرتے تھے یا اسے لالچ دیتے تھے اسی لیے کوئی بھی علانیہ طور پر ہجرت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا سبھی چھپ کر نکلتے تھے۔

([1]) اس خبر کی تخریج ابن الاثیر نے اسد الغابہ (۳/۳۲۴) میں کی ہے اور اس کی سند میں تین مجہول راوی ہیں اور اس قصے کو امام البانی نے اپنی کتاب دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ ص ۲۱ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

([2]) یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔

([3]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عمر کے قبول اسلام کے قصے میں کتاب مناقب الأنصار باب اسلام عمر بن الخطاب حدیث نمبر (۳۸۶۴) پر کی ہے۔

عیاش رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ ابو جہل کا قصہ :

جب لوگ مدینہ آ گئے تو ابو جہل بن ہشام اپنے بھائی حارث [1] کے ساتھ عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کی جانب نکلا جو کہ ان دونوں کے چچا کے بیٹے تھے اور ان کے ماں شریک بھائی تھے یہاں تک کہ وہ دونوں مدینہ پہنچ گئے اور اللہ کے رسول ﷺ ابھی تک مکہ میں ہی تھے ابو جہل نے عیاش رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور ان سے کہا تمہاری ماں نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ جب تک تمہیں نہ دیکھے گی سر میں کنگھی نہ کرے گی اور اس وقت تک سایہ نہیں حاصل کرے گی جب تک کہ تمہیں دیکھ نہ لے اس وجہ سے ان کا دل ان کے لیے نرم ہو گیا، ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اے عیاش یہ صرف تمہیں آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہے، تمہارے دین کے سلسلے میں تو ان سے خبردار رہو اللہ کی قسم اگر تمہاری والدہ کو جوں نے تنگ کیا تو وہ ضرور کنگھی کریں گی اور جب ان پر مکہ کی گرمی بڑھے گی تو وہ ضرور سائے میں آئیں گی اس پر عیاش نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: اللہ کی قسم میں اپنی ماں کی قسم کو پورا کروں گا اور میرا وہاں پہ کچھ مال ہے اسے بھی لے لوں گا، عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال والا ہوں میرا آدھا مال تمہارا ہے تم ان دونوں کے ساتھ مت جاؤ لیکن پھر بھی انہوں نے عمر کی بات نہ مانی اور وہ نکل گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان سے کہا: جب تم نے یہ کام کر ہی دیا ہے تو میری یہ اونٹنی لے لو کیونکہ یہ بہت ہی اچھی اونٹنی ہے اس پر سوار ہو جاؤ اور اگر تمہاری قوم کے لوگوں سے تمہیں کچھ خدشہ ہو تو تم اس پر بیٹھ کر راہ نجات حاصل کرنا۔

لہذا وہ اس پر بیٹھ کر ان دونوں کے ساتھ نکل گئے جب وہ آدھے راستے میں تھے تو ابو جہل نے کہا: اے میرے بھتیجے اللہ کی قسم یہ میرا اونٹ بہت ہی سخت ہے کیا تم مجھے اس اپنے اونٹ پر بیٹھنے کا موقع دو گے ؟

---

(1) حارث ابن ہشام ابو جہل کے بھائی ہیں انہوں نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

عیاش نے کہا: ہاں کیوں نہیں، لہذا انہوں نے اپنے اونٹ کو بٹھائیں اور ان دونوں نے بھی اپنے اونٹ بٹھائیں تاکہ وہ اپنی سواری سے اس پر سوار ہو جائیں، جب سارے لوگ زمین پر ہو گئے تو ان دونوں نے ان پر زیادتی کی ان دونوں نے انہیں باندھ دیا اور اور انہیں لے کر گئے اور انہیں کافی آزمائش میں ڈالا تو اس آزمائش کی وجہ سے وہ لالچ میں آ گئے وہ دونوں انہیں باندھا ہوا دن کے وقت مکہ میں لے گئے دونوں کہہ رہے تھے اے مکہ والوں اسی طرح سے تم اپنے بیوقوفوں کے ساتھ کرو جیسا کہ ہم نے اپنے اس بے وقوف کے ساتھ کیا ہے[1]۔

ابن اسحاق نے بسند حسن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تو ہم کہتے تھے کہ اللہ رب العالمین اس شخص سے کوئی توبہ یا فدیہ قبول نہ کرے گا جنہوں نے اللہ رب العالمین کو پہچانا پھر وہ کسی آزمائش کے سبب کفر کی جانب لوٹ گئے، وہ لوگ یہ چیز اپنے آپ کے بارے میں کہا کرتے تھے پھر جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ آئے تو اللہ رب العالمین نے ان کے بارے میں اور ہمارے اس قول کے بارے میں اور ان کے اپنے آپ سے کہنے کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:((قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (53) وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (54) وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ))[الزمر: ۵۳-۵۵]۔

اسے عمر رضی اللہ ہو تعالی عنہ نے اپنے ہاتھ سے صحیفے میں لکھا اور اس کو ہشام بن عاص کے پاس بھیجا ہشام کہتے ہیں کہ جب وہ صحیفہ میرے پاس آیا تو میں اس کو ذی طوی[2] نامی مقام پر پڑھنے لگا میں نے اسے اوپر سے نیچے تک پڑھا لیکن میں اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا، یہاں تک کہ میں نے

([1]) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۸۸/۲)۔

([2]) ذی طوی: طاء کے پیش اور واؤ کے زبر کے ساتھ مکہ کے نچلے حصے میں ایک جگہ کا نام ہے، دیکھیے: النہایہ (۱۳۳/۳)۔

کہا کہ :اے اللہ تو ہی اسے مجھے سمجھا، وہ کہتے ہیں : پھر اللہ رب العالمین نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ آیات ہمارے ہی بارے میں اور جو ہم اپنے سلسلے میں کہا کرتے تھے اس کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور میں اپنے اونٹ کے پاس لوٹا اور میں اس پر سوار ہوا پھر میں اللہ کے رسول ﷺ سے مدینہ میں جا کر مل گیا[1]۔

عیاش رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی دعا:

اللہ کے رسول ﷺ عیاش بن ابی ربیعہ اور مومنوں میں سے دیگر کمزور لوگوں کے لئے دعا کیا کرتے تھے شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے جب آپ نماز فجر میں قراءت سے فارغ ہوتے تھے اور تکبیر کہہ کر جب رکوع سے سر اٹھاتے اور "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد" کہتے اس کے بعد کھڑے ہو کر کہتے: اے اللہ تو ولید بن ولید[2] کو تو نجات دے، سلمہ بن ہشام[3] اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور اہل ایمان کو نجات عطا کر[4]۔

([1]) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۸۹/۲)۔

([2]) یہ ولید بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے یہ ان لوگوں میں سے تھے جو مشرکوں کے ساتھ بدر میں شریک تھے انہیں قیدی بنایا گیا تھا تو ان کے دو بھائی ہشام اور خالد نے ان کا فدیہ دیا تھا پھر انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی والدہ کے بھائیوں نے انہیں باندھ دیا تو نبی ﷺ قنوت میں ان کے لیے دعا کرتے تھے پھر وہ ان کی قید سے آزاد ہو کر بھاگ آئے اور عمرہ قضا کے وقت نبی ﷺ سے جا ملے، دیکھیے: الاصابہ (۴۸۴/۶)۔

([3]) یہ سلمہ بن ہشام بن مغیرہ ہیں جو ولید کے چچیرے بھائی اور ابو جہل کے بھائی تھے یہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے اور مکہ والوں نے انہیں ہجرت کرنے سے روک رکھا تھا اور انہیں تکلیف دی تھی پھر وہ کافروں کے پاس سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور سنہ ۱۴ ہجری میں یہ معرکہ اجنادین میں شہید کر دیے گئے، دیکھیے: اسد الغابہ (۳۶۲/۲)۔

([4]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب التفسیر، باب لیس لک من الأمر شيء (آل عمران: ۱۲۸) حدیث نمبر ۴۵۶۰ اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب القنوت في جميع الصلاۃ، إذا نزلت بالمؤمنين نازلۃ حدیث نمبر (۶۷۵) پر کی ہے اور اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۷۲۶۰) پر کی ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ اے تو ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ اور وہ کمزور مسلمان جو مشرکین کے ہاتھوں میں پھنس گئے ہیں جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے اور جو ہمارے پاس نہیں آسکتے تو ان کو نجات دے[1]۔

ابو حذیفہ کے غلام سالم مہاجرین کی امامت کرتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب ہجرت کرنے والوں کی پہلی جماعت قباء کے پاس عصبہ نامی جگہ پر ہمارے پاس اللہ کے رسول ص ﷺ کی آمد سے قبل آئی تو ان کی امامت حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم کرایا کرتے تھے اور وہ سب سے زیادہ قرآن پڑھنے اور یاد کرنے والے تھے[2]۔

ایک دوسری روایت میں صحیح بخاری کے اندر ہے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا فرمان ہے کہ سالم ابو حذیفہ کے غلام پہلے مہاجر صحابہ کرام کی مسجد قبا میں امامت کیا کرتے تھے ان لوگوں میں ابو بکر، عمر، ابو سلمہ اور زید اور عامر بن ربیعہ بھی شامل تھے[3]۔

حافظ کہتے ہیں کہ: ان کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر اشکال کا سبب ہے کیونکہ حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ یہ نبی ﷺ کی آمد سے پہلے کا قصہ ہے جب کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی ہجرت کی تھی اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سالم نبی کریم ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد تک لوگوں کی امامت کراتے رہے تھے جب کہ آپ ﷺ مدینہ میں اپنی مسجد کے تعمیر سے پہلے ابو ایوب رضی اللہ تعالی

([1])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۹۲۸۵) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب الأذان، باب إمامة العبد والمولی، حدیث نمبر (۶۹۲) پر کی ہے۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب الأحکام، باب استقضاء المولی واستعالھم، حدیث نمبر (۷۱۷۵) پر کی ہے۔

عنہ کے گھر میں قیام کیے ہوئے تھے تو ہو سکتا ہے کہ وہ جب بھی قباء آتے تھے تو ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے[1]۔

میں کہتا ہوں: اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کہتے ہوئے سچ ہی کہا ہے کہ: ((اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو بلندی دیتا ہے اور کچھ لوگوں کو پست کر دیتا ہے))[2]۔

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم کے بارے میں مختصر جانکاری:

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام کا نام سالم بن معقل تھا یہ اہل فارس میں سے تھے ان کا تعلق اصطخر سے تھا یہ بہت ہی اچھے غلاموں میں سے تھے اور ان کا شمار بڑے اور اچھے صحابہ میں بھی ہوتا ہے اور وہ مہاجرین میں سے شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ انہیں ان کی مالکن ابو حذیفہ کی بیوی نے آزاد کیا تھا اور پھر ابو حذیفہ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور وہ ان کی جانب منسوب کئے جانے لگے اسی لئے مہاجرین میں ان کا بھی شمار ہوا، یہ قبا کے مقام پر مہاجرین کی امامت کیا کرتے تھے اللہ ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل[3]۔

انصاری مہاجرین:

انصار کے کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے عقبہ کے مقام پر دوسری مرتبہ بیعت کی تھی اور وہ مدینہ آ گئے تھے پھر جب قبا کے مقام پر پہلے مہاجر آئے تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مکہ چلے گئے اور وہ نبی ﷺ کے صحابہ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے یہی انصار میں سے مہاجر لوگ

([1]) دیکھیے فتح الباری (۴۱۶/۲)، (۷۳/۱۵)۔

([2]) اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ حدیث نمبر (۸۱۷) پر کی ہے۔

([3]) دیکھیے: الاصابہ (۱۱/۳) الاستیعاب (۱۳۵/۲)۔

ہیں ان کے نام یہ ہیں: ذکوان بن عبد قیس، عقبہ بن وہب بن کلدہ، عباس بن عبادہ بن نضلہ اور زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم[1]۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انصاریوں میں سے بھی ہجرت کرنے والے لوگ تھے کیونکہ مدینہ شرک کا گہوارا تھا اور وہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس عقبہ کی رات آئے تھے۔

امام نسائی نے اپنی سنن کبری بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب مکہ میں تھے پر بھی ابو بکر و عمر اور نبی پاک ﷺ کے دیگر اصحاب مہاجرین میں سے تھے کیونکہ انہوں نے وہاں مشرکین سے کنارہ کشی اختیار کی تھی اور انصار میں سے بھی ہجرت کرنے والے تھے کیوں کہ مدینہ دار شرک تھا اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس عقبہ کی رات پہنچے تھے[2]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لئے ہجرت کے حکم کا انتظار کرنا:

اسی طرح بیعت عقبہ ثانیہ پر دو یا اس سے زیادہ مہینے نہیں گذرے تھے کہ مکہ میں نبی پاک ﷺ ابو بکر اور علی یا کمزور بیمار قیدی یا آزمائش میں مبتلا کئے گئے شخص علاوہ کوئی مسلمان نہ بچا تھا[3]۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے ہجرت کے سلسلے میں بہت زیادہ اجازت طلب کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ان سے کہتے تھے تم جلدی نہ کرو ہو سکتا اللہ رب

([1]) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۲/۷۳-۷۹) الطبقات الکبری از ابن سعد (۱/۱۰۹)۔

([2]) اس کے تخریج امام نسائی نے السنن الکبری میں کتاب البیعۃ باب تفسیر الھجرۃ حدیث نمبر (۷۷۴۱) پر کی ہے اور اسے ابن الاثیر نے جامع الاصول میں حدیث نمبر (۹۲۱۱) پر نقل کیا ہے۔

([3]) دیکھیے: الطبقات الکبری از ابن سعد (۱/۱۰۹) سیرت ابن ہشام (۲/۹۳) دلائل نبوت از امام بیہقی (۲/۴۶۴)۔

العالمین تمہارے لیے کوئی ساتھی مہیا کر دیں پھر ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ ہی آپ کے ساتھی ہوں[1]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے ہجرت کی لمبی حدیث میں.... پھر ہجرت کرنے والوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی، اور جن لوگوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی ان میں سے بیشتر لوگ مدینہ واپس آ گئے اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے مدینہ کی جانب ہجرت کے لئے تیاری کی تو آپ ﷺ نے ان سے کہا ذرا صبر سے کام لو مجھے امید ہے کہ اللہ رب العالمین مجھے بھی اجازت دے دیں گے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول میرے والد آپ پر قربان ہوں کیا آپ کو یہ امید ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تو ابو بکر نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تاکہ انہیں آپ ﷺ کی صحبت نصیب ہو سکے، انہوں نے اپنے دونوں سواریوں کو کیلے کے درخت کا چارہ کھلانا شروع کیا چار ماہ تک انہوں نے ایسا ہی کیا[2]۔

● قریش کا دار الندوہ میں اجتماع اور ان کا نبی پاک ﷺ کے قتل کا ارادہ کرنا:

جب قریش کے لوگوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی لشکر بڑی ہو گئی ہے اور آپ کے دوسرے شہروں میں بھی ساتھی اور مددگار ہو گئے ہیں اور وہ دیکھ رہے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھی اپنے گھر والوں اور مال و دولت کو لے کر ہجرت کر رہے ہیں تو انہیں یہ محسوس ہوا کہ یہ کسی جگہ جا رہے ہیں اور وہاں کے لوگوں سے انہیں مدد مل گئی ہے کیوں کہ انصار کے لوگ اسلحوں اور جنگ والے لوگ تھے تو انہوں نے معاملے کو بہت ہی خطرناک تصور کیا اور انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کی جانب نہ نکل جائیں کیونکہ اگر وہاں نکل گئے تو وہ ان کے ساتھ ان سے جنگ کرنے آئیں گے لہذا وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے اور دار الندوہ

([1]) دیکھیے سیرت ابن ہشام (۹۴/۲) طبقات کبری از ابن سعد (۱۰۹/۱)۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب مناقب الأنصار، باب ھجرۃ النبي وأصحابہ إلی المدینۃ، حدیث نمبر (۳۹۰۵) پر کی ہے۔

قصی بن کلاب کا گھر تھا جس میں جمع ہو کر قریش کے لوگ اپنے فیصلے وغیرہ کیا کرتے تھے، اس میں وہ وہ اللہ کے رسول کے معاملے میں کیا کرنا ہے اس بارے میں مشورہ کر رہے تھے جس دن کا انہوں نے وعدہ کیا اس دن کا نام یوم الزحمہ دیا گیا جو کہ جمعرات کے دن بعثت کے چودہویں سال ماہ صفر کی ۲۶ ویں تاریخ کو واقع ہوا یعنی بیعت عقبہ ثانیہ کے تین ماہ بعد اور اس اجتماع سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا تمام اہل رائے اور عقل وہاں موجود تھے، جو کہ حسب ذیل تھے:

۱- بنو مخزوم سے ابو جہل بن ہشام [1]۔

۲- بنو عبد شمس سے عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ [2]، ابو سفیان ابن حرب [3]۔

۳- بنو نوفل بن عبد مناف سے طعیمہ بن عدی [4] اور جبیر بن مطعم [5] اور حارث ابن عامر۔

۴- اور بنو عبد الدار سے: نضر بن حارث [6]۔

۵- اور بنو اسد بن عبد العزی میں سے ابو البختری بن ہشام [7]، زمعہ بن اسود [8] اور حکیم ابن حزام [9]۔

۶- بنو سہم سے نبیہ اور منبہ بن حجاج [10]۔

۷- بنو جمح میں سے امیہ بن خلف [11] اور ان کے علاوہ قریش کے دیگر لوگ شامل تھے جن کی تعداد کا ممکن نہیں۔

([1]) یہ ملعون غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

([2]) یہ دونوں غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

([3]) انہوں نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور ان کا اسلام اچھا رہا تھا۔

([4]) یہ غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے تھے۔

([5]) یہ اسلام لائے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

([6]) یہ غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

([7]) یہ غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

([8]) یہ غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

([9]) یہ فتح مکہ میں اسلام لائے اور ان کا اسلام اچھا رہا اللہ ان سے راضی ہو۔

([10]) یہ دونوں غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں فوت ہوئے تھے۔

([11]) یہ غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

جب وعدہ کا دن آیا جو کہ ماہ صفر میں بیعت عقبہ ثانیہ کے تین مہینے بعد تھا ابلیس ایک بزرگ شیخ کی صورت میں موٹا کپڑا پہنے ہوئے ان کے سامنے آیا اور اس دار کے دروازے پر کھڑا ہو گیا جب ان لوگوں نے اسے دروازے پر کھڑا دیکھا تو کہا: یہ شیخ کون ہیں؟

کہا: اہل نجد سے ایک بزرگ[1] ہوں، میں نے تمہارے وعدے کے بارے میں سنا تو تمہارے ساتھ حاضر ہو گیا ہوں، دیکھوں آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، شاید میں بھی کوئی رائے دوں اور نصیحت کر سکوں انہوں نے کہا: ہاں، اندر آئیں، تو وہ ان کے ساتھ داخل ہو گیا۔ اللہ تعالی کے اس پر لعنت ہو۔

انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: اس آدمی یعنی اللہ کے رسول ﷺ کا معاملہ جو ہے وہ تو تم دیکھ چکے ہو، اللہ کی قسم ہم اس کے اپنے ہمارے علاوہ ساتھیوں کے ساتھ اپنے اوپر حملہ سے امن میں نہیں ہیں تو تم ہمیں اس کے بارے میں کوئی رائے دو اس بارے میں انہوں نے مشورہ کیا تو ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا جس کا نام ابو البختری بن ہشام تھا اسے تم لوہے سے جکڑ دو اور اس کو بند کمرے میں ڈال دو پھر دیکھو اسے اس کے مثل ان شاعروں کی طرح کیا لاحق ہوتا ہے جو اس سے پہلے تھے جیسے زہیر اور نابغہ اور ان میں سے گذرے ہوئے دیگر لوگ یہاں تک کہ اسے موت آجائے۔

اس پر نجدی شیخ نے کہا جو کہ ابلیس تھا اللہ کی لعنت ہو نہیں اللہ کی قسم یہ تمہاری اچھی رائے نہیں ہے اگر تم اسے باندھو گے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو دروازے سے باہر اس کی بات چلی جائے گی کہ تم نے اسے اپنے ساتھیوں کے پاس جانے سے روک رکھا ہے تو وہ تمہارے اوپر ٹوٹ پڑیں گے اور وہ تمہارے ہاتھ سے انہیں چھوڑا کر لے جائیں گے اور وہ تمہارے خلاف زیادہ ہو جائیں

([1]) امام سہیلی الروض الانف (۳۰۷/۲) میں کہتے ہیں: انہوں نے ان سے کہا تھا کہ میں نجد والوں میں سے ہوں کیونکہ انہوں نے کہا تھا تمہارے ساتھ آج کے دن اہل تہامہ میں سے کوئی بھی شخص مشورے میں داخل نہ ہو کیونکہ ان کے جذبات محمد ﷺ کے ساتھ تھے۔

گے اور تم کو مغلوب کر دیں گے یہ تمہارا فیصلہ درست نہیں ہے لہذا تم اس کے علاوہ کوئی اور بات دیکھو۔

پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم اسے اپنے پاس سے نکال دیں گے اور اپنے شہر سے باہر کر دیں گے جب ہمارے پاس سے نکل جائیں گے تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہو گی کہ وہ کہاں گیا اور کہاں رکا اور ہماری یکتائی پھر واپس آجائے گی اور ہماری محبت پہلے جیسی ہو جائے گی۔

نجدی شیخ نے کہا-اللہ کی اس پر لعنت ہو- نہیں اللہ کی قسم یہ رائے بھی تمہارے لئے اچھا نہیں ہے، کیا تم اس کی اچھی باتوں اور اس کے لوگوں کے دلوں پر غلبے کو نہیں دیکھتے اللہ کی قسم اگر تم ایسا کرو گے تو تمہیں یہ امن نہیں ہو گا کہ یہ کسی عرب کے قبیلے سے مل جائے اور جب لوگ اس کی پیروی کر لیں تو وہ انہیں لے کر تمہارے پاس آئے اور پھر تمہیں تمہارے گھروں میں روند ڈالے، پھر تمہارے معاملات کو تم سے چھین لے اور جو چاہے وہ تمہارے ساتھ کرے تم اس کے علاوہ کوئی اور رائے تلاش کرو۔

پھر مکہ کے سب سے بڑے مجرم ابو جہل بن ہشام نے کہا-اللہ کی اس پر لعنت ہو-اللہ کی قسم اس کے بارے میں میری ایک ہی رائے ہے میں نہیں جانتا کہ تم نے ابھی وہ رائے سوچی بھی ہو گی، لوگوں نے کہا: اے ابو حکم وہ کیا ہے؟

اس نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک طاقتور حسب و نسب والا نوجوان لیں اور ہر نوجوان کو ایک تیز تلوار دے دیں اور وہ سبھی اس پر ٹوٹ پڑیں اور ایک ساتھ اس پر وار کریں اور اسے ختم کر دیں پھر ہم اس سے راحت پا جائیں گے اگر ان لوگوں نے ایسا کیا یا تو اس کا خون

تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور بنو عبد مناف تمام لوگوں سے جنگ نہیں کر سکیں گے اور وہ دیت لینے پر رضامند ہو جائیں گے اور ہم انہیں دیت[1] دے دیں گے۔

اس نجدی شیخ نے کہا: اللہ کی اس پر لعنت ہو یہ تو سب سے بہترین رائے ہے اس کے علاوہ کوئی اور رائے ہو ہی نہیں سکتی[2]، تمام لوگوں نے اس گنہگار اقتراح کو اجماع کے ساتھ قبول کیا اور سارے لوگ اپنے گھروں کی جانب واپس لوٹ گئے اور انہوں نے اس قرار کو فورا نافذ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا[3]۔

اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو مشرکین کی چالوں سے باخبر کر دیا:

اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کو اس پلاننگ کی خبر دے دی، امام احمد نے اپنی مسند میں بسند حسن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ اللہ رب العالمین کے فرمان : ((إِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ)) الانفال: ۳۰ سے متعلق کہتے ہیں: قریش نے ایک رات مکہ میں مشورہ کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ جب صبح ہو جائے تو اسے مضبوطی سے باندھ دو ایسا وہ نبی ﷺ کے بارے میں کہہ رہے تھے اور بعض نے کہا انہیں قتل کر دو اور بعض لوگوں نے کہا: انہیں یہاں

([1]) عقل: دیت کو کہا جاتا ہے اس کا نام عقل اس لیے پڑھا کیونکہ جب پہلے زمانے میں قاتل کسی کو قتل کرتا تھا تو اونٹوں میں سے جو دیت ہوتی تھی اس کو جمع کرتا تھا اور مقتول کے اولیاء کے گھر کے سامنے انہیں باندھتا تھا تاکہ انہیں ان کے حوالے کرے اور عقال اس رسی کو کہا جاتا ہے جس سے اونٹ کو باندھا جاتا تھا تاکہ وہ وہاں سے بھاگ نہ سکے، دیکھیے: النہایۃ (۲۵۲/۳)۔

([2]) میں کہتا ہوں: غور کریں کس طرح سے یہ بدبخت اس طرح خبیث رائے لے کر آیا یہاں تک کہ شیطان بھی اس طرح کوئی بری رائے نہ لا سکا ہم اللہ تعالی سے سلامت تھی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

([3]) دار الندوہ میں اجتماع کے تفصیل دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۹۴/۲)، البدایۃ والنہایۃ (۱۸۹/۳)، الطبقات الکبری از ابن سعد (۱۰۹/۱)، دلائل نبوت از ابو نعیم (۱/ ۲۰۲)، دلائل نبوت از بیہقی (۴۶۷/۲)، الروض الأنف (۳۰۶/۲)، شرح المواہب (۹۴/۲)۔

سے نکال دو تو اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کو اس کی خبر دے دی چنانچہ نبی ﷺ کے بستر پر اس رات علی رضی اللہ عنہ نے رات گزاری[1]۔

اور عروہ بن زبیر اللہ رب العالمین کے فرمان: ویمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین کے بارے میں کہتے ہیں: یعنی کہ پھر میں نے ان کے ساتھ اپنے مضبوط کید سے مکر کیا یہاں تک کہ میں نے ان سے تمہیں نجات دی[2]۔

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: قریش کے سرداروں نے انسانی تاریخ کی سب سے بڑی جرم کو ارتکاب کرنے کرنے پر یہ اتفاق کیا جو کہ اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کرنے سے متعلق تھا۔

ایک ایسا جرم جو اگر مکمل ہو جاتا تو تاریخ میں کبھی دمشق، بغداد، قاہرہ، اور قرطبہ نہ ہوتا اور نہ ہی اور ہدایت یافتہ لوگوں کی حکومت ہوتی اور نہ ہی بنو امیہ کی خلافت ہوتی اور نہ ہی عباسیوں کی حکمرانی ہوتی اور نہ ہی بنو عثمان قسطنطنیہ کو فتح کرتے اور نہ ہی اموی مسجد کی تعمیر ہوتی اور نہ ہی نظامیہ اور حمراء جیسے گہوارہ علم و فن تعمیر کئے جاتے، اور نہ ہی ایسی تہذیب اور ثقافت قائم ہوتی جس سے یورپ کے لوگ صلیبی جنگوں میں شام سے اپنی ثقافت کی روشنی لی اور پھر اس کے بعد سے اور تاریخ اپنا راستہ بدل دیتا، لیکن ہم آج ایسی حالت پر ہیں جس کو اللہ رب العالمین ہی جانتا ہے[3]۔

□□□

([1]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۳۲۵۱) پر کیا ہے اور حافظ نے فتح الباری (۷/۲۴۵) میں اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

([2]) تفسیر ابن کثیر (۴/ ۶۴)۔

([3]) رجال من التاریخ از شیخ علی طنطاوی (ص ۱۵)۔

ہجرت نبوی ﷺ

پھر اللہ رب العالمین نے نبی ﷺ کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت دی، امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم اور ترمذی نے اپنی جامع میں بسند حسن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں تھے پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: ((وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا (80))) [1]

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: تمام مسلمانوں نے ہجرت کی اور مکہ میں نبی ﷺ اور دو آدمی موجود تھے جس میں ایک آپ ﷺ کے ساتھی تھے اور دوسرے مکہ میں آپ کے وکیل تھے دو وہ آدمی تھے جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا اور سب سے آخری میں ہجرت کیے بوڑھوں کے سردار ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ [2] اور نوجوانوں کے سردار علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ۔

اللہ کے رسول ﷺ نے دیر سے ہجرت کی اسی طرح سے جس طرح سے کشتی کی ذمہ دار ڈوب رہی کشتی پر ہوتے ہیں کہ کشتی کے تمام لوگوں کو اتارنے کے بعد ہی وہ اترتے ہیں اور جس طرح سے بکریوں کا امانت دار چرواہا ہلاکت والی جگہ سے اسی وقت نکلتا ہے جب ساری بکریاں وہاں

([1]) اس خبر کو امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر اور حاکم نے مستدرک میں حدیث نمبر اور ترمذی نے اپنی جامع میں حدیث نمبر پر تخریج کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

([2]) اس کی تخریج امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مقدمہ کے اندر باب فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه حدیث نمبر (۱۰۰) پر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۶۹۰۴) پر صحیح سند کے ساتھ ابو جحیفہ کے حوالے سے تخریج کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ابو بکر و عمر جنت کے اندر اولین و اخرین میں سے انبیاء و رسل کے علاوہ ادھیڑ عمر والے لوگوں کے سردار ہوں گے۔
ادھیڑ عمر والے لوگ مردوں میں سے وہ ہوتے ہیں جن کی عمر ۳۰ سے ۴۰ کے درمیان ہو، دیکھیے: النہایہ (۱۸۴/۴)۔

سے نکل جائیں آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو بچانے کے لیے تاخیر کی تاکہ آپ خود اس خطرے کا سامنا کر سکیں۔[1]

اللہ رب العالمین کا اپنے رسول ﷺ کو قریش کے معاملے کی خبر دینا:

اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو مشرکین کی جانب سے آپ کے قتل کے ارادے کی خبر دے دی تھی، ہم نے ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کی بات ہے اللہ رب العالمین نے آپ پر اپنا یہ فرمان نازل کیا: ﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ [الانفال: ۳۰] اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کے بستر پر رات گزاریں۔

جب آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی گئی جبریل علیہ السلام سے آپ نے کہا: میرے ساتھ کون رہے گا؟

انہوں نے کہا: ابو بکر صدیق۔[2]

نبی ﷺ ابو بکر کے پاس کی خبر دینے کے لیے گئے تاکہ آپ کے ساتھ مل کر ہجرت کی تیاری کر سکیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں میں نے اپنے والدین[3] کو کبھی بھی کسی اور دین کی تابعداری کرتے نہیں دیکھا[4] اور ہم پر کوئی ایسا

([1]) رجال من التاریخ از شیخ علی طنطاوی (ص ۱۵)۔

([2]) اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں کتاب الھجرۃ باب ھجرۃ أبي بکر إلی المدینۃ مع جمیع أمواله حدیث نمبر (۴۳۲۵) پر کی ہے اور امام حاکم نے کہا ہے یہ حدیث متن اور سند کے اعتبار سے صحیح ہے مگر اسے شیخین نے تخریج نہیں کیا ہے اور ذہبی نے کہا ہے: یہ صحیح غریب ہے۔

([3]) یعنی: ابو بکر اور ام رومان۔

([4]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۳۸) میں لکھتے ہیں کہ: یعنی دونوں دین اسلام کو ہی مانتے تھے۔

نہیں گزرتا تھا کہ جس میں اللہ کے رسول ﷺ ہمارے یہاں صبح و شام نہ آتے ہوں[1]..... ہم ایک دن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر دوپہر کے وقت[2] بیٹھے ہوئے تھے تو کسی[3] نے ابو بکر صدیق سے کہا: یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں وہ اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے ایسے وقت میں آرہے ہیں جس میں آپ ﷺ ہمارے پاس نہیں آتے تھے ابو بکر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ اس وقت صرف اور صرف کسی خاص کام کے لئے ہی آرہے ہیں، عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ آئے اور اجازت طلب کی تو اجازت دی گئی اور نبی ﷺ اندر آئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چارپائی پر نبی ﷺ کے لئے جگہ بنائی اللہ کے رسول ﷺ اس پر بیٹھ گئے اس وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس میرے اور میری بہن اسماء کے علاوہ کوئی نہ تھا نبی ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: اپنے پاس سے سارے لوگوں کو نکال دو[4]

([1])حافظ ابن حجر فتح الباری(۱۲/۱۲۴)میں لکھتے ہیں کہ: یہاں یہ بات بہت سارے لوگوں پر اشکال کا سبب بنا ہے کہ ابو بکر نبی ﷺ کو اپنے پاس انے کے لیے مجبور کرتے تھے جب کہ یہ ممکن تھا کہ وہی خود نبی ﷺ کے پاس جایا کرتے اور اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس خبر میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ہے کہ ابو بکر اپ ﷺ کے پاس رات اور دن میں دو یا زیادہ مرتبہ نہ اتے رہے ہوں اور اس بات کا احتمال بھی یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ نبی ﷺ جب ابو بکر کے گھر اتے تھے تو وہ مشرکوں کے تکلیف سے بچے رہتے تھے ابو بکر کے خلاف اگر وہ اپ ﷺ کے پاس جاتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابو بکر کا گھر نبی ﷺ اور مسجد کے درمیان تھا چنانچہ اپ ﷺ اپ کے گھر سے گزر جایا کرتے تھے اور مقصد مسجد ہے اپ اس مسجد میں حاضر ہوتے تھے جب بھی وہاں سے گزرتے تھے۔

([2])حافظ ابن حجر فتح الباری(۷/۶۴۳) میں لکھتے ہیں: یعنی زوال کی ابتدا میں اور اس وقت دن سب سے زیادہ گرم ہوتا ہے اور گرمیوں کے دنوں میں اسی وقت لوگ غالب طور پر قیلولہ کرتے ہیں۔

([3])ڈاکٹر محمد ابو شہبہ اپنی کتاب سیرت نبوی(۱/۴۷۳) میں کہتے ہیں: ظاہر یہی ہے کہ وہ اپ کی بیٹی اسماء رضی اللہ تعالی عنہا تھیں۔

([4])میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح اپ ﷺ ہجرت کے معاملے کو چھپانے کا اہتمام کرتے تھے اس ڈر سے کی کہیں اپ کے ہجرت کی خبر لوگوں میں عام نہ ہو جائے اور اس طرح کے ماحول میں بہت ہی زیادہ ہوشیاری درکار ہوتی ہے اور معاملے کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے امام ابن حبان نے روضۃ العقلاء میں صفحہ نمبر(۱۸۷) پر حسن سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تم اپنی حاجات کو پورا کرنے پر پوشیدگی سے مدد لو۔

ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: یہ آپ کی بیوی ہیں[1] میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے ہجرت اور نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کے ساتھ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں آپ میرے ساتھ ہیں۔

عائشہ رضی اللہ تعالی کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا وہ رضی اللہ تعالی رو رہے تھے وہ کہتی ہیں کہ میں یہ نہیں جانتی تھی کہ کوئی خوشی سے بھی رو سکتا ہے یہاں تک کہ میں نے اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خوشی سے روتے ہوئے دیکھا۔[2]

پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس دو اونٹنیاں ہے، میں نے ان دونوں کو نکلنے کے لیے تیار کر لیا آپ میری ان میں سے ایک اونٹنی کو لے لیں، اللہ کے

---

(1) یہ امام بخاری ابن حبان کی انکی صحیحین میں روایت ہے۔

امام سہیلی الروض الانف (۳۱۲/۲) میں کہتے ہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ کا رسول ﷺ سے قول میں یہ کہنا کہ یہ تو اپ کے گھر والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تھا اور اسماء رضی اللہ عنہا اپنی بہن کی شادی کے بعد وہ بھی اپ ﷺ کے گھر والوں میں سے ہو گئیں یا یہ ابو بکر کی جانب سے اپنے گھر والوں کو نبی ﷺ کا اہل خانہ کہنا مراد ہے۔

ابن اسحاق کی سیرت میں (۹۸/۲) موجود ایک روایت میں ہے کہ: ابو بکر نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔

(2) امام سہیلی الروض الانف (۳۱۴/۲) میں کہتے ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اپنے چھوٹے عمر کی وجہ سے کہی تھی اسوقت انکی عمر اٹھ سال تھی انہیں اس سلسلے میں پہلے پتہ نہیں تھا اور شعر انے اس معنی کو اس طرح سے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے طائی نامی شاعر بدلی کی صفت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

دھم إذا وكفت في روضة طفقت　　عيون أزهارها تبكي من الفرح

رسول ﷺ نے کہا کہ قیمت[1] دے کر لوں گا، نبی کریم ﷺ کو انہوں نے ان میں سے ایک دے دیا جس کو "جدعاء"[2] کہا جاتا تھا۔

عبداللہ بن اریقط[3] کو رہنما کے طور پر کرائے پر رکھنا:

اللہ کے رسول ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو جو بنو دیل بن بکر کا آدمی تھا اسے رہنما کے طور پر کرائے پر لیا جو راستے کے بارے میں جانکار تھا وہ اس وقت کفار قریش[4] کے دین پر تھا مگر آپ نے اس کو امانت دار سمجھا سو آپ دونوں نے اپنی سواریوں کو اسے دے دیا اور اور تین رات کے بعد اس سے غار ثور کے پاس اپنی ان دونوں سواریوں کے ساتھ ملنے کو کہا: جنہیں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ہجرت کی خاطر تیار کر رکھا تھا۔[5]

([1])امام سہیلی الروض الانف(۳۱۳/۲) میں کہتے ہیں نبی ﷺ نے یہ شرط لگائی تھی کہ اپ اونٹ کو قیمت کے بدلے لیں گے جبکہ ابو بکر نے اپنا پورا مال اللہ کے رسول ﷺ پر خرچ کر دیا تھا کیونکہ اپ چاہتے تھے کہ اپ کی ہجرت اللہ کی جانب اپ کے نفس اور مال کے ذریعے سے ہو تاکہ اپ ہجرت اور جہاد کی فضیلت کو مکمل طور پر حاصل کریں۔

([2])میں کہتا ہوں ابن سعد نے اپنی طبقات(۱۰۹/۱) میں ذکر کیا ہے کہ جس اونٹنی کو اپ ﷺ نے ابو بکر سے لیا تھا یہ قصواء ہے اور صحیح بات جو صحیح حدیث میں وارد ہے وہ یہ ہے کہ اور وہ جدعاء تھی اور اس کا نام یہ اس لیے پڑھا کیونکہ اس کے کان کٹے ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کان نہیں کٹے ہوئے تھے بلکہ یہ اس کا نام تھا، دیکھیے: النہایہ (۱۰۹/۱)۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي و أصحابه إلى المدينة حدیث نمبر (۳۹۰۵) پر اور کتاب المغازی باب غزوة الرجيع میں حدیث نمبر (۴۰۹۳) پر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب التاریخ باب في هجرته ﷺ إلى المدينة حدیث نمبر (۶۲۷۷)، (۶۸۶۸) میں اور ابن اسحاق نے سیرت (۹۸/۲) میں اسکی تخریج کیا ہے۔

([3])حافظ ابن حجر الاصابہ میں کہتے ہیں عبداللہ بن اریقط نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رہنما تھے جب انہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کر کے نکلے تھے اور وہ اس وقت اپنے قومک ے دین پر تھے اور میں کسی کو نہیں جانتا جس نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہو سوائے ذہبی کے جیسا کہا نہوں نے تجرید میں کیا ہے اور عبدالغنی المقدسی نے اپنی سیرت میں یہ بات جزم کے ساتھ کہی ہے کہ ان کے اسلام لانے کی بابت نہیں جانا جاتا اور امام نووی نے تہذیب الاسماء میں انکی پیروی بھی کی ہے۔

([4])حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ مسلمان شخص کافر کو راستے کی رہنمائی کے لیے اجرت پر رکھ سکتا ہے اگر اسکے سلسلے میں بھروسہ کیا جا سکتا ہو اور دو لوگ بھی کسی ایک شخص کو کسی ایک کام کے لیے کرائے پر رکھ سکتے ہیں۔

([5])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر پر اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر پر کی ہے

ایک عجیب تناقض

قریش کے لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی اور نفرت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت داری سچائی اور بڑ کپن پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے پورے مکہ میں جس کے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کے فوت ہونے کا اسے خدشہ ہوتا تو وہ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے کیونکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی پورا بھروسہ تھا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ان امانتوں میں سے بہت ساری امانتیں اب بھی موجود تھی لہذا آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ مکہ میں رہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طرف سے ان امانتوں کی ادائیگی کر دیں۔

اللہ رب العالمین نے یہ کہتے ہوئے سچ ہی کہا ہے: ﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ [سورۃ الأنعام: 33]۔[1]

نبی ﷺ کی قیام گاہ پر مشرکوں کو کا گھیراؤ:

اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھر واپس آ گئے رات ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور آپ ﷺ کو قریش کی ریشہ دوانیوں کا پتہ بھی تھا رات کی تاریکی ہوئی تو قریش کے کفار نبی ﷺ کے دروازے پر جمع ہوئے وہ یہ تاڑ رہے تھے کہ آپ سوتے کب ہیں تاکہ وہ آپ پر ٹوٹ پڑیں ، وہ لوگ یہ تھے: ابو جہل بن ہشام، حکم بن ابو العاص، عقبہ بن ابی معیط، امیہ ابن خلف، زمعہ ابن اسود، طعیمہ ابن عدی، ابو لہب، ابی بن خلف، نبیہ بن حجاج۔

---

(1) سیرت ابن ھشام (۹۹/۲)۔

وہ سبھی اس گھٹیا پلاننگ کی کامیابی کے سلسلے میں پختہ یقین پر تھے یہاں تک کہ ابو جہل اللہ کی اس پر لعنت ہو گھمنڈ کرتے ہوئے کھڑا ہوا ہوا اور اپنے ساتھیوں سے کہا جو گھیراؤ میں شریک تھے ان سے مذاق اور استہزاء کرتے ہوئے دیکھو محمد گمان کرتے ہیں کہ اگر تم ان کی بات مان لو اور ان کی پیروی کر لو تو تم عرب و عجم کے مالک ہو جاؤ گے اور اور تم اپنے مرنے کے بعد پھر اٹھایا جاؤ گے اور پھر تمہیں اسی طرح سے باغات نوازے جائیں گے جس طرح سے اردن کے باغات ہیں اور اگر اگر تم ایسا نہ کرو تو وہ تمہیں ذبح کریں گے اور پھر تم اپنی موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے پھر تمہارے لئے ایسی آگ تیار کی جائے گی جس میں تم جلائے جاؤ گے۔

جب اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اس اجتماع کو دیکھا تو علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا تم میری جگہ میرے بستر پر سو جاؤ اور میری اس ہری چادر کو اوڑھ لو بے شک یہ لوگ تمہارے اوپر کوئی ایسی چیز نہیں کر سکتے جس کو تم ناپسند کرو۔[1]

اور اللہ کے رسول ﷺ جب سوتے تھے تو اپنی اسی چادر میں سویا کرتے تھے، پھر آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلنے کی خبر دی۔[2]

● اللہ کے رسول ﷺ کا اپنے گھر سے اور صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی جانب نکلنا:

قریش کے اپنے پلان کو نافذ کرنے کے لئے کافی تیاری کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل گئے[3] اور اللہ رب العالمین نے ان کی بینائی کو چھین لیں وہ آپ

([1]) میں کہتا ہوں علی ابن ابی طالب رضی اللہ نہ کی اس فدائیت کی وجہ سے وہ اسلام میں پہلے فدائی قرار پائے جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان پر کھیل کر بچایا۔

([2]) دلائل النبوۃ از بیھقی (۴۷۰/۲)، شرح المواھب (۹۶/۲)، الطبقات الکبری از ابن سعد (۱۰۹/۱)، سیرت ابن ھشام (۹۶/۲)۔

([3]) شیخ علی طنطاوی اپنی کتاب رجال من التاریخ میں صفحہ نمبر ۱۶ کہتے ہیں: یہاں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری اور شجاعت اور اپ کی خوداعتمادی واضح طور پر نظر اتی ہے اور یہاں پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے دوستوں کو فتح اور نصر تنصیب

کو دیکھ بھی نہ سکے اور آپ ﷺ نے ایک لپ مٹی اور ان کے سروں پر ڈالا اس وقت آپ ﷺ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے: {يس (1) وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (2) إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (3) عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (4) تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (5) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ (6) لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (7) إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ (8) وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ} سورۃ یس: (۱/۹)۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ ان آیتوں کو پڑھ کر فارغ ہوئے اور آپ نے ان میں سے ہر ایک آدمی کے سر پر مٹی ڈال دی تھی اور اس کے بعد آپ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر کی جانب متوجہ ہوئے۔

اور مشرک لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے نکلنے کا انتظار کرتے رہے حالانکہ آپ نکل چکے تھے اللہ رب العالمین نے ان کی آنکھوں کو آپ ﷺ کو دیکھنے سے اندھا کر دیا۔[1]

رسول ﷺ اور ابو بکر کا غار ثور کی جانب نکلنا:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا گھر چھوڑ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ کسی بھی وقت آ سکتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ اور انہوں نے ہجرت ایک ساتھ ہی کرنے پر اتفاق کیا تھا۔

فرماتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولا اور ان کے صفوں کے درمیان سے نکلے جو کہ اپ کے خون کو حاصل کرنے کے غرض سے ائے تھے اور انہوں نے اپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالی نے اپ کو زندہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو جو اللہ تعالی نے چاہا وہ ہوا اور اس اچانک ہونے والے عمل کیوجہ سے وہ ڈر گئے اور ان کے انکھیں اندھی ہو گئیں اور وہ اپنی اصلی حالت پر نہ اسکے یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلیاللہ علیہ وسلم وہاں سے گزر گئے۔

([1])الطبقات الکبری از ابن سعد (۱/۱۱۰)، سیرت ابن ھشام (۲/۹۷)۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر پہنچے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے سفر کی پوری تیاری مکمل کر لی تھی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ : ہم لوگوں نے ان دونوں کو جلدی جلدی مکمل تیار کر دیا۔[1]

رات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر گھر کے اوپری جانب ایک چھوٹے دروازے سے اس طرح سے نکلے کہ انہیں کسی نے نہ دیکھا اور انہوں نے ایک غیر ہموار راستہ اپنایا[2] بجائے اس کے کہ وہ شمال کی جانب جائیں وہ دونوں جنوب کی جانب اس طرف گئے جہاں پر غار ثور واقع ہے[3] اور یہ وہ پہاڑ ہے جس میں غار ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار کیا تاکہ وہاں پر پناہ لیں اور مشرکین کو بھٹکا سکیں کیونکہ انہیں یہ پتہ تھا کہ قریش کے لوگ ان کے کے تلاش کرنے میں خوب محنت کریں گے اور سب سے پہلے جس راستے کے جانب ان کی نگاہ پہنچے

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار ، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم و أصحابه إلى المدينة حدیث نمبر (۳۹۰۵) پر کی ہے۔

([2])میں کہتا ہوں کہ مسند امام احمد میں حدیث نمبر (۳۰۶۱) پر اور طحاوی کی شرح مسکل الاثار میں حدیث نمبر (۴۰۸۳) اور ابن جریر طبری کی تاریخ (۵۶۷/۱) میں ضعیف سند کے ساتھ ابن عباس رضیاللعنہ کے حوالے سے یہ بات واقع ہے کہ ابو بکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے پاسائے اور علی رضی اللہ عنہ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے ہوئے تھے وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں تو علی رضی اللہ عنہ نے چادر ہٹائی اور کہا بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میمون نامی کنویں کی طرف چلے گئے ہیں آپ وہاں جاکر کے انکا ساتھ پکڑیے چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ وہاں گئے اور اپ کے ساتھ غار میں داخل ہوگئے اور یہ روایت اس روایت کے مخالف ہے جو صحیح ہمیں وارد ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق دونوں ایک ساتھ ہی ابو بکر کے گھر سے نکلے تھے حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۱۹۳/۳) میں کہتے ہیں اور ابن جریر نے بعض لوگوں سے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلیاللعلیہوسلم غار ثور کی جانب جانے میں ابو بکر سے سبقت لے گئے تھے ابو بکر سے پہلے گئے تھے اور علی رضیاللعنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپ کے بارے میں بتائیں تاکہ وہ اپ کے ساتھ ہو جائیں تو راستے کے درمیانمیں اپ سے جاکر ملے تھے اور یہ بہت ہی زیادہ غریب ہے اور اس چیز کے خلاف ہے جو مشہور ہے یعنی اللہ کے رسول صلیاللعلیہوسلم اور ابو بکر ایک ساتھ نکلے تھے۔

([3])غار ثور ایک بہت ہی بلند پہاڑ ہیں مکہ میں جس کا راستہ بہت ہی مشکل ہے جسکا چڑھنا بہت دشوار کن ہے اسمیں بہت سے پتھر ہیں، دیکھیے : النہایہ جلد نمبر ایک صفحہ نمبر 223۔

گی وہ مدینہ کا راستہ ہے جو شمال کی جانب متوجہ ہے اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے الٹ راستہ اختیار کیا یعنی وہ راستہ جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔[1]

مکہ کی طرف آخری نظر

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو جب آپ مکہ کی جانب جب الوداعی نظر ڈالنے لگے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے: "اللہ کی قسم تو اللہ رب العالمین کی سب سے زیادہ بہتر سرزمین ہے اور سب سے زیادہ محبوب اللہ رب العالمین کے نزدیک سرزمین ہے اگر میں نکالا نہ جاتا تو میں یہاں سے کہیں نہ نکل کر جاتا"۔[2]

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو کتنی پاکیزہ سرزمین ہے اور تو کتنی زیادہ محبوب میرے نزدیک زمین ہے اگر میری قوم کے لوگ مجھے تجھ سے نہ نکالتے تو میں تیرے علاوہ کہیں اور سکونت اختیار کرتا"۔[3]

([1]) سیرت ابن ھشام (۲/۹۹)، الرحیق المختوم (ص ۱۶۴)۔

([2]) مسند امام احمد حدیث نمبر (۱۸۷۱۸) سنن ابن ماجہ کتاب المناسک باب فضل مکۃ حدیث نمبر ۳۱۰۸، اور اس کی سند صحیح ہے۔

([3]) صحیح ابن حبان کتاب الحج باب فضل مکۃ حدیث نمبر (۳۷۰۹)، جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب في فضل مکۃ حدیث نمبر (۳۹۳۴)۔

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا، بے شمار ملک دیکھے، لیکن مجھے ان سب میں دمشق سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں لگا۔ تو کیا واقعی وہ ایسی ہی خوبصورت ہے، یا یہ میری نظر میں اس لیے حسین ہے کہ وہ میرا وطن ہے؟ اور ہر انسان اپنے وطن کو باقی تمام شہروں پر ترجیح دیتا ہے"۔

میں نے ایسے لوگوں کو جانا ہے جو امریکہ گئے اور اس کے بڑے شہروں میں رہے۔ وہاں کی تہذیب کی پیداوار سے لطف اندوز ہوئے اور عیش و آرام کے وسائل پائے۔ لیکن نیویارک اور اس کی بلند و بالا عمارتیں بھی انہیں ان کے گاؤں اور ان کے اُس گھر کو نہیں بھلا سکیں، جو لکڑی اور کچی اینٹوں سے بنا تھا۔ وہ امریکہ میں ہمیشہ ایک اجنبی کی طرح محسوس کرتے تھے، جیسے کسی ہوٹل کے مہمان ہوں۔ انہیں سکون اور قرار صرف اس وقت ملا جب وہ اپنے گاؤں پہنچے اور اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ اور یہ، قسم ہے میری عمر کی، اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تقدیر کا حصہ ہے۔ اور اللہ کی ہر تقدیر میں کامل حکمت ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سب لوگ مال و جمال کے مقامات میں جمع ہو جاتے، اور غریب علاقے ویران اور سنسان ہو جاتے"[1]۔

اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ واپسی کی خوشخبری:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ خوشخبری دی تھی کہ وہ انہیں مکہ میں ضرور فاتحانہ طور پر واپس لے جائے گا۔ چنانچہ اس نے ان پر یہ آیت نازل فرمائی: {یقیناً وہ ذات جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے، وہ آپ کو پھر ایک وعدہ کی جگہ (یعنی مکہ) واپس لوٹانے والا ہے۔ کہہ دیجیے: میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے}۔

---

(1) شیخ علی الطنطاوی رحمہ اللہ کے کلام کو دیکھیے، ان کی کتاب الذکریات (جلد ۲، صفحہ ۲۳۴) میں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے بارے میں ان کا فرمان ہے: "اِلَی مَکَّۃَ" یعنی اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کو مکہ لوٹایا جائے گا[1]۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت[2] کو اس بشارت کے ساتھ ختم کیا کہ اپنے نبی محمد ﷺ کو مکہ واپس لوٹائے گا، اپنے دشمنوں پر غالب اور فاتح بنا کر[3]۔

جب وہ دونوں غار میں تھے

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ہجرت کے واقعے کی طویل حدیث میں فرمایا: "...پھر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک غار[4] تک پہنچے جو جبلِ ثور میں تھا، وہ وہاں پر دونوں 3 رات تک چھپے رہے..."[5]۔

([1]) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب إن الذي فرض علیک القرآن لرادک إلی معاد حدیث نمبر ۴۷۷۳۔

([2]) یعنی سورہ قصص۔

([3]) تفسیر قرطبی (۳۲۹/۱۶)۔

([4]) صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں حدیث نمبر (۶۲۷۹) پر ہے کہ حضرت عائشہ رضیاللہتعالی عنہ نے کہا چنانچہ وہ لوگ سوار ہوئے یہاں تک کہ غار ثور پہنچے اور اسمیں چھپ گئے شیخ علی طنطاوی اپنی کتاب رجال من تاریخ کی صفحہ نمبر 28 پہ کہتے ہیں اپ صلیاللہعلیہوسلم نے اپنے ساتھی اپنے دوست مسلمانوں کے شیخ ابو بکر صدیق رضیاللہعنہ کے ساتھ چھپ چھپ کر ہجرت کی اپ صلیاللہعلیہوسلم کمزوری یا بزدلی کیوجہ سے نہیں چھپے تھے بلکہ اپصلیاللہعلیہ وسلم اس مسافر رہنما کی طرح تھے جو ایک بڑے معرکہ کو چلا رہا ہو تو کیا وہ اپنے اپ کو ظاہر کر دے اور راستے پر کھڑے ہو جائے گا تاکہ وہ ان کا پیچھے کرنے والے ایک چھوٹی جماعت سے قتال کرے اور اس پر غالب اجائے اور بڑے معرکے کو نظر انداز کر دے۔

بے شک بڑے بڑے معرکے اپ صلیاللہعلیہوسلم کا انتظار کر رہے تھے اپ کا انتظار جنگ بدر فتح مکہ ہوازن قادسیہ یرموک جبل طارق اور فتح اسلامی کے دیگر معار کا نتظار کر رہے تھے جو اپ صلیاللہعلیہوسلم کے بعد کشادہ ہوئے ایسے خیر اور بھلائی پر مشتمل جنگی سلسلے جسمیں کامیابیج اصل ہوئی جنہوں نے حق کے شہیدوں کو پوریز مینمیں پھیلادیا اور عدل وانصاف کے جھنڈے کو ہر پہاڑ پہ نصب کیا اور اسلام کے ذریعے سے دلوں اور شہروں کو ہر جگہ روشن کیا اور اپ صلیاللہعلیہوسلم کا انتظار جہالت فقر وفاقہ ظلم اور فسق وفجور اور دیگر اخلاقی سورۃ حال کے ساتھ معرکہ بھی کر رہا تھا جس کے اثار سے اپ صلیاللہعلیہوسلم انسانی معاشرے سے پاک کرنے ائے تھے۔

([5]) صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب ھجرۃ النبي وأصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر (۳۹۰۵)۔

جب دونوں غار کے پاس پہنچے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ذرا ٹھہرے رہیں یہاں تک کی میں غار کو آپ کے لیے لیے تیار کر دوں لہذا اندر داخل ہوئے اور اسے تیار کیا اور پھر انہیں یہ یاد آیا کہ آپ نے ایک سوراخ بند نہیں کی ہے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تشریف رکھئے یہاں تک کہ میں جگہ تیار کر دوں لہذا وہ داخل ہوئے اور تیار کیا پھر کہا: اے اللہ کے رسول تشریف لے آیئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف لے گئے۔[1]

ابن ہشام نے کہا: حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ سے پہلے غار میں داخل ہوئے اور غار کو ٹٹولنے لگے تاکہ دیکھیں کہیں اس میں کوئی درندہ یا سانپ تو نہیں ہے، تاکہ اپنی جان کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کریں۔[2]

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے شرف مندانہ مواقف:

حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ رات کو ان دونوں (رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ) کے پاس گزارتے تھے۔ وہ ایک جوان، سمجھدار اور تیز فہم لڑکے تھے۔ پھر وہ سحر کے وقت ان کے پاس سے نکل کر چل پڑتے اور صبح کو مکہ میں قریش کے ساتھ اس طرح ہوتے جیسے رات

---

(1) اسکی تخریج جو امام بیہقی نے دلائل نبوت (۴۷۶/۲) میں مرسل صنعت کے ساتھ کی ہے کیونکہ یہ ابنسیرین پر موقوف ہے اور ابن سیرین نے عمر کو نہیں پایا تھا اور اس کے تخریج امام حاکم نے مستدرک میں حدیث نمبر (۴۳۲۷) پر کی ہے اور امام حاکم نے کہا یہ حدیث شیخین کے شرط پر صحیح الاسناد ہے اگر اسمیں ارسال نہ ہوتا اور شیخین نے اسکی تخریج نہیں کی ہے اور امام ذہبی نے اپنی تلخیص میں انکی موافقت کی ہے۔

(2) سیرت ابن ہشام (۹۹/۲)۔

وہیں گزاری ہو۔قریش جو بھی تدبیر یا منصوبہ ان دونوں کے خلاف کرتے، وہ سب سنتے اور یاد رکھتے، یہاں تک کہ اندھیرا چھا جانے پر رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے پاس جا کر سارا حال سنا دیتے۔[1]

عامر بن فہیرہ یہ ذمہ داری

آپ دونوں لوگوں کے پاس ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ دودھاری بکریاں چرانے جایا کرتے تھے لہذا وہ آپ دونوں کے پاس عشاء سے ایک گھنٹے بعد بکریاں لے جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر ان سے تازہ دودھ پیا کرتے تھے۔

پھر وہ صبح صبح اپنے بکریوں کو لے کر واپس آ کر لوگوں کے بکریوں کے ساتھ ہو جاتے تھے گویا وہ ان کے ساتھ ہی رہے ہوں، ان پر کسی کو شک نہیں ہوتا تھا جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں رہے تینوں راتیں وہ ایسا ہی کیا کرتے رہے۔[2]

عامر بن فہیرہ اپنی بکریوں سے عبداللہ بن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے مکہ جانے کے بعد ان کے قدموں کے آثار مٹانے کے لیے بکریوں کو ان کے قدموں کے اوپر چلایا کرتے تھے۔[3]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا کی ذمہ داری

اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا[1] آپ دونوں کے پاس کھانا لایا کرتی تھیں۔

([1])اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي و أصحابه إلى المدينة حدیث نمبر(۳۹۰۵)پر اور اسکی تقریر امام بخاری نے ہی کتاب اللباس باب التقنع حدیث نمبر(۵۸۰۷)پر بھی کی ہے اور اس کے تقریج امام ابن حبان نے اپنے صحیح میں کتاب التاریخ فضل ھجرتہ إلى المدينة حدیث نمبر(۶۲۷۹)پر کی ہے۔

([2])اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي و أصحابه إلى المدينة حدیث نمبر(۳۹۰۵)پر اور اسکی تقریر امام بخاری نے ہی کتاب اللباس باب التقنع حدیث نمبر(۵۸۰۷)پر بھی کی ہے اور اس کے تقریج امام ابن حبان نے اپنے صحیح میں کتاب التاریخ فضل ھجرتہ إلى المدينة حدیث نمبر(۶۲۷۹)پر کی ہے۔

([3])سیرت ابن ھشام(۱۰۰/۲)۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے لیے ایک سفری کھانے کا انتظام کیا جب وہ مدینہ جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ میں نے اپنے والد (ابو بکرؓ) سے کہا: مجھے کوئی چیز نہیں مل رہی جس سے اسے باندھ سکوں سوائے اپنی کمر کے پٹے (نطاق) کے۔ تو ابو بکرؓ نے فرمایا: اسے دو ٹکڑوں میں پھاڑ دو[2]۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اسی وجہ سے مجھے "ذات النطاقین" (دو نطاق والی) کہا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسماء ہی وہ ہیں جو "ذات النطاق[3]" کہلائیں۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے اپنے گھر والوں کو، اپنے مال کو، اور اپنے غلاموں کو، سب کو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے لیے وقف کر دیا۔ تو یہ کیسا بڑا فضل ہے اور یہ کیسا عظیم شرف ہے جو ابو بکر صدیقؓ نے پایا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے راستے میں اپنا سارا کا سارا مال خرچ کر دیا

ابو بکر صدیقؓ نے اپنی ساری دولت ہجرت کے موقع پر خرچ کر دی: امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ اور حاکم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: انہوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے لیے روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ابو بکرؓ بھی نکلے،

([1]) شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب رجال ابن تاریخ کے صفحہ نمبر 37 پر کہتے ہیں یہ عظیم خاتون تھی جن کے والد ان ان کے شوہر ان کے بیٹے سبھی عظیم تھے اور یہ اپنے ہنر اور مواقف میں بھی عظیم تھی اور اپنے نفس اور کام میں بھی عظیم تھیں۔

ایک خاتون جنہوں نے بہت سے بڑے بڑے جنگ اور صلح کے واقعات میں شرکت کی ایک ایسی خاتون تھیں جو خاتون خانہ تھی جنہوں نے زندگی کے کڑواہٹ پر صبر کیا اور جب اسانی ائی تو اس میں انہوں نے فخر اور تکبر سے اجتناب کیا ایک خاتون جنکا دل بالکل پاک تھا انکا عقل بہت بڑا تھا اور وہ بہت ہی مضبوط عزم وارادے والی تھیں ایسی خاتون تھیں جن کے مثل بہت تھوڑے ہی عظیم مردوں میں سے بھی ہوتے ہیں۔

([2]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۶۰) میں لکھتے ہیں اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ جنہوں نے ان کو اپنے ازار بند کو پھاڑنے کا حکم دیا تھا تاکہ اس سے وہ سفر اباندھے وہ انکے والد رضی اللہ عنہ تھے۔

([3]) صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب ھجرۃ النبي وأصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر (۳۹۰۷)۔

تو ابو بکرؓ نے اپنا سارا مال ساتھ لے لیا۔ وہ پانچ ہزار یا چھ ہزار درہم تھے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں: وہ سب کچھ لے کر حضور ﷺ کے ساتھ چل دیے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں: میرے دادا، **ابو قحافہ** (جو اس وقت نابینا ہو چکے تھے) ہمارے پاس آئے [1] اور کہا: "اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے والد (ابو بکرؓ) نے تمہیں اپنے مال کے ساتھ بھی محروم کر دیا ہے اور اپنی جان کے ساتھ بھی (یعنی سارا مال بھی لے گئے اور خود بھی ہجرت کر گئے)۔"

اسماءؓ کہتی ہیں: میں نے کہا: "نہیں ابا جان! انہوں نے ہمارے لیے بہت سا مال چھوڑا ہے۔"

پھر میں نے کچھ **کنکریاں** لے کر گھر کے اس سوراخ (خزانے کی جگہ) میں رکھ دیں جہاں میرے والد مال رکھا کرتے تھے۔ پھر ان پر کپڑا ڈال دیا، اور اپنے دادا کا ہاتھ پکڑ کر اس پر رکھا اور کہا: "ابا جان! ذرا اس مال پر ہاتھ رکھیں۔"

انہوں نے جب چھوا تو بولے: "ٹھیک ہے، اگر یہ مال انہوں نے تمہارے لیے چھوڑا ہے تو انہوں نے اچھا کیا، اور یہ تمہارے لیے کافی ہے۔"

اسماءؓ فرماتی ہیں: "اللہ کی قسم! انہوں نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، لیکن میں نے ایسا اس لیے کیا تاکہ اس بوڑھے (دادا) کا دل مطمئن ہو جائے" [2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں شیخین کی شرط پر بسند صحیح ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اتنا نفع کسی اور مال نے نہیں پہنچایا جتنا ابو بکر کے مال سے مجھے فائدہ ہوا"۔

([1]) ابو قحافہ یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔

([2]) مسند امام أحمد حدیث نمبر (۲۶۹۵۷)، مستدرک حاکم کتاب الهجرة باب هجرة أبي بكر إلى المدينة مع جميع أمواله حدیث نمبر (۴۳۲۶)۔

اس پر ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ رونے لگے اور کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اور میرا مال سب آپ ہی کے نہیں ہیں۔[1]

ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ (مسلم کی شرط کے مطابق) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: "حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ پر چالیس ہزار درہم خرچ کیے"۔[2]

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کے طلب میں قریش کا نکلنا

رہی بات مشرکوں کی تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر سے نکلنے کا انتظار کرتے رہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی نکل چکے تھے اور اللہ نے ان کی آنکھوں کو آپ کو دیکھنے سے اندھا کر دیا تھا ان لوگوں کو اس کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ ایک آدمی نے ان سے یہ کہا کہ تم یہاں پر کیا کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا: ہم محمد کا انتظار کر رہے ہیں تو اس نے کہا اللہ تعالی تمہیں بے مراد کریں اللہ کی قسم ہم وہ وہ تمہارے پاس سے نکل گئے ہیں اور انہوں نے تم میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈالی تھی اور وہ اپنے کام کے لیے نکل گئے ہیں کیا تم اپنی حالت نہیں دیکھتے؟

پھر ان میں سے تمام لوگوں نے اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھا اور مٹی کو پڑھا ہوا پایا پھر بھی گویا ان لوگوں کو یقین نہ ہوا تو انہوں نے دروازے کے شگاف سے دیکھنا شروع کیا انہوں نے اس چادر کو اوڑھے ہوئے سو رہے شخص کو اللہ کا رسول گمان کیا وہ لوگ کہ رہے تھے اللہ کی قسم یہ محمد ہیں جو سو رہے ہیں ان کے اوپر آپ کی چادر بھی ہے۔

([1]) مسند امام أحمد حدیث نمبر (۷۴۴۶)، صحیح ابن حبان، کتاب مناقب الصحابۃ باب ذکر البیان بأن المصطفی ما انتفع بمال أحد ما انتفع بمال أبي بکر الصدیق حدیث نمبر (۶۸۵۹)۔

([2]) صحیح ابن حبان، کتاب مناقب الأنصار، باب ذکر عدد ما أنفق أبو بکر علی رسول اللہ من المال حدیث نمبر (۶۸۵۹)۔

لہذا وہ لوگ اسی طرح سے سے وہاں پر صبح تک کھڑے رہے[1] اور پھر آپ پر داخل ہوئے اور چادر اٹھائی تو پایا کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ وہاں پر موجود ہیں ان لوگوں نے کہا کہ: اللہ کی قسم اس کہنے والے شخص نے ہم سے سچ کہا ہے لہذا ان لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟

انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا۔[2]

جب قریش کے لوگوں کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کے نکلنے کی خبر ہوئی اس وقت قریش کے لوگ بوکھلا گئے اور وہ ہر طرف انہیں ڈھونڈنے کے لئے نکل پڑے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کو لانے والے کے لیے سو اونٹ[3] جیسی بڑی رقم انعام کے طور پر رکھی کہ یہ اس کو دیا جائے گا جو انہیں ان کے پاس زندہ یا مردہ حالت میں لا کر دیں گے۔[4]

([1])امام سہیلی نے الروالانف میں کہا ہے بعض اہل تفسیر نے یہ بیان کیا ہے اس گھر کے دیوار کے چھوٹا ہونے کے باوجود اس گھر میں کودنے سے جس چیز نے انہیں منع کیا وہ یہ تھا کہ وہ ان کے قتل کے لیے ائے تھے چنانچہ خبر میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی تو گھر سے ایک خاتون کی اوازائی تھی تو بعض لوگوں نے بعض سے کہا اللہ کی قسم عربوں کے ہاں یہ بہت بڑی بری چیز ہے کہ لوگ ہمارے بارے میں یہ باتکریں کہ ہم نے اپنے چچا کے بیٹیوں پر دیوار کودا ہے اور ان کے احترام کے راز کو ختم کیا ہے اسی چیز کی وجہ سے وہ دروازے پر کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہوئی اور وہ اپ کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے پھر جب اپ نکلے تو انکی نگاہیں اندھی ہو گئی۔

([2])سیرت ابن ھشام (۲/ ۹۷) الروض الأنف (۲/۳۰۸)۔

([3])میں کہتا ہوں اج کے ہمارے زمانے میں بھی سو اونٹنیاں بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہیں تو اس زمانے کے بارے میں اپکا کیا خیال ہے۔

([4])اللہ کے رسول صلیاللہعلیہوسلم اور اپ کے ساتھی کو لانے والے کے لیے انعام کا قصہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب ھجرۃ النبي وأصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر (۳۹۰۶) پر تخریج کیا ہے۔

ابو جہل کا اسماء رضی اللہ تعالی عنہا کو مارنے کا قصہ ثابت نہیں ہے

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ: مجھے اسماء بنت ابی بکر کے بارے میں یہ خبر دی گئی انہوں نے کہا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی نے ہمارے پاس پریشاں کچھ لوگ آئے جن میں ابو جہل بن ہشام بھی تھا وہ لوگ ابو بکر کے دروازے پر آکر کھڑے ہوئے تو میں ان کے پاس گئی اور کہا: اے ابو بکر کی بیٹی تمہارے والد کہاں ہیں؟

انہوں نے کہا: میں نے کہا: "اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میرے والد کہاں ہیں۔" تو ابو جہلؑ (اللہ اس پر لعنت کرے) نے اپنا ہاتھ بلند کیا، اور وہ بڑا فاحش اور خراب کردار والا تھا، اور میرے گال پر ایک زوردار تھپڑ مارا، جس سے میرا حلقہ دار ہار (یا گردن کا زیور) گر گیا۔ پھر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔[1]

غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے

اس وقت گھڑ سوار اور تلاش کرنے والے لوگ ہر سمت تلاش کے لیے نکل گئے وہ آپ دونوں یعنی ابو بکر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کی خاطر پہاڑوں اور وادیوں میں پھیل گئے اور کافی تیزی کے ساتھ تلاش شروع ہوئی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

یہاں تک کہ وہ لوگ اس پہاڑ کے پاس بھی پہنچ گئے جس میں غار تھا اور وہ پہاڑ پر چڑھ گئے وہ غار کے دروازے تک پہنچ گئے اور ان کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کے درمیان صرف اور صرف یہی باقی تھا کہ ان میں سے کوئی اپنے پیر کے نیچے نظر ڈالے۔

([1]) اسکی تخریج ابن اسحاق نے سیرت (۱۰۱/۲) میں منقطع سند کے ساتھ کی ہے اور اس قصے کے سند منقطع ہونے پر شروع میں ابن اسحاق کا "فحدثت" کہنا بھی دلالت کرتا ہے۔

نوٹ: میں نے اللولؤ المکنون کے پہلے طبعات میں اس قصے کے ضعیف ہونے پر تنبیہ نہیں کی ہے۔

یہ انسانی زندگی کا ایک نہایت نازک لمحہ تھا، جو اس کی طویل سفر میں گزرا۔ یہ لمحہ فیصلہ کن تھا: یا تو ایک بے انتہا مصیبت کا آغاز ہوتا، یا ایک لا متناہی خوشی کا افتتاح۔ انسانیت نے اپنی سانسیں روک لی تھیں اور عاجزی سے رک گئی تھی، جب تلاش کرنے والے غار کے منہ تک پہنچے۔ ان کے اور مطلوبہ شخص تک پہنچنے کے درمیان صرف یہ فاصلے تھے کہ کوئی ان میں سے نیچے قدموں کے پاس دیکھتا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اور اس مقصد کے درمیان حائل ہو کر انہیں بچالیا۔ (1)

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ علی سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر ان میں سے کوئی اپنے دونوں قدموں کے نیچے دیکھ لے تو وہ ہمیں بھی دیکھ لے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: اے ابو بکر تمہارا ان دونوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (2)

اور ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی ان کی مغازی میں ایک روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مشرک لوگ اس پہاڑ پر آپہنچے جس میں غار ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ لوگ اس کے اوپر چڑھے اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کی آوازیں بھی سنی جس سے ان کو غم اور خوف لاحق ہوا اس وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عرض کیا کہ تم غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

---

(1) السیرۃ النبویۃ از شیخ ابو الحسن الندوی (ص ۱۶۷)۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۷۵) میں لکھتے ہیں کہ انکا تیسرا ہونے کا معنی ہے وہ انکا ناصر اور مددگار ہے ورنہ اللہ تعالی تو دونوں میں سے اپنے علم کے ساتھ سر ایک کے ساتھ ہے جسے کہ اللہ تعالی نے سورہ مجادلہ کی ایت نمبر ۷ میں فرمایا: مایکون من نجوی ثلاثۃ إلا ھو رابعھم ولا خمسۃ إلا ھو سادسھم۔

اور حدیث کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب المھاجرین وفضلھم منھم أبو بکر رضي اللہ عنہ حدیث نمبر (۳۶۵۳) پر اور اسکی تخریج امام بخاری نے ہی کتاب مناقب الأنصار باب ھجرۃ النبي وأصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر (۳۹۲۲) پر بھی کی ہے اور اسکی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح کتاب فضائل الصابۃ باب من فضائل أبو بکر الصدیق میں حدیث نمبر (۲۳۸۱) پر کی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور آپ پر سکون واطمینان کا نزول ہوا۔[1]

اسی بارے میں فرمان باری تعالیٰ کا نزول ہوا: {إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} ۔ سورة التوبة، آية (٤٠).

جب یہ کفار غار کے دروازے تک پہنچے تو کہا: "یہیں نشان ختم ہو گیا، اور معاملہ ہمارے لیے پیچیدہ ہو گیا۔"

جب انہوں نے غار کے دروازے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہا: "اگر یہاں کوئی داخل ہوتا تو اس کے دروازے پر یہ جالا نہ ہوتا"[2] ۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔

میں کہتا ہوں: یہ ایک معجزہ تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو معزز فرمایا۔ اس معجزے کی پہچان یہ ہے کہ کفار میں سے کسی نے بھی ہمت نہ کی کہ وہ غار کے اندر دیکھے، بلکہ وہ صرف دروازے پر رکے۔ جب انہوں نے مکڑی کا جالا دیکھا تو کہا: "اگر یہاں کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا نہ ہوتا" ۔اور پھر وہ چلے گئے۔

([1])دیکھیے فتح الباری(۳۵۸/۷)۔

امام نووی مسلم کی شرح(۱۲۲/۱۵) میں کہتے ہیں: اس حدیث میں ابو بکر رضی اللہعنہ کی فضیلت ہے اور یہ ان کے عظیم ترین فضائل میں سے ہے اور انکی فضیلت کے کئی وجوہات ہیں جنمیں سے ایک وجہ اپنے اپنے اپ کو اللہ کے حوالے کرنا اور اپنے اہل ومال اور اپنے ریاست کو چھوڑ کر اللہ اور اسکے رسول کی جانب نکلنا اور نبی صلیاللہعلیہوسلم کو لاز میکڑنا اور اس سلسلے میں لوگوں سے دشمنی لینا اور انہی ہیں سے انکا اپنے اپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنانا بھی ہے۔

([2])غار کے منہ پر مکڑیکے جال بننے کا قصہ کی تقریر امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر(۳۲۵۱) وغیرہ پر کی ہے اور اسکی سند کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری(۶۴۵/۷) میں حسن قرار دیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ(۱۹۵/۳) میں حسن قرار دیا ہے۔

باوجود اس کے کہ اس کی سند میں عثمان ابن عمر ابن سعد جزری ہیں جنکے بارے میں حافظ نے تقریب میں کہا ہے کہ انمیں کمزوری پائیجاتی ہے۔

احمد شوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

سَلْ عُصَبَةَ الشِّرْكِ حَوْلَ الغارِ سَائِمَةً ... لَوْلَا مُطَارَدَةُ المُختَارِ لَمْ تَسُمِ

هَلْ أَبْصَرُوا الأَثَرَ الوَضَّاءَ أَمْ سَمِعُوا ... هَمْسَ التَّسَابِيحِ وَالقُرْآنَ مِنْ أَمَمِ

وَهَلْ تَمَثَّلَ نَسْجُ العَنْكَبُوتِ لَهُمْ ... كَالغَابِ ، وَالحَائِمَاتُ الزُّغْبُ كَالرُّخَمِ

فَأَدْبَرُوا وَوُجُوهُ الأَرْضِ تَلْعَنُهُمْ ... كَبَاطِلٍ مِنْ جَلَالِ الحَقِّ مُنْهَزِمِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کا غار سے نکلنا

رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تین راتیں ٹھہرے، یہاں تک کہ طلب کے شعلے ان سے ٹھنڈے ہو گئے اور لوگ ان کے بارے میں سکونت اختیار کر چکے۔ پھر عبداللہ بن اُریقِط ان کے پاس دو سواریوں کے ساتھ پہنچا، اور وہ روانہ ہوئے۔ عامر بن فہیرہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا تاکہ ان کی خدمت کرے۔[1]

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کے گھر سے نکلنے کا واقعہ سوموار کی رات کے آخری پہر سحر کے وقت کا ہے جب جب ماہ ربیع الاول کی چار راتیں باقی تھی۔[2]

امام حاکم مستدرک میں کہتے ہیں کہ اس بارے میں خبر متواتر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا سوموار کے دن ہوا تھا اسی طرح سے آپ مدینہ میں بھی سوموار کے دن ہی داخل ہوئے تھے مگر محمد بن موسی الخوارزمی کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے جمعرات کے دن نکلے تھے۔[3]

([1]) اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي و أصحابه إلى المدينة حدیث نمبر (۳۹۰۵) پر اور انہوں نے ہی کتاب المغازي باب غزوة الرجيع حدیث نمبر (۴۰۹۳) پر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب هجرته إلى المدينة حدیث نمبر (۶۲۷۷) پر کی ہے۔

([2]) الطبقات الکبری از ابن سعد (۱۱۲/۱)۔

([3]) امام حاکم کی بات دیکھیے: المستدرک، کتاب الهجرة، بعد از حدیث نمبر (۴۳۱۶)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ ہو گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے نکلنا جمعرات کے دن تھا اور غار سے نکلنا پیر کے دن ہوا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں تین راتوں تک قیام کیا تھا جو کہ جمعہ، سنیچر اور اتوار کی رات تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کی رات کے درمیان میں نکلے تھے۔[1]

مدینہ کی جانب راستہ

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ روانہ ہوئے آپ دونوں کے ساتھ عامر ابن فہیرہ نے بھی سفر کی جنہیں ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے پیچھے سوار کیا تھا تاکہ وہ راستے میں آپ دونوں کی خدمت کریں ان کے اور رہنمائی کرنے والے شخص عبداللہ بن اریقط کے علاوہ آپ دونوں کے ساتھ کوئی نہ تھا یہ چاروں لوگ مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔[2]

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب عبداللہ بن اُریقِط نے ان دونوں کی رہنمائی کی، تو اس نے انہیں مکہ کے نچلے راستے سے گزارا، پھر انہیں ساحل کے کنارے لے گیا، یہاں تک کہ راستہ عسفان[3] کے نیچے سے ملایا، پھر انہیں امج[4] کے نچلے راستے پر لے گیا، پھر انہوں نے قدید[5] کے مقام سے گزار کر آگے بڑھا، پھر اس مقام سے گزر کر انہیں خَرار[6] کی طرف لے گیا، پھر انہیں ثنیّۃ المرۃ کی طرف لے گیا، پھر انہیں لقف[7] کی طرف لے گیا، پھر انہیں مدلجۃ لقف سے گزارا، پھر انہیں مدلجۃ

---

(1) فتح الباری (۷/ ۲۴۴)۔

(2) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (2/ 100)۔

(3) **عُسْفَان** : یہ ایک گاؤں ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ حوالہ: النھایۃ (۳/۲۱۴)۔

(4) **أَمَج** : دو حرکات کے ساتھ، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے۔ حوالہ: النھایۃ (۱/۶۶)، معجم البلدان (۱/۲۰۰)۔

(5) **قُدَيْدٌ** : تصغیر کے ساتھ، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے۔ حوالہ: النھایۃ (۴/۲۰)۔

(6) **الخَرَّار** : خاء پر فتح اور پہلی راء کی تشدید کے ساتھ، یہ الجحفہ کے قریب ایک مقام ہے۔ حوالہ: النھایۃ (۲/۲۱)۔

(7) **لقفًا** : یہ صاف پانی کے کئی کنوؤں کا پانی ہے، جس پر زراعت نہیں کی گئی، اور اس میں کھجور کے درخت نہیں ہیں کیونکہ مقام سخت اور کھردرا ہے۔ حوالہ: معجم البلدان (۴/۱۸۱)۔

محاجن کے راستے سے لے گیا، پھر انہیں مرجح مجاج کی طرف لے گیا، پھر انہیں ذی العضوَین کے راستے سے گزارتے ہوئے مرجح کی طرف پہنچایا، پھر انہیں بطن ذی کشُر [1] سے گزارا، پھر انہیں الجدّاجد کے راستے پر لے گیا، پھر الأجرد [2] سے گزارا، پھر انہیں ذاسلم کی طرف لے گیا، پھر اعد مدلجۃ تعھن، پھر العبّابید، پھر الفاجۃ سے گزارا، پھر العرج [3] سے نیچے لایا، پھر انہیں ثنیّۃ العائرِ کے راستے سے دائیں جانب لے گیا، یہاں تک کہ انہیں بطن رئم پر اتارا، اور آخر کار انہیں قباء پہنچادیا، جہاں وہ بنی عمرو بن عوف کے پاس آئے۔ [4]

مدینہ کے راستے میں واقع ہونے والے قصے

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے آئے وہ ابو بکر [5] کو اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے تھے ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ بزرگ نظر آتے تھے [6] اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ

([1]) **ذِي كَشُر** : یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔ حوالہ: معجم البلدان (۱۳۸/۴)۔

([2]) **الأَجرَدُ** : یہ جُہینہ کے پہاڑ ہیں، جو مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہیں۔ حوالہ: معجم البلدان (۹۰/۱)۔

([3]) **العَرَجُ** : الف اور راء کے ساتھ یہ ایک جامع گاؤں ہے، فرع کے کاموں کا مرکز، مدینہ کے زمانے کے قریب۔ حوالہ: النھایۃ (۱۸۴/۳)۔

([4]) امام حاکم نے مستدرک میں کتاب الھجرۃ باب ذکر مقامات مرور النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الھجرۃ حدیث نمبر (۴۳۳۱) پر اور ابن اسحاق نے سیرت (۱۰۵/۲) میں اس کی تخریج کی ہے اور اسکی سند حسن ہے۔

([5]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۹۱/۲) میں لکھتے ہیں کہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پیچھے انکے مقام اور مرتبہ کو واضح کرنے کے لیے بٹھایا تھا ورنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک علیحدہ اور مستقل اونٹنی تھی جس پر انہوں نے ہجرت کیا تھا۔

([6]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۶۶۴/۷) میں لکھتے ہیں کہ انکا مقصد یہ ہے کہ وہ نوجوان ہوگئے تھے اور انکا یہ کہنا کہ انہیں پہچان لیا گیا کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کے پاست جارت وغیرہ کے سفر میں ایا کرتے تھے جب کہ نبی صلیاللہعلیہ وسلم کافی دنوں سے مکہ سے باہر نہیں نکلے تھے۔

وسلم نوجوان تھے لوگ آپ سے واقف نہ تھے[1] راوی کہتے ہیں: پھر لوگ ابو بکر کے ساتھ ملاقات کرتے اور کہتے کہ اے ابو بکر یہ آپ کے سامنے بیٹھے آدمی کون ہیں؟ وہ کہتے تھے کہ: یہ آدمی مجھے راستہ دکھانے والے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ: اس سے لوگوں کو یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ عام راستے کی بات کر رہے ہیں جب کہ وہ خیر کا راستہ مراد لیتے تھے۔[2]

سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کا قصہ

امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: ہم اپنی قوم بنو مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ان میں سے آیا یہاں تک کہ ہمارے میرے پاس کھڑا ہو گیا ہم سب بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا: میں نے ابھی بھی کچھ لوگوں کو ساحل کی جانب جاتے ہوئے دیکھا ہے ہے میں امید کرتا ہوں کہ محمد اور ان کے ساتھی ہی ہوں گے، سراقہ کہتے ہیں کہ: مجھے یقین ہو گیا کہ وہ وہی ہیں لیکن میں نے کہا کہ وہ نہیں ہے[3] تم نے فلاں اور فلاں کو دیکھا ہے وہ اپنی کوئی چیز تلاش کرنے کے لیے وہاں گئے ہیں اس آدمی نے کہا: ہو سکتا ہے اور وہ خاموش ہو گیا۔

میں کہتا ہوں اور حافظ ابن حجر کے بات کیت ائیداس روایت سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۲۲۳۴) پر مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے دیکھتے ہیں کہ ابو بکر راستے میں پہچان لے جاتے تھے کیونکہ وہ شام کی طرف ایا جایا کرتے تھے۔

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ابو بکر نبی صلیاللعلیہ وسلم سے عمر میں بڑے تھے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کیونکہ صحیح مسلم میں ثابت ہے جیسا کہ حدیث نمبر (۲۳۵۲) میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی اسوقت انکی عمر 63 سال تھی اور وہ نبی صلیاللعلیہ وسلم کے بعد دو سال اور چند مہینوں تک باحیا تر ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحیح عمر سے متعلق یہ بات لازماتی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سے زیادہ سال چھوٹے تھے۔

(2) اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي و أصحابه الى المدينة میں حدیث نمبر (۳۹۱۱) پر اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۲۲۳۴) پر کی ہے۔

(3) میں کہتا ہوں کہ سوال کرنے والے کے جواب میں سراقہ کا انکار کرنا اس بات کے لیے دلیل ہے کہ انہوں نے انعام اپنے لیے حاصل کرنا چاہا تھا جس کی مقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی کو زندہ یا مردہ لانے کی صورت میں 100 اونٹنیاں تھیں اور ابن اسحاق کی

سراقہ کہتے ہیں: پھر میں کچھ دیر تک اسی مجلس میں رہا اور پھر اٹھا اور اپنے گھر میں داخل ہوا اور اپنی لونڈیوں سے کہا کہ میرے گھوڑے کو نکالو اور میں نے اپنا نیزہ لیا اور پھر میں اس کے ذریعے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ابو بکر کا پیچھا کرتے ہوئے نکل گیا، سراقہؓ کہتے ہیں: جب میں ان (نبی ﷺ اور ابو بکرؓ) کے قریب پہنچا، اس حد تک کہ وہ آواز سن سکیں، تو میری گھوڑی ٹھوکر کھا گئی اور میں اس سے گر پڑا۔ پھر میں اٹھا اور اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے پانسے (فال کے تیر) نکالے، پھر ان کے ذریعے فال نکالی کہ میں ان کو نقصان پہنچاؤں یا نہ پہنچاؤں؟ تو وہی نکلا جو مجھے ناپسند تھا کہ ''میں ان کو نقصان نہ پہنچاؤں''۔ لیکن میں نے فال کے خلاف کیا اور گھوڑی پر سوار ہو کر اس کو دوڑایا یہاں تک کہ جب میں ان کے قریب پہنچا تو گھوڑی پھر ٹھوکر کھا گئی اور میں گر پڑا۔ پھر میں اٹھا اور دوبارہ سوار ہوا۔ یہاں تک کہ جب میں ان کے قریب پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کی قراءت سنی، آپ ﷺ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے، جبکہ ابو بکرؓ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ ابو بکرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تعاقب کرنے والا ہم تک پہنچ گیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

پھر جب میں ان سے قریب ہوا ہمارے اور ان کے درمیان ایک یا دو یا تین نیزے کی جگہ تھی ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ طلب کرتے ہوئے ہم تک پہنچ گیا ہے اور آپ رونے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے فرمایا تم رو کیوں رہے ہو؟

انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں اپنے آپ پر نہیں رہا ہوں میں آپ کے اوپر رو رہا ہوں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک پر بد دعا کی اور کہا اے اللہ تو جس سے چاہے ہماری ان پر مدد کر۔

سیرت (۱۰۳/۲) میں موجود روایت نے اسکی وضاحت کی ہے سراقہ نے کہا کہ میں آپ کو قریش کے حوالے کرنے کی خواہش رکھتا تھا تاکہ میں سو اونٹنیاں حاصل کر سکوں۔

سراقہ نے کہا: پھر میری گھوڑی کے دونوں ہاتھ زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گٹھنوں تک [1] پہنچ گئے میں اس سے گر پڑا میں نے اسے ڈانٹا وہ کھڑی ہوئی مگر وہ اپنے ہاتھ کو نکال نہ سکتی تھی پھر جب وہ (گھوڑی) سیدھی کھڑی ہو گئی، تو اچانک اس کے اگلے پاؤں کے نشان سے ایک گرد اُٹھی جو آسمان کی طرف ایسے بلند ہو رہی تھی جیسے دھواں۔

سراقہ نے کہا کہ پھر میں نے پانسے [2] نکالے اور پھر وہی چیز نکلا جس کو میں پسند کرتا تھا تو میں نے انہیں امان کیلئے [3] پکارا وہ کھڑے ہو گئے میں نے اپنی گھوڑی پر سواری کی یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گیا پھر آپ تک پہنچنے سے روکے جانے کے سبب میرے دل میں یہ بات واقع ہوئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ غالب ہو کر رہے گا ہاں، میں نے آپ سے کہا تمہاری قوم کے لوگ تمہارے بارے میں انعام رکھے ہوئے ہیں اور میں نے وہ ہر خبر انہیں بتا دیں دی جو لوگ آپ کے بارے میں چاہتے تھے میں نے ان پر زاد اور متاع کو پیش کیا لیکن انہوں نے ان میں سے کچھ بھی نہ لیا اور نہ ہی انہوں نے مجھ سے کچھ مانگا بس یہ کہا کہ ہماری خبر کسی کو نہ بتانا۔

سراقہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ میرے لیے امن کا پروانہ لکھ دیں لہذا انہوں نے عامر ابن فہیرہ کو حکم دیا کیا اور انہوں نے ایک سفید چمڑے کے ٹکڑے پر میرے لئے پروانہ لکھ دیا پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔

([1]) اور صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت میں حدیث نمبر (۳۶۱۵) پر اور مسلم میں حدیث نمبر (۲۰۰۹) پر ہے کہ ابو بکر نے کہا کہ اس کی گھوڑی پیٹ تک زمین میں دھنس گئی۔

([2]) جاہلیت میں لوگ کسی شئے پر امر اور نہی لکھتے تھے کہ کر و یا نہ کرو پھر آدمی اسے اپنے ایک برتن میں رکھتا تھا اور جب سفر یا شادی بیاہ یا کسی اہم کام کا ارادہ کرتا تھا تو وہ اپنے ہاتھ کو اسمیں داخل کر کے اس میں سے ایک تیر نکالتا تھا اگر حکم والا تیر نکلتا تو وہ اپنے کام کے لیے اگے بڑھتا اور اگر روکنے والا تیر نکلتا تو اپنے مقصد سے رک جاتا اور اسے انجام نہیں دیتا۔ دیکھیے: النہایہ (۲/۲۸۱)، لسان العرب (۶/۷۵)، (۱۱/۵۱)۔

([3]) بخاری کی ایک دوسری روایت میں حدیث نمبر (۳۶۱۵) اور مسلم کی حدیث نمبر (۲۰۰۹) پر ہے کہ سراقہ نے کہا مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں نے مجھ پر بد دعا کر دی ہے تو تم مجھے میرے لیے اللہ سے دعا کرو اور میں تم نے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تلاش کرنے والوں کو اس راستے سے واپس لے جاؤں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی تو وہ نجات پا گئے۔

پھر سراقہ جسے بھی دیکھتے تھے اس سے کہتے تھے کہ میں تمہارے لئے کافی ہو گیا ہوں اس طرف سے اور وہ جس سے بھی وہ ملتے تھے اسے واپس کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ انہوں نے ہمارا راستہ کم کر دیا ہے یعنی وہ دن کے پہلے حصے میں نبی پاک صلی و سلم کے خلاف صرف جہاد کرنے والے تھے تھے اور دن کے آخری حصے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کے معاون اور مدد گار بن گئے۔[1]

ایک مشہور ضعیف روایت:

وہ روایت جو سراقہ رضی اللہ تعالیٰ سے مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ تم اس وقت کو یاد کرو جب تم کسری کے کنگن کو پہنو گے؟

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدائن فتح ہوا تو کسریٰ کے کنگن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لائے گئے آپ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور اور آپ نے انہیں ان کنگنوں کو پہنا دیا اور ان سے کہا اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاؤ انہوں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے انہیں اس کسری بن ہرمز سے چھینا جو یہ کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں اور اسی ذات نے سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیا جو بنو مدلج کا ایک دیہاتی آدمی ہے۔

اس روایت کو حافظ نے الاصابہ[2] میں نقل کیا ہے اور اسی طرح سے ابن عبد البر نے بھی استیعاب[1] میں منقطع سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

([1]) سراقہ ابن مالک کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھا کرنے کی بات درج ذیل لوگوں نے تخریج کی ہے: صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، حدیث نمبر (۳۶۱۵)، - باب هجرة النبي - صلى اللہ علیہ وسلم - وأصحابه إلى المدينة - حدیث نمبر (۳۹۰۶)، - (۳۹۱۱) — صحیح مسلم - کتاب الزهد والرقائق - باب في حدیث الهجرة - حدیث نمبر (۲۰۰۹)، (۹۱) - مسند الإمام أحمد - حدیث نمبر (۳)، - (۱۷۵۹۱) — صحیح ابن حبان - کتاب التاریخ - فصل هجرته - صلى اللہ علیہ وسلم - إلى المدينة - حدیث نمبر (۶۲۸۰)، - سیرت ابن إسحاق (۱۰۳/۲)۔

([2]) الإصابة (۳/ ۳۵)۔

میں نے کہا: کسریٰ (ایران کے بادشاہ) کے خزانے کا حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آنا ثابت ہے۔ کیونکہ بَغَوی نے شرح السنّۃ میں صحیح سند کے ساتھ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس کسریٰ کے خزانے لائے گئے، تو عبداللہ بن ارقم زہری نے ان سے کہا: ''کیا آپ انہیں بیت المال میں نہیں رکھیں گے یہاں تک کہ آپ ان کو تقسیم کر دیں؟''

انہوں (عمرؓ) نے کہا: ''جب تک میں اس (مالِ غنیمت) کو تقسیم نہ کر دوں، اس پر کوئی چھت سایہ نہ کرے۔'' پھر اس کا حکم دیا گیا تو اسے مسجد کے صحن میں رکھا گیا اور لوگ رات بھر اس کی نگرانی کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو عمرؓ نے حکم دیا کہ اس پر سے کپڑا ہٹا دیا جائے۔ پھر دیکھا تو اس میں سرخی اور سفیدی (یعنی قیمتی جواہرات و خزانے) ایسی چمک رہے تھے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ یہ دیکھ کر عمرؓ رو پڑے۔ عبدالرحمٰنؓ نے ان سے کہا: ''اے امیر المؤمنین! آپ کو کس چیز نے رُلا دیا؟ اللہ کی قسم! آج تو شکر کا دن ہے، خوشی کا دن ہے اور مسرت کا دن ہے۔'' تو عمرؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایسا ہر گز نہیں! یہ (مال و دولت) جس قوم کو بھی دیا گیا، ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا گیا۔'' (2)

دودھ پینا

سُقْیَا اللَّبَن (دودھ پلانے کا واقعہ):

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم مکہ سے روانہ ہوئے، اور ہم نے ایک رات اور ایک دن سفر کیا یہاں تک کہ دن چڑھ آیا اور دوپہر کا وقت ہو گیا۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی کہ کوئی سایہ نظر آئے تاکہ ہم وہاں جا کر ٹھہر سکیں۔ اچانک

---

(1) الاستیعاب (۲/ ۱٤۸)۔

(2) امام بغوی نے شرح سنت میں حدیث نمبر (۲۷۴۲) پر اس کی تخریج کی ہے۔

ایک چٹان دکھائی دی۔ میں اس کے پاس گیا اور اس میں باقی بچے ہوئے سایہ کو درست کیا، پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کے لیے وہاں بستر بچھایا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! آپ لیٹ جائیں۔'' چنانچہ نبی ﷺ لیٹ گئے۔ پھر میں یہ دیکھنے کے لیے نکل گیا کہ ارد گرد کہیں طلب کرنے والوں (یعنی تعاقب کرنے والوں) میں سے کوئی نظر تو نہیں آرہا۔ اچانک میری نظر ایک چرواہے[1] پر پڑی جو اپنی بکریوں کو اس چٹان کی طرف لا رہا تھا، وہ بھی اسی چیز کو چاہتا تھا جس کو ہم چاہتے تھے[2]۔

میں نے اس چرواہے سے پوچھا: ''اے لڑکے! تو کس کا غلام ہے؟'' اس نے کہا: ''قریش کے ایک شخص کا'' اور اس کا نام بتایا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ پھر میں نے کہا: ''کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' میں نے کہا: ''تو کیا ہمارے لیے دودھ دوہ دے گا؟[3]'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' پھر میں نے اسے حکم دیا تو اس نے اپنی بکریوں میں سے ایک بکری

([1])حافظ ابن حجر فتح الباری (۳۵۷/۷) میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ چرواہے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے وہ حدیث ذکر کی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۴۴۱۲) پر اور طیالسی نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۳۵۱) پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں میں ایک نوجوان لڑکا تھا عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ائے جو کہ مشرکوں سے بھاگ رہے تھے تو انہوں نے کہا اے غلام کیا تمہارے پاس دودھ ہے جو ہمیں پلاؤ گے انہوں نے کہا یہ ساری بکریاں میرے پاس امانتیں اور میں تمہیں نہیں پلا سکتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی چھوٹی کم عمر بکری ہے تو میں نے کہا ہاں اور میں نے وہ بکری اپ دونوں کے پاس لائی مکمل حدیث اور یہ یہ حدیث حضرت براکی حدیث میں مذکور رائے کی تفسیر کے لیے درست نہیں ہے کیونکہ اسمیں ان سے کہا گیا تھا کیا تم اسے دھو سکتے ہو تو اس نے کہا تھا ہاں اور یہاں پر اس نے اشارہ کیا تھا کہ وہ نہیں دودھ نکالے گا اور اس سے تو ایک بہت زیادہ دودھ والی بکری کو دودھ تھا اور یہ اس بکری کی بات ہے جو بہت کمعمر تھی اور پھر ابن مسعود کی باقی حدیث میں ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ انکا قصہ ہجرت سے پہلے کا تھا کیونکہ انہوں نے اسمیں کہا تھا کہ پھر میں اسکے بعد اپ کے پاس ایا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپ یہ بات سکھایئے یہ اسبات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسلام ہجرت سے بہت پہلے ہی کا واقع ہے چنانچہ یہ بات باطل ہوگئی کہ یہ ہجرت کے راستے میں جو قصہ پیش ایا انہیں کے ساتھ ایا ہو واللہ اعلم۔

([2])یعنی سایہ۔

([3])حافظ ابن حجر فتح الباری (۳۳۲/۷) میں کہتے ہیں ظاہر طور پر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سوال سے اپ کا مقصد یہ تھا کہ کیا تمہارے پاس مسافروں کے لیے ضیافت اور مہمان نوازی کے طور پر ان بکریوں سے دودھ نکالنے کی اجازت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ

پکڑلی۔ پھر میں نے اسے کہا کہ اس کے تھن کو غبار سے صاف کرے، اور اسے یہ بھی کہا کہ اپنے ہاتھوں کو جھاڑ لے۔ اس نے یوں کیا کہ ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا۔ پھر اس نے میرے لیے بکری دوہی اور ایک برتن بھر کر دودھ نکالا۔ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چھاگل (مشی کی ہوئی پانی کی مشکیزہ) تھی، جس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ میں نے اس دودھ پر پانی چھڑکا تاکہ نیچے والا حصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ پھر میں دودھ لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ جاگ چکے ہیں۔ میں نے عرض کیا: ''پیجیے یارسول اللہ۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے دودھ پیا یہاں تک کہ میں مطمئن ہو گیا۔

پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! اب روانگی کا وقت آچکا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ پھر ہم روانہ ہو گئے اور لوگ ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔[1]

حدیث کے فوائد

حافظ نے الفتح میں فرمایا کہ اس حدیث میں درج ذیل فوائد ہیں:

1- تابعِ نیکوکار کی خدمت، چاہے وہ جاگ رہا ہو یا سو رہا ہو، یعنی جاگتے وقت اس کی مدد کرنا اور سوتے وقت اس کی حفاظت کرنا۔

2- حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نبی ﷺ کے لیے شدید محبت، ان کے ساتھ ادب و نزاکت، اور اپنی ذات پر ان کی ترجیح دینا۔

3- کھانے پینے کے آداب، اور یہ کہ کھانے یا پینے کی چیز کو صاف رکھنا مستحب ہے۔

جب ابو بکر نے ان بکریوں کے مالک کو جان لیا پہچان لیا تو اس سے دوستی کی وجہ سے اس کی رضامندی کو بھی جان لیا یا اس کی خاطر عام اجازت کو جان لیا۔

([1]) اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب المناقب - باب علامات النبوۃ حدیث نمبر (۳۶۱۵) اور انہوں نے ہی کتاب فضائل أصحاب النبي - صلی اللہ علیہ وسلم - باب مناقب المهاجرين وفضلهم منهم أبو بكر حدیث نمبر (۳۶۵۲) پر اور امام مسلم نے اسکی تخریج اپنی صحیح میں کتاب الأشربة - باب جواز شرب اللبن حدیث نمبر (۲۰۰۹) پر کی ہے۔

4- سفر کے اوزار، جیسے برتن اور کھانے کی جگہ، ساتھ رکھنا جائز ہے، اور یہ بھروسہ و توکل پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ [1]

چرواہے کا قبول اسلام

الحاکم نے المستدرک میں اور بیہقی نے الدلائل میں صحیح سند کے ساتھ (امام مسلم کے شرط پر) قیس بن نعمان سے روایت کی ہے کہ: جب نبی اکرم ﷺ اور ابو بکرؓ مخفی ہو کر روانہ ہوئے، تو وہ ایک چرواہے کے پاس سے گزرے جو اپنی بھیڑیں چرا رہا تھا۔ انہوں نے اس سے دودھ مانگا۔ چرواہے نے کہا: ''میرے پاس دوہنے والی کوئی بکری نہیں، سوائے اس کے کہ یہاں ایک دنبہ ہے جو سردیوں کے آغاز میں حاملہ ہوئی تھی اور دودھ نکال دیا، اب اس کے پاس دودھ نہیں رہا۔'' پھر نبی ﷺ نے کہا: ''اس کو بلاؤ۔'' چرواہے نے بکری کو بلا لیا۔ نبی ﷺ نے اسے پکڑا اور اس کا تھن صاف کیا اور دعا کی یہاں تک کہ دودھ نکلنے لگا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے ایک برتن لایا، بکری دوہی اور پہلے اپنے لیے، پھر چرواہے کے لیے، پھر خود نبی ﷺ نے پیا۔ چرواہے نے پوچھا: ''اللہ کی قسم! آپ کون ہیں؟ میں نے اپنی زندگی میں آپ جیسا نہیں دیکھا۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم سے چھپاؤں یہاں تک کہ میں خود بتاؤں؟ میں محمد ﷺ ہوں، اللہ کا رسول۔'' چرواہے نے کہا: ''تو وہی ہے جس کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ وہ صابئ (مشرک) ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ ضرور ایسا کہتے ہیں۔'' چرواہے نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے، اور جو کچھ آپ نے کیا وہ صرف نبی ہی کر

([1]) فتح الباری (۷/۳۵۷)۔

سکتا ہے، اور میں آپ کا پیرو ہوں۔" نبی ﷺ نے فرمایا: "آج تم یہ نہیں کر سکتے، جب تمہیں خبر ملے کہ میں ظاہر ہو گیا ہوں تو ہمارے پاس آجانا" [1]۔

ایک ضعیف قصہ

امام احمد نے اپنی مسند میں ضعیف سند کے ساتھ سعد الدلیل سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ تھے ہمارے پاس ابو بکر کی ایک دودھ پینے والی بچی تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے راستے کو مختصر کرنا چاہتے تھے تو سعید نے آپ سے کہا یہ راستہ بہت ہی گہرا ہے اور اسلم قبیلے کے دو چور وہاں پر موجود ہیں جنہیں مہانان کہا جاتا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے پاس چلیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ: "ہمیں ان کے پاس لے کر چلو" سعد کہتے ہیں کہ پھر ہم نکلے یہاں تک کہ ہم بلندی پر ہو گئے اسی وقت ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ یہ یمانی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا ان پر اسلام پیش کیا اور وہ لوگ اسلام لے آئے پھر ان سے ان کے نام دریافت کی ہے انہوں نے کہا کہ ہم دونوں مہانان ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم مکرمان ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ آپ کے پاس مدینہ آئیں تو وہ لوگ نکلے یہاں تک کہ قباء کے اطراف میں پہنچ گئے اور ان کی ملاقات بنو عمرو بن عوف سے ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ابو امامہ اسعد بن زرارہ کہاں ہیں؟"

تو سعد بن خیثمہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ!! وہ مجھ سے پہلے گئے ہیں، میں انہیں مطلع نہ کر دوں؟

([1])اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں کتاب الھجرۃ - باب ذکر مقامات مرور النبي عند الھجرۃ حدیث نمبر (۴۳۳۲) اور امام بیھقی نے اسکی تخریج دلائل نبوت (۴۹۷/۲) میں کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب کھجوروں کے درخت نظر آنے لگے تو معلوم ہوا کہ راستہ میں لوگوں کا جم غفیر بھرا ہوا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ابو بکر! ہماری منزل یہی ہے، میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں بنو مدلج کے حوضوں کی طرح کچھ حوضوں پر اتر رہا ہوں۔[1]

ام معبد خزاعیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا واقعہ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب اپنا راستہ مکمل کیا آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عامر بن فہیرہ اور آپ کی رہنمائی کرنے والے عبد اللہ بن اریقط بھی تھے راستے میں میں ان کا گزر ام معبد رضی اللہ تعالی عنہا کے خیمے سے ہوا ان کا گھر قدید[2] نامی مقام پر تھا وہ بوڑھی اور طاقتور خاتون تھیں وہ اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھ کر آنے جانے والے لوگوں کو پانی پلاتیں اور کھانا کھلایا کرتی تھیں آپ دونوں نے ان سے گوشت اور کھجور کے بارے میں سوال کیا تھا کہ ان سے خریدیں مگر ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ ملی اس وقت ان کے زادِ راہ ختم ہو گئے تھے اور وہ قحط سالی کے بھی شکار تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ام معبد اس بکری کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ کمزوری کے سبب یہ بکری دیگر بکریوں سے پیچھے رہ گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس میں دودھ ہے انہوں نے کہا یہ تو بہت ہی زیادہ کمزور ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ مجھے اسے دوہنے کی اجازت دیتی ہیں؟ انہوں نے کہا: اگر تم اسے اس لائق سمجھو تو دوہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے ہاتھ سے اس کے تھن کو چھوا اور اللہ تعالی کا نام لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دیگر بکریوں کے

([1]) اسکی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۶۶۹۱) پر کی ہے۔

([2]) قدید: تصغیر کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے، دیکھیے النہایۃ (۴/۲۰)۔

بارے میں دعا کی اسی وقت اس نے اپنے دونوں پیروں کو خوب پھیلایا اور اب اس کے تھن میں خوب دودھ بھر گیا پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن طلب کیا جس سے کئی لوگ پیٹ بھر کر دودھ پی سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس میں اس بکری کا خوب دودھ نکالا یہاں تک کہ دودھ سے برتن بھر گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ وہ بھی سیراب ہو گئے اور ان کے علاوہ لوگوں نے بھی پیا یہاں تک کہ سب کے سب سیراب ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار اسے تیزی سے دوہا یہاں تک کہ برتن ایک بار پھر گر گیا اور اسے ان کے پاس رکھ کر آپ سلم اور آپ کے ساتھی روانہ ہو گئے۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کے کہ ان کے شوہر ابو معبد ان کی کمزور بکریوں کو ہانکتے ہوئے لے کر آ گئے جو بہت ہی کمزوری کا شکار تھیں جب ابو معبد نے دودھ دیکھا تو انہوں نے تعجب کیا اور کہا کہ تمہیں دودھ کہاں سے ملا جب کہ بکری تو چرنے بھی نہیں گئی اور یہ حاملہ بھی نہ تھی اور نہ ہی گھر میں کوئی دوسری دودھ والی بکری تھی؟

انہوں نے کہا نہیں اللہ کی قسم ہوا یہ کہ ہمارے پاس ایک بابرکت آدمی گزرا گزرا جو اس اور اس صفت کا مالک تھا، انہوں نے کہا: ام معبد تم اس کی صفت بیان کرو، تو ام معبد رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت خوبصورت تھا، اس کا چہرہ روشن تھا، خوبصورت شکل و صورت کا مالک، نہ کسی تھکن نے اسے متاثر کیا اور نہ ہی کوئی بیماری اسے نقصان پہنچا سکی۔ وہ حسین اور خوش شکل تھا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی، پلکوں میں لطافت، آواز میں زرخیزی، گردن میں جاذبیت، اور داڑھی گھنی، سرخ، اور چمکتی ہوئی تھی۔ جب وہ خاموش ہوتا تو وقار نمایاں ہوتا، اور جب بولتا تو اس کی بات میں بلند وقار اور جمال ہوتا۔ وہ سب سے خوبصورت اور دور سے بھی

جاذب نظر، قریب سے بھی خوبصورت اور دلکش، بات میں نرمی اور روانی [1] تھی، بے عیب اور بے لغزش۔ گویا اس کا بیان موتی کی طرح [2] مرتب اور مسلسل بہتا ہوا تھا۔ قد میں بہترین، نہ لمبا تو نہ چھوٹا، ایک شاخ کے درمیان دوسری شاخ کی طرح، تینوں میں سب سے خوش منظر، اور جسم میں بھی بہترین۔ اس کے ساتھی اس کے گرد رہتے، اگر وہ کہتا تو سنتے، اگر حکم دیتا تو فوراً اس کی تعمیل کرتے، محفوظ اور مرتب، نہ کبھی تلخ مزاج، اور نہ کبھی جھگڑالو۔

ابو معبد نے کہا: یہی اللہ کی قسم قریش کے لوگوں کا ساتھی ہے جس کے بارے میں ہم سے ذکر کیا گیا تھا اور میری خواہش ہے کہ میں اس کے ساتھ رہوں اور اگر میں ایسا کرنے کا موقع پاؤں گا تو ضرور کروں گا۔

اس دوران مکہ میں ایک آواز بلند ہوئی جس کو لوگ سن رہے تھے مگر اس کہنے والے کو نہیں جانتے تھے وہ کہہ رہا تھا:

جَزَى اللَّهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهِ ... رَفِيقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَهْ أُمِّ مَعْبَدِ

هُمَا نَزَلَا بِالْغَارِ وَارْتَحَلَا بِهِ ... فَيَا سَعْدَ مَنْ أَمْسَى رَفِيقَ مُحَمَّدِ

فَيَالَ قُصَيٍّ مَا زَوَى اللَّهُ عَنْكُمُ ... بِهِ مِنْ فِعَالٍ لَا تُجَازُ وَسُؤْدَدِ

لِيَهْنَ أَبَا بَكْرٍ سَعَادَةُ جَدِّهِ ... بِصُحْبَتِهِ مَنْ يُسْعِدِ اللَّهُ يَسْعَدِ

سَلُوا أُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَإِنَائِهَا ... فَإِنَّكُمُ إِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ

دَعَاهَا بِشَاةٍ حَائِلٍ فَتَحَلَّبَتْ ... عَلَيْهِ صَرِيحًا دَرَّةُ الشَّاةِ مُزْبِدِ

---

(1) فصل یعنی بالکل واضح جو حق اور باطل کے درمیان وضاحت کردے، دیکھیے النہایہ امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں حدیث نمبر پر حسن سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چیت بالکل واضح ہوا کرتی تھی جیسے ہر سننے والا اسانی سے سمجھ جاتا تھا۔

(2) ڈاکٹر محمد ابو شہبہ اپنی کتاب السیرۃ النبویہ (۱/۴۸۹) میں کہتے ہیں یعنی اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بالکل مناسب اور ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی تھی مناسبت میں ان کی مثال موتی کے مانند تھی جو ایک دوسرے سے اسطرح ملے ہوتے تھے جیسے کہ یکے بعد دیگرے پوری موتیاں نکل جائیں۔

حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کہتی ہیں کہ ہم تین رات ٹھہرے رہے ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کس طرف گئے ہیں' یہاں تک کہ جنوں میں سے ایک شخص مکہ کے نچلے حصے سے آیا اور اس نے یہ اشعار پڑھے، لوگ اس کا پیچھا کر رہے تھے اس کی آواز تو سن رہے تھے مگر اسے دیکھ نہیں رہے تھے یہاں تک کہ وہ مکہ کے اوپری حصے سے نکل گیا، وہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے اس کی بات سنی تو ہم نے یہ اندازہ لگالیا اور ہم یہ جان گئے کہ اللہ کے رسول صلی وسلم کس طرف گئے ہیں ہم نے جان لیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی جانب روانہ ہوئے ہیں [1]۔

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے راستے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت نہیں ہے

ابن سعد نے طبقات میں ایسے سند سے جس میں واقدی ہیں نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو جب آپ غمیم [2] نامی جگہ پر پہنچے اس وقت بریدہ بن حصیب آپ کے پاس آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی طرف بلایا لہذا وہ اپنے ساتھیوں سمیت اسلام لے آئے وہ تقریبا اسی گھر تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی انہوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز ادا کی [3]۔

اور بریدہ رضی اللہ عنہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی جنگ حدیبیہ تھی۔

([1])ام معبد کا قصہ درج ذیل لوگوں نے تخریج کیا ہے: الحاكم في المستدرک - كتاب الهجرة - باب حديث أم معبد في الهجرة - رقم الحديث (٤٣٣٣) - والبيهقي في دلائل النبوة (٢/ ٤٩١) - وابن سعد في طبقاته (١/ ١١١) اور اس کی سند حسن ہے۔

([2])غمیم غین پہ زبر اور میم پہ زیر کے ساتھ ہے جو کہ مدینہ کے قریب رابغ اور جحفہ کے درمیان ایک جگہ ہے دیکھیے: معجم البلدان (٣٩٨/٣)۔

([3])اسکی تخریج ابن سعد نے اپنی طبقات (٤٤١/٤) میں کی ہے اور اسکی سند میں واقدی ہیں جو کہ متروک راوی ہیں اور اسے امام البانی نے ضعیفہ میں نقل کیا ہے حدیث نمبر (٤١١٢) (٥٤٥٠) پر اور کہا ہے اسکی سند بہت ضعیف ہے۔

امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین نے بریدہ کے بیٹے سے اپنے والد کے حوالے سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ آپ نے 16 جنگیں کی ہیں۔[1]

بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو خیبر والے دن جھنڈا لینا چاہ رہے تھے، جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں قوی سند کے ساتھ نقل کیا ہے بریدہ رضی اللہ تعالی کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے خیبر کا محاصرہ کیا ابو بکر نے جھنڈا اٹھایا تو وہ واپس آئے اور ان کے ہاتھ پر فتح نہ ہوئی پھر دوسرے دن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے لیا وہ بھی واپس آگئے اور ان کے لئے بھی فتح نہ ہوئی اور اس دن لوگوں کو محنت و مشقت کا سامنا کرنا پڑا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کل ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دینا چاہتا ہوں جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ اس وقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک کہ اللہ رب العالمین اس کے لیے فتح نہ کر دیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم رات بھر اسی خوشی میں رہے کہ اللہ تعالی ہمیں فتح دیں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی اور فجر کی نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور جھنڈا منگایا اور لوگ اپنے صفوں میں کھڑے تھے آپ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو بلایا اس وقت انکی آنکھ میں تکلیف تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور انہیں جھنڈا دے دیا پھر اللہ رب العالمین نے ان کے ذریعہ سے فتح سے ہمکنار کیا۔

بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو جھنڈا لینا چاہتے تھے۔[1]

([1]) اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب المغازی باب کم غزا النبي صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر (۴۴۷۳) پر اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجهاد والسیر باب عدد غزوات النبي صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر (۱۸۱۴) (۱۴۷) پر اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر پر (۲۲۹۵۳) کی ہے۔

بریدہ رضی اللہ ہو تعالیٰ عنہ مدینہ کے رہنے والے تھے پھر وہ بصرہ چلے گئے اور وہاں انہوں نے گھر بنالیا یا پھر وہ خراسان کی جانب جنگ کے لئے نکلے اور مرو نامی مقام پر قیام کیا یہاں تک کہ وہیں آپ کی وفات ہو گئی اور وہیں پر انہیں دفن کیا گیا صحابہ میں سے خراسان کے سرزمین پر فوت ہونے والے یہ آخری صحابی تھے ان کی وفات 62 میں ہوئی تھی[2]۔

زبیر اور طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کو کپڑے دیئے

مدینہ آنے سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مسلمانوں کے ایک شام سے واپس آرہے تجارتی قافلے میں زبیر بن عوام رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوئی اس وقت زبیر نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کو سفید کپڑے بطور تحفہ دی۔[3]

ابن سعد نے اپنے طبقات میں عبداللہ بن سعد عن ابیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے جحفہ سے قریب واقع خرار نامی علاقے سے گزرے تو دوسرے دن طلحہ بن عبیداللہ سے آپ کی ملاقات ہوئی جو کہ ایک قافلے میں شام سے واپس آرہے تھے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کو شامی کپڑا تحفے کے طور پر دیا اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ مدینہ کے مسلمان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب انتظار کر رہے ہیں رہے ہیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر تیز کر دیا اور طلحہ مکہ گئے اور جب وہاں اپنی ضرورت سے فارغ ہوئے تو وہ اس کے بعد ابو بکر کے گھر والوں کے ساتھ نکل پڑے وہی انھیں لے کر مدینہ آئے[4]۔

([1])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۲۹۹۳) پر کی ہے۔

([2])الإصابۃ(۴۱۸/۱)، أسد الغابۃ(۲۰۳/۱)۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، حدیث نمبر (۳۹۰۶) اور امام حاکم نے مستدرک میں کتاب الهجرة، باب استقبال الأنصار لرسول اللہ حدیث نمبر (۴۳۳۴) اور بیھقی نے دلائل نبوت (۴۹۸/۲) میں کی ہے۔

([4])الطبقات الکبری از ابن سعد (۱۱۵/۳)، دلائل نبوت از بیھقی (۴۹۸/۲)۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقام قبا[1] میں نزول

جب انصار کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کے لئے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو وہ ہر دن صبح کی نماز پڑھ کر حرہ[2] کی جانب نکل جاتے تھے اور دن کے پہلے حصے میں آپ کا انتظار کیا کرتے تھے اور جب گرمی تیز ہو جاتی تو وہ اپنے گھروں کو واپس آجاتے ،جب بعثت کے 14 ویں سال جو کی پہلی ہجری سال تھی 12 ربیع الاول[3] سوموار کا دن تھا جو کہ 23 ستمبر 622 میلادی بنتا ہے وہ اس دن بھی اپنی عادت کے مطابق نکلے تھے اور جب گرمی تیز ہوئی تو واپس آگئے جب وہ اپنے گھر کے پاس واپس آگئے تو یہودیوں میں سے ایک شخص ایک اونچی جگہ پر کچھ دیکھنے کی خاطر نمودار ہوا تو اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو سفید کپڑے میں دیکھا اور پھر وہ یہودی بلند آواز سے پکارنے لگا کہ عرب کے لوگو[4] یہ رہے تمہارے وہ مہمان جن کا تم انتظار کر رہے ہو اب مسلمانوں نے اپنے ہتھیار لئے اور حرہ کے مقام پر جا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی پھر بنو عمرو بن عوف میں کافی ہلچل اور تکبیر کی آواز آواز سنائی دینے لگی اور مسلمانوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے خوش ہو کر تکبیر کہیں اور آپ سے ملاقات کے لئے نکل پڑے لوگوں نے آپ سے ملاقات کی آپ کا خیر مقدم کیا اور نبوت کی سلامی پیش کی جو لوگ انصار میں سے آئے تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا وہ ابو بکر کو سلام پیش کرتے رہے یہاں تک کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سورج کی دھوپ

([1])قباء: یہ قاف کے پیش کے ساتھ ہے اس بستی کا یہ نام وہاں موجود ایک کنویں کی وجہ سے پڑا اور یہ بستی انصار میں سے بنو عمرو بن عوف کی رہائش گاہ تھی جو کہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر مکہ کی طرف جانے والوں کے بائیں سمت واقع ہے، دیکھیے: معجم البلدان (۷/۱۴)۔

([2])حرہ یہ مدینہ کے باہر ایک زمین ہے جہاں پر بہت سارے کالے پتھر موجود ہیں دیکھیے: النہایہ (۱/۳۵۱)۔

([3])یہی ابن اسحاق کی ان کیسیرت (۲/۱۰۵) میں موجود روایت سے مشہور ہے، مزید دیکھیے: فتح الباری (۷/۶۵۵)۔

([4])ابن اسحاق کی سیرت (۲/۱۰۶) میں موجود روایت میں ہے کہ: بنو قیلہ قاف کے زبر کے ساتھ جو کہ انصار کی بڑی دادی تھیں جو اوس اور خزرج کی والدہ تھیں ان کا نام قیلہ بنت کاہل تھا۔

پڑی[1] تو ابو بکر آگے بڑھے اور اپنی چادر سے آپ پر سایہ کیا اب لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہوئی[2] اور لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے سکون آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور آپ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ [سورۃ التحریم: ۹][3]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کا قیام

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف کے ایک شخص کلثوم بن ہدم[4] کے پاس اترے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن خیثمہ[1] کے پاس نزول کیا مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

([1]) میں کہتا ہوں کہ امام مسلم کی صحیح میں کتاب الزھد والرقائق باب حدیث الھجرۃ حدیث نمبر (۳۰۰۹) پر حضرت براابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہم مدینہ رات میں پہنچے۔
حافظ ابن حجر فتح الباری (۶۵۵/۷) میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ ہو گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری پہر میں مدینہ پہنچے تھے اور آپ دن میں مدینہ کے اندر داخل ہوئے۔

([2]) شیخ علی طنطاوی اپنی کتاب رجال من التاریخ میں صفحہ نمبر 18 پر کہتے ہیں کیونکہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ نہ تھے اور نہ ہی ریشم پہنتے تھے اور نہ ہی اپ پر بادشاہوں کی نشانیاں ہوتی تھیں اور نہ ہی اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر تاج ہوتا تھا بلکہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے خاکسار بندے تھے اپ وہی پہنتے تھے جو لوگ پہنا کرتے تھے وہ یکھاتے تھے جو لوگ کھاتے تھے اور اگر لوگ بھوکے رہتے تو اپ بھی بھوکے رہتے تھے اگر لوگ اسودہ ہوتے تو اپ بھی اسودہ ہوتے تھے اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بہت سے لوگ مالدار اور خوب دولت والے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند کیا کہ اپ فقیری کی حالت میں زندگی گزاریں اور اپ کو موت بھی فقیری کی حالت میں ہی پیش آئے۔

([3]) ان سب کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب ھجرۃ النبي و أصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر (۳۹۰۶) اور حاکم نے مستدرک میں کتاب الھجرۃ باب استقبال الأنصار للرسول حدیث نمبر (۴۳۳۴) پر اور ابن اسحاق نے سیرت (۱۰۶/۲) میں کی ہے، مزید دیکھیے: زاد المعاد (۵۲/۳)۔

([4]) حافظ ابن حجر الاصابہ (۴۶۲/۵) میں کہتے ہیں ہدم "ہاء" کے زیر اور "دال" کے سکون کے ساتھ ہے یہ کلثوم ابن ہدم انصاری ہیں جن کے پاس نبی صلیاللہعلیہوسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے وقت قیام کیا تھا کلثوم ابن خدم رضیاللہ عنہ غزوہ بدر کے تھوڑی دنوں

جن لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلثوم کے پاس نزول کیا وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کلثوم بن ہدم کے گھر سے نکلتے تھے تو سعد بن خیثمہ کے گھر میں لوگوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے کیونکہ وہ غیر شادی شدہ تھے ان کے پاس کوئی اور نہ تھا وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر شادی شدہ جدہ مہاجرین صحابہ کے رکنے کی جگہ بھی تھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خیثمہ کے گھر رکے ہوئے تھے اور سعد کے گھر کو غیر شادی شدہ لوگوں کا گھر بھی کہا جاتا تھا اس کا زیادہ صحیح علم اللہ رب العالمین کو ہے۔[2]

رہی بات ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی تو وہ خارجہ بن زید کے پاس رکے تھے جو کہ کی بنو خزرج کے بھائی تھے جو مدینہ میں عوالی کے سنح نامی مقام پر آباد تھے ان کے بارے میں یہی صحیح ہے ہے ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے بعد حبیبہ بنت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور ان کے یہاں ام کلثوم کی ولادت ہوئی ان کی ولادت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کے بعد ہوئی تھی[3]۔

پہلے فوت ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کلثوم ابن ہدم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کے بعد وفات پانے والوں میں سب سے پہلے صحابی تھے اور انہیں کوئی بھی غزوہ نصیب نہ ہوا۔

([1]) یہ سعد ابن خیثمہ انصاری اوسی بدری ہیں جو عقبہ والے دن 12 نقیبوں میں سے ایک تھے اور غزوہ بدر کبری میں انہوں نے شرکت کی اور وہیں پر یہ شہید ہوئے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں ابو نعیم نے یہ گمان کیا ہے کہ سعد ابن خیمہ یہ ابو خیمہ ہیں جو تبوک والے دن پیچھے رہ گئے تھے پھر وہ آپ کے ساتھ آگئے تھے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ ان کے علاوہ ہیں کیونکہ اہ اہل سیرت کا اس ترجمہ والے شخص کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ بدر میں شہید ہوئے تھے، دیکھیے الاصابہ (۳/۴۶)۔

([2]) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۲/۱۰۶) شرح المواہب (۲/۱۵۶)۔

([3]) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۲/۱۰۷)۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ مقام سنح پر تھے[1]۔

اور امام مالک نے موطا میں صحیح سند سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ میرے والد نے مقام غابہ[2] میں موجود اپنے مال میں سے بیس وسق[3] کھجوریں مجھے دے دیں اور پھر جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے آپ سے کہا: ... وہ اب وارث کا مال ہے وہ تمہارے بھائی ہیں[4] اور تمہاری بہنیں[5] ہیں تو تم آپس میں اسے اللہ رب العالمین کتاب کے مطابق تقسیم کرو، وہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا ہے میرے والد محترم یہ اسماء ہیں ان کے علاوہ میری دوسری بہن کون ہے؟

انہوں نے کہا: جو بنت خارجہ کی شکم[6] میں ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ہے پھر انہوں نے یہ وصیت کی کہ انہیں ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس خثعمیہ رضی اللہ عنہا غسل دیں گی[7]۔

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل أصحاب النبي باب قول النبي لو كنت متخذا خليلا میں حدیث نمبر (۳۶۶۷) پر کی ہے۔

([2])وسق: واؤ کے زبر اور سین کے سکون کے ساتھ ہے جو 60 صاع کا ایک پیمانہ ہوتا ہے، دیکھیے: النھایۃ (۱۶۱/۵)۔

([3])غابہ: یہ مدینہ کے قریب شام کی طرف ایک جگہ ہے جہاں پہ اہل مدینہ کا مال ومتاع ہوا کرتا تھا، دیکھیے: معجم البلدان (۳۷۳/۶)۔

([4])عائشہ رضیاللہعنہ کے بھائی عبدالرحمن محمد جو کہ حجۃالوداع کے موقع پر پیدا ہوئے تھے اسماء بنت عمیس کے ذریعے سے اور عبداللہ جو کہ اللہ کے رسول صلیاللہعلیہوسلم کے پاس ہجرتک ے وقت مکہ والوں کی خبر لایا کرتے تھے یہ غزوہ طائف میں شہید کیے گئے۔

([5])رہی بات ان کی بہنوں کی تو وہ اسماء اور ام کلثوم ہیں۔

([6])یعنی جو حبیبہ بنت خارجہ کے پیٹ میں تھے۔

([7])اسکی تخریج امام مالک نے موطا میں کتاب الأقضیۃ باب مالا یجوز من النحل حدیث نمبر (۴۰) پر کی ہے اور ابن الاثیر نے جامع الاصول میں اسے حدیث نمبر (۲۰۸۰) پر نقل کیا ہے اسی طرح اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۳۲/۵) میں بھی نقل کیا ہے اور اسکی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ خبیب بن اساف انصاری کے پاس ٹھہرے تھے یہ قول ضعیف ہے کیونکہ خبیب اس وقت مشرک تھے اور ابھی تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں ضعیف سند سے جو کہ اپنے شواہد کے ساتھ درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے عبدالرحمن بن خبیب کے واسطے سے ان کے والد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں اور میری قوم کا ایک اور آدمی اللہ کے رسول صلی علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آپ کسی غزوہ میں جارہے تھے ابھی ہم اسلام قبول نہ کئے تھے ہم نے کہا کے ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کے لوگ کسی جگہ جائیں اور ہم ان کے ساتھ نہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں اسلام قبول کر چکے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہم مشرکوں کے خلاف مشرکوں سے مدد نہیں لیتے" انہوں نے کہا کہ پھر ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ اس غزوہ میں شرکت کی[1]۔

([1]) اسکی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۵۷۶۳) اور امام طحاوی نے شرح مشکل الاثار میں حدیث نمبر (۲۵۷۷) پر کی ہے۔

مہاجرین کا مقام اور ان کی فضیلت

یہ وہ ہجرت کی داستان ہے جو ایک عظیم تاریخ کا آغاز بنی، جس کا کوئی نظیر نہیں۔ ہجرت تاریخ میں ایک نمایاں اور فیصلہ کن مقام رکھتی ہے، ایک ایسے دور کے خاتمے اور دوسرے روشن دور کے آغاز کے درمیان۔ وہ پرانا دور جو تاریکی اور ابتری میں ڈوبا ہوا تھا، جس میں تہذیب کمزور ہو رہی تھی، اور وہ نیا دور جو خوشحالی اور روشن مستقبل کا پیغام لے کر آیا، جس نے دنیا کے لیے عظمت اور کامیابی کے راستے روشن کیے۔ اسی لیے وہ مہاجرین، جنہوں نے اپنے گھروں، مال و دولت، وطن اور آبائی علاقوں کو ترک کیا اور اللہ کے راستے میں ہجرت اختیار کی، سب سے افضل مسلمان تھے، مقام و مرتبے میں بلند اور سب سے زیادہ ثواب کے مستحق تھے۔[1]

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ} سورة الحشر آية (٨)۔

امام بغوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: وہ دار ہجرت کی جانب اللہ تعالی کی رضامندی کے حصول کے لیے نکلے تھے[2]۔

قتادہ کہتے ہیں: یہ وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے اپنے گھر مال اور خاندان کے لوگوں کو چھوڑ دیا اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں نکل گئے انہوں نے سختی اور آزمائش کے باوجود بھی اسلام کو پسند کیا یہاں تک کہ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ

([1]) دیکھیے شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ کی کتاب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صفحہ نمبر 14۔

([2]) دیکھیے تفسیر بغوی جلد نمبر چار صفحہ نمبر ۳۵۸۔

کر رکھتا تھا تاکہ زندہ رہ سکے اور بھوک کا مقابلہ کر سکے اور کوئی سرد راتوں میں کنویں کے اندر بیٹھ کر گزارا کرتا تھا اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور گرمی کا کپڑا نہیں ہوتا تھا[1]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے حسن سند کے ساتھ ابو ریحانہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا اس دوران ایک رات ہمیں سخت سردی لاحق ہوئی تو میں نے دیکھا کہ لوگ گڑھا کھود کر اس میں داخل ہو جاتے تھے اور اپنے اوپر اپنا ڈھال رکھ لیا کرتے تھے۔[2]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور بغوی نے شرح سنہ میں بسند حسن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کی ہے کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے مہاجرین میں بے مال لوگ تم بروز قیامت مکمل کامیابی سے خوش ہو جاؤ تم جنت میں مالدار لوگوں سے آدھے دن پہلے ہی داخل ہوں گے جس کی مقدار پانچ سو سال کے برابر ہو گی"[3]۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کی ہجرت:

رہی بات ہے علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہؓ کی تو وہ مکہ میں تین دن اور تین راتیں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے پاس موجود امانتیں لوگوں کے حوالے کر دیں پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور آپ سے قبا کے مقام پر ملاقات کی اور آپ کے ساتھ کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ٹھہرے[4]۔

([1]) دیکھیے تفسیر بغوی (۳۵۸/۴)۔

([2]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۷۲۱۳) اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر (۱۹۸۹۹) پر کی ہے۔

([3]) اس کے تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۱۶۰۴) اور بغوی نے شرح سنہ (۱۹۲/۱۴) میں کی ہے۔

([4]) دیکھیے سیرت ابن ہشام (۱۰۷/۲)۔

سہل بن حنیف[1] رضی اللہ تعالی عنہ کے بعض فضائل:

سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہؓ نے قباء میں اقامت کے دوران ایک مسلمان عورت کو دیکھا جس کا شوہر نہ تھا اور ایک انسان کو دیکھا جو اس کے پاس آدھی رات کو آتا تھا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا جب وہ نکلتی تو اپنے پاس موجود کوئی چیز اسے دیتا تھا اور وہ لے لیا کرتی تھی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے تعلق سے شک ہوا تو میں نے اس سے کہا اللہ کی بندی یہ شخص جو ہر رات تمہارا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور تم نکلتی ہو اور وہ تمہیں مجھے نہیں پتہ کیا چیز دیتا ہے وہ کون ہے جب کہ تم تم ایک بغیر شوہر والی مسلمان عورت ہو۔

اس عورت نے کہا یہ سہل بن حنیف بن واہب ہیں ان کو پتہ ہے کہ میں ایک عورت ہوں اور میرا کوئی نہیں ہے لہذا جب شام ہوتی ہے تو وہ اپنی قوم کے بتوں کے پاس جاتے ہیں اسے توڑ دیتے ہیں اور پھر اس کا ٹکڑا میرے پاس لاتے اور کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے تم آگ جلاؤ پھر اس کے بعد سے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ان کے بارے میں یہ قصہ بیان کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ ان کے پاس عراق میں میں فوت ہوئے۔[2]

اس وقت تک مدینہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک ک بت موجود تھے جن کی اہل مدینہ سے کچھ لوگ پوجا کیا کرتے تھے، پھر ان کی قوم کے لوگ ان بتوں پر متوجہ ہوئے اور انہیں منہدم کر دیا۔

([1]) یہ سہل بن حنیف اوسی انصاری ہیں جو کہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے انہوں نے بدر کے دن شرکت کی تھی اور احد والے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو یہ ثابت قدم رہے تھے اور انہوں نے اس دن موت پر بیعت کی تھی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیروں سے دفاع کر رہے تھے اور انہوں نے خندق میں بھی شرکت کی تھی اسی طرح تمام مشاہد اور غزوات میں انہوں نے شرکت کی تھی علی رضی اللہ عنہ نے اپ کو بصرہ پر معرکہ جمل کے بعد اپنا جانشین مقرر کیا تھا پھر ان کے ساتھ یہ صفین میں بھی شریک رہے۔
اپ رضی اللہ عنہ کی وفات کوفہ میں سنہ 38 ہجری میں ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپ کی نماز جنازہ پڑھائی، دیکھیے: اسد الغابہ (۳۸۸/۲)۔

([2]) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۱۰۷/۲)۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت:

جب حد صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالی عنہ نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش کے کفار میں سے کچھ لوگوں نے انہیں روکا اور کہا کہ تم ہمارے پاس حقیر اور بے مال آئے تھے اب ہمارے پاس تمہارا مال بہت زیادہ ہو گیا، اور تمہارا وہ مقام ہو گیا ہے جو تم جانتے ہو پھر اب تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے مال اور نفس کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اللہ کی قسم یہ ہر گز نہیں ہو سکتا ان سے سہیل رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اپنا مال تمہیں دے دوں تو تم مجھے جانے دو گے انہوں نے کہا: ہاں پھر حضرت صہیب رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا مال تمہارے حوالے کر دیا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ کیا اگر میں تمہیں سونے چاندی[1] دے دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے اور میرے ساتھ وفاداری کرو گے تو انہوں نے ایسا ہی کیا پھر میں ان کے ساتھ مکہ گیا اور میں نے ان سے کہا دروازے کی چوکھٹ کے نیچے کھودو کیونکہ اس کے نیچے سونے چاندی ہیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نکلا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا قبل اس کے کہ آپ قباء سے کسی اور جانب نکلیں ،جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا اے ابو یحییٰ آپ کی تجارت کامیاب ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے آپ کے پاس کوئی نہیں آیا اب مجھے یہ پتہ چل گیا کہ اس بارے میں خبر آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام ہی نے دی ہو گی۔

([1])اوقیہ ہمزہ کے پیش اور یا کے تشدید کے ساتھ ہے جو کہ 40 درہم کا ہوتا ہے، دیکھئے: (۱/۸۰)۔

اسی سلسلے میں فرمان باری تعالیٰ کا نزول ہوا: {وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي (3) نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ}سورۃ البقرۃ: ۲۰۷۔ (1)

حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبا کے مقام پر تھے اسی دوران آپ کے پاس سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور حقیقت اور دین حق کی تلاش کرنے سے متعلق ان کا قصہ بہت لمبا ہے، آیئے ہم اب آپ کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی چھوڑ دیتے ہیں وہ ہمیں اپنے اسلام کے قبول کرنے کا قصہ بتائیں گے، سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اہل اصبہان (2) کے "جے" نامی ایک گاؤں کا فارسی شخص تھا اور میرے والد اپنے گاؤں کے مکھیا تھے، میں ان کے نزدیک اللہ کی مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب تھا، انہوں نے مجھ سے محبت کی وجہ سے مجھے اپنے گھر میں اسی طرح سے روک کر رکھا تھا جیسے کہ لڑکیوں کو روک کر رکھا جاتا ہے میں نے مجوسیت کے سلسلے میں بھی محنت کی یہاں تک کہ میں اس کی اس قدر خدمت کرتا تھا کہ میں آگ کو کبھی بھی بجھنے نہیں دیتا تھا، وہ کہتے ہیں کہ: میرے والد کا بہت بڑا کاروبار تھا، وہ کہتے ہیں: وہ ایک دن اپنے کسی کاروبار کے سلسلے میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے مجھ سے کہا: اے میرے بیٹے مجھے آج کے دن اپنے کاروبار کے سلسلے میں بہت زیادہ کام آچکا ہے تو آپ جاؤ اور فلاں کام انجام دے آؤ اور انہوں نے مجھ سے اپنے کام کی فرمائش کی تو میں ان کے کاروبار کے انجام دینے کے ارادے سے نکلا، میرا گزر ایک نصرانیوں کے کنیسے سے ہوا میں نے اس میں ان کی عبادت کی آواز کو سنی اور میں چونکہ میرے

---

(1) صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت کا قصہ درج ذیل لوگوں نے تخریج کیا ہے: مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ باب ذکر ھجرۃ صھیب بن سنان حدیث نمبر (۵۷۵۳)، (۵۷۵۹)، صحیح ابن حبان کتاب اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب الصحابۃ باب ذکر صھیب بن سنان حدیث نمبر (۷۰۸۲) فضائل صحابۃ از امام احمد حدیث نمبر (۱۵۰۹) دلائل نبوت از بیھقی (۵۲۲/۲) اور اسکی سند مجموعہ طرق کے اعتبار سے صحیح ہے۔

(2) اصبہان یہ ایران کا ایک شہر ہے۔

والد مجھے گھر میں باندھ کر رکھتے تھے اس لیے ان کے بارے میں نہیں جانتا تھا چنانچہ جب میرا گزر ان کے پاس سے ہوا اور میں نے ان کی آواز سنی تو میں ان کے پاس گیا تاکہ دیکھوں وہ کیا کر رہے ہیں؟، وہ کہتے ہیں: جب میں نے انہیں دیکھا تو ان کی عبادت کا طریقہ مجھے پسند آیا اور مجھے ان کے معاملے میں دلچسپی ہوئی اور میں نے کہا: یہ اللہ کی قسم اس دین سے زیادہ بہتر ہے جس پر ہم لوگ ہیں ،اللہ کی قسم میں نے انہیں سورج کے غروب ہونے تک نہیں چھوڑا اور میں نے اپنے والد کے کام کو چھوڑ دیا اور میں نے اس کو انجام نہ دیا، میں نے ان سے کہا: اس دین کی بنیاد کہاں ہے؟ اس دین کے اصل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: شام میں، وہ کہتے ہیں: پھر میں اپنے والد کے پاس واپس آیا، انہوں نے مجھے تلاش کرنے کے لیے لوگوں کو بھیجا تھا اور میں نے ان کے پورے کام سے ان کو معطل کر دیا اور مشغول کر دیا، وہ کہتے ہیں: جب میں ان کے پاس گیا، تو انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے تم کہاں تھے؟ کیا میں نے تمہیں فلاں فلاں کام کے لیے نہیں بھیجا تھا؟ وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے میرے والد میرا گذر کچھ لوگوں کے پاس سے ہوا جو اپنے کنیسہ میں عبادت کر رہے تھے، میں نے ان کے دین سے جو دیکھا وہ مجھے اچھا لگا، میں سورج غروب ہونے تک انہیں کے ساتھ رہ گیا، ان کے والد نے کہا: اے میرے بیٹے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا دین اس سے بہتر ہے، وہ کہتے ہیں، میں نے کہا: ہر گز نہیں اللہ کی قسم یہ ہمارے دین سے بہتر ہے، وہ کہتے ہیں: پھر میرے والد کو میرے تعلق سے خوف لاحق ہوا اور انہوں نے میرے پیر میں بیڑیاں ڈال دیں اور پھر مجھے اپنے گھر میں قید کر دیا۔

سلمان کہتے ہیں: میں نے نصرانیوں کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور میں نے ان سے کہا: جب تمہارے پاس شام سے نصرانیوں کے تاجروں کا کوئی قافلہ آئے تو تم مجھے ان کے بارے میں بتانا ،وہ کہتے ہیں: ان کے پاس شام سے نصرانیوں کے تاجروں کا ایک قافلہ آیا، وہ کہتے ہیں: انہوں نے مجھے اس کی خبر دی، وہ کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: جب وہ اپنی ضروریات کو پورا کر لیں اور اپنے شہر کی جانب واپس ہونے کا ارادہ کریں تو تم ان کے بارے میں مجھے خبر دینا، وہ کہتے ہیں: جب انہوں نے

اپنے شہروں کی جانب لوٹنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے مجھے ان کے بارے میں بتایا، تو میں نے اپنے پیر سے بیڑیاں کھول دیں اور میں ان کے ساتھ نکل گیا یہاں تک کہ ملک شام پہنچ گیا، جب میں ملک شام پہنچا تو میں نے کہا: اس دین کا سب سے بہترین شخص کون ہے؟ انہوں نے کہا کنیسے کا پادری، میں اس کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا: مجھے اس دین کے بارے میں رغبت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ رہوں اور تمہارے اس کنیسے میں رہ کر تمہاری خدمت کروں اور میں تم سے علم حاصل کروں اور تمہارے ساتھ عبادت کروں، اس نے کہا: تم میرے ساتھ آجاؤ، میں ان کے ساتھ ہو گیا، سلمان کہتے ہیں: وہ بہت ہی برا آدمی تھا، وہ صدقہ کا حکم دیتا تھا اور انہیں اس کی ترغیب دیتا تھا جب وہ لوگ اس کے پاس کچھ چیزیں جمع کرتے تھے تو وہ اپنے آپ کے لیے رکھ لیتا تھا اور مسکینوں کو کچھ بھی نہیں دیتا تھا یہاں تک کہ اس نے سونے اور چاندی کے چار گھڑے اکٹھا کر لیے ، سلمان کہتے ہیں: مجھے اس سے اس کے کام کی وجہ سے بہت سخت نفرت ہوئی، پھر وہ مر گیا اور نصرانی لوگ اس کو دفن کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے تو میں نے ان سے کہا: یہ شخص تو بہت برا آدمی تھا یہ تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا تمہیں اس کے سلسلے میں رغبت دیتا تھا جب تم اس کے پاس کچھ لے کر آتے تھے تو یہ اسے اپنے پاس خزانے کے طور پر رکھ لیتا تھا اور اس میں سے مسکینوں کو کچھ بھی نہیں دیتا تھا، انہوں نے کہا: تمہیں اس سلسلے میں جانکاری کیسے ہوئی ہے؟ وہ کہتے ہیں، میں نے کہا : میں تمہیں اس کے اس کے خزانے کے بارے میں بتاتا ہوں، لوگوں نے کہا: چلیے آپ ہمیں اس کے بارے میں بتائیے، سلمان کہتے ہیں: پھر میں نے اس کے خزانے کی جگہ کو انہیں دکھایا، سلمان کہتے ہیں: ان لوگوں نے وہاں سے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات گھڑوں کو نکالا، وہ کہتے ہیں: جب انہوں نے یہ ماجرہ دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم! ہم اسے کبھی بھی دفن نہیں کریں گے چنانچہ ان لوگوں نے اسے لٹکا دیا اور پھر اسے پتھروں سے مار کر سنگسار کیا۔

پھر وہ لوگ ایک دوسرے شخص کو لے کر آئے اور اس کی جگہ پر اسے مقرر کیا، راوی کہتے ہیں: سلمانؓ کہتے ہیں: میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو پانچ وقت کی نماز نہ پڑھتا ہو، اور

مجھے وہ اس سے بہتر نظر آئے؛ دنیا میں اس سے زیادہ بے رغبت، آخرت کی طرف اس سے زیادہ مائل، اور رات دن عبادت میں اس سے زیادہ محنت کرنے والا۔ سلمانؓ فرماتے ہیں: میں اس سے ایسی محبت کرنے لگا جیسی پہلے کبھی کسی سے نہیں کی تھی۔ میں کچھ زمانہ تک اس کے ساتھ رہا۔ پھر جب اس کی وفات کا وقت آیا تو میں نے اس سے کہا: اے فلاں! میں تمہارے ساتھ رہا ہوں اور تم سے ایسی محبت کی ہے جو اس سے پہلے کبھی کسی سے نہیں کی، اور اب جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اللہ کا حکم آ پہنچا ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرنے کی وصیت کرتے ہو اور مجھے کیا نصیحت فرماتے ہو؟۔

اس نے کہا: اے میرے بیٹے، اللہ کی قسم! میں آج کے دن کسی کو نہیں جانتا جو اس دین پر ہو جس پر میں تھا، سارے لوگ ہلاک ہو گئے اور سارے لوگوں نے جو اصل دین تھا ان میں سے بیشتر کو بدل دیا اس کو چھوڑ دیا سوائے موصل میں موجود ایک شخص کے؛ وہ فلاں شخص ہے وہ اسی دین پر ہے جس پر میں تھا تو تم اس کے پاس جا کر مل جاؤ، سلمان کہتے ہیں: جب اس کی وفات ہوئی اور وہ فوت ہوا تو میں موصل والے شخص کے پاس پہنچ گیا، میں نے اس سے کہا: اے فلاں شخص! فلاں شخص نے اپنی موت کے وقت مجھے یہ وصیت کی تھی کہ میں تمہارے پاس آجاؤں اور انہوں نے مجھے یہ بتایا تھا کہ تم اسی کے مثل ہو، وہ کہتے ہیں، اس نے کہا: تم میرے پاس قیام کرو، میں نے اس کے پاس قیام کیا تو میں نے اسے اپنے اس ساتھی کے مانند بہترین شخص پایا وہ بھی زیادہ دن تک نہیں رہا اس کو بھی موت آگئی، جب اسے موت آئی تو میں نے اس سے کہا: اے فلاں شخص مجھے فلاں شخص نے تمہاری جانب وصیت کی تھی اور مجھے تمہارے پاس جانے کا حکم دیا تھا اور اب اللہ رب العالمین کا حکم تمہیں بھی آ پہنچا ہے، اب مجھے کس کی جانب وصیت کرتے ہو اور مجھے کیا حکم دیتے ہو؟ اس نے کہا: اے میرے بیٹے اللہ کی قسم میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو اس طرح عمل کرتا ہو جیسے میں کرتا تھا سوائے نصیبین[1] نامی جگہ پر ایک شخص کے وہ فلاں شخص ہے اس کے پاس چلے جاؤ۔

([1]) نصیبین: نون کے زبر اور صاد کے زیر کے ساتھ ہے یہ جزیرہ عربیہ کے شہروں میں سے ایک آباد شہر ہے جو کہ موصل سے شام جارہے قافلوں کے راستے میں پڑتا ہے، دیکھیے: معجم البلدان (۸/۳۹۰)۔

سلمان کہتے ہیں: جب وہ فوت ہو گیا اور اس کو دفن کر دیا گیا تو میں نصیبین والے شخص کے پاس جا پہنچا اور میں اس کے پاس پہنچ کر میں نے اپنے معاملے کے بارے میں اس کو بتایا اور میرے ساتھی نے جو مجھے اس کے بارے میں حکم دیا تھا اس کی خبر میں نے اسے دی، تو اس نے کہا: میرے پاس ٹھہر جاؤ! میں اس کے پاس ٹھہرا رہا، میں نے اسے اپنے دونوں ساتھیوں کے معاملے پر پایا تو میں ایک بہتر انسان کے ساتھ ٹھہرا رہا، پھر اللہ کی قسم وہ بھی زیادہ دیر نہیں رہا اسے بھی موت آگئی، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا: اے فلاں شخص! فلاں نے مجھے فلاں کی جانب وصیت کی تھی پھر فلاں نے مجھے تمہارے جانی وصیت کی اب تم مجھے کس کی جانب وصیت کرتے ہو اور مجھے کیا حکم دیتے ہو؟ اس نے کہا: اے میرے بیٹے اللہ کی قسم! میں اب اپنے معاملے پر کسی شخص کو باقی نہیں جانتا جس کے پاس جانے کا میں تمہیں حکم دوں سوائے ایک شخص کے جو عموریہ[1] نامی مقام پر موجود ہے، بے شک وہ اسی دین پر ہے جس پر ہم ہیں اگر تمہیں پسند ہو تو تم اس کے پاس چلے جاؤ، اس نے کہا: بے شک وہ ہمارے ہی دین پر ہے۔

سلمان فارسی کہتے ہیں: جب وہ فوت ہو گیا اور اسے دفن کر دیا گیا تو میں عموریہ والے شخص کے پاس پہنچ گیا اور میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو اس نے کہا: میرے پاس ٹھہرو! میں اس کے پاس ٹھہرا رہا، وہ اپنے ساتھیوں کے مانند ہی تھا اور انہی کے دین پر تھا۔ سلمان کہتے ہیں: میں نے وہاں پر خوب کاروبار کیا یہاں تک کہ میرے پاس گائے اور بکریاں ہو گئیں، وہ کہتے ہیں: پھر اسے بھی اللہ کا حکم آ پہنچا، جب اسے موت کا وقت آیا تو میں نے اس سے کہا: اے فلاں شخص میں فلاں شخص کے پاس تھا انہوں نے فلاں شخص کے جانب مجھے وصیت کی اور فلاں نے مجھے فلاں کی جانب وصیت کی اور پھر فلاں شخص نے مجھے تمہاری جانب وصیت کی تو اب تم مجھے کس کی جانب وصیت کرتے ہو؟ اور مجھے کیا حکم دیتے ہو؟ اس نے کہا: اے میرے بیٹے اللہ کی قسم! میں اب اس

---

(1) عموریہ: یہ ترکی کا ایک شہر ہے۔

دین پر کسی کو نہیں جانتا جس پر ہم تھے تاکہ میں تمہیں اس کے پاس جانے کا حکم دوں لیکن اب ایک نبی کے مبعوث ہونے کا وقت آگیا ہے جو دین ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوگا جو عرب کی سرزمین پر رونما ہوگا جو دو کنکریلی پتھروں نوکیلی پتھروں والے[1] کھجوروں والی زمین کے درمیان والے سرزمین پر ہجرت کر کے جائے گا اور اس کے لیے کچھ نشانیاں ہوں گی جو چھپی نہیں ہوں گی وہ تحفہ کھائیں گے[2] صدقہ نہیں کھائیں گے[3] ان کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت[4] ہوگی اگر تم اس شہر کی جانب جانے کی طاقت رکھو تو تم ایسا ضرور کرو۔

([1]) حرہ: مدینہ کے باہر ایک بہت سارے کالے پتھروں وال یزمین ہے، دیکھئے: النھایۃ(۲/۴۹۸)۔

([2]) امام ابن قیم زاد المعاد(۲/۴۲۵) میں کہتے ہیں جب اپ صلیاللہعلیہوسلم کو کوئی تحفہ دیا جاتا تو اپ اسکو قبول فرماتے تھے اور اپ اس پر اس سے زیادہ مقدار میں بدلہ دیا کرتے تھے چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر(۲۵۸۵) پر عائشہ رضیاللہعنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں اللہ کے رسول صلیاللہعلیہوسلم تحفہ قبول کرتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیتے تھے اور اگر اپ صلیاللہعلیہوسلم اسکو واپس کرتے تو اسکے دینے والے سے معذرت کرتے تھے جیسے اپ صلیاللہعلیہوسلم کا صعب بن جثامہ سے کہنا جب انہوں نے شکار کا گوشت اپ کو تحفہ میں دیا تو اپنے فرمایا تھا: ((ہم نے اس کو واپس صرف اسلیے کیا ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہیں)) اس کی تقریر امام بخاری نے کی ہے حدیث نمبر(۲۵۷۳) پر۔

([3]) رہے بعد صدقہ کی تو یہ اپ صلیاللہعلیہوسلم کے لیے حلال نہیں تھا چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر(۱۰۷۲) پر مطلب ابن ربیعہ رضیاللہعنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلیاللہ علیہوسلم نے ارشاد فرمایا بے شک صدقہ محمد صلیاللہعلیہوسلم کے ال پر جائز نہیں ہے بے شک یہ لوگوں کے میل کچیل ہے

امام نووی شرح مسلم(۷/۱۵۷) میں کہتے ہیں اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ صدقہ بنو ہاشم اور بنو مطلب پر حرام ہے چاہے وہ عمل کیوجہ سے ہو یہ یا فقر وفاقہ اور مسکنت اور اسکے علاوہ اٹھ اسباب میں سے کوئی کسی ایک سبب کی بنا پر ہو یہی ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح ہے اور بعض لوگوں نے ہمارے اصحاب میں سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لیے اس پر عمل اور کام کو جائز قرار دیا ہے کام کرنے والوں کے حصے کے طور پر کیونکہ یہ اجارہ ہے اور یہ ضعیف اور باطل ہے اور یہ حدیث اس کے رد کے سلسلے میں صریح ہے اور نبی صلیاللہعلیہوسلم نے بنو ہاشم اور بنو مطلب پر ان کے حرام ہونے کی علت کے سلسلے میں تنبیہ کیا اور کہا کہ یہ انکی کرامت اور لوگوں کے گندگیوں سے ان کے دور رہنے کی وجہ سے ہے اور لوگوں کی گندگیوں کا معنی ہے کہ یہ ان کے اموال اور نفس کے پاکی کے طور پر ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالی نے سورہ توبہ کی ایت نمبر 103 میں ارشاد فرمایا ہے تو گویا یہ لوگوں کے گندگیوں کے دھونے کے مانند ہے۔

([4]) خاتم نبوتک ے سلسلے میں بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنو سعد میں حلیمہ سعدیہ کے پاس رضاعت کے تعلق سے بانتک ے وقت تفصیلی طور پر گزر چکی ہے اپ اسے وہاں دیکھ لیں۔

سلمان کہتے ہیں: جب وہ مر گیا اور دفن کر دیا گیا تو میں عموریہ میں جتنا اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا، پھر میرے پاس سے کلب قبیلے کے کچھ لوگ تجارت کی غرض سے گزرے، تو میں نے ان سے کہا کہ تم مجھے عرب کی سرزمین کی طرف اپنے ساتھ لے کر چلو اور میں تمہیں اپنی یہ گائیں اور بکریاں دے دوں گا۔

لوگوں نے کہا: ہاں، چنانچہ میں نے انہیں وہ دے دیں اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا، یہاں تک کہ جب وہ لوگ مجھے وادی قریٰ[1] لے کر آئے تو انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور مجھے ایک یہودی آدمی کے پاس غلام بنا کر بیچ دیا، اس کے پاس تھا اور میں نے کھجور دیکھے، اور مجھے یہ امید ہوا کہ یہ وہی شہر ہے جس کی صفت میرے ساتھی نے مجھے بتائی تھی، لیکن یہ بات میرے دل میں درست نہ لگی، جب میں اس کے پاس تھا اسی دوران اس کے پاس اس کا چچازاد بھائی مدینہ کے بنو قریظہ سے آیا، اس نے مجھے اس کے ہاتھ بیچ دیا اور وہ مجھے مدینہ لے کر آیا، اللہ کی قسم! ہم جیسے ہی مدینہ پہنچے اور میں نے دیکھا تو اسے اپنے ساتھی کی بتائی ہوئی صفت کے مطابق پہچان لیا، چنانچہ میں وہاں پر رہا اور اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو مبعوث فرما دیا، آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے، مگر مجھے ان کے ذکر کی کوئی خبر نہ ملی کیونکہ میں غلامی کے کام کاج میں مصروف تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما آئے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے آقا کے کھجور کے درخت کے اوپر خوشوں میں کام کر رہا تھا اور میرا آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران اس کا ایک چچازاد آیا اور اس کے قریب کھڑے ہو کر کہنے لگا: "فلاں! اللہ قبیلہ بنو قَیلہ[2] کو ہلاک کرے، وہ اس وقت قُباء میں جمع ہیں ایک ایسے آدمی پر جو آج مکہ سے ان کے پاس آیا ہے اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے"۔

---

(1) وادی القریٰ: یہ مدینہ اور شام کے درمیان مدینہ کی وادیوں میں سے ایک بہت زیادہ بستیوں والی ایک وادی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنہ سات ہجری میں اچانک فتح کیا اور پھر جزیہ دینے پر ان سے صلح ہو گیا اور وہاں پر یہود آباد تھے، دیکھیے: معجم البلدان (۴۳۳/۸)۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (654/7) میں لکھتے ہیں قیلہ قاف کے زبر اور یا کے سکون کے ساتھ ہے اور یہ انصار کی بڑی دادی ہیں جو کہ اوس اور خزرج کی والدہ تھیں ان کا نام قیلہ بنت کاہل بن عذرہ تھا۔

سلمان کہتے ہیں: جب میں نے یہ بات سنی تو مجھے کپکپی طاری ہو گئی، یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ میں اپنے آقا کے اوپر گر جاؤں گا پھر میں درخت سے نیچے اترا اور میں اس کے چچیرے بھائی سے کہہ رہا تھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ تم کیا کہتے ہو؟

سلمان نے کہا: میرا آقا ناراض ہو گیا اور اس نے مجھے زور دار طمانچہ مارا اور کہا تمہارا اور اس کا کیا لینا دینا؟ تم اپنا کام کرو، سلمان کہتے ہیں، میں نے کہا: کوئی بات نہیں، میں نے صرف اس کی بات پر تاکید کرنا چاہتا تھا، سلمان کہتے ہیں: اس وقت میرے پاس کچھ تھا جس کو میں نے جمع کیا تھا، جب میں نے شام کیا تو میں اس کو لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبا کے مقام پر گیا اور میں آپ پر داخل ہوا تو میں نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم نیک آدمی ہو اور تمہارے کچھ حاجت مند اجنبی ساتھی ہیں اور یہ کچھ چیزیں میرے پاس ہیں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، میں نے تمہیں تمہارے علاوہ لوگوں سے اس کا زیادہ حق دار سمجھا، وہ کہتے ہیں: پھر میں نے ان چیزوں کو آپ کے قریب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا: تم لوگ اسے کھاؤ اور آپ نے اپنے ہاتھ کو روک لیا، سلمان کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں کہا یہ پہلی بات تھی، پھر میں واپس آیا اور کچھ چیزیں جمع کیا اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ چکے تھے پھر میں آپ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے ہیں تو یہ ہدیہ ہے جو میں آپ کو دے رہا ہوں وہ کہتے ہیں: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی حکم دیا انہوں نے بھی کھایا، وہ کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں کہا یہ دو ہو گئی، وہ کہتے ہیں: پھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب آپ بقیع الغرقد [1] کے پاس تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کے جنازے کے لیے نکلے تھے اس پر دو چادریں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے آپ کو سلام کیا پھر میں نے آپ کے پیٹھ

([1]) بقیع غرقد مدینہ کے باہر ایک جگہ ہے جہاں پر اہل مدینہ کے قبرستان ہے وہاں پہ غرقد کے درخت تھے جو ختم ہو گئے مگر ان کا نام باقی رہا دیکھیے: النہایہ (۱/۱۴۵)۔

کی طرف دیکھنے کے لیے گھوما کہ کیا مجھے وہ مہر نظر آتی ہے جس کو میرے ساتھی نے مجھ سے بیان کیا تھا؟

چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے دیکھتے ہوئے دیکھا تو آپ پہچان گئے کہ میں کسی چیز کی تاکید کر رہا ہوں جو مجھ سے بیان کی گئی ہے وہ کہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹھ سے چادر کو گرادیا، چنانچہ میں آپ کے طرف اسے چومنے کے لئے بڑھا اور میں رو رہا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ادھر آؤ چنانچہ میں آیا تو میں نے اپنے قصے کو آپ سے بیان کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند آئی کہ آپ کے صحابہ بھی یہ بات سنیں۔

پھر سلمان غلامی کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہیں بدر اور احد میں شرکت کا موقع نہ مل سکا۔

سلمان کہتے ہیں: پھر مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے سلمان تم مکاتبہ کرلو، چنانچہ میں نے اپنے آقا سے 300 کھجور کے نئے درختوں اور چالیس اوقیہ[1] پر مکاتبہ[2] کرلیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا: تم اپنے بھائی کی مدد کرو چنانچہ انہوں نے کھجور کے درخت سے میری مدد کی، ایک آدمی میں نے تیس چھوٹے درخت دیئے اور ایک شخص نے بیس اور ایک شخص نے پندرہ اور ایک شخص نے دس، یعنی ہر شخص اپنے حساب سے میری مدد کرتا یہاں تک کہ میرے پاس تین کھجور کے چھوٹے پودے جمع ہوگئے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: سلمان گڑھا کھود و جب فارغ ہو جانا تو میرے پاس آنا تاکہ میں ان کھجوروں کو اپنے ہاتھوں سے لگاؤں۔

([1]) اوقیہ ہمزہ کے پیش اور یا کے تشدید کے ساتھ ہے جو کہ 40 درہم کا ہوتا ہے، دیکھئے: النھایۃ (۱/۸۰)۔

([2]) مکاتبہ: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے غلام کے ساتھ یہ معاہدہ کرے کہ وہ اسے کچھ مال (رقم) قسطوں میں ادا کرے، تو جب غلام وہ مال پورا ادا کردے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ (المصدر: النھایۃ 129/4، جامع الأصول 90/8)۔

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے گڑھا کھودا اور میرے ساتھیوں نے میری مدد کی یہاں تک کہ جب میں فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر خبر دی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ وہاں گئے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پودے دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے وہاں لگاتے قسم جس کے ہاتھ میں مسلمان کی جان ہے ان میں سے کوئی بھی پودا نہیں مرا پھر میں نے کھجور کا باغ دے دیا اور مجھ پر اب بھی مال باقی رہا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مرغے کے کے انڈے کے برابر بعض غزوات میں سے حاصل ہوا سونا لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکاتب فارسی شخص کا کیا بنا، کہتے ہیں پھر مجھے آپ کے پاس بلایا گیا اور آپ نے کہا یہ لے لو اور اپنے اوپر باقی بچے مال کو ادا کر دو، پھر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے اوپر باقی مالیت کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لے لو اللہ رب العالمین اس کے ذریعے سے تم سے اس مال کو ادا کر دیں گے، چنانچہ سلمان کہتے ہیں: میں نے اسے لے لیا اور اس میں سے میں نے ان کے لیے وزن کیا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے، وہ چالیس اوقیہ ہو گیا اور میں نے ان کا حق دے دیا اور آزاد ہو گیا پھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق میں شریک ہوا اور پھر آپ کے ساتھ مجھ سے کوئی بھی غزوہ فوت نہ ہوا[1]۔

([1])حضرت سلمان فارسی رضیاللہعنہ کا قصہ درج ذیل لوگوں نے نقل کیا ہے امام احمد نے مسند میں حدیث نمبر (۲۲۹۹۷) (۲۳۷۳۷) اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب اخباره عن مناقب الصحابة باب ذكر سلمان الفارسي حدیث نمبر (۷۱۲۴) اور حاکم نے مستدرک میں کتاب معرفة الصحابة باب ذكر من لقي سلمان الفارسي قبل الاسلام من الراهبين حدیث نمبر (۶۶۰۳) اور طحاوی نے شرح مشکل الاثار میں حدیث نمبر (۴۷۷۲) اور ابن اسحاق نے سیرت (۲۵۱/۱) میں اور اسکی سند حسن ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب البیوع باب شراء المملوک من الحربي وهبته وعتقه میں سلمان رضیاللہعنہ کے مکاتبت کا ذکر کیا اور یہ کہ وہ آزاد تھے مگر ان لوگوں نے ان پر ظلم کیا اور انہیں بیچ دیا۔

اور بخاری نے اپنی صحیح میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ انہیں دس سے زائد مالکوں کے پاس بیچا گیا[1]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ جمعہ نازل کی گئی: ((وءاخرین منهم لما یلحقوا بهم))[الجمعة: ٣][2]۔

وہ کہتے ہیں میں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب نہیں دیا یہاں تک کہ انہوں نے تین مرتبہ سوال کیا، اس وقت ہمارے پاس سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے تو آپ صلی وسلم نے اپنے ہاتھ کو سلمان پر رکھا پھر کہا: اگر ایمان ثریا[3] ستارہ کے پاس بھی ہوتا تو کچھ لوگ وہاں سے بھی اسے حاصل کر لیتے یا ان لوگوں میں سے ایک شخص اسے حاصل کر لیتا[4]۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں: تحقیق کہ وہی بات بالکل واقع ہوئی جو آپ صلی اللہ وسلم نے کہا تھا، کیونکہ ان میں سے یعنی فارس کے لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی وجود میں آئے جن کا ذکر

([1])اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب اسلام سلمان الفارس حدیثنمبر (٣٩٤٦) پر کیا ہے۔

([2])اور ابن حبان کے یہاں انکے صحی حکے اندر ایک دوسری روایت ہیں حدیثن مبر (٧٢٣١) پر ہے ابوہریرہ رضیاللہعنہ نے کہا: ((پھر اللہ کے رسول صلیاللہعلیہوسلم نے اسایت: وإن تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لایکونوا أمثالکم سورہ محمد آیت نمبر ٣٨ کی تلاوت فرمائی۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (٦٣٦/٩) میں کہتے ہیں اسباتکا احتمالہے کہ یہ اپصلیاللہعلیہوسلم سے یہ دونوں ہیای تیں نازل ہونے کے وقت صادر ہوئی ہوں۔

([3])ثریا ایکم شہور ستارہ ہے دیکھئے: النھایۃ (٢٠٥/١)۔

([4])اور صحیح مسلم میں ایک روایت کے اندر حدیثن مبر (٢٥٤٦) پر اور ابن حبان کے یہاں صحیح میں حدیثن مبر (٧٢٣١) پر ہے اللہ کے رسولصلیاللہعلیہوسلم نے فرمایا: ((تو اسے فارس کے کچھ لوگ ضرور حاصل کر لیتے)) اسح دیشکہ تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب التفسیر باب سورۃ الجمعۃ حدیثنمبر (٤٨٩٧) اور مسلمنے اپنیص حیح میں کتاب فضائل الصحابۃ باب فضل فارس حدیثن مبر (٢٥٤٦) (٢٣٢) پر کیے۔

احادیث کے حفظ اور اس کے اہتمام کے لیے مشہور ہوا، اور ان کے اس عمل میں بہت سے لوگ ان کی برابری نہ کر سکے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دن قبا کے مقام پر ٹھہرے رہے؟

شیخان نے اپنی صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس کے اونچائی والے حصے میں ایک محلے میں جسے بنو عمرو بن عوف کہا جاتا تھا وہاں پر قیام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس 14 راتوں تک ٹھہرے رہے۔[2]

اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا کے مقام پر بنو عمرو بن عوف کے درمیان چار دن پیر منگل بدھ اور جمعرات کو قیام کیا پھر اللہ رب العالمین نے جمعہ کے دن آپ کو ان کے درمیان سے نکالا اور بنو عمرو بن عوف کے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان اس سے زیادہ دنوں تک ٹھہرے ہوئے تھے۔[3]

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: انس رضی اللہ عنہ بنو عمرو بن عوف کے فرد نہیں تھے کیونکہ وہ اوس کے لوگ تھے اور انس خزرج قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے جو ذکر کیا ہے اسے تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے چنانچہ وہ اس کے علاوہ کے مقابلے میں قبول کرنے کا زیادہ حقدار ہے[4]۔

([1]) دیکھیے فتح الباری (۹/۶۳۶)۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب مقدم النبي و أصحابه المدينة حدیث نمبر (۳۹۳۲) پر اور مسلم نے اپنے صحیح میں کتب المساجد و مواضع الصلاة باب ابتناء مسجد النبي حدیث نمبر (۵۲۴) پر کی ہے۔

([3]) دیکھیے سیرت ابن ہشام (۲/۱۰۸)۔

([4]) دیکھیے فتح الباری (۷/۶۵۶)۔

مسجد قباء کی تاسیس

قباء پہنچ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام مسجد کی قباء کی بنیاد رکھی، یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی اور آپ نے اس میں نماز ادا کی، اور اسلام میں سب سے پہلے تعمیر کی جانے والی مسجد یہی تھی[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: یہ وہ پہلی مسجد ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ طور پر اپنے صحابہ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی، اور یہی وہ پہلی مسجد ہے جو عام مسلمانوں کے لئے جماعت کی خاطر تعمیر کی گئی[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ مسجد یعنی مسجد قباء مدینہ میں اسلام کی سب سے پہلے تعمیر کی جانے والی مسجد تھی، بلکہ یہ وہ پہلی مسجد تھے جو اس ملت میں عام لوگوں کے لیے تعمیر کی گئی، اس طرح سے ہم نے اس مسجد کو الگ کیا جب کہ ابو بکر نے مکہ میں اپنے گھر کے دروازے[3] پر تعمیر کی تھی، جس میں وہ عبادت اور نماز ادا کیا کرتے تھے، جو کہ خاص ان ہی کے لئے تھی، عام لوگوں کے لئے نہ تھی، واللہ اعلم۔[4]

فرمان باری تعالی ہے: ((لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ))[التوبہ:108]۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ: پھر اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو مسجد قباء میں نماز پر ابھارا جسے پہلے دن سے تقوی یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور مسلمانوں کے

---

(1) اسکی تخریج امام بخاریؒ اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب ھجرۃ النبي و أصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر (۳۹۰۶) پر کی ہے۔

(2) دیکھیے فتح الباری (۷/۲۵۶)۔

(3) حضرت ابو بکر کے اس مسجد کے تعمیر کرنے سے متعلق حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح حمیں کتاب مناقب الأنصار باب ھجرۃ النبي و أصحابہ إلی المدینۃ حدیث نمبر (۳۹۰۵) پر کیا ہے اور اسک تنقصی لہ منے پہلے ذکر کر کیے۔

(4) حافظ ابن کثیر کے کلام کو بدای ہوالنہایہ (۳/۲۲۳) میں دیکھیے۔

اتحاد واتفاق اور ان کے لیے ٹھکانے اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے پناہ کے ارادے پر تعمیر کیا گیا تھا، اسی لئے اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ((لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ)) جس کا سیاق مسجد قباء کے سلسلے میں ہے[1]۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: فرمان باری تعالی: ((لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ)) سے مراد کے سلسلے میں اختلاف ہے، جمہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے اور یہی آیت کا ظاہری مفہوم بھی ہے[2]۔

لیکن امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبدالرحمٰن بن ابی سعید کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد سے متعلق پوچھا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تمہاری یہ مسجد ہے "یعنی مدینہ کی مسجد[3]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی وہ میری یہ مسجد ہے"[4]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ابو سعید خدری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دو لوگوں کے درمیان اس مسجد کے سلسلے میں اختلاف ہوا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو ایک نے کہا: وہ اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کی مسجد ہے اور دوسرے نے کہا: وہ مسجد قبا ہے اور وہ دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے اس بارے میں

([1]) دیکھیے تفسیر ابن کثیر (۲۱۲/۴)۔

([2]) دیکھیے فتح الباری (۶۵۶/۷)۔

([3]) اسکی تخریج امام مسلم نے اپنے صحیح میں کتاب الحج باب بیان أن المسجد الذي أسس على التقوى حدیث نمبر (۱۳۹۸) پر کی ہے۔

([4]) اسکی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۱۱۰۷) پر کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ یہ مسجد ہے" یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور کہا کہ: "اس میں بہت زیادہ بھلائی ہے" یعنی مسجد قباء[1]۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ سوال ایسے شخص کی طرف سے صادر ہوا جس کے سامنے دونوں مسجدوں (مسجد نبوی اور مسجد قباء) کی برابری ظاہر ہوئی تھی، کیونکہ دونوں ہی نبی ﷺ نے تعمیر فرمائی تھیں۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ ﷺ نے جواب میں یہ وضاحت فرمائی کہ اس سے مراد آپ کی مسجد (مسجد نبوی) ہے۔ گویا اس کی فضیلت اور خصوصیت جو اس کو مسجد قباء پر مقدم کرنے کا باعث بنی، اس لیے ہے کہ مسجد قباء کی تعمیر اللہ تعالیٰ کے نبی کے لیے قطعی حکم سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ آپ ﷺ کی رائے پر ہوئی تھی۔ برخلاف آپ ﷺ کی اپنی مسجد کے، جسے اللہ کے حکم کے تحت تعمیر کیا گیا تھا۔ یا پھر اس لیے کہ مسجد نبوی میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو وہ قلبی اور روحانی کیفیات نصیب ہوئیں جو کسی اور جگہ حاصل نہیں ہوئیں۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: یہ بھی احتمال ہے کہ فضیلت کی وجہ یہ ہو کہ نبی ﷺ نے مسجد مدینہ (یعنی مسجد نبوی) میں طویل قیام فرمایا، جبکہ مسجد قباء میں چند ہی دن قیام فرمایا تھا۔ اور یہی ایک فضیلت کافی ہے، اس کے لیے قرطبیؒ رحمہ اللہ کی جو تکلّف بھری توجیہ ہے اس کی ضرورت نہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ دونوں ہی مسجدیں تقویٰ پر قائم کی گئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن کی بقیہ آیت میں: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا﴾ (التوبۃ: ۱۰۸) اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے۔ چنانچہ ابو داود نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ آیت ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ

([1]) اسکی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۱۱۷۸) پر کی ہے۔

([2]) دیکھیے فتح الباری (۷/۶۵۶)۔

﴿أَنْ يَتَطَهَّرُوا﴾ اہلِ قباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے[1]۔ "لہٰذا نبی ﷺ کے اس جواب دینے کی حکمت کہ "تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی مسجد میری مسجد ہے" یہ تھی کہ ایسا وہم پیدا نہ ہو جائے کہ یہ فضیلت صرف مسجد قباء ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے[2]۔

مسجد قباء کے فضائل:

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے حسن سند کے ساتھ ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے گھر سے نکلا یہاں تک کہ اس مسجد یعنی مسجد قباء آئے اور پھر اس میں نماز پڑھے، تو ایسا کرنا ایک عمرے کے برابر ہوتا ہے"[3]۔

اور ابن ماجہ اور ترمذی نے شواہد کے ساتھ حسن سند کے ذریعے اسید بن ظہیر انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد قباء میں ایک نماز عمرہ کے برابر ہے"[4]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء ہر سنیچر کو پیدل یا سوار ہو کر آیا کرتے تھے"۔[5]

([1]) اسکی تخریج امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الطھراۃ باب الاستنجاء بالماء حدیث نمبر (۴۴) پر کی ہے۔

([2]) دیکھیے فتح الباری (۷/۶۵۷)۔

([3]) اسکی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۵۹۸۱) پر اور حاکم نے اپنی مستدرک میں کتاب الھجرۃ باب من صلی في مسجد قباء حدیث نمبر (۴۳۳۶) پر کی ہے۔

([4]) اسکی تقریر امام ابن ماجہ نے اپنے سنن میں کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا باب ماجاء في الصلاۃ في مسجد قباء حدیث نمبر (۱۴۱۱) پر اور ترمذی نے اپنی جامع میں کتاب الصلاۃ باب ماجاء في الصلاۃ في مسجد قباء حدیث نمبر (۳۲۴) پر کی ہے۔

([5]) اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب فضل الصلاۃ في مسجد مکۃ والمدینۃ باب من أتی مسجد قباء حدیث نمبر (۱۱۹۳) پر اور امام مسلم نے اپنے صحیح میں کتاب الحج باب فضل مسجد قباء حدیث نمبر (۱۳۹۹) پر کی ہے۔

اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ میں صحیح سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: "میں مسجد قباء میں دو رکعت نماز پڑھوں یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ بہتر ہے کہ میں دو مرتبہ بیت مقدس جاؤں اور اگر لوگ جان لیں کہ مسجد قبا کی کیا فضیلت ہے تو اس کی جانب سفر کریں گے"[1]۔

(1) اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں کتاب الھجرۃ باب من صلی في مسجد قباء حدیث نمبر (۴۳۳۷) پر کی ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳/۳۹۱) میں اسے نقل کیا ہے اور اسکی نسبت اخبار مدینہ میں عمر ابن شیبہ کیجانب کی ہے اور اسکی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

قباء سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور پہلی نماز جمعہ

جب جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے۔ آپ ﷺ نے بنی نجار کے ایک گروہ کے پاس پیغام بھیجا تو وہ اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر ہوئے اور نبی ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، اس حال میں کہ وہ آپ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے [1]۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے جو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کی: انصار جمع ہو گئے اور آپ ﷺ کو بنی عمرو بن عوف کے مقام سے روانہ ہونے سے پہلے آکر ملے۔ وہ آپ کی اونٹنی کے گرد چلنے لگے اور کوئی شخص اپنے ساتھی سے اونٹنی کی مہار کھینچنے میں جھگڑتا تاکہ یہ سعادت اسے حاصل ہو جائے، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی عزت و تعظیم کی خاطر تھا [2]۔ [3]

چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو سالم بن عوف کے دیار میں ہی جمعہ کا وقت لاحق ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی رانوناء [4] کے اندر واقع مسجد میں اپنے ساتھ موجود مسلمانوں جن کی تعداد سو تھیان کے ساتھ اسے ادا کی، اس وقت آپ نے بیت المقدس کو اپنے سامنے رکھا چنانچہ جب یہودیوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبلہ کی جانب رخ

([1]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنیصحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة حدیث نمبر (۳۹۰۶) پر اور باب مقدم النبي و أصحابه المدينة حدیث نمبر (۳۹۳۲) پر اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۳۲۰۵)، (۱۳۳۱۸) اور ابن اسحاق نے اپنی سیرت (۱۰۸/۲) میں کی ہے۔

([2]) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کے سلسلے میں اپنے دوسرے ساتھی پر بخیلی سے کام لیا۔

([3]) دیکھئے: دلائل نبوت از بیہقی (۵۰۱/۲)۔

([4]) رانوناء: یہ عاشورہ کے وزن پر ہے جو کہ قبا اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے، دیکھیے: معجم البلدان (۳۸۴/۴)۔

کر کے نماز پڑھی ہے تو وہ لوگ آپس میں یہ بات کرنے لگے کہ انہوں نے تورات اور انجیل میں اس طرح سے لکھا ہوا اپنے پاس پایا ہے[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی وہ پہلی جمعہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ میں ادا کیا، بلکہ یہ مطلقاً پہلا جمعہ تھا۔ کیونکہ —اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے— مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو اتنی سہولت حاصل نہ تھی کہ وہ جمع ہو کر خطبہ اور کھلے عام وعظ کے ساتھ جمعہ قائم کر سکیں۔ اور یہ اس لیے تھا کہ مشرکین کی سخت مخالفت اور ان کی طرف سے پہنچائی جانے والی اذیت نے ایسا کرنا ممکن نہ رہنے دیا تھا۔ اور جمعہ کو "جمعہ" اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ "جمع" سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ مسلمان ہر ہفتے اس دن ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔[2]

مدینہ کے لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کا استقبال اور ان کی خوشی:

مدینہ والوں کا رسول اللہ ﷺ کا استقبال اور ان کی خوشی: پھر رسول اللہ ﷺ بنی سالم بن عوف کے علاقے سے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ اس موقع پر عتبان بن مالک اور عباس بن عبادہ بن نضلہ چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمارے پاس قیام فرمائیے، ہمارے پاس افراد بھی ہیں اور سامانِ قوت اور حفاظت بھی۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس (اونٹنی) کو جانے دو، یہ مامور ہے۔" چنانچہ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا، اور اونٹنی آگے بڑھ گئی۔ جب وہ بنی بیاضہ کے گھروں کے قریب پہنچی تو زیاد بن لبید اور فروہ بن عمرو اپنے چند آدمیوں کے ساتھ آئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! ادھر تشریف لائیے، ہمارے پاس آدمیوں کی تعداد، سامانِ قوت اور حفاظت موجود ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کو جانے دو، یہ مامور ہے۔" چنانچہ انہوں نے بھی راستہ چھوڑ دیا، اور اونٹنی آگے بڑھتی گئی۔ پھر جب

([1]) دیکھیے سیرت ابن ہشام (۱۰۸/۲) دلائل نبوت از بیہقی (۵۰۰/۲)۔

([2]) دیکھیے تفسیر ابن کثیر (۱۱۹/۸) البدایہ والنہایہ (۲۲۶/۳)۔

اونٹنی بنی ساعدہ کے گھروں کے قریب سے گزری تو سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آئے اور عرض کیا: "یارسول اللہ! ہمارے ہاں تشریف رکھیے، ہمارے پاس بھی تعداد، قوت اور حفاظت موجود ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے جانے دو، یہ مامور ہے۔" چنانچہ انہوں نے بھی راستہ چھوڑ دیا۔ یوں رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت کا منظر سراسر خوشی، مسرت اور شادمانی سے لبریز تھا۔ وہ دن ایک تاریخی اور یادگار دن تھا۔ گھروں اور گلیوں میں تکبیر اور تحمید کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، گویا پورا شہر ان نعروں سے گونج رہا تھا۔[1]

قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مدینہ منورہ حضور ﷺ کے تشریف لانے سے جگمگا اُٹھا، اور خوشی و سرور دلوں میں سرایت کر گئی"۔[2]

میں نے کہا: بھلا دل کیسے خوش نہ ہوں جب محبوب و دلبر ﷺ ان میں جلوہ فرما ہوں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ﷺ۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند (شرطِ مسلم پر) روایت کیا ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں لڑکوں کے ساتھ دوڑتا پھرتا تھا، وہ کہتے: "محمد ﷺ آ گئے، محمد ﷺ آ گئے!" تو میں دوڑتا مگر کچھ نظر نہ آتا۔ پھر وہ کہتے: "محمد ﷺ آ گئے"، تو میں دوڑتا مگر کچھ نظر نہ آتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لے آئے۔ ہم مدینہ کی کسی حرہ (کالی پتھریلی زمین) میں چھپ گئے، پھر آپ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک دیہاتی کو بھیجا تاکہ وہ انصار کو آپ ﷺ کی آمد کی خبر دے۔ چنانچہ تقریباً پانچ سو انصار آپ دونوں کے استقبال کے لیے نکل

---

(1) شیخ علی طنطاوی اپنی کتاب رجال من تعریف کی صفحہ نمبر 29 پر کہتے ہیں نبی صلیاللہعلیہوسلم مدینہ میں اسحالت میں داخل ہوئے کہ اپ کے اوپر کوئی جھنڈا نہیں تھا اور نہ ہی اپ کے پیچھے کوئی قافلہ تھا اور نہ ہی کوئی ڈھول تاشے بج رہے تھے صرف اپکے اوپر قران کے جھنڈے تھے اور اپکے پیچھے انے والے زمانے کے جھلکیاں تھیں اور اپ کے لیے رہتی دنیا تک کی تاریخ کا دلدھڑکرہا تھا۔

(2) دیکھیے شرف المواہب (۲/۱۶۵)۔

پڑے، یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ انصار نے کہا: "آیئے! آپ دونوں امن و امان کے ساتھ ہیں، اطاعت کی جائے گی۔" پھر رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے جلو میں چلنے لگے۔ مدینہ کے لوگ استقبال کے لیے نکل آئے، یہاں تک کہ لڑکیاں گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر آپ ﷺ کو دیکھنے لگیں اور کہنے لگیں: "کون ہیں وہ؟ کون ہیں وہ؟"۔

اور ہم نے اس دن جیسا حسین و جمیل منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے مدینہ کے لوگوں کو کسی چیز پر اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا وہ رسول اللہ ﷺ کے آنے پر خوش ہوئے تھے، یہاں تک کہ لونڈیاں بھی کہنے لگیں: رسول اللہ ﷺ آ گئے، رسول اللہ ﷺ آ گئے"[2]۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے، اور لڑکے اور خادم گلیوں میں پھیل گئے اور پکارنے لگے: اے محمد! اے رسول اللہ! اے محمد! اے رسول اللہ"![3]

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں صحیح سند (شرطِ بخاری پر) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب ہم مدینہ پہنچے تو لوگ سڑکوں پر اور گھروں کی چھتوں پر نکل آئے، بچے اور خادم کہنے لگے: محمد رسول اللہ آ گئے، محمد رسول اللہ آ گئے"۔[4]

([1]) اسکی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۳۲۰۵)، (۱۳۳۱۸) پر کی ہے۔

([2]) اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب مقدم النبي وأصحابه المدينة حدیث نمبر (۳۹۲۵) پر کی ہے۔

([3]) اسکی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الزهد والرقائق باب في حديث الهجرة حدیث نمبر (۳۰۰۹) پر کی ہے۔

([4]) اسکی تخریج امام ابن حبان نے اپنے صحیح میں کتاب التاریخ باب وصف قدوم المصطفى المدينة حدیث نمبر (۶۲۸۱) پر کی ہے۔

اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "بنی نجار کی چند لڑکیاں دف بجا کر نکلیں اور یہ اشعار پڑھنے لگیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَارِ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ [1]

ترجمہ: "ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں... کیا ہی خوش نصیب ہے یہ پڑوس کہ محمد ﷺ اس میں تشریف لائے"۔

اور ابن حبان نے اپنے صحیح اور احمد نے مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں داخلے کا دن تھا تو مدینہ کی ساری چیزوں روشن ہو گیئں تھیں [2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر مدینہ میں داخل ہوئے اس دن سے زیادہ بہتر اور پر نور دن میں نے کبھی نہیں دیکھا [3]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی انصار کے گھر میں سے کسی گھر کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لگام کو پکڑتے اور کہتے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئیں ہم تعداد میں تیاری میں اور شان و شوکت میں زیادہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ

([1]) اسکی تخریج اماما بنماجہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر (۱۸۹۹) پر اور بیہقی نے دلائل نبوت (۵۰۸/۲) میں کی ہے اور بیہق یکے یہاں اسبات کی صراحت واقع ہے کہ یہ اللہ کے رسول صلیاللہعلیہ وسل مکے ہجر تک سے بعد مدینہ تشریف لانے کے وقت واقع ہوا۔

([2]) اسکی تخریج ابن حبان نے اپنے صحیح میں کتاب التاریخ باب ذکر انکار الصحابۃ قلوبھم عند دفن الرسول حدیث نمبر (۶۶۳۴) پر کیے اور امام احمد نے اسکی تخریج اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۳۸۳۰) پر کی ہے۔

([3]) اس کے تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۲۲۳۴) پر کی ہے۔

وسلم ان سے کہتے: اس کا راستہ چھوڑ دو یہ مامور ہے[1]، اور آپ کی اونٹنی چلتی رہی یہاں تک کی بنو مالک بن نجار کے ایک گھر کے پاس آئی یہ وہی جگہ ہے جہاں آج مسجد نبوی میں موجود ہے اور وہاں بیٹھ گئی، ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نیچے نہ اترے پھر وہاں سے اٹھی اور تھوڑی دیر چلی پھر اسی جانب متوجہ ہوئی اور واپس آکر پہلی جگہ میں بیٹھ گئی وہ اس وقت عمرو کے بیٹے سہل اور سہیل کے کھجور سکھانے کی جگہ تھی وہ بن مالک بن نجار کے دو یتیم بچے تھے، اور وہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔

چنانچہ جب وہ بیٹھی اور اس نے اپنی گردن کے نچلے حصے کو زمین پر رکھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اترے بنو نجار[2] کے یہاں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہی ہماری قیام گاہ ہے، اور یہ اونٹنی کے لئے اللہ کی توفیق سے تھا

([1]) شیخ علی اپنی کتاب رجالا بن تاریخ (ص۱۸) میں کہتے ہیں: اور انصار کے لوگ اپ کے پاس اپکو دعوت دینے کے لیے ائے کہ اپ انکے پاس قیام کریں اس ہمیشہ رہنے والے شرف کو پانے کے لیے وہ ایک دوسرے سے اگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

دیکھو اپ صلیاللہ علیہ وسلم کے نرمی اور اپ صلیاللہ علیہو سلم کے اعلی اخلاق کو کہ اپ کسی کو بھی انکار کر کے تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے چنانچہ اپ نے کہا اونٹنی کو چھوڑ دو کیوں کی یہ حکم دیگئی ہے۔

([2]) حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۲۱۶/۳) میں کہتے ہیں اور اپ صلیاللعلیہو سلم کے بنجار میں قیا کرنے اور اسکے اللہ کی جانب سے ایک ے لیے اختیار کرنے ہیں بہ تبڑی منقبت موجود ہے اس وقت مدینہ میں بہت سے گھر تھے جنکی تعداد نو تک پہنچتی تھی اور ہر گھر اپنے قیاگ اہوں اور کھجور کے باغوں اور کھیتیوں اور انکے مالکوں کے ساتھ ایک پورا مستقل محلے کی صورتمیں تھا انکے قبیلوں ہیں سے ہر قبیلہ کہ لوگ اپنے محلوں ہیں اکٹھا ہوئے اور یہ ایک دوسرے سے لگے ہوئے گاؤں کے مانند تھے تو اللہ تعالی نے اپنے رسولک ے لیے بنو مالک ابن نجار کے تار کو اختیار کیا امام بخاریے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (۳۷۸۹) اور مسلم نے اپنے صحیح ہیں حدیث نمبر (۲۵۱۱) پر ابو اسید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلیاللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انصار کے گھروں میں سب سے بہتر گھر بنو نجار کا ہے پھر بنو عبدالاشہل کا پھر بنو حارث ابن خزرج کا پھر بنو سادہ کا اور انصار کے سبھی گھروں میں خیر ہے اور بھلائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ وہ اپنے ماموں زادوں کے یہاں بنو نجار میں قیام کریں[1]۔

اور ایک دوسری روایت میں صحیح مسلم کے اندر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بنو نجار کے پاس قیام کروں گا جو عبد المطلب کے ماموں زاد ہیں، میں انہیں اس چیز کے ذریعے سے عزت بخشوں گا[2]۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے خاندان[3] کے لوگوں کے گھروں میں سب سے قریبی گھر کونسا ہے؟۔

تو ابو ایوب نے کہا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا دروازہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تم چلو اور ہمارے لیے قیلولہ کی جگہ تیار کرو[4] کرو چنانچہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساز وسامان کو اٹھایا اور اسے اپنے گھر میں رکھ لیا ایک شخص آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہاں قیام کریں گے؟

([1])ان سب کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة حدیثنمبر (۳۹۰۶) پر اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب ابتناء مسجد النبي حدیث نمبر (۵۲۴) پر اور بیہقی نے دلائل نبوت (۵۰۴/۲) میں اور ابن اسحاق نے سیرت (۱۰۹/۲) میں کی ہے۔

([2])اسکی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتب الزهد والرقائق باب حديث الهجرة حدیث نمبر (۳۰۰۹) پر اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں کتاب التاریخ باب فصل في هجرته إلى المدينة حدیثنمبر (۶۲۸۱) پر کی ہے۔

([3])حافظ ابن حجر فتح الباری (۶۶۶/۷) میں کہتے ہیں اپ صلیاللہعلیہ وسلم نے ان پر اپنے گھر والوں کا اطلاق اسلیے کیا کیونکہ انکے درمیان عورتوں کے مابین قرابتداریاں تھیں کیونکہ انہیں میں سے اپکے دادا عبد المطلب کی والدہ سلمہ بنت عوف تھیں جنکا تعلق بنو مالک ابن نجار سے تھا۔

([4])حافظ ابن حجر فتح الباری (۶۶۶/۷) میں کہتے ہیں قیلولہ دن کے درمیانے حصے میں ارام کرنے کو کہا جاتا ہے اگرچہ اسمیں نیند شامل نہ ہو۔ اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة حدیث نمبر (۳۹۱۱) پر کی ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے ساز و سامان کے ساتھ ہوتا ہے، اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی اور وہ ان کے پاس رہی [1]۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خارجہ بن زید کے پاس مقام سنح [2] میں گئے جیسا کہ گزر چکا ہے [3]۔

یہ اشعار محل نظر ہیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ [4]

([1]) اسکی تخریج ابن سعد نے اپنی طبقات (۱/۱۱۴) میں کی ہے اور اور انہوں نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے یہ ثبت ہے۔

([2]) سنح سین کے پیش کے ساتھ ہے جو مدینہ کے بالائی حصے میں ایک جگہ ہے جہاں پر بنو حارث ابن خزرج کے قیام گاہ ہوا کرتے تھے دیکھیے الی ہر رسول صلیاللہعلیہوسلم کے ہجرت کی تفصیل دیکھیے النھایۃ (۲/۳۶۶)۔

([3]) ہجرت رسول کی تفصیل دیکھئے: صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي و أصحابه إلى المدينة حدیث نمبر (۳۹۰۶)، (۳۹۱۱)، (۳۹۳۲) صحیح مسلم کتاب الزهد والرقائق باب في حديث الهجرة حدیث نمبر (۲۰۰۹)، مسند امام احمد حدیث نمبر (۳۱۲۰۵)، (۱۳۳۱۸)، صحیح ابن حبان باب الفتاریخ فصل في هجرته الى المدينة حدیث نمبر (۶۲۸۱)، سیرت ابن ہشام (۲/۱۰۸-۱۰۹)، دلائل نبوت از امام بیہقی (۲/۵۰۸-۵۰۹)، زاد المعاد (۳/۵۳)، الطبقات الکبری از ابن سعد (۱/۱۱۴)۔

([4]) اسے امام بیہقی نے دلائل نبوت (۵/۲۶۶) میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسے امام ابو حامد غزالی نے الاحیا (۲/۳۸۶) میں نقل کیا ہے اور حافظ عراقی نے احیا پر اپنی تخریج میں اس کو معلق قرار دیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ اسکی سند معضل ہے اور معضل وہ حدیث ہے جسکی سند سے دو یا اس سے زیادہ راوی پے در پہ ساقط ہوں

امام ابن القیم زاد المعاد (۳/۴۸۲) میں کہتے ہیں بعض راوی اس سلسلے میں وہم کے شکار ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اشعار اسوقت کہے گئے جب اپ صلیاللہعلیہوسلم مکہ سے مدینہ ائے تھے یہ ظاہری طور پر وہم ہے کیونکہ ثنیۃ الوداع یہ شام کے سمت میں ہے مکہ سے مدینہ ارہے شخص کی نظر اس پر نہیں پڑتا اور اس سے صرف وہی شخص گزرتا ہے جو شام کی جانب جارہا ہو

اور حافظ ابن حجر فتح الباری (۸/۴۷۳) میں کہتے ہیں کہ نبی صلیاللہعلیہ وسلم کے مدینہ انے کے وقت خواتین کا قول طلعالبدر علینا من سنیات الوداع منقطع سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے حلبیات میں

تنبیہ امام غزالی نے ان اشعار کو دف اور الہام کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے اور حافظ عراقی نے یہ کہہ کر انکا مواخذہ کیا ہے کہ اسمیں دف اور الحان کا ذکر نہیں ہے۔

ہجرت کی نمایاں جھلکیاں اور اس کے کامیابی کے عوامل

استاذ احمد عبدالعظیم نے اپنی کتاب التخطیط للھجرۃ میں فرمایا: "ہجرت کا منصوبہ ایسی کامیابی سے ہمکنار ہوا جو زمانے کے پیمانوں کے اعتبار سے ایک معجزہ محسوس ہوتا ہے۔ اس نے ایسے مقاصد حاصل کیے جنہوں نے اسے اسلامی تاریخ کا نقطۂ آغاز بننے کا مستحق بنا دیا۔ تو اس کامیابی کی نمایاں جھلکیاں کیا تھیں"؟

۱- ہجرت کے بعد قریش نے اپنی وہ قوت اور مقام کھو دیا جو وہ صدیوں سے وراثت میں پاتے آئے تھے، اور ان کی حکمرانی کا سکہ مٹ گیا۔ پھر ان کے بیچ اختلافات نے جنم لیا اور ان میں سے بہت سے لوگ مدینہ جا کر اسلام لے آئے۔

۲- قریش اب دعوتِ اسلامی کی راہ میں رکاوٹ نہ رہے؛ کیونکہ ہجرت نے ان کا رعب مستضعفین اور خوفزدہ افراد کے دلوں سے نکال دیا تھا، نیز عرب کے دلوں سے بھی ان کی ہیبت جاتی رہی۔ اب وہ اپنی پہلی حیثیت پر باقی نہ رہے، پردہ ہٹنے لگا، اور لوگ محمد ﷺ اور ان کی دعوت کو ایک غیر جانب دار نظر سے دیکھنے لگے۔ یوں وہ جوق در جوق دینِ اسلام میں داخل ہونے لگے، اور عرب کے قبائل ہر سمت سے، تبوک اور طائف سے آکر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔

۳- ہجرت کے ذریعے مدینہ کی حیثیت بلند ہو گئی۔ وہ مرکزِ توجہ بن گئی، اور اسی کے جھنڈے تلے پورا عربی جزیرہ متحد ہو گیا۔ مدینہ ہی دارالحکومت، مرکز اور دل کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کی فضا میں ایک ایسی جماعت قائم ہوئی جس کی بنیاد قبیلہ نہیں بلکہ عقیدہ تھا۔ مدینہ سے عربوں نے ایک ایسی متحرک اور فعال قوت کو جنم دیا جو اپنی اسلامی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے تیار تھی۔

٤- ہجرت کے نتیجے میں عربوں کی زندگی یکسر بدل گئی۔ وہ قوم جو ذرا سی بات پر جنگیں چھیڑ دیتی تھی اور خون بہاتی تھی، اب ایسے افراد بن گئے جو اعلیٰ اقدار اور اصولوں کے حامل

تھے؛ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے۔ ان کے درمیان بھائی چارے اور محبت کے رشتے مضبوط ہو گئے، بغض، کینہ، دشمنی اور انتقام کے اسباب ختم ہو گئے۔ حتیٰ کہ انصار و مہاجرین نے اپنے گھروں اور مال کو آپس میں تقسیم کر لیا، اور وہ ایک دل، ایک احساس کے ساتھ باہم تعاون اور رحمت کرنے لگے۔ اسلام نے انہیں اندھی تقلید، جہالت اور برائی سے آزاد کر کے اخلاقِ حسنہ پر جمع کیا۔ یوں فضیلت عام ہوئی، علوم و معارف پھیل گئے اور جہالت و جاہلیت کا خاتمہ ہو گیا۔

انگریز فلسفی تھومس کارلیل عربوں کے بارے میں کہتا ہے: وہ ایک ایسی قوم ہے جو صحرا میں پھرا کرتے تھے کئی صدیوں تک ان کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی، پھر جب عربی نبی آئے تو وہ علوم و معارف میں لوگوں کی مطمحِ نظر بن گئے، اور قلت کے بعد وہ کثرت میں ہو گئے اور ان کی طاقت و قوت ہو گئی بعد اس کے کہ وہ ذلیل و خوار تھے اور اسلام کے بعد ایک صدی بھی نہیں گزری کی ان کے عقل اور علوم سے زمین چاروں طرف روشن ہو گئی۔

۵- ہجرت کے ذریعے ایک اسلامی امت ابھری جسے اسلام نے یکجا کیا، نہ کہ قبائلی تعصبات نے۔ اس امت کی تشکیل منفرد تھی اور اس کی حضارت تاریخ کی دیگر حضارات میں بلند مقام رکھتی تھی۔ یہ امت اپنے افراد کے درمیان محبت اور بھائی چارے کے جذبات قائم کرتی تھی، جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾، ترجمہ: ((اور اس نے ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اگر تم زمین میں سب کچھ خرچ کر دو تو بھی ان کے دل نہ جوڑ سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی، بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے))۔ [الأنفال: ٦٣]۔

٦- ہجرت کے بعد اسلامی اجتماع اصولوں اور اخلاقیات پر قائم ہوا، اور اسلامی احکام پر مضبوط گرفت حاصل کی۔ اس میں فضائل مستقر ہو گئے، اور مدینہ ایک **فضیلت والی امت کی بنیاد** بن گئی، جو اپنی تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لیے نکلی اور اس طرح تاریخ کا رخ بدل دیا۔

۷ -ہجرت نے اسلام کو **جزیرہ عرب اور اس کے باہر آزادانہ حرکت** کا موقع دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں استقرار کے فوراً بعد قبیلوں کے ساتھ براہِ راست رابطے قائم کیے، اور خط و کتابت کے ذریعے ان سے تعلقات استوار کیے۔ علاوہ ازیں، آپ ﷺ نے ملکہ اور حکمرانوں کے لیے سفرا بھی بھیجے، جن کے یہ تعلقات مثبت نتائج لائے اور ان کا اثر اسلامی تاریخ کے تمام ادوار میں محسوس کیا گیا۔

۸ -ہجرت نے **وثنی دور کے خاتمے** اور ایک نئے دور کے آغاز کی بنیاد رکھی، جس کا شعار ایمان، انسان کی عزت اور لوگوں کو **بتوں کی غلامی سے آزاد کر کے اللہ کی عبادت میں داخل کرنا** تھا۔

۹ -ہجرت نے **اسلامی ریاست کے قیام کا اعلان** کیا، جو بین الاقوامی طور پر رائج اصولوں اور ضوابط کے مطابق تھی: یعنی **قوم، زمین اور حکومت**۔

۱۰ -ہجرت وہ سبب بنی جس سے مسلمانوں نے بڑے **فتوحات حاصل کیں**، جیسے دمشق، بغداد، الفسطاط، قیروان، فارس، قرطوبہ وغیرہ۔ اسی کی بدولت اسلام دنیا کے تمام دارالحکومتوں میں داخل ہوا اور ایک **اسلامی سلطنت** قائم ہوئی جو ہند سے لے کر بحر اوقیانوس تک پھیلی۔

۱۱ -ہجرت نے **اسلام کی عالمی حیثیت** کو یقینی بنایا، اس کے اصول ہر جگہ پھیلائے، اور دنیا کو ان سلطنتوں کے ظلم و ستم سے نجات دلائی جو شام، ایشیا صغریٰ اور شمالی افریقہ میں لوگوں پر حکمرانی کر رہی تھیں۔

۱۲ -ہجرت کے ذریعے دنیا **بے راہ روی اور وحشیانہ رویوں** سے نکل کر **تمدن اور انسانی اقدار** کی طرف گئی۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ ایک سچائی ہے، جس کی گواہی حتیٰ کہ دشمنوں نے بھی دی ہے۔

۱۳ - ہجرت نے اسلامی دنیا میں انسانی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا اور لوگوں کی چھپی ہوئی **صلاحیتیں اور قابلیتیں** جو جہالت اور کفر کی تاریکیوں میں دب کر زمین سے جمی ہوئی تھیں، کو اجاگر کیا۔ وہ **اسلام کے نور سے منور** ہو کر نکلے، **عظیم ذہانت کے حامل** بنے، ریاستیں قائم کیں، انصاف قائم کیا، اور اپنی خدمات کے سبب ہر دور میں عظیم شخصیات میں شمار ہوئے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو یہ مواقع اور مواقع کی زمین انہیں حاصل نہ ہوتی۔

بلاشبہ اس کے بعد... یہ بات واضح ہے کہ ہجرت ہی تھی جس نے اسلام کو ہر افق تک پہنچنے کی شروعات دی، اور یہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے خیر کی ابتدا تھی، نیز کمزور و مظلوم لوگوں کو ظلم و جبر سے نجات دلانے کی بشارت اور اسلامی تہذیب کے قیام کی بنیاد تھی۔ یہی سبب ہے کہ مسلمانوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ ہجرت کو اسلامی تاریخ کی شروعات سمجھا جائے، نہ کہ بعثت یا رسول اللہ ﷺ کی وفات کو[1]۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ بصیرت بھرا فیصلہ اور ہجرت کو تاریخ کی ابتدا قرار دینا[2] الکل مناسب اور صحیح اقدام تھا۔

([1]) دیکھیے کتاب التخطیط للھجرۃ مبادئ علمیۃ والھامات ربانیۃ (ص ۱۱۵-۱۲۳) از استاذ احمد عبد العظیم۔

([2]) اسکی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار باب التاریخ من أین أرخوا التاریخ؟ حدیث نمبر (۳۹۳۴) پر سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے نبی صلیاللہعلیوسلم کی بعثت اور اپ کی وفات سے اس کو شمار نہیں کیا انہوں نے اس کو اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ امد سے ہی شمار کیا

اور امام حاکم نے اپنے مستدرک میں کتاب الھجرۃ باب مشاورۃ عمر في أمر تاریخ الاسلام میں حدیث نمبر (۴۳۴۴) پر نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے سعید ابن مسیب رحمہاللہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں عمر رضیاللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ کس دن سے تاریخ لکھی جائے تو علی رضیاللہعنہ نے کہا اس دن سے جس دن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور شرک کے سرزمین کو چھوڑا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۲۲۰/۳) میں کہتے ہیں: کی سن 16 ہجری اور کہا گیا ہے کہ 17 ہجریا 18 ہجری میں عمر رضی اللہعنہ کے خلافت کے دوران صحابہ کرام نے ہجرت کے سال سے اسلام تاریخ کی ابتدا کرنے پر اتفاق کیا وہ اس لیے کیونکہ امیر المومنین عمر رضی اللہعنہ کے پاس کسی شخص پر ایک دوسرے شخص کا معاملہ لایا گیا جسمیں تھا کہ وہ معاملہ مذکورہ شخص پر شعبان کے مہینے میں واجب

نبی کریم ﷺ کا حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر قیام

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں ٹھہرے۔ حضرت ابوایوبؓ اس بات پر نہایت خوش ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر قیام فرمایا، اور وہ رسول اللہ ﷺ کے آرام اور سکون کا بے حد خیال رکھنے والے تھے۔

رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے زیریں حصے میں قیام فرما ہوئے، جبکہ ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ اوپری حصے میں رہتے تھے۔ ایک رات ابوایوبؓ چونک کر جاگے اور کہا: "ہم تو رسول اللہ ﷺ کے سرِ مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں!"

ہوگا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کون سا شعبان؟ اس سال کا شعبان جس میں ہم اور آپ ہیں یا گزشتہ سال کا شعبان یا آنے والے سال کا شعبان؟! تو عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو اکٹھا کر کے ان سے ایک ایسی تاریخ کے وضع کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا جس کے ذریعے سے لوگ قرض وغیرہ کی مدت کے سلسلے میں جانکاری حاصل کر سکیں تو کسی نے کہا: فارسیوں کی تاریخ کو اپنایا جائے جسے عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا اور فارسی لوگ یکے بعد دیگرے اپنے بادشاہوں کے ذریعے سے تاریخ مقرر کرتے تھے اور کسی نے کہا رومیوں کی تاریخ کے مطابق تاریخ بنائی جائے وہ اسکندر بن فلپس مقدونی نامی بادشاہ کی زندگی سے متعلق تاریخ لکھتے تھے جس نے عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے تاریخ شروع کی جائے اور بعض لوگوں نے کہا: آپ کی بعثت کے وقت سے تاریخ شروع کی جائے اور بعض لوگوں نے کہا: آپ کی ہجرت کے وقت سے تاریخ شروع کی جائے اور بعض نے کہا: آپ کی وفات کے وقت سے تاریخ شروع کی جائے تو عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت سے تاریخ شروع کرنے کی طرف مائل ہوئے کیونکہ وہ زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور تھا اور سبھی لوگوں کا حضرت عمر کے ساتھ اسبات پر اتفاق ہوا۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۷/۲۸۶) میں کہا ہے کہ بعض لوگوں نے ہجرت کے ذریعے سے اسلامی تاریخی شروعات کی مناسبت ظاہر کیا اور کہا تو انہوں نے کہا وہ فیصلے جو انہیں درپیش ہوئے تھے اور جن امور کے ذریعے سے تاریخ کی ابتدا کرنا ممکن تھا وہ چار تھے اپ کی ولادت اپ کی بعثت اپ کی ہجرت اور اپ کی وفات تو ان کے نزدیک تاریخ کی ابتدا ہجرت کے وقت سے کیے جانے کا مسئلہ راجح ہوا کیونکہ ولادت اور بعثت کے سال کی تعیین کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے رہی بات وفات کی تو انہوں نے اس سے دوری اختیار کی کیونکہ ایسا کرنے سے اپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غم اور افسوس کرنا خدشہ تھا چنانچہ ان کی رائے ہجرت میں منحصر ہوگئی اور انہوں نے ربیع الاول سے محرم کی جانب اس کو متاخر کیا کیوں کی ہجرت پر عزم وارادہ محرم میں ہی کیا گیا تھا کیونکہ بیعت اخبار ثانیہ ذوالحجہ کے درمیان میں واقع ہوئی تھی اور یہی ہجرت کا پیش خیمہ تھی چنانچہ بیعت کے بعد جو سب سے پہلا چاند نکلا تھا وہ محرم کا تھا اور ہجرت کے لیے ارادہ محرم کے مہینے میں کیا گیا تھا چنانچہ یہ مناسب ہوا کہ اسے ہی اسلامی تاریخ کی ابتدا قرار دی جائے محرم سے سال کی ابتدا کی مناسبت کے سلسلے میں یہ سب سے قوی بات ہے جو مجھے معلوم ہوئی ہے۔

چنانچہ وہ دونوں (ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ) ایک طرف ہٹ گئے اور پوری رات جاگتے رہے۔ صبح کے وقت حضرت ابوایوبؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں یہ بات ناپسند اور بڑی بات سمجھتا ہوں کہ میں آپ کے اوپر (بالائی منزل میں) رہوں اور آپ میرے نیچے (زیریں منزل میں) ہوں۔ لہٰذا آپ اوپر قیام فرمائیں اور ہم نیچے آجاتے ہیں"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابوایوب! زیریں منزل ہمارے لیے اور ان لوگوں کے لیے زیادہ سہولت والی ہے جو ہمارے پاس آتے ہیں"۔

حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نیچے (زیریں منزل) میں رہتے تھے اور ہم اوپر کے مکان میں تھے۔ ایک دن ہمارا ایک گھڑا جس میں پانی تھا ٹوٹ گیا۔ میں اور اُمّ ایوب فوراً ہماری ایک ہی قطیفہ (چادر) لے کر — جو ہمارے پاس واحد بستر تھا — اس سے پانی پونچھنے لگے، اس خوف سے کہ کہیں اس کا قطرہ رسول اللہ ﷺ پر نہ ٹپک جائے اور انہیں تکلیف نہ پہنچے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "میں کبھی بھی ایسی چھت پر نہیں رہ سکتا جس کے نیچے آپ ہوں"۔ چنانچہ ابوایوبؓ برابر رسول اللہ ﷺ سے اصرار اور درخواست کرتے رہے کہ آپ ﷺ اوپر قیام فرمائیں اور وہ خود نیچے رہیں۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ التجا قبول فرمالی اور بالائی منزل میں منتقل ہو گئے۔

حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے لیے کھانا تیار کرتے اور پھر آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیتے۔ جب آپ ﷺ کھا کر باقی بچا ہوا واپس بھیجتے تو میں اور اُمّ ایوب اس جگہ کو ڈھونڈتے جہاں آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے، اور ہم اسی جگہ سے کھاتے تاکہ اس سے برکت حاصل کریں۔ یہاں تک کہ ایک رات ہم نے آپ ﷺ کے کھانے میں پیاز یا لہسن ڈال دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے وہ کھانا واپس بھیج دیا اور میں نے دیکھا کہ اس میں آپ ﷺ کے ہاتھ کا کوئی نشان نہیں ہے۔ میں گھبرا کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے اپنا کھانا واپس بھیج دیا، اور

میں نے اس میں آپ ﷺ کے دست مبارک کا کوئی اثر نہیں پایا۔ حالانکہ جب بھی آپ ﷺ کوئی کھانا واپس بھیجتے تھے تو میں اور اُمِّ ایوب اسی جگہ سے کھاتے جہاں آپ ﷺ نے ہاتھ لگایا ہوتا تاکہ اس سے برکت حاصل کریں۔ تو آپ ﷺ نے آج اس کھانے سے کیوں پرہیز فرمایا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اس میں اس درخت کی بو پائی اور میں اللہ تعالی سے بات کرنے والا شخص ہوں"۔

ابو ایوب کہتے ہیں: کیا یہ حرام ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! لیکن میں ناپسند کرتا ہوں[1] ابو ایوب نے کہا: تو مجھے بھی وہ چیز ناپسند ہے جو آپ کو پسند نہیں[2]۔

وہ اس لیے کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آتے تھے[3]۔

ابو ایوب رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: اس کے بعد ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کبھی بھی ایسا کھانا نہ بنایا جس میں لہسن یا پیاز ہو[4]۔

([1])ابن حبان کی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ موجود ایک روایت میں حدیث نمبر (۲۰۹۲) پر ابو ایوب کہتے ہیں کہ میں نے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اپ کے ہاتھوں کے نشان نہیں دیکھے تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کے فرشتوں سے شرم محسوس کرتا ہوں لیکن وہ حرام نہیں ہے۔

([2])امام نووی مسلم کی شرح (۱۰/۱۴) میں کہتے ہیں رہی بات ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے ناپسند کرنے کی تو یہ محبوب اور اچھے ادب میں سے ہے اور اسمیں اہل فضل کی تکریم اور انکے ساتھ ادب میں مبالغہ کرنے کا بیان موجود ہے۔

([3])امام نووی مسلم کی شرح (۱۰/۱۴) میں کہتے ہیں اور اس حدیث میں ابو ایوب انصاری کے لیے کئی طرح سے ظاہری طور پر منقبت موجود ہے جن میں سے ایک یہ ہے ان کا نبی صلیاللہعلیہوسلم کے نیچے قیام کرنا دوسرا ہے اپ کے ساتھ ان کا ادب اور تیسرا ہے لہسن کے چھوڑنے میں انکا اپصلیاللہعلیہوسلم کی موافقت کرنا۔

([4])اللہ کے رسول صلیاللہعلیہوسلم کے ابو ایوب انصاریرضیاللہ عنہ کے گھر میں قیام کرنے سے متعلق احادیث کی تخریج درج ذیل لوگوں نے کی ہے دیکھیے: صحیح مسلم کتاب الأشربة باب إباحة أكل الثوم حدیث نمبر (۲۰۵۳)، مسند امام احمد حدیث نمبر (۲۳۵۰۷)، (۲۳۵۱۷)، صحیح ابن حبان، کتاب الصلاة باب فرض الجماعة و الأعذار التی تبیح ترکھا حدیث نمبر (۲۰۹۲)، (۲۰۹۴)، مستدرک حاکم کتاب معرفة الصحابة باب قيام النبي في بيت أبي أيوب حدیث نمبر (۵۹۹۲) سیرت ابن اسحاق (۱۱۲/۲)۔

اور بلاناغہ ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر انصار کے تین یا چار صحابہ باری باری اپنا کھانا لے کر اللہ کے رسول صلی وسلم کے پاس آتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوایوب کے گھر سے اپنے حجروں کی طرف منتقل ہو گئے[1]۔

ابو یعلی نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ جابر رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اللہ رب العالمین ہماری طرف سے انصار کو اچھا بدلہ دے خاص طور سے عبداللہ بن عمرو بن حرام اور سعد بن عبادہ کو))[2]۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مدت

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں اللہ کے رسول صلی وسلم کے قیام کی مدت ایک ماہ تھی[3]۔

ابن سعد نے اپنے طبقات میں یہ نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ایوب کے گھر میں سات مہینے تک قیام کیا[4]۔

میں کہتا ہوں: ہمارا میلان اسی طرف ہے جو حافظ ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک مہینے تک رہے کیونکہ مسجد نبوی اور اس اللہ علیہ وسلم کے حجروں کی تعمیر میں کچھ ہی دن لگے تھے کیونکہ ان کی تعمیر بہت ہی مختصر شکل میں تھی، جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

([1])دیکھئے: طبقات کبری از ابن سعد (۱/۱۱۴)۔

([2])اس کی تخریج امام ابو یعلی نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۰۷۹) پر کی ہے۔

([3])اس کو حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۱/۵۱۹) میں ذکر کیا ہے۔

([4])دیکھیے طبقات کبری از ابن سعد (۱/۱۱۴)۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی تعظیم و اکرام کرنا

دن گزرتے گئے یہاں تک کہ وہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ بصرہ تشریف لائے۔ اس وقت وہاں کے گورنر حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے جو کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کی طرف سے والی مقرر تھے۔ ابن عباسؓ نے اس موقع کو غنیمت جانا کہ ابو ایوبؓ کے احسان کا بدلہ چکائیں۔ حاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں ایک حسن سند کے ساتھ حبیب بن ابی ثابت سے روایت نقل کی ہے کہ: جب حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت ابن عباسؓ کے پاس بصرہ آئے تو ابن عباسؓ نے اپنا گھر خالی کر کے ان کے لیے مخصوص کر دیا، اور ان سے کہا: "میں تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا جیسا تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔" پھر ابن عباسؓ نے ابو ایوبؓ سے پوچھا: "تم پر کتنا قرض ہے؟" انہوں نے کہا: "بیس ہزار۔" ابن عباسؓ نے انہیں چالیس ہزار (درہم/دینار) اور بیس غلام عطا کیے، اور کہا: "یہ گھر میں جتنا کچھ ہے، سب تمہارا ہے"۔[1]

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت ابو ایوبؓ نے رسول اللہ ﷺ کی میزبانی اور اکرام پر کبھی بھی کسی سے بدلے کی توقع نہ رکھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے۔ لیکن یہ وہ اعلیٰ ادب ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دی ہے کہ نیکی کا بدلہ ویسی ہی نیکی یا اس سے بہتر صورت میں دیا جائے۔ اور اس ادب کو سب سے زیادہ ملحوظ رکھنے والے خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہلِ بیتِ اطہار تھے۔ اسی مفہوم میں امام ابو داود نے اپنی سنن میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے (جو شیخین [بخاری و مسلم] کی شرط پر ہے) کہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "... جو تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کرے تو تم بھی اس کا بدلہ دو، اگر تمہارے پاس

([1]) اسکی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں کتاب معرفۃ الصحابۃ باب اعطاء ابن عباس ابا عباس مالا کثیرا حدیث نمبر (۵۹۹۰) پر کی ہے۔

بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرو، یہاں تک کہ تم یہ محسوس کرنے لگو کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے"۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کی آمد

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہتے ہوئے ہی اپنے دونوں غلام اور ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر اپنے اہل خانہ کو آپ کے پاس لانے کی خاطر مکہ بھیجا، چنانچہ وہ لوگ آپ کی دونوں بیٹیوں فاطمہ اور ام کلثوم اور آپ کی بیوی سودہ بنت زمعہ اور آپ کی دایہ ام ایمن اور زید بن حارثہ کی بیوی اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید کو لے کر آئے۔

اور رہی بات زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو انہیں ان کے شوہر ابو العاص بن ربیعہ نے جو کہ اب تک مشرک تھے ہجرت سے روک لیا[2]، اور رہی بات آپ کی بیٹی رقیہ کہ تو وہ وہ پہلے ہی اپنے شوہر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر چکی تھیں۔

اور ان کے ساتھ عبد اللہ بن ابی بکر صدیق اپنے والد کے اہل و عیال کے ساتھ نکلے جن میں ابو بکر کی بیوی ام رومان اور ان کی دونوں بہنیں عائشہ اور اسماء تھیں یہاں تک کہ وہ لوگ مدینہ

([1]) اسکی تخریج امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الزکاۃ باب عطیۃ من سأل باللہ حدیث نمبر (۱۶۷۲) پر اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۵۳۶۵) پر کی ہے اور دیکھیے ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کا قول انکی کتاب السیرۃ النبویہ (۲/۲۷) میں۔

([2]) پھر ابو العاص بن ربیع غزوۂ بدر کبریٰ میں قیدی بنائے گئے، تو ان کی بیوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار بھیج کر ان کا فدیہ دیا۔ وہ اُس وقت مکّہ ہی میں تھیں۔ اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم متاثر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص بن ربیع کی قید کو کھولنے کا حکم دیا۔

اور ابو العاص رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ وہ زینب کو مدینہ بھیج دیں گے اگر وہ مکّہ واپس پہنچے۔ اور واقعی انہوں نے اپنی بات کو پورا کیا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

اور میں زینب رضی اللہ عنہا کے فدیہ دینے کا قصہ تفصیلی طور پر غزوۂ بدر کبریٰ کے ضمن میں ذکر کروں گا، ان شاء اللہ۔

آ گئے اور مقام سخ میں بنو حارث بن خزرج کے یہاں ٹھہرے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرے۔[1]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت:

اور اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے جب ہجرت کی اس وقت ان کے پیٹ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ جب وہ مقام قبا پہ ٹھہریں تو وہاں پہ ہی ان کی ولادت ہوئی، چنانچہ وہ انہیں لے کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تاکہ آپ ان کی تحنیک[2] کریں، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے گود میں رکھا اور ایک کھجور لیا اور اسے اپنے منہ میں چبایا پھر اسے کوچ کر ان کے منہ میں داخل کر کے تحنیک کی، چنانچہ ان کے پیٹ میں سب سے پہلی چیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی، اور ان کا نام عبداللہ رکھا، اور وہ ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلام میں نبی کے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے تھے[3]، اور یہود کہا کرتے

([1]) دیکھیے الطبقات الکبری از ابن سعد (۱/۱۱۴)، زاد المعاد (۳/۵۵)۔

([2]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۱/۵) میں کہتے ہیں: تحنیک کا معنی ہے کسی چیز کو چبا کر اسے بچے کے منہ میں ڈالنا ایسا بچے کے ساتھ ایسا اسلیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ کھانے کا عادی ہو جائے اور اس سے اسے مضبوطی ملے تحنیک کے وقت چاہیے کہ بچے کے منہ کو کھولا جائے تاکہ وہ اس کے پیٹ میں جائے اور تحنیک کے لیے سب سے بہترین چیز کھجور ہے اگر وہ میسر نہ ہو تو تازی کھجور اور اگر وہ نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز اور شہد دوسرے تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے۔

([3]) رہی بات انصار کے یہاں ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے سب سے پہلے بچے کی، تو وہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ دیکھیے: الاصابہ (۶/۳۴۶)۔

تھے کہ ہم نے مسلمانوں کو پکڑ لیا ہے مدینہ میں ان کے یہاں کوئی مذکر اولاد پیدا نہ ہو گی، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عبداللہ بن زبیر کی ولادت [1] کے وقت تکبیر پڑھی [2]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے پہلے سال میں ہوئی یہی معتمد قول ہے، بر خلاف اس قول کے جس کی تاکید امام واقدی نے کی ہے اور کچھ لوگوں نے ان کی اتباع بھی کی ہے کہ ان کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال بیس مہینے کے بعد ہوئی [3]۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا تعارف:

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، امیر المؤمنین، قریشی اسدی، مکی پھر مدنی تھے۔ آپ اسلام کے ایک جلیل القدر علمبردار اور بزرگ شخصیت تھے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے حواری حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (جو کہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے) کے بیٹے تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ قریش کے اپنے زمانے کے سب سے نامور شہسوار تھے، اور ان کے کئی مشہور و نمایاں کارنامے تاریخ میں ثبت ہیں۔ [4]

([1]) عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت کے قصے کی تفصیل درج ذیل لوگوں نے کی ہے: صحیح بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرۃ النبی وأصحابہ إلی المدینہ، حدیث نمبر (۳۹۰۹)، (۳۹۱۰)۔ کتاب العقیقہ، باب تسمیۃ المولود، حدیث نمبر (۵۴۶۹)۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب استحباب تحنیک المولود، حدیث نمبر (۲۱۴۶)۔

([2]) اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں، حدیث نمبر (۵۴۶۹) پر، أسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ پھر لوگ ان کے ذریعے سے بہت زیادہ خوش ہوئے، کیونکہ ان کے لیے کہا گیا تھا کہ یہودیوں نے تمہیں جادو کر دیا ہے، تو تمہارے یہاں بچوں کی ولادت نہ ہو گی۔

([3]) دیکھیے: فتح الباری (۷/۶۶۱)۔

([4]) دیکھیے: سیر اعلام النبلاء (۳/۳۶۳)۔

براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وفات:

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں مرسل حسن سند کے ساتھ قتادہ کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ نے براء بن معرور کے متعلق پوچھا، تو لوگوں نے کہا: ان کی وفات ہو گئی ہے اور انہوں نے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کی ہے، اور انہوں نے یہ بھی وصیت کی ہے کہ جب ان کی وفات ہو جائے تو ان کا چہرا خانہ کعبہ کی طرف کر دیا جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انہوں نے فطرت کو پالیا اور میں نے ان کا ایک تہائی مال ان کے بیٹے کے سپرد کر دیا: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گئے اور ان کی نماز جنازہ ادا کی اور کہا: ((اے اللہ تو ان کی مغفرت فرما ان پر رحم کر انہیں جنت میں داخل کر اور یقینا تو نے ایسا کر دیا))۔[1]

اور ان کی وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد سے ایک ماہ قبل صفر کے مہینے میں ہوئی تھی[2]۔

میں کہتا ہوں: براء ابن مارور رضی اللہ عنہ عقبہ ثانیہ کی رات 70 لوگوں میں سے تھے، وہ وہ اپنی قوم کی طرف سے نیابت کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے وا لے نقیبوں میں سے ایک تھے، اور وہ عقبہ کی رات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے بیعت کرنے والے تھے، ان کا ذکر دوسری مرتبہ بیعت عقبہ کے وقت گزر چکا ہے۔

"اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کعبہ کی طرف رُخ کیا، زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا جاتا"۔[1]

([1]) اس کے تخریج امام محاکم نے المستدرک میں، کتاب الجنائز، باب یوجہ المحتضر إلی القبلۃ، حدیث نمبر (1345) پر کی ہے، اور اسے طبقات کبریٰ (313/3) میں ابن سعد نے بھی ذکر کیا ہے، اور امام شوکانی نے اسے نیل الأوطار (229/7) میں نقل کیا ہے۔

([2]) دیکھیے: الاصابہ (۴۱۶/۱) اور الطبقات الکبری از ابن سعد (۳۱۳/۳)۔

مدینہ کی بیماری

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو وہ (مدینہ) بخار کی وبا[2] سے آلودہ زمین تھی، جس کی وجہ سے آپ کے صحابہؓ میں بیماری اور تکلیف پیدا ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ وبا اپنے نبی ﷺ سے دور کر دی[3]۔

امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ اپنی مُسنَد میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: جب ہم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کی پھلوں سے ہم مستفید ہوئے، لیکن ہم نے انہیں زیادہ کھایا اور اس سے ہمیں تکلیف ہوئی۔[4]

اور مہاجرین کو بھی مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی اور ان کے بدن وہاں کے ہوا کا سامنا نہ کر سکے اور انہیں مشقت کا سامنا ہوا یہاں تک کی وہ بیٹھ کر ہی نماز پڑھ سکتے تھے۔

چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے وقت مدینہ بیماری والی سرزمین تھی لوگوں کو بیماری لاحق ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آئے اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے

([1])اس کے تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (15798) اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب إخبارہ عن مناقب الصحابۃ، باب ذکر البراء بن معرور، حدیث نمبر (7011) پر کی ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

([2])وبا: عام بیماری کو کہتے ہیں۔ دیکھیے: النھایہ (۱۲۷/۵)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (۵۸۹/۴) میں کہتے ہیں: ان کا مدینہ کے اس حالت پر ہونے کے باوجود وہاں ان انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاون کی جگہ جانے سے متعلق مانع سے ٹکراؤ نہیں ہے، کیونکہ یہ نہیں سے پہلے کی بات ہے، یا یہ کہ وہ نہیں تعاون، اور اسی طرح ذریعے والے موت کے ساتھ خاص ہے، نہ کہ ہر بیماری کے لیے عام ہے، اگرچہ بیماری عام ہو کیوں نہ ہو۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب فضائل المدینۃ، باب نمبر (12)، حدیث نمبر (1889) پر کی ہے، اور ابن اسحاق نے سیرت (200/2) میں کی ہے۔

([4])یہ خبر مسند احمد میں، حدیث نمبر (۹۴۸) پر ہے۔

تو آپ نے فرمایا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا اجر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے آدھا ہے[1] چنانچہ لوگ بیماری اور کمزوری کے باوجود فضیلت کے حصول کی چاہت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو آپ کے صحابہ نے آپ کے پاس شکایت کی اور ابو بکر اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور بلال نے شکایت کی تو عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کی عیادت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی تو انہوں نے ابو بکر سے کہا آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟

تو انہوں نے کہا:

([1])امام نووی و مسلم کی شرح (13/6) میں کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ بیٹھے ہوئے شخص کی نماز پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے ادھا ہے۔ چنانچہ یہ اس کے صحیح ہونے اور اس کے اجر کے کم ہونے کو شامل ہے۔

یہ حدیث نفل نماز کے قیام کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنے پر معمول کیا جائے گا، کیونکہ اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا نصف ثواب ملے گا۔ رہی بات اگر کوئی شخص عاجزی کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، تو اس کا ثواب کم نہ ہوگا، بلکہ اس کا ثواب اسی طرح سے ہوگا جس طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے، جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں، حدیث نمبر (2996) پر تخریج کی ہے، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کے لیے نکلتا ہے، تو اس کے لیے اسی طرح عمل کا اجر اور ثواب لکھا جاتا ہے جو عمل وہ اقامت کی حالت میں اور صحت و تندرستی کی حالت میں کیا کرتا تھا۔

رہی بات قیام کی قدرت کے باوجود فرض نماز کا بیٹھ کر پڑھنا، تو اس طرح نماز درست نہ ہوگی، چنانچہ اس میں ثواب نہیں ہوگا، بلکہ وہ ایسا کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

اگر انسان کھڑے ہونے سے عاجزی کی وجہ سے بیٹھ کر فرض نماز پڑھ رہا ہو یا لیٹ کر پڑھ رہا ہو، کھڑے ہونے اور بیٹھنے سے عاجزی کی وجہ سے پڑھ رہا ہو، تو اس کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے ثواب کے برابر ہوگا، اس کا ثواب کم نہیں ہوگا۔

اس پر ہمارے تمام ساتھیوں کا اتفاق ہے۔

([2])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (12395) پر کی ہے، اور ابن اسحاق نے سیرت (202/2) میں کی ہے۔

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

اورانہوں نے عامر بن فہیرہ سے پوچھاتوانہوں نے کہا:

إِنِّي وَجَدْتُ المَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهِ إِنَّ الجَبَانَ حَتْفُهُ مِنْ فَوْقِهِ

اورانہوں نے بلال سے پوچھاتوانہوں نے کہا:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ[1] وَحَوْلِي إِذْخِرٌ[2] وَجَلِيلُ[3]

وَهَلْ أَرِدَنَّ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ[4] وَهَلْ يبدُوَنَّ (²) لِيَ شَامَةٌ وَطَفِيلُ[5]

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! وہ بخار کی شدت کی وجہ سے ہوش میں نہیں ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: "اے اللہ! ہمیں مدینہ سے محبت پیدا فرما جیسا کہ ہمیں مکہ سے محبت ہے، یا اس سے زیادہ، اور اسے صحتمند بنا، اور اس کے اناج اور پانی میں برکت ڈال، اور اس کا بخار (یعنی بیماری) جحفہ[6] کی جانب منتقل فرما دے"۔

([1])حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۷۹) میں کہتے ہیں: یعنی مکہ کی وادی میں۔

([2])اذخر: ہمزہ کے زیر کے ساتھ ہے، جو کہ اچھی خوشبو والے گھاس کو کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے لکڑی کے اوپر رکھ کر گھروں کو چھت بنایا جاتا ہے۔ دیکھیے: النہایۃ (۱/۳۶)۔

([3])حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۷۹) میں لکھتے ہیں: جلیلیہ ایک کمزور پودا ہے، جس کے ذریعے گھروں وغیرہ کی کمی کو بھر جاتا ہے۔

([4])میاہ مجنہ: یہ وہ جگہ ہے جو چند میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے، وہاں پر عربوں کا ایک بازار لگتا تھا۔ دیکھیے: النہایۃ (257/4)۔

([5])حافظ ابن حجر فتح الباری (679/7) میں لکھتے ہیں: شامۃ اور طفیل: یہ وہ قریبی دو پہاڑ ہیں۔

([6])جحفہ: جیم کے پیش کے ساتھ ہے۔ یہ ایک وادی رَ نہستی ہے، اس کے اور مکہ کے درمیان پانچ یا چھ مراحل کی مسافت ہے، جو اس لیے نام دیا گیا کیونکہ سیلاب نے اسے ختم کر دیا تھا۔ اور یہ اہلِ مصر اور شام کی میقات ہے۔

میں کہتا ہوں: جو آج کے دن ویران پڑی ہوئی بستی ہے، اور آج کل رابغ سے احرام باندھا جاتا ہے، جو مکہ سے ۱۸۳ کلو میٹر دوری پر واقع ہے۔ اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (۲۴۳۶۰)، (۲۴۲۸۸) پر کی ہے، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب الحظر والإباحۃ، باب عیادۃ المرأۃ أباھا وموالی أبیھا، حدیث نمبر (۵۶۰۰) پر کی ہے۔ اس حدیث کی اصلاً بخاری کے یہاں صحیح میں، کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبي وأصحابہ المدینۃ، حدیث نمبر (۳۹۲۶)، اور کتاب فضائل المدینۃ، باب نمبر ۱۲، حدیث نمبر (۱۸۸۹)، اور کتاب المرض، باب

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے ایک کالی بکھرے بالوں والی عورت دیکھی گویا وہ مدینہ سے نکلی یہاں تک کہ جحفہ [1] میں جا کر ٹھہری میں نے اس کی تاویل یہ کی کہ مدینہ کی بیماری وہاں منتقل کر دی گئی ہے"[2]۔

فوائد حدیث

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1- مسلمانوں کے لیے تندرستی اور ان کے شہروں کی بہتری اور اس میں برکت اور پریشانی اور سختی کو ان سے دور ہونے کے لیے دعا کرنا یہی تمام علماء کا مذہب ہے۔

2- اور اس میں ہمارے نبی کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے، کیوں کہ جحفہ انہی دنوں سے خالی ہے اور اس کے پانی سے جو بھی پیتا ہے اسے بیماری لاحق ہو جاتی ہے[3]۔

عائشہ رضی اللہ عنہ کو بیماری لاحق ہونا

اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو بھی بیماری لاحق ہوئی، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر والوں کے پاس گیا تو عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ان کی بیٹی لیٹی ہوئی تھیں جنہیں بیماری لاحق

من دعا برفع الوباء والحمی، حدیث نمبر (۵۶۷۷) اور صحیح مسلم میں، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینۃ، حدیث نمبر (۱۳۷۶) پر موجود ہے۔

([1]) مہیعۃ: یہ ہمزہ کے زبر اور ہا کے سکون کے ساتھ ہے، جو کہ جحفہ کا ہی ایک نام ہے۔ دیکھیے: النہایۃ (۳۲۱/۴)۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب التعبیر، باب: إذا رأى أنه أخرج الشيء من كوة و أشكنه موضعا آخر، حدیث نمبر (7038)، (7039)، (7040) پر کی ہے۔

([3]) دیکھیے: صحیح مسلم بشرح نووی (۱۲۸/۹)۔

تھی[1] تو میں نے ان کے والد کو دیکھا وہ ان کے رخسار پر بوسہ دے رہے تھے اور کہا کہ میری بیٹی تم کیسی ہو؟[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کے لیے دعا

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے لئے دعا کی، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ابو قتادہ کی حدیث سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرے دوست تیرے بندے اور تیرے نبی نے تجھ سے مکہ والوں کے لئے دعا کی اور میں محمد تیرا بندہ تیرا نبی تیرا رسول تجھ سے اہل مدینہ کے لئے اسی طرح سے دعا کرتا ہوں جس طرح سے مکہ کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی، اے اللہ میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں ہو کہ تو ان کے (صاع[3] اور مد[4]) ناپ تول کے پیمانوں میں ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما، اور اے اللہ تو ہمارے لیے مدینہ کو محبوب بنا دے جیسے ہمارے لئے تو نے مکہ کو محبوب بنایا اور اے اللہ! تو اس کی بیماری کو خم[5] نامی مقام میں منتقل کر

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۷۱) میں کہتے ہیں کہ ابو بکر کے اہل خانہ پاسبرار رضی اللہ عنہ کے داخل ہونے کا واقعہ قطعی طور پر حجاب کے حکم کے نزول سے پہلے کا ہے، اور یہ بھی کہ وہ اس وقت بالغ نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی معاملہ تھا۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب مناقب الأنصار، باب: ہجرۃ النبي وأصحابہ إلی المدینۃ، حدیث نمبر (۳۹۱۸) پر کی ہے۔

([3]) صاع: کھانے سے ڈھائی کلو کے مقدار کو کہا جاتا ہے۔

([4]) مد: دونوں ہتھیلیوں کے بھر دینے والی مقدار کو کہا جاتا ہے۔ دیکھیے: النہایۃ (۴/۲۶۴)۔

([5]) خم: یہ خاء کے پیش کے ساتھ ہے، جو مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔ دیکھیے: النہایۃ (77/2)۔

دے، اے اللہ میں نے دونوں حروں[1] کے درمیان کی جگہ کو اسی طرح حرم بنادیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی زبانی مکہ حرام قرار پایا"[2]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ تو مدینہ میں مکہ کا دوگنا برکت عطا کردے"[3]۔

([1])امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (115/9) میں کہتے ہیں: اس سے مراد دو پتھریلی جگہیں ہیں، جو کہ کالی پتھروں سے ڈھکے ہوئے زمین کو کہا جاتا ہے۔ مدینہ کے اندر اس طرح کی دو زمینیں ہیں: ایک مشرقی اور ایک غربی، اور مدینہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

([2])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (22630) پر کی ہے۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری نے، کتاب فضائل المدینۃ، حدیث نمبر (1885) پر کی ہے، اور مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ، حدیث نمبر (1369) پر کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

شوال کے مہینے میں، ہجرت کے پہلے سال، رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جب وہ نو سال کی تھیں۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چھ سال کی عمر میں شادی کی اور آپ کے لئے میرے رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی[1]۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ: "رسول اللہ ﷺ نے شوال[2] میں میرا نکاح کیا، اور شوال میں ہی میرے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کیا"۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کی تمام عورتوں میں سے کون سی میرے مقابلے میں زیادہ محبوب تھیں"؟[3]

رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو نکاح سے پہلے خواب میں دیکھا۔ شیخین (بخاری و مسلم) نے صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں نے تمہیں تین راتیں خواب میں دیکھا۔ فرشتہ تمہیں ریشمی چادر میں میرے

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب مناقب الأنصار، باب: تزویج الرسول عائشة، حدیث نمبر (3894)، (3896) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب النکاح، باب: تزویج الأب البکر الصغیرة، حدیث نمبر (1422) پر کی ہے۔

([2])مراجعہ کریں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے پہلے نکاح کا بیان، وہاں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے شوال کا تذکرہ کیوں کیا تھا۔

([3])اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب النکاح، باب: تزویج الأب البکر الصغیرة، حدیث نمبر (1423) پر کی ہے۔

پاس لایا اور کہتا رہا: یہ تمہاری بیوی ہے۔ میں نے تمہارا چہرہ دیکھا، اور یہ تم ہی تھیں[1]، تو میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے مکمل کرے گا[2]"۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام ایک ہرے ریشمی کپڑے کے ٹکڑے میں ان کی تصویر کو لے کر نبی صلی وسلم کے پاس آئے اور کہا یہ دنیا اور آخرت کی بیوی ہیں[3]۔

اور یہ وہ اکیلی کنواری خاتون تھیں جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے علاوہ کسی بھی کنواری خاتون سے نکاح نہ کیا تھا۔[4]

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا کیا خیال ہے اگر آپ کسی ایسے وادی میں اتریں جس میں درخت ہوں اور ان میں سے کھا لیا گیا ہو اس میں سے ایک درخت ایسا بھی ہو جس کو کسی نے نہ کھایا ہو تو آپ اپنے اونٹ کو کہاں چرائیں گے؟

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (228/10) میں کہتے ہیں: اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہلے دیکھا تھا اور آپ اسے پہلے سے جانتے تھے، اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کی ولادت بعثت کے بعد ہوئی تھی۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے، کتاب النکاح، باب: النظر إلى المرأة قبل التزويج، حدیث نمبر (5125)، (5126) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب فضائل الصحابۃ، باب: في فضل عائشة رضي الله عنها، حدیث نمبر (2438) پر کی ہے۔

([3]) اس کی تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب أخباره عن مناقب الصحابة، باب: ذكر عائشة أم المؤمنين، حدیث نمبر (7094) پر کی ہے، اور ترمذی نے اپنے جامع میں، کتاب المناقب، باب: فضل عائشة رضي الله عنها، حدیث نمبر (4218) پر کی ہے۔

([4]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب التفسیر، باب: «ولولا إذ سمعتموه قلتم مايكون لنا أن نتكلم بهذا»، حدیث نمبر (4753) پر کی ہے، اور کتاب النکاح میں باب الأبكار کے اندر اسے معلق طور پر روایت کیا گیا ہے۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں جس کو کوئی بھی نا کھایا ہو، مطلب یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی اور کنواری عورت سے شادی نہ کی تھی[1]۔

حدیث کے فوائد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں درج ذیل فوائد ہیں:

1-مثال دینے اور کسی صفت سے متصف چیز کو اس کے مثل مسلوب الصفہ چیز سے تشبیہ دینے کی مشروعیت۔

2-اور اس میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بلاغت اور ان کے معاملات کو صحیح طریقے سے سمجھنے کی طرف بھی اشارہ ہے[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس داخل ہونے کی صفت

شیخان نے صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ پھر ہم مدینہ آئے اور ہم بنو حارث بن خزرج میں اترے اور وہاں مجھے بیماری لاحق ہوئی[3] اور میرے بال جھڑ گئے پھر بیماری سے نکلنے کے بعد میرے بال زیادہ ہوئے اور میرے پاس میری والدہ ام رومان آئیں[4] اس وقت میں جھولے میں تھی اور میرے ساتھ میری سہیلیاں بھی تھیں، تو انہوں نے مجھے بلایا، میں ان کے پاس گئی، میں نہیں جانتی تھی کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہیں؟ تو انہوں نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور گھر کے دروازے پر مجھے کھڑا کیا اس وقت میں ہانپ رہی تھی یہاں

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب النکاح، باب: «في نكاح الأبكار»، حدیث نمبر (5077) پر کی ہے۔

([2])دیکھیے: فتح الباری (۱۰/۱۵۱)۔

([3])یعنی انہیں بخار آگیا تھا کیونکہ مدینہ اور باؤوں کی وجہ سے جانا جاتا تھا، جیسا کہ گذر چکا ہے۔

([4])ام رومان: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔

تک کہ جب میری سانس رکی تو انہوں نے پانی لیا اور میرے سر اور چہرے کو پوچھا پھر گھر میں مجھے داخل کیا اس وقت میں نے انصار کی کچھ عورتوں کو گھر میں پایا انہوں نے کہا: خیر و برکت کے ساتھ اور اچھے مقدر کے ساتھ، میری والدہ نے مجھے ان کے حوالے کر دیا اور انہوں نے مجھے درست کیا پھر مجھے کسی چیز کا خوف نہیں تھا یہاں تک کہ چاشت کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو انہوں نے مجھے آپ کے حوالے کر دیا، اس وقت میں نو سال کی تھی[1]۔

اور امام احمد کے یہاں حسن سند کے ساتھ ایک دوسری روایت میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں:... پھر میری والدہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آئیں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ دروازے پر کھڑی ہو گئیں ،اس وقت میری سانسیں تیز تھیں جب میری سانس رکی تو پھر وہ مجھے لے کر اندر داخل ہوئیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کے اندر ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس انصار کے مرد اور عورت جمع تھے اور انہوں نے مجھے آپ کے گود میں بٹھایا، پھر کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کے گھر والے ہیں، اللہ رب العالمین آپ کو ان میں برکت دے اور ان کے لیے آپ میں برکت دے، تو مرد و عورت جلدی سے وہاں سے کھڑے ہوئے اور نکل گئے اور ہمارے گھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے رخصتی کی، اور میرے لیے نہ اونٹ ذبح کیا گیا اور نہ ہی بکری ذبح کی گئی یہاں تک کی ہمارے پاس سعد بن عبادہ نے ایک بڑا برتن بھیجا، جو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے اپنی بیویوں کے پاس جانے کے وقت بھیجا کرتے تھے اس وقت میں نو سال کی تھی[2]۔

([1])اس کی تخریج: امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبي عائشة، حدیث نمبر (3894) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب النکاح، باب تزویج الأب البکر الصغیرة، حدیث نمبر (1422) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج: امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر (25769) پر کی ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہ کی کنیت

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کی کنیت ام عبداللہ تھی، آپ کی بہن کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے، چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں مضبوط سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی تو آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ نے ان کی تحنیک فرمائی اور یہ آپ کے بدن میں داخل ہونے والی پہلی چیز تھی اور کہا یہ عبداللہ ہیں اور تم ام عبداللہ ہو، تو میں اسی وقت سے یہ کنیت رکھی رہی اور میرے یہاں کوئی ولادت نہ ہوئی[1]۔

اسی طرح امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابو داؤد نے بھی صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی تمام بیویوں کی کنیت ہے میرے علاوہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تم بھی کنیت رکھ لو تم ام عبداللہ ہو چنانچہ آپ کو ام عبداللہ کہا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی اور آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی[2]۔

اور ابن سعد نے طبقات میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن زبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ

([1])اس کی تخریج: امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب إخباره عن مناقب الصحابة، باب كانت عائشة تكنى أم عبد الله، حدیث نمبر (7117) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج: امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر (25181) پر کی ہے اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الأدب، باب في المرأة تكنى، حدیث نمبر (4970) پر کی ہے۔

وسلم آپ مجھے کوئی کنیت دے دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے بیٹے[1] یعنی عبداللہ بن زبیر کے نام سے اپنی کنیت رکھ لو" چنانچہ وہ ام عبداللہ کے کنیت سے جان جاتی تھیں[2]۔

رسول اللہ ﷺ کی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نرمی اور محبت:

رسول اللہ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نرمی فرماتے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے، اور ان کی کم عمر ہونے کا لحاظ رکھتے تھے۔ شیخین نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ رسول ﷺ کے پاس لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: "میری ساتھی لڑکیاں میرے پاس آتیں، لیکن وہ رسول اللہ ﷺ سے خائف ہو کر چھپ جاتیں"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان لڑکیوں کو میرے پاس آنے کی اجازت دیتے تھے۔[3]

اور ابن حبان اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس آئے اس وقت ان کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا، اس وقت ہوا چلی جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونے والی گڑیوں سے اس پردہ کا ایک ہٹ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ میری گڑیا ہے، اور ان کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کپڑے کے دو پر بنے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے درمیان یہ کیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، انہوں نے کہا گھوڑا، آپ صلی اللہ وسلم نے

([1]) میں کہتا ہوں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں اور خالہ ماں کے درجے پر تھیں، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (4251) پر اس قول کی تخریج کی ہے کہ یہ خالہ ماں کے درجے میں ہے۔

([2]) اس کی تخریج امام ابن سعد نے اپنی طبقات (ج:7، ص:274) میں کی ہے۔

([3]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الأدب باب الانبساط إلى الناس حدیث نمبر (6130) پر کی ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل الصحابۃ باب في فضل عائشۃ حدیث نمبر (2440) پر کی ہے۔

فرمایا: تو اس پر یہ کیا ہیں؟،انہوں نے کہا: دو پر،تو آپ نے فرمایا: کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟،انہوں نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ایک گھوڑا تھا جس کے کئی پر تھے،وہ کہتی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ کے داڑھ کے دانت دیکھے[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ساتھ نعمان بشیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اجازت طلب کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آواز تیز کرتے سنی،انہیں اجازت دی گئی اور آپ داخل ہوئے تو فرمایا اے ام رومان کی بیٹی اور انہیں پکڑا کر کہا کیا تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی آواز بلند کرتی ہو؟ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے درمیان حائل ہو گئے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منانے کے لیے کہنے لگے،کیا تم نہیں دیکھتے ہیں کہ میں تمہارے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں کے بعد پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اجازت طلب کی چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انہیں ہنسا رہے ہیں تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کے وقت بھی مجھے شامل کیجئے جیسے لڑائی کے وقت شریک کئے تھے[2]۔

([1]) یہ ان دانتوں کو کہا جاتا ہے جو ہنسنے کے وقت دکھتے ہیں اور زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ یہ سب سے آخر والے دانت ہوتے ہیں،دیکھیے: النہایہ (17/5)۔اور حدیث کی تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب الحظر والإباحۃ باب اللعب واللھو حدیث نمبر (5864) پر کی ہے اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الأدب باب في اللعب بالبنات حدیث نمبر (4932) پر کی ہے۔

([2]) **اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الأدب باب الانبساط إلی الناس حدیث نمبر (6130) پر کی ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل الصحابۃ باب في فضل عائشۃ حدیث نمبر (2440) پر کی ہے۔**

اور امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح ہمیشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اس وقت میرے پاس دو بچیاں بیٹھ کر جنگ بعاث[1] سے متعلق گانے گا رہی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے اور اپنے چہرے کو پھیر لیا، اسی وقت ابو بکر داخل ہوئے اور ڈانٹ کر[2] کہا کیا شیطان کا کلام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا! پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ان دونوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دو[3] اور وہ عید کا دن تھا اور حبشی لوگ جنگی سامان سے کھیل رہے تھے، اس وقت میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟، تو میں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے

([1])امام بخاری کی صحیح میں ایک دوسری روایت میں حدیث نمبر (952) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ دونوں وہ چیزیں تھیں جو انصار کے لوگ ایک دوسرے پر فخر کرنے اور ایک دوسرے کی برائی کرنے کے لیے کہتے تھے، اور یہ واقعہ بعثت کے سلسلے میں ہجرت سے پہلے پیش آچکا تھا۔

([2])زہری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہوں نے دونوں بچیوں کو ڈانٹا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (116/3) میں لکھتے ہیں کہ انھیں ڈانٹا اور پھٹکارا گیا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہ کر ان کی باتیں سن رہی تھیں، اور دونوں بچیوں کو ڈانٹا گیا کیونکہ وہ یہ کام کر رہی تھیں۔

([3])حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۱۶/۳) میں لکھتے ہیں کہ اس میں انہیں چھوڑنے کی علت بیان کی گئی ہے اور اس چیز کو اس کے برخلاف کام کے طور پر واضح کیا گیا ہے۔ جواب و بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ گمان کر رہے تھے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بغیر ایسا کیا ہے، کیونکہ جب وہ داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے کپڑے سے اپنے بدن کو ڈھانکے ہوئے پایا، اور اپنے گمان سے خیال کیا کہ وہ سو رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے کو اس فعل پر ڈانٹا، کیونکہ انہیں یہ بات معلوم تھی اور غنا سے منع کیا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ظاہر ہونے والی چیز پر جلد بازی میں عمل کیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی بابت بتایا اور اپنی حکمت بیان کرتے ہوئے اس حکم کی وضاحت فرمائی کہ یہ عید کا دن نہیں ہے، یعنی شرعی خوشی کا دن نہیں ہے، اس لیے اس دن میں ان کاموں پر عمل نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ شادی بیاہ کے موقع پر کیا جاتا ہے۔

کھڑا کر لیا میرے رخسار آپ کے رخسار پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے بنوارفدہ[1] تم کھیلتے رہو۔

پھر جب میں بور ہو گئی تو آپ نے کہا ہاں اب بس ہو گیا؟ میں نے کہا: ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جاؤ[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ اور ابن حبان نے عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے بعض سفر میں تھی اس وقت میں چھوٹی بچی تھی اور میں موٹی نہ ہوئی تھی اور میرے بدن میں زیادہ گوشت نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: تم سب آگے ہو جاؤ چنانچہ وہ آگے ہو گئے اور مجھ سے کہا: آؤ ہم دونوں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کیا اور میں آپ سے آگے نکل گئی اور آپ خاموش رہے یہاں تک کہ جب میں موٹی ہو گئی اور اس بات کو بھول گئی تو میں آپ کے ساتھ آپ کے بعض سفر میں تھی تو لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو تم آگے چلے جاؤ" چنانچہ وہ آگے ہو گئے، پھر مجھ سے کہا: آؤ ہم دونوں دوڑ لگاتے ہیں تو میں نے دوڑ لگائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے اور کہا یہ اس بار کا بدلہ ہے[3]۔

([1]) **حافظ ابن حجر فتح الباری (119/3) میں لکھتے ہیں کہ "ارفدہ": یہ ہمزہ کے زبر اور فاء کے زیر کے ساتھ ہے، اور بعض اوقات اسے زبر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ حبشیوں کا لقب ہے اور "بھیک" کہا گیا ہے کہ یہ ان کے بڑے دادا کا نام ہے۔**

([2]) **اس کی تخریج:** امام بخاری نے اپنی صحیح میں **کتاب الجهاد والسير، باب الدرق** میں حدیث نمبر (2906) اور (2907) پر روایت کی ہے، اور اسی طرح انہوں نے **کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید** میں حدیث نمبر (949) اور (950) پر بھی روایت کی ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے اپنی صحیح میں **کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصة في اللعب** میں حدیث نمبر (892)، (16) اور (19) پر روایت کی ہے۔

([3]) اس کی **تخریج:** امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر **26277** پر روایت کی ہے، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں **کتاب السیر، باب إباحة المسابقة بالأقدام إذا لم يكن بين المتسابقين رهان** میں حدیث نمبر **44691** پر روایت کی ہے۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو اور جب تم مجھ سے غصہ ہوتی ہو، میں نے کہا: آپ یہ بات کیسے جانتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہوں تو کہتی ہو: نہیں! محمد کے رب کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں! ابراہیم کے رب کی قسم[1] وہ کہتی ہیں میں نے کہا: اللہ کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف آپ کے نام کو ہی چھوڑتی ہوں[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرمان باری تعالی: {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} کی تفسیر میں کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ: تم ان کے لیے اپنی باتوں کو درست رکھو اور اپنے کاموں کو اچھا کرو اور اپنی قدرت کے مطابق اپنی ہیئت کو سنوارو اسی طرح جس طرح سے تم ان سے ایسا کرنا پسند کرتے ہو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہو اور میں تم میں اپنے اہل خانہ کے لئے سب سے بہتر ہوں[3]، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی تھی کہ آپ اچھی طرح سے زندگی بسر کرنے والے ہمیشہ مسکرانے والے تھے اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ لطف بھری باتیں کرتے اور ان کو ہنساتے اور ان پر دل کھول کر خرچ کرتے اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ اختیار کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

([1])حافظ ابن حجر فتح الباری (409/10) میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے انبیاء کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اختیار کرنے میں حکمت، ان کی سمجھداری کی دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پر زیادہ حق رکھتے تھے جیسا کہ قرآن میں اس سلسلے میں وضاحت موجود ہے۔ چنانچہ جب وہ نام چھڑوانا چاہتے تھے تو انہیں کا نام ملتا تھا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے، اور اس طرح یہ مجموعی طور پر تعلق سے خارج نہیں ہوتا تھا۔

([2])اس کی تخریج یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں **کتاب النکاح، باب غیرۃ النساء ووجدھن، حدیث نمبر (5228)** پر روایت کیا ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں **کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر (2439)** پر روایت کی ہے۔

([3])اس کی تخریج یہ ہے کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں **کتاب المناقب، باب فی فضل أزواج النبي، حدیث نمبر (4233)** پر روایت کیا ہے، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں **کتاب النکاح، باب معاشرۃ الزوجین، حدیث نمبر (4177)** پر روایت کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ دوڑ لگا کر[1] ان سے محبت کا اظہار کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی ساری بیویاں ایک رات میں اس گھر میں جمع ہوتیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات گزارنے کی باری ہوتی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ان کے ساتھ شام کا کھانا تناول کرتے اور پھر ہر ایک اپنے گھر کی جانب لوٹ جاتیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کندھوں سے چادر رکھ کر صرف ازار میں سویا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز پڑھتے تو اپنے گھر میں داخل ہوتے اور سونے سے پہلے تھوڑی دیر اپنے گھر والوں کے ساتھ ساتھ گفتگو کرتے، اس طرح سے ان کو مانوس کرتے، اور اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ٢١]۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مقام اور انکے بعض فضائل:

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ام المومنین عائشہ بنت امام صدیق اکبر خلیفہ رسول اللہ ابو بکر عبداللہ بن ابو قحافہ قرشیہ تیمیہ مکیہ نبویہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نبی کی بیوی ہیں اور تمام عورتوں میں سب سے زیادہ دین کا علم رکھنے والی تھیں۔

انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے والد ابو بکر، عمر، فاطمہ، سعد سے بہت زیادہ علم روایت کی ہیں۔

([1]) تھوڑی دیر پہلے اس حدیث سے متعلق بات گزر چکی ہے۔

([2]) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی باتاں ان کی تفسیر (242/2) میں دیکھیے۔

ان کی ولادت اسلام کی حالت میں ہوئی اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے آٹھ سال چھوٹی تھی وہ کہا کرتی تھیں کہ میں نے اپنے والدین کو دین اسلام پر ہی پایا[1]۔

یہ گوری اور خوبصورت خاتون تھیں اسی وجہ سے انہیں حمیرا[2] کہا جاتا تھا، اور ان کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری خاتون سے شادی نہ کی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ کسی سے محبت کرتے تھے، اور نہ ہی امت محمدیہ میں یا تمام عورتوں میں ان سے زیادہ علم والا کوئی تھا، اگرچہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کا وہ مقام تھا جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، میں ان دونوں میں افضل کے سلسلے میں توقف اختیار کرتا ہوں ہاں میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہ کی ان پر فضیلت پر جزم کیا ہے کئی ایک امور کی سبب یہ ان کے ذکر کرنے کا مقام نہیں ہے[3]۔

شیخ علی طنطاوی کہتے ہیں یہ باکمال خاتون کسی جامعہ سے فارغ نہ تھیں، ان کے زمانے میں کوئی یونیورسٹی نہیں ہوتے تھے، مگر ان کے فرامین پہلے بھی اور اب بھی آداب کے کالجز میں پڑھائے جاتے ہیں، اور ان کے فتاوی جات دینی کالجز میں پڑھے جاتے ہیں۔۔۔۔ ایک ایسی خاتون تھیں جنہوں نے ہمیشہ کے لئے دنیا کو بھر دیا اور لوگوں کو مشغول کر دیا۔

---

(1) اس کے تخریج امام بخاری نے اپنی صحیفہ میں کتاب مناقب الأنصار باب ہجرۃ النبي وأصحابہ المدینۃ حدیث نمبر (3905) پر کی ہے اور یہ حدیث ہجرت سے متعلق گفتگو کے وقت گزر چکی ہے۔ آپ وہاں پر اس کا مراجعۃ کریں اور وہاں پر اس کی اچھی طرح شرح کی گئی ہے۔

(2) اس کے تخریج امام طحاوی نے شیخ مشکلا تھار میں حدیث نمبر (292) پر اور نسائی نے سنن کبریٰ میں حدیث نمبر (8902) پر صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ حبشی لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور وہ وہاں پر کھیل رہے تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: "اے حمیرہ! کیا تم آنکھ کی طرف دیکھنا چاہتی ہو؟" پوری حدیث کو امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (118/3) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے کسی صحیح حدیث میں حمیرہ کا ذکر نہیں پایا ہے سوائے اس حدیث کے۔

(3) دیکھیے: سیر اعلام النبلاء (۱۳۵/۲)۔

وہ اس لئے کیونکہ انہیں ایسا موقع ملا جو کسی اور کے لئے میسر نہ ہوا، کیونکہ ان کے بچپن سے ہی ان کی دیکھ بھال مسلمانوں کے شیخ اور ان میں سب سے افضل ان کے والد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور جوانی میں ان کا اہتمام خاتم رسل، انسانیت میں سب سے افضل، ان کے شوہر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، چنانچہ انہوں نے علم فضل اور بیان کو اس طرح اکٹھا کیا جتنا کسی دوسری خاتون کو جمع کرنے کا موقع نہ ملا۔

یہ پوری مکمل نسوانی صفات کی حامل خاتون تھیں، شوہر کی خوشنودی اور خاندان کی عزت کا خیال رکھتی تھیں۔ ساتھ ہی وہ ایک عالمہ بھی تھیں، وسیع علم کی حامل، علما کو تعلیم دیتی اور مفتیوں کو فتویٰ بھی دیتی تھیں۔ ان کی بیان بازی شگفتہ اور فصاحت میں بے مثال تھی، خطباء ان کے سامنے خود کو چھوٹا محسوس کرتے اور بات کرنے والے ان کی زبان کی چالاکی سے متاثر ہوتے۔ اپنی شخصیت کی طاقت کے باعث وہ ہر معاملے میں قائدانہ کردار رکھتی تھیں: چاہے علم ہو، معاشرہ، سیاست یا جنگ"۔ [1]

شیخان نے صحیحین میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: عائشہ، میں نے کہا: مردوں [2] میں؟ تو آپ نے فرمایا: ان کے والد، میں نے کہا: پھر کون؟ تو آپ نے فرمایا: عمر بن خطاب، پھر آپ نے کچھ اور لوگوں کے نام لیے [3]۔

([1]) دیکھیے رجال من التاریخ از شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ (ص ۳۱)۔

([2]) ابن حبان کی صحیح میں موجود شیخین کی شرط پر موجود صحیح روایت میں حدیث نمبر (7106) میں ہے کہ عمرو بن ناسر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں عورتوں کو مراد نہیں لے رہا ہوں، میں تو صرف مردوں کو مراد لے رہا ہوں۔"

([3]) اس کے تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل أصحاب النبي باب قول النبي "لو كنت متخذا خليلا..." حدیث نمبر (3662) پر اور کتاب المغازیم میں باب غزوۃ ذات السلاسل حدیث نمبر (4358) پر اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضل أبي بكر الصديق حدیث نمبر (2384) پر کی ہے۔

اور امام حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ امام زہری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اگر تمام لوگوں کا علم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا علم جمع کر دیا جائے تو ان میں سب سے زیادہ علم والی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ٹھہریں گی[1]۔

اور امام احمد نے فضائل صحابہ میں اور ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ موسیٰ بن طلحہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے کبھی بھی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے فصیح کسی شخص کو نہیں دیکھا[2]۔

اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بھی ہم اصحاب رسول پر کوئی حدیث مشکل گزرتی تو ہم عائشہ سے اس سے متعلق سوال کرتے تو ہمیں ان کے پاس اس کا علم حاصل ہو جاتا[3]۔

اور امام حاکم مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ مسروق بن اجدع کے حوالے سے نقل کیا ہے ان سے کہا گیا: کیا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرائض بہتر طریقے سے جانتی تھیں؟ انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بڑے علماء کو ان سے فرائض سے متعلق پوچھتے ہوئے پایا ہے[4]۔

اور امام حاکم نے مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ ساتھ مصعب ابن سعد کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے امہات المومنین کے لیے 10000 کا مشاہرہ متعین

([1])اس کے تخریج امام حاکم نے مستدرک میں کتاب معرفۃ الصحابۃ باب ذکر سعۃ علم عائشۃ حدیث نمبر (6794) پر کی ہے۔

([2])اس کے تخریج امام احمد نے فضائل صحابہ میں حدیث نمبر (1646) پر اور ترمذی نے اپنے جامع میں کتاب المناقب باب فضل عائشہ حدیث نمبر (3222) پر کی ہے۔

([3])اس کے تخریج امام ترمذی نے اپنے جامع میں کتاب المناقب باب فضل عائشہ حدیث نمبر (3221) پر کی ہے اور اسے امام ابن الاثیر نے جامع الاصول میں حدیث نمبر (6681) پر نقل کیا ہے۔

([4])اس کے تخریج امام حکام نے اپنے مستدرک میں کتاب معرفۃ الصحابۃ باب سعۃ علم عائشہ وفصاحۃ کلامھا حدیث نمبر (6796) پر کی ہے۔

کیااور ہاں عائشہ رضی اللہ عنہ کیلئے دوہزار بڑھا کر رکھا،اور کہا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی ہیں[1]۔

اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ عمرو بن غالب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں،ایک شخص نے عمار بن یاسر کے پاس عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے متعلق شکایت کی تو انہوں نے کہا: ذلیل وخوار آدمی میں تو دور ہو جا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی کو تکلیف دیتا ہے[2]۔

آپ رضی اللہ عنہا کی وفات:

آپ رضی اللہ عنہ کی نبی کے ساتھ قیام کی مدت 9 سال تھی،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر 18 سال تھی[3]،عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پچاس سال کے قریب عمر پائی،ان کی وفات سنہ 58 ہجری میں منگل کی رات، رمضان کی سترہ رات رہتے ہوئی،آپ کو بقیع قبرستان میں دفن کیا گیا[4]۔

([1])اس کے تخریج امام حکام نے اپنے مستدرک میں کتاب معرفۃ الصحابۃ باب ذکر عطاء أزواج النبي حدیث نمبر (6783) پر کی ہے۔

([2])اس کے تخریج امام ترمذی نے اپنی جامع میں کتاب المناقب باب فضل عائشہ حدیث نمبر (3897) پر کی ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور اسے امام ابن الاثیر نے جامع الاصول (6683) میں حدیث نمبر پر نقل کیا ہے۔

([3])اس کے تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب النکاح باب تزویج الأب البکر الصغیرۃ حدیث نمبر (1422)(71)(72) پر کی ہے اور امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر (24152) پر کی ہے۔

([4])دیکھیے: فتح الباری (۷/۴۷۹) اور الاصابہ (۸/۲۳۵)۔

یثرب کا نام طیبہ طابہ اور مدینہ رکھا جانا

مدینہ منورہ کے ساکن پر سب سے افضل درود و سلام ہو کا نام جاہلیت میں یثرب تھا، چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جانب ہجرت کر کے آئے تو آپ نے اس کا نام مدینہ طیبہ اور طابہ [1] رکھا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "بے شک اللہ رب العالمین نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے"[2]۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مدینہ کا نام طابہ رکھنے کے مستحب ہونے کا بیان ہے، اور اس میں یہ بات نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اس کا کوئی نام نہیں رکھا جا سکتا جیسا کہ اللہ رب العالمین نے اس کا قرآن میں کئی جگہ [3] میں مدینہ نام رکھا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ رکھا ہے [4]۔

([1]) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، فتح الباری (574/4) میں لکھتے ہیں: طاب اور طیّب دو لغتیں ہیں جن کا معنیٰ یہ ہے، اور یہ دونوں شيء طيب سے مشتق ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مدینہ کے مٹی اور ہوا کی پاکیزگی اس نام کی صحت پر گواہ ہے۔

([2]) اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب الحج، باب: المدینۃ تنفي شرارھا، حدیث نمبر (1385) پر کی ہے۔

([3]) انہیں میں سے: سورہ توبہ، آیت نمبر 101: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ﴾ سورہ توبہ، آیت نمبر 120: ﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ﴾ سورہ احزاب، آیت نمبر 60: ﴿لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾ سورہ المنافقون، آیت نمبر 8: ﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾

([4]) دیکھیے: صحیح مسلم بشرح نووی (133/9)۔

اور امام طیالسی نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ مدینہ کو یثرب کہتے تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ رکھا[1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو حمید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک سے واپسی ہوئے یہاں تک کہ مدینہ پر نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طابہ ہے[2]۔

میں کہتا ہوں: بعض احادیث ایسی وارد ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع کیا ہے انہی میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں ایسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں ضعف ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مدینہ کا نام یثرب رکھا وہ اللہ رب العالمین سے مغفرت طلب کرے، یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے"[3]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کیونکہ یثرب یا تو تثریب سے ہے جس کے معنی توبیخ وملامت کے ہیں، یا ثرب سے ہے جس کے معنی فساد کے ہیں، اور یہ دونوں ہی قبیح سمجھے جاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا نام پسند تھا اور آپ برے نام کو ناپسند کرتے تھے[4]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے ایسی بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا

([1])اس کی تخریج امام طیالسی نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (798) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب فضائل المدینۃ، باب: المدینۃ طابۃ، حدیث نمبر (1872) پر کی ہے۔

([3])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (18519) پر کی ہے۔

([4])دیکھیے: فتح الباری (۴/۵۷۲)۔

گیا ہے جسے لوگ یثرب کہتے ہیں وہ مدینہ ہے، مدینہ لوگوں کو اسی طرح سے اپنے اندر سے باہر نکالے گی جس طرح سے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو باہر نکالتی ہے[1]۔

اور اس حدیث کی شرح ہجرت کے لئے اجازت کے بیان کے وقت گزر چکی ہے، بس آپ وہاں مراجعہ کریں۔

مدینہ منورہ کے فضائل

رہی بات مدینہ منورہ کے فضائل کی تو اس کے بارے میں آپ بیان کریں کوئی حرج نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے مشرف ہوا، اور وہ اللہ رب العالمین کے دوستوں اور اس کے نیک بندوں کا ٹھکانہ مسلمانوں کے لیے مضبوط پناہ گاہ اور قلعہ اور دونوں جہان کی ہدایت کے لئے گھر قرار پایا[2]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک ایمان مدینہ کی طرف اسی طرح کر آئے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ کی طرف سکڑ کر واپس آتا ہے"[3]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سانپ اپنی سوراخ سے باہر نکل کر اپنا کھانا پینا تلاش کرتا ہے اور پھر خطرہ محسوس ہونے پر اپنے سوراخ کی طرف واپس آ جاتا ہے اسی طرح ایمان بھی مدینہ سے پھیلا اور ہر مومن کے نفس میں

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب فضائل المدینۃ، باب: فضل المدینۃ وأنہ لاینفي الناس، حدیث نمبر (1871) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب الحج، باب: المدینۃ تنفي شرارھا، حدیث نمبر (1382) پر کی ہے۔

([2])دیکھیے: البدایہ والنہایہ (۲۱۸/۳)۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب فضائل المدینۃ، باب: الایمان یارز إلی المدینۃ، حدیث نمبر (1876) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب الایمان، باب: بیان أن الاسلام بدأ غریبا وسیعود غریبا، حدیث نمبر (147) پر کی ہے۔

مدینہ کی طرف کھینچاؤ ہے اس کے نبی سے محبت کی وجہ سے یہ تمام مسلمانوں کو شامل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ آپ سے دین کے امور سیکھنے کے لیے آتے تھے اور صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ان کی اقتدا کے لیے آتے تھے، اور پھر ان کے بعد آپ کی مسجد اور قبر کی زیارت کے لئے لوگ مدینہ کا رخ کرتے ہیں[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مدینہ کو مکہ پر فضیلت دینے میں ائمہ اربعہ کے درمیان امام مالک اکیلے ہیں، اور جمہور کے حوالے سے مشہور یہی ہے کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے سوائے اس ٹکڑے کے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک ہے، جمہور نے اس پر بہت سے دلیلوں سے استدلال کیا ہے جن کا یہاں ذکر کرنا لمبا ہو جائے گا، اور ان کی سب سے مشہور دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد اور ابن ماجہ وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن عدی بن حمراء کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہوئے سنا: ((اللہ کی قسم تو اللہ رب العالمین کی سب سے بہترین سرزمین ہے اور اللہ رب العالمین کے نزدیک اللہ کی زمین میں سب سے محبوب زمین ہے اور اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو کبھی نہیں نکلتا))[2]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح ابن حبان نے اپنے صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدینہ والوں کے

([1]) دیکھیے: فتح الباری (۴/۵۸۰)۔

([2]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (18716) پر کی ہے، اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، کتاب المناسک، باب: فضل مکۃ، حدیث نمبر (3108) پر کی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات البدایہ والنہایہ (219/3) میں دیکھیے۔

ساتھ برائی کا ارادہ کیا اللہ رب العالمین اسے اسی طرح سے مٹادیں گے جس طرح پانی میں نمک مٹ جاتا ہے[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ سائب بن خلاد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مدینہ والوں کو ڈرایا اللہ رب العالمین اسے ڈرائے گا اور اس پر اللہ رب العالمین، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی اور اللہ رب العالمین قیامت کے دن اس سے کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہ کریں گے[2]۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں موت کی تمنا:

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور احمد نے اپنی مسند میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جسے یہ طاقت ہو کہ اسے مدینہ میں وفات آئے تو وہ مدینہ میں وفات پائے کیونکہ میں وہاں پر فوت ہونے والوں کے لیے شفاعت کروں گا"[3]۔

اسی لیے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ اللہ رب العالمین سے دعا کرتے تھے کی انہیں مدینہ میں موت آئے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں زید بن اسلم کے حوالے سے ان کے والد سے روایت کیا ہے انہوں نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا

([1])اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب الحج، باب: من أراد بأهل المدينة بسوء، حدیث نمبر (1387) اور (494) پر کی ہے، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب الحج، باب: فضل المدينة، حدیث نمبر (3737) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (16559) پر کی ہے۔

([3])اس کی تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب الحج، باب: فضل المدينة، حدیث نمبر (3741) پر کی ہے، اور امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (5818) پر کی ہے۔

:" اے اللہ تو مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے رسول کے شہر میں موت عطا کر"[1]۔

اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی کے موت کی تمنا کا سبب وہ تھا جسے ابن سعد نے اپنی طبقات اور احمد نے فضائل صحابہ میں صحیح سند کے ساتھ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ شہید کئے گئے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ بات بتائی تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: مجھے شہادت کہاں نصیب ہو گی؟! میں تو جزیرہ عرب میں رہتا ہوں اور غزوہ نہیں کرتا اور لوگ میرے ارد گرد غزوہ کرتے ہیں، پھر انہوں نے کہا: "ہاں، اللہ چاہے تو یہ بات ضرور ہو گی"۔ (2)

اور اللہ تعالی نے فاروق رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی، وہ مسجدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شہید ہوئے، جبکہ وہ مسلمانوں کی فجر کی نماز کی امامت کر رہے تھے۔ [3]

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب فضائل المدینۃ، حدیث نمبر (1890) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج ابن سعد نے اپنے طبقات (3/177) میں کی ہے، اور امام احمد نے فضائل الصحابہ میں حدیث نمبر (351) پر کی ہے، اور اسے ابن الاثیر نے جامع الأصول میں حدیث نمبر (2377) پر نقل کیا ہے۔

([3])عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے شہادت کے قصے کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب فضائل أصحاب النبي، باب: قصة البيعة، حدیث نمبر (3700) پر تخریج کیا ہے۔

مدنی زندگی

مدنی زندگی کو تین مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا مرحلہ: جس میں فتنے اور اضطرابِ عام کئے گئے، اور اس میں داخلی اور خارجی مسائل پیش آئے اسی طرح دشمنوں نے مدینہ میں موجود لوگوں کا قلع قمع کرنے کے لئے باہر سے دھاوا بولا، یہ مرحلہ سنہ 6 ہجری میں صلح حدیبیہ تک ختم ہو گیا۔

دوسرا مرحلہ: بت پرست سرداروں کے ساتھ معاہدے کا مرحلہ، جو رمضان سنہ 8 ہجری میں فتح مکہ کے ساتھ ختم ہو گیا، یہ مرحلہ بادشاہوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا مرحلہ تھا۔

تیسرا مرحلہ: لوگوں کے اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے کا مرحلہ، یہ مرحلہ قبائل کے وفود کا مدینہ آمد کا مرحلہ تھا، یہ مرحلہ ربیع الاول سنہ 11 میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے خاتمے تک جاری تھا[1]۔

([1]) دیکھیے: الرحیق المختوم (ص ۱۷۵)۔

مسجد نبوی کی تعمیر سے زکاۃ الفطر کے فرضیت تک
مدینہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کی بنیادیں

پہلا: مسجد نبوی کی تعمیر[1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ایوب انصاری کے گھر میں نزول کے بعد سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر کا کیا، اور ہم نے یہ بات ذکر کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سہیل اور سہل رضی اللہ عنہما کے کھجور پکانے کی جگہ میں بیٹھی تھی جو بنو نجار کے دو یتیم بچے تھے، اور ان کی کفالت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھی[2]۔

([1]) شیخ علی الطنطاوی اپنی کتاب رجال من التاریخ، صفحہ نمبر 19 پر کہتے ہیں:

ہم ابھی اس وقت مدینے میں ہیں، ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ آپ ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ تو آپ کے حساب سے آپ اس کی ابتدا کس کام سے کریں گے؟

کیا کوئی بڑا میلہ لگائیں گے، جس میں لوگ آ کر آپ سے بادشاہت کی بیعت کریں؟ نہیں، آپ بادشاہت نہیں چاہتے۔ کیا کوئی بیرک یا چھاؤنی بنا کر ایک عظیم جشن کا اہتمام کریں گے اور ایک لشکر کی بنیاد ڈالیں گے؟ بے شک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین میں سربلندی چاہتے تھے، لیکن آپ لوگوں پر ٹیکس سے متعین نہیں کریں گے، بلکہ آپ مسجد کی تعمیر سے اس عظیم مرحلے کا آغاز کریں گے۔

یہ عظیم منظر ہے، جہاں ایک قاریٔ کو غور کرنا چاہیے: آپ مسجد بنا کر اس کام کی شروعات کر رہے ہیں، جیسے کہ وہی ابتدائی قرات اور تعلیم قلم کے ذریعے ہوئی۔

مسجد سے اس دور کی ابتدا ہوئی اور مسجد اسلام میں عبادت کی جگہ اور ایمان کی نشانی ہے۔ یہ عدل وانصاف کی نشانی اور پارلیمنٹ ہے، یہ علم کی نشانی ایک مدرسہ ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زبردستی قبضے میں نہیں لیا، بلکہ اپنے مال دے کر اسے خریدا، جو کہ انصاف کی ایک نشانی ہے۔ اور اپنے اس کو تعمیر کرنے کا حکم دے کر بیٹھنے کو پسند نہیں کیا، بلکہ اپنے صحابہ کے ساتھ کام میں شرکت کی اور اپنے مبارک ہاتھوں کے ذریعے سے پتھروں کو اٹھایا۔

یہ تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے، اور اپنے اس کی تعمیر کی اینٹ اور مٹی کے ذریعے، بغیر کسی نقاشی ونگار کے، یہ سادگی کی نشانی ہے۔

چنانچہ ان نشانیوں میں سے ایمان، عدل، علم، انصاف، خاکساری اور سادگی سے اسلام کے بہت سے شعائر نکلے۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب مناقب الأنصار، باب: هجرة النبي و أصحابه إلى المدينة، حدیث نمبر (3906) پر کی ہے۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بچوں کو بلایا اور کھجور کے پکانے کی جگہ کو خریدنے کے لیے ان سے گفتگو کی تاکہ آپ وہاں مسجد تعمیر کریں۔

تو ان دونوں نے کہا: نہیں، بلکہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم یہ زمین آپ کو کو تحفے میں دیں گے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ زمین اس طرح سے لینے سے منع کر دیا، یہاں تک کہ آپ نے اسے ان دونوں سے خریدا اور پھر اس جگہ مسجد تعمیر کی[1]۔

اور ایک دوسری روایت میں صحیحین کے اندر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صبح مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو بنو نجار کے کچھ لوگوں کے پاس اپنے قاصد بھیجا چنانچہ وہ لوگ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے بنو نجار تم اپنے اس باغ کی قیمت مجھ سے لے لو"[2]۔

تو انہوں نے کہا: "نہیں اللہ کی قسم ہم اس کی قیمت صرف اللہ رب العالمین سے چاہتے ہیں"[3]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: "اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے آپ سے کوئی قیمت نہیں لی اور ابن سعد نے طبقات[4] میں ذکر کیا ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے وہ زمین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے دس دینار لے کر خریدیں"۔

([1])اس کی تقریب امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب مناقب الأنصار، باب: هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، حدیث نمبر (3906) پر کی ہے۔

([2])حافظ ابن حجر فتح الباری (683/7) میں کہتے ہیں کہ: یہ بات گزر چکی ہے کہ وہاں پر کھجوروں کو پکانے کی جگہ تھی، تو شاید وہاں پہ پہلے باغیچہ ہوا، پھر وہ ختم ہو گیا اور کھجوریں پکانے کی جگہ بنا دی گئی۔ اور اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس کا کہا گیا کہ وہ وہاں پر کھجور کے درخت اور کھیت کے لیے تیار کیے گئے جگہ تھے۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب مناقب الأنصار، باب: مقدم النبي وأصحابه المدينة، حدیث نمبر (3932) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي، حدیث نمبر (524) پر کی ہے۔

([4])دیکھیے: طبقات الکبری از ابن سعد (115/1)۔

اور ان دونوں کے درمیان کا کوئی تعارض نہیں ہے، ان کے درمیان اس طرح جمع کیا جائے گا کہ جب انہوں نے کہا کہ ہم اس کی قیمت اللہ سے چاہتے ہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس کی ملکیت میں وہ زمین تھی تو انہوں نے آپ کو ان دو لڑکوں کی جانب اشارہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وہ زمین خرید لی ایسی صورت میں یہ احتمال ہوگا کہ جن لوگوں نے آپ سے کہا تھا کہ ہم اس کی قیمت اللہ سے چاہتے ہیں تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دونوں لڑکوں کو قیمت دینے کی ذمہ داری لے لی ہو [1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے؟

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کو تعمیر کرنے سے پہلے جہاں بھی نماز کا وقت ہوتا وہیں نماز ادا کر لیتے تھے اور آپ بکری کے رہنے کی جگہ بھی نماز پڑھ لیا کرتے تھے [2]۔

اور اس جگہ مشرکوں کی کچھ قبریں تھیں اور اس میں کھیتی کی زمین اور کھجور کے درخت بھی تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑنے کا حکم دیا اور کھیتی کی زمین کو برابر کیا گیا اور کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے اور مسجد کے قبیلے میں کھجور کے درختوں کو رکھ دیا گیا اس وقت قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا مسجد کے دروازوں کا اوپری حصہ پتھر کا بنایا [3]۔

حدیث کے فوائد

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں کئی ایک فوائد ہیں:

([1]) دیکھیے فتح الباری (۹۱/۲)(۶۵۸/۷)۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب الوضوء، باب: أبوال الابل والدواب والغنم ومرابضها، حدیث نمبر (234) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي، حدیث نمبر (524) پر کی ہے۔

([3]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، حدیث نمبر (428) اور (3932) پر کی ہے، اور امام مسلم نے حدیث نمبر (524) اور (9) پر کی ہے۔

ا- کسی کی ملکیت والی قبرستان میں ہبہ یا خریدنے کے بعد تصرف کا جواز۔

2- غیر قابل احترام بوسیدہ کپڑوں کو اکھیڑنے کے جواز کا بیان۔

3- اور اس حدیث میں جائز ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مشرک کی زندگی اور موت کے بعد کوئی حرمت نہیں ہے۔

3- اور اس میں مشرکین کی قبروں کو اکھیڑنے اور اس میں موجود اشیاء کے نکالنے کے بعد وہاں نماز پڑھنے کے جواز کا بیان ہے۔

4- اور اس میں مشرکین کی قبروں کی جگہ پر مسجد بنانے کے جواز نماز کا بیان ہے۔

5- اور یہ بھی کہا گیا ہے کی اس میں بوقت ضرورت پھل دار درختوں کو کاٹنے کے جواز کا بھی بیان ہے حدیث کے اس لفظ سے استدلال کرتے ہوئے کھجور کو کاٹنے کا حکم دیا اور یہ محل نظر ہے کیونکہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ ہو سکتا ہے اس میں پھل نہ آتے ہوں کیونکہ وہ نر درخت تھے یا یہ کہ اس پر کچھ ایسا لاحق ہوا تھا جس کی وجہ سے پھل آنا بند ہو گئے تھے[1]۔

مسجد کی تعمیر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تعمیر کے لیے اینٹ اور پتھر ڈھوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا واطهر

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے:

اللهم ان الاجر اجر الاخره فارحم الانصار والمهاجرة

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ان کے ساتھ کام کر رہے ہیں تو ان میں سے کسی نے کہا:

لئن قعدنا والنبي يعمل لذاك منا العمل المضلل

([1]) دیکھیے فتح الباری (۹۲/۲)۔

اور وہ کام کرتے اور اشعار گنگناتے تھے:

اللهم لا خير الا خير الآخره فانصر الانصار والمهاجره

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

اللهم لا خير الا خير الآخره فاغفر للانصار والمهاجره[1]

طلق یمامی کو کدال دو:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کام میں اس شخص کو آگے بڑھاتے تھے جو اس میں سے کسی کام کو بہتر طریقے سے کر سکتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنر مند کی ہمت افزائی کرتے تھے، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ طلق بن علی یمامی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت آپ کے صحابہ مسجد کی تعمیر کر رہے تھے وہ کہتے ہیں تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کام کرنا پسند نہیں آیا وہ کہتے ہیں میں نے کدال لے لیا اور اس سے مٹی کو ملا یا تو گویا آپ کو میرا کدال لینا اور اور کام کرنا پسند آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حنفی اور مٹی کو چھوڑ دو کیونکہ وہ تم لوگوں میں سب سے بہتر طریقہ سے مٹی کو بنانے کا ہنر جانتا ہے"۔[2]

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب مناقب الأنصار، باب: هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، حدیث نمبر (۳۹۰۶)، اور باب: مقدم النبي وأصحابه المدينة، حدیث نمبر (۳۹۳۲) پر کی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں، کتاب المساجد، باب: ابتناء مسجد النبي، حدیث نمبر (۵۲۴) پر کی ہے، اور امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (۱۲۱۷۸)، (۱۳۲۰۸)، (۱۳۵۶۱) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (31/24009) پر کی ہے۔

اور امام احمد کے یہاں مسند میں اور ابن حبان فی صحیحہ میں حسن سند کے ساتھ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ((یمامی کو مٹی میں آگے بڑھاؤ کیونکہ وہ تم میں سب سے بہتر طریقہ سے اس کو ملاتا ہے اور وہ طاقت میں تم سے زیادہ ہے))[1]۔

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ فرمارہے تھے:

لا يستوي من يعمر المساجدا يدأب فيها قائماو قاعدا
ومن يرى عن التراب حائدا[2]

عمار رضی اللہ تعالی عنہ کا کام میں محنت کرنا

اور صحابہ رضی اللہ عنہم ایک ایک اینٹ اٹھایا کرتے تھے اور عمار رضی اللہ تعالی عنہ دو دو اینٹ اٹھانے لگے[3] جو کہ طاقتور آدمی تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا کہ تو اپنے سر سے سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمانے لگے[4]: "اے عمار تم اسی طرح کیوں نہیں اٹھاتے جس طرح تمہارے ساتھی اسے اٹھارہے ہیں، تو انہوں نے کہا میں اللہ رب العالمین سے اجر چاہتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: اے سمیہ کے بیٹے لوگوں کے لئے ایک اجر ہے اور تمہارے لئے دوگنا اجر ہے، اور تمہارا آخری زاد راہ دودھ کا ایک گھونٹ ہوگا[5]، اور تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی"[1]۔

([1]) اور حدیث کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (27/24009) پر کی ہے، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب الطھارۃ، باب: نواقض الوضوء، حدیث نمبر (1122) پر کی ہے۔

([2]) اسے حافظ نے فتح الباری (659/7) میں نقل کیا ہے۔

([3]) حافظ ابن حجر فتح الباری (112/2) میں لکھتے ہیں: اس میں نیکی کے کام میں مشقت اختیار کرنے کے جواز کی دلیل ملتی ہے۔

([4]) حافظ ابن حجر فتح الباری (112/2) میں لکھتے ہیں کہ: اس میں اللہ کے راستے میں کام کرنے والے کی تکریم اور قولاً اور فعلاً کے ذریعے سے اس پر احسان کرنے کی دلیل ہے۔

([5]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں، حدیث نمبر (۱۸۸۸۰) اور امام حاکم نے مستدرک میں، حدیث نمبر (۵۷۰۹) پر کی ہے، اور حدیث صحیح ہے۔ حضرت ابو بختری کے واسطے سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: عمار نے صفین والے دن کہا کہ میرے پاس دودھ کا ایک گلاس

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمار بن یاسر کو دو دو اینٹیں اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "عمار کو خوشخبری ہو اسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی وہ انہیں جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے"۔[2]

تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں اللہ تعالی کی فتنوں سے پناہ چاہتا ہوں"[3]۔

لاؤ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: تم دنیا میں سب سے آخر میں جو چیز پیو گے، وہ دودھ کا ایک گھونٹ ہو گا۔ چنانچہ ان کے پاس دودھ کا ایک گھونٹ لایا گیا، انہوں نے اسے نوش کیا اور پھر آگے بڑھے اور شہید کر دیے گئے۔

([1])اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۲۳۱/۳) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: یہ اسناد صحیحین کی شرط پر ہے۔ میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں، کتاب الفتن وأشراط الساعۃ، باب: لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل، حدیث نمبر (۲۹۱۵) پر، اور مسند احمد میں، حدیث نمبر (۲۶۴۸۲) پر یہ بات وارد ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار سے کہا جب وہ خندق کھود رہے تھے: "تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔" اور یہاں پر سببِ اشکال آپ کا یہ قول ہے کہ: "وہ خندق کھود رہے تھے۔" امام بیہقی نے دلائل (۵۴۹/۲) میں ذکر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ خندق کا ذکر وہم کے طور پر ہو، یا یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مسجد کے تعمیر کے وقت کہی ہو، اور اسے خندق والا دن بھی کہا ہو۔ واللہ اعلم۔ اور حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۲۳۱/۳) میں کہتے ہیں: خندق کے کھودنے کے وقت اینٹوں کو اٹھانے کا کوئی معنی نہیں ہے، اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ناقل پر یہ بات مشتبہ ہو گئی ہو۔ واللہ اعلم۔**

([2])حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۱۲/۲) میں لکھتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قتل صفین میں سنہ ۳۶ میں ہوا جب وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اور ان لوگوں نے انہیں قتل کیا جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اور اس وقت صحابہ میں سے ان کے ساتھ ایک جماعت تھی، تو ان کے بارے میں یہ کیسے کہنا جائز ہو گا کہ وہ جہنم کی طرف بلانے والے تھے؟ تو جواب یہ ہو گا کہ وہ گمان کر رہے تھے کہ وہ جنت کی طرف بلانے والے ہیں، اور وہ اجتہاد کر رہے تھے۔ ان پر ان کے گمان کی پیروی میں کوئی ملامت نہیں۔ تو یہاں "جنت کی طرف بلانے" سے مراد اس کے سبب کی جانب بلانا ہے، جو کہ امام کی اطاعت ہے۔ اور اسی طرح عمار رضی اللہ عنہ انہیں علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی جانب بلا رہے تھے، اور وہی اس وقت وہ امام تھے جن کی اطاعت واجب تھی۔ اور دوسرے لوگ اس کے برخلاف بلا رہے تھے، لیکن وہ اس تاویل کی وجہ سے معذور ہوں گے جو ان کے لیے ظاہر ہوئی تھی۔

([3])مسجد نبوی کے تعمیر کا قصہ درج ذیل لوگوں نے تخریج کیا ہے: صحیح بخاری، کتاب فضائل الأنصار، باب ھجرۃ النبي وأصحابہ إلی المدینۃ، حدیث نمبر (۳۹۰۶) صحیح بخاری، باب مقدم الرسول وأصحابہ المدینۃ، حدیث نمبر (۳۹۳۲) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکي الجاھلیۃ، حدیث نمبر (۴۲۸) صحیح بخاری، باب التعاون في بناء المسجد، حدیث نمبر (۴۴۷) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب ابتناء مسجد النبي، حدیث نمبر (۵۲۴) صحیح مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعۃ، باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل، حدیث نمبر (۲۹۱۵) مسند امام احمد، حدیث نمبر (۱۲۱۷۸)، (۲۶۵۶۳)

امام ذہبی کا ایک خوبصورت قول

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا، صفین والوں میں دونوں گروہوں کے درمیان برا بھلا کہنے سے بڑھ کر معاملہ تلوار کا تھا، اگر کوئی چیز درست ہے تو ہمارا راستہ رک جانا اور صحابہ کے لئے مغفرت طلب کرنا ہے، اور ہم ان کے درمیان واقع ہونے والے کسی بات کو پسند نہیں کرتے اور ہم اللہ رب العالمین کے اس سے پناہ چاہتے ہیں[1]۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں کتنے دن لگے؟

اور مسجد نبوی کی تعمیر میں بارہ[2] دن لگے، اور مسجد اس وقت بہت ہی معمولی شکل میں بنائی گئی تھی، جس کا فرش ریت کا تھا اور اس کے ستون کھجور کے تنوں[3] کے تھے، اور اس کی چھت کھجور کی پتیوں کا تھا اور قبلہ سے پیچھے تک اس کی لمبائی سو گز تھی اور اس کے دونوں بازو اسی طرح یا اس سے کم تھے[4]۔

ایک ضعیف حدیث

رہی بات بات اس روایت کی جسے امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سفینہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کی تو ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور اسے رکھا پھر عمر رضی

([1]) دیکھیے: سیر أعلام النبلا (۳۹/۳)۔

([2]) عبداللہ بن زبیر کی یہ روایت بیہقی کے یہاں دلائل النبوۃ (509/2) میں موجود ہے۔

([3]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب الصلاۃ باب بنیان المسجد حدیث نمبر (446)، اور کتاب المناقب باب علامات النبوۃ في الاسلام حدیث نمبر (3585) پر کی ہے۔

([4]) دیکھیے: طبقات کبری از ابن سعد (115/1)۔

اللہ تعالی عنہ ایک پتھر لے کر آئے اسے رکھا پھر عثمان رضی اللہ تعالی عنہ پتھر لے کر آئے اور اسے رکھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ میرے بعد حکمران ہوں گے "[1]۔

تو یہ حدیث ضعیف ہے صحیح نہیں ہے۔

حجروں کی تعمیر

مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کے حجرے مسجد کے گرد تعمیر کئے گئے اور ان کے چھت حضور کے پتوں اور تنو ں کے بنائے گئے، تاکہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل خانہ کے گھر ہوں چنانچہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا کا ایک گھر تھا اور دوسرا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کا گھر تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صرف سودہ اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہی نکاح کیا تھا[2]۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ داؤد ابن قیس کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے کھجور کے تنوں سے بنے حجرے دیکھے، جن کو باہر سے اونی کپڑے سے ڈھک دیا گیا تھا، اور میرا گمان ہے کہ گھر کی چوڑائی حجرے کے دروازے سے گھر کے دروازے تک چھ یا سات گز تھے، اور گھر کے اندر کا حصہ دس گز تھا اور میرا گمان ہے کہ اس کی موٹائی آئی 8 اور ساتھ کے قریب تھی اور میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے دروازے پر کھڑا ہوا تو وہ مغرب کے سمت تھا[3]۔

([1])اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں، کتاب لا ہجرۃ، باب: إخبارہ بولاۃ الأمر من بعدہ، حدیث نمبر (۴۳۴۱) پر کی ہے، اور اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۲۳۲/۳) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: یہ اس سیاق کے ساتھ بہت ہی زیادہ غریب ہے۔ دیکھیے: السلسلۃ الضعیفۃ للألبانی، حدیث نمبر (۶۱۹۱)۔

([2])دیکھیے: شرح المواہب (۱۸۵/۲)، البدایہ والنہایہ (۲۳۴/۳)۔

([3])اس کے تخریج امام بخاری نے الادب المفرد میں، حدیث نمبر (۴۵۱) پر کی ہے۔

اور امام بخاری نے اسی طرح الادب المفرد میں روایت کیا ہے صحیح سند کے ساتھ محمد بن ہلال کے حوالے سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا حجرہ دیکھا جو کھجور کے پتیوں سے بنا ہوا تھا جسے اونی کپڑے سے ڈھک گیا تھا تو میں نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا گویا ان کے گھر کا دروازہ شام کے جانب تھا تا۔

میں نے کہا: ایک چوکٹھا یا دو چوکھٹ۔

تو انہوں نے کہا: ایک دروازہ تھا۔

میں نے کہا: کس چیز کا تھا۔

انہوں نے کہا: عرعریا ساج[1] کا۔

اور اور آپ کے گھر بہت ہی چھوٹے بنائے گئے تھے، امام بخاری نے راویت کیا ہے صحیح سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے گھروں میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے خلافت میں داخل ہوتا تھا اور میں ان کے چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وہ اس لیے کیونکہ حسن بصری رحمہ اللہ لمبے قد و قامت کے حامل تھے"[3]۔

اور یہ گھر مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی وفات کے بعد شامل کر دیئے گئے[4]۔

([1]) ساگ ایک لکڑی ہے جو ہندوستان سے لائی جاتی تھی۔ دیکھیے لسان العرب (۴۱۹/۶)۔
اسکی تخریج امام بخاری نے الادب المفرد میں حدیث نمبر (۷۷۶) پر کی ہے۔

([2]) اسکی تخریج امام بخاری نے ادب المفرد میں حدیث نمبر (۴۵۰) پر کی ہے۔

([3]) دیکھیے: البدایہ والنہایہ (۲۳۴/۳)۔

([4]) دیکھیے: المرجع السابق (۲۳۴/۳)۔

مسجد نبوی شریف کی توسیع

اور مسجد نبوی ﷺ اپنی اسی حالت میں رہی جس حالت میں رسول اللہ ﷺ نے اسے بنایا تھا، یہاں تک کہ لوگ زیادہ ہو گئے اور مسجد تنگ ہو گئی۔ یہ غزوہ خیبر کے بعد کی بات ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس میں وہ زمین شامل کی جو عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم میں خریدی تھی۔

امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ابو سلمہ ابن عبد الرحمن کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی جب قید کیے گئے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "میں تمہیں اللہ رب العالمین کا حوالہ دیتا ہوں کس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کون اس گھر کو مسجد میں ایک جنت کے گھر کے بدلے شامل کرے گا؟ تو میں نے ہی اپنے مال سے اسے خرید کر مسجد کو کشادہ کیا تھا"[1]۔

اور ایک دوسری روایت میں ابن حبان کی صحیح میں حسن سند کے ساتھ ہے کہ احنف بن قیس نے کہا کہ: "عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا تھا: میں تمہیں اللہ کا حوالہ دیتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے کیا تم یہ جانتے ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا جس نے بنو فلان کی زمین خریدے گا اللہ رب العالمین سب کی مغفرت فرمائے گا، تو میں نے ہی بیس یا پچیس ہزار دے کر اسے خریدا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے آپ سے فرمایا: میں نے خرید لیا ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسے ہماری مسجد میں شامل کر دو اور اس کا اجر تمہیں ملے گا"[2]۔

([1]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۴۲۰) پر کی ہے۔

([2]) اس کی تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب إخباره عن مناقب الصحابة، باب معرفة الله لعثمان بن عفان، حدیث نمبر (6920) پر کی ہے۔

ترمذی اور نسائی کی روایت میں حسنِ سند کے ساتھ ثُمامہ بن حزن القشیری سے روایت ہے کہ... عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں اللہ اور اسلام کی قسم تم سے سوال کرتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ مسجد اپنے لوگوں کے لیے تنگ ہو گئی ہے؟" تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص فلاں کے خاندان کی زمین خریدے اور اسے مسجد میں شامل کرے، اس کے لیے یہ زمین جنت میں بہتر ہو گی"۔ چنانچہ میں نے اپنے مال خاص سے اسے خرید لیا[1]۔

خلفاء راشدین کے زمانے میں مسجد نبوی کی توسیع

مسجد اسی حالت میں اب تک رہی جب تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے، انہوں نے اس میں کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مسجد کو وسیع کیا اور اس میں اضافہ کیا، اور اسے اسی بنیاد پر تعمیر کیا جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھی، یعنی مٹی کی اینٹوں اور کھجور کی چھال سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ستون دوبارہ لکڑی کے بنوائے[2]۔

اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے مسجدوں کو وتزئین کاری سے منع کیا کیونکہ اس سے لوگ اپنی نماز میں میں مشغول ہو سکتے ہیں، جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب انہوں نے مسجد کو بنانے کا حکم دیا تو کہا: لوگوں کو بارش سے بچاؤ اور لال یا پیلا کرنے سے بچو تاکہ لوگ فتنے کا شکار نہ ہوں[3]۔

([1])اس کی تخریج امام ترمذی نے اپنی جامع میں، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان، حدیث نمبر (4036) پر اور نسائی نے سنن کبریٰ میں، کتاب الأحباس، باب وقف المساجد، حدیث نمبر (6402) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد، حدیث نمبر (446) پر کی ہے۔

([3])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد میں معلّق طور پر کی ہے۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا اور اس میں بہت زیادہ اضافہ کیا۔ انہوں نے اس کی دیواریں کندہ پتھروں اور قسطوں سے بنائیں، ستونوں کو بھی کندہ پتھروں سے بنایا، اور چھت کو ساگ کی لکڑی سے بنایا[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تاویل کرتے ہوئے اس میں اضافہ کیا جس میں آپ نے فرمایا کہ: "جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائیں کبوتری کے گھونسلے کے برابر یا اس سے چھوٹی تو اللہ رب العالمین اس کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کرتا ہے۔[2] اور صحابہ کرام جو موجود تھے انہوں نے ان کی موافقت کی اور ان کے بعد کسی نے اس کو نہ بدلا جس یہ دلیل پکڑی جاسکتی ہے علماء کے اقوال میں راجح قول پر زیادہ کا حکم مزید کا ہی حکم ہے، چنانچہ اضافی حصہ بھی پورے مسجد میں نماز کے ثواب میں اضافہ اور اس کے جانب سفر کرنے کے حکم میں داخل ہو گئی[3]۔

اسلام میں مسجد کا مقام

مسجد صرف نماز ادا کرنے کی جگہ نہیں تھی، بلکہ یہ ایک جامع مرکز تھا جہاں مسلمان اسلام کی تعلیمات اور رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ یہ مختلف قبائل کے افراد کے لیے بھی ملاقات کی جگہ تھی، جو پہلے ایک دوسرے سے جھگڑتے یا دشمنی رکھتے تھے۔ مسجد ایک ایسا مرکز بھی تھی جہاں تمام امور کی نگرانی اور انتظام کیا جاتا، فیصلے کیے جاتے، اور مشاورتی و تنفیذی مجالس منعقد کی جاتی تھیں۔

([1])اس کے تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد، حدیث نمبر (446) پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، کتاب المساجد، باب من بنی للہ مسجداً، حدیث نمبر (738) پر، اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں، حدیث نمبر (1557) پر کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

([3])دیکھیے: البدایہ والنہایہ (۳/۲۳۰)۔

اسی طرح مسجد ایک گھر بھی تھا جس میں مہاجرین میں سے بہت سے فقرا رہائش پذیر تھے، جن کے پاس نہ گھر تھا، نہ دولت، نہ اہل و عیال، اور نہ اولاد۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ بیٹھتے، ان کے ساتھ وقت گزارتے، اور انہیں سکون و ہم آہنگی عطا فرماتے، جنہیں اہل صفہ [1] کہا جاتا تھا۔

شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مسجد کی تعمیر بہت ہی معمولی سطح پر ہوئی، اس کی زمین ریت اور کنکریوں کی تھی، اس کا چھت کھجور کی پتیوں کا، اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کا بسا اوقات بارش ہوتی تو اس کی زمین میں کیچڑ ہو جاتا [2]، اور کبھی کبھار اس میں کتے داخل ہو جاتے اور آتے جاتے [3]، یہ بہت ہی معمولی تعمیر تھی اور اسی میں انسانوں کے فرشتے تربیت پائے، جنہوں نے ظالم و جابر بادشاہوں کو شکست دی اور وہی دار آخرت کے بادشاہ ہوئے۔

([1]) صفہ: مسجدِ نبوی میں سایہ کی گئی وہ جگہ، جہاں پر صحابہ میں سے ایسے فقراء اور مساکین پناہ حاصل کرتے تھے جن کے پاس پناہ حاصل کرنے کی کوئی اور جگہ نہیں تھی۔ دیکھیے: النہایہ (۳/۳۵)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۲۹۶) میں لکھتے ہیں کہ: صفہ مسجد کے پچھلے حصے میں ایک جگہ ان صحابہ کرام کے لیے تیار کی گئی تھی جو فقیر تھے اور غیر اہل و عیال والے تھے۔ اور وہ بسا اوقات زیادہ ہو جاتے تھے جن کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی تھی، اور بسا اوقات وہ کم ہو جاتے تھے کیونکہ انہیں جہاد اور تعلیم قرآن کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۰۱۶ پر ابو سلمہ کی روایت سے کی ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں: میں نے ابو سعید (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا، جو کہ میرے دوست تھے، تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایک رات لیلۃ القدر کو خواب میں دیکھا، پھر اسے مجھ سے بھلا دیا گیا۔ پس تم اسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اور میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میں مٹی اور پانی میں سجدہ کر رہا ہوں۔'' ابو سعید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اعتکاف میں تھے وہ واپس ہو گئے۔ ہم نے آسمان میں کوئی بادل کا ٹکڑا نہیں دیکھا، پھر بادل چھا گئے اور بارش ہوئی یہاں تک کہ مسجد کی چھت سے پانی بہنے لگا، جو کھجور کے تنوں کی تھی۔ نماز قائم ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی پیشانی پر مٹی کا نشان دیکھا۔

([3]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 174 پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں مسجد میں کتے آیا کرتے تھے تو وہ اس میں کوئی بھی چیز نہیں چھڑکتے تھے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (1/373) میں لکھتے ہیں: اور زیادہ درست بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ پہلے پہل جواز کے اصل پر یہ بات تھی، پھر مسجدوں کی تکریم اور ان کی طہارت کا حکم دیا گیا اور ان کے دروازے لگائے گئے۔

مسجد کی حیثیت اسلامی معاشرے میں اسے روحانی اور مادی رہنمائی کا ذریعہ بناتی ہے۔ یہ عبادت کی جگہ، علم کا مدرسہ، اور ادب کی مجلس ہے۔ نماز اور اس کی صفوں کے ساتھ اخلاق اور روایات بھی منسلک ہیں، جو اسلام کا لبّ وجان ہیں[1]۔

منبر کی تعمیر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خطبہ دیتے وقت ایک کھجور کے تنے پر سہارا لے کر کھڑا ہوا کرتے تھے، پھر جب غزوہ خیبر کے بعد لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ سے کہا، آپ کوئی چیز ایسی بنوالیں جس پر کھڑے ہو کر آپ لوگوں کو خطبہ دیں تاکہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر تعمیر کرنے کا حکم فرمایا، جب ممبر کے تعمیر کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے تو وہ کھجور کا تنا رونے لگا اور اس کی آواز بچوں کی آواز کی مانند سنی گئی یا اس کی آواز حاملہ اونٹنی کے رونے کے مانند سنی گئی یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کے اوپر اپنا ہاتھ پھیرا اور وہ پر سکون ہو گیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ایک درخت یا کھجور کے پیڑ[2] کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے، تو ایک انصاری عورت یا آدمی[3] نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے لئے منبر نہ بنادیں؟۔[4]

([1]) دیکھیے: فقہ السیرۃ از شیخ محمد غزالی (ص ۱۷۸)۔

([2]) حافظ ابن حجر فتح الباری (7/306) میں کہتے ہیں: یہ روایت کا شک ہے۔ چنانچہ امام اسماعیل نے وکیع کے طریق سے **عبد الواحد** کے حوالے سے تخریج کی ہے کہ: وہ ایک کھجور کے تنے کے پاس کھڑے ہوئے اور اس نے شک نہیں کیا ہے۔

([3]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۳۰۶/۲) میں لکھتے ہیں کہ: یہ روایت کا شک ہے اور پہلے پہلا ہے، یعنی: خاتون۔

([4]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۱۴/۲) میں لکھتے ہیں کہ: اگر کہا جائے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ظاہری سیاق سہل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے سیاق کے مخالف ہے، جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۹۱۷) پر تخریج کیا ہے، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر چاہو۔ تو انہوں نے آپ کے لئے منبر تعمیر کر دیا۔

پھر جب جمعہ کا دن آیا تو منبر لایا گیا اس وقت کھجور کے درخت نے بچوں کی طرح چیخ ماری پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس کے پاس جا کر اسے خود چپکایا تو وہ اس بچے کی طرح سسکیاں لے رہا تھا جو پر سکون ہو رہا ہو، وہ کہتے ہیں وہ دراصل یہ رو رہا تھا کیونکہ وہ اپنے پاس اللہ کے ذکر کو سنا کرتا تھا[1]۔

اور صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: مسجد کا چھت کھجور کے تنوں سے بنا ہوا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ان میں سے ایک تنے کے پاس کھڑے ہوتے تھے چنانچہ جب منبر بنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ایک دن خطبہ دے رہے تھے اسی دوران ہم نے اس تنے کو حاملہ اونٹنی کی طرح سے آواز نکالتے ہوئے سنا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ پر سکون ہو گیا[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے

نے انصار میں سے ایک خاتون کے پاس پیغام بھیجا اور اس سے کہا کہ تم اپنے بڑھائی غلام کو حکم دو۔ کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ خاتون نے ہی آپ کو پہلے پیشکش کی تھی پیشکش تھی، اور سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ایسا کرنے کا حکم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ تو اس کا جواب ابن بطال نے دیا ہے: اس بات کا احتمال ہے کہ خاتون نے ابتدا میں تبرک کے طور پر اس کی پیشکش کی تھی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بوس سے اس پیشکش کی قبولیت اس کے پاس پہنچتی، تو ممکن ہے کہ غلام نے اس کام میں دیر کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس اس کو مکمل کرنے کے لیے جلد کرنے کا حکم دینے کے لیے بھیجا ہو، کیونکہ آپ کے پاس کی طرف سے خرچ کیے گئے مال سے متعلق اس کی رضامندی کو جانتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جانب قاصد کو اس لیے بھیجا ہو کہ وہ اس غلام کو لکڑیوں سے ممبر بنانے کی صفت بتانے کے لیے گئے ہوں۔

([1])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں **کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث نمبر (3584)** پر کی ہے، اور امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر **(14206)** پر روایت کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں **کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث نمبر (3585)** پر کی ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر میں اسے خود سے نہ چپکاتا تو وہ قیامت کے دن تک اسی طرح سے روتے رہتا"[1]۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک خوبصورت قول

ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے: جب وہ اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو رو دیتے تھے اور کہتے تھے: اے اللہ کے بندوں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک لکڑی رویا کرتا تھا کیونکہ آپ کا مقام اللہ کے نزدیک بہت بلند تھا تو تم اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ تم آپ کی ملاقات کے لیے شوق رکھو[2]۔

اس تنے کا انجام

امام دارمی نے اپنی مسند میں بریدہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تنے کو پر سکون ہونے کے بعد کہا: تم اختیار کرو کہ تم کو میں اس جگہ میں پھر سے لگاؤں جہاں پہ تم تھے اور تم اسی طرح سے ہو جاؤ جیسے پہلے تھے یعنی تم پھر ایک کھجور کا تنا ہو جاؤ اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگاؤں اور تم جنت کے نہروں سے پیو اور تمہاری نشو ونما اچھی ہو، اور تم پھل دو، جس کا فائدہ اللہ کے ولی لوگ اٹھائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے یہ اختیار کیا ہے کہ اسے جنت میں لگایا جائے[3]۔

([1]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنے مسند میں **حدیث نمبر (2236)** پر کی ہے اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں **کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في بدء شأن المنبر، حدیث نمبر (1415)** پر کی ہے، اور طحاوی نے **شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر (4177)** پر کی ہے۔

([2]) اس کی تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیفہ میں **کتاب التاریخ، باب المعجزات، حدیث نمبر (6507)** پر کی ہے۔

([3]) اسے حافظ ابن حجر نے **فتح الباری (7/307)** میں نقل کیا ہے اور اس کی نسبت دار قطنی کی جانب کی ہے کہ انہوں نے اپنے مسند میں سے نقل کیا ہے۔

اور ابن ماجہ اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ : جب مسجد کو منہدم کر دیا گیا اور اس کی جگہ کو تبدیل کر دیا گیا، تو میں نے اس تنے کو لیا تو وہ میرے پاس میرے گھر میں رہا یہاں تک کہ بوسیدہ ہو گیا اور اسے زمین کے کیڑوں نے کھالیا اور وہ خراب ہو گیا[1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یعنی ابی بن کعب کا کہنا: اس بات کے منافی نہیں ہے کی اسے دفن کیا گیا تھا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ انہدم کے بعد صفائی کے وقت ظاہر ہوا ہو اور اسے ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے پاس لے لیا ہو"[2]۔

منبر کے فضائل

اس منبر کے فضائل کے سلسلے میں بہت سے احادیث وارد ہیں، انہی میں سے ایک وہ بھی حدیث ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ ام سلمہ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے منبر کے ستون[3] جنت میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے[4]۔

([1])اس کی تخریج امام ابن ماجہ نے اپنی **سنن** میں کتاب **إقامة الصلاة والسنة فيها** باب **ماجاء في بدء شأن المنبر** حدیث نمبر (1414) پر کی ہے اور امام طحاوی نے شرح **مشکل الآثار** میں حدیث نمبر (4176) پر کی ہے۔

([2])دیکھیے: فتح الباری (۷/۳۰۷)۔

([3])امام سندی، مسند کی شرح (422/14) میں کہتے ہیں: یہ جنّت میں آپ کے لیے منبر کے باقی رہنے سے کنایہ ہے یا اس بات کا بیان مقصد یہ ہے کہ آپ کا منبر، جو دنیا میں تھا، وہ جنّت میں منتقل کر دیا جائے گا۔

([4])اس کی تخریج امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر **26476** پر کی ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں **کتاب الحج، باب فضل المدینة، حدیث نمبر 3749** پر کی ہے۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے سنن کبریٰ میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے فرمایا: "یہ جنت کے ٹیلوں[1] میں سے ایک ٹیلہ ہوگا"[2]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے گھر اور منبر کے درمیان کی زمین جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا"[3]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رحمت کے نزول اور سعادت کے حصول میں جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری کے مانند ہوگا کیونکہ اس وقت آپ کے زمانے میں اس میں ذکر کے حلقات ہوا کرتے تھے چنانچہ یہ بغیر سبب کے تشبیہ ہوگی، یا معنی یہ ہوگا کہ جو عبادت اس میں ادا کی جائے وہ مجازی طور پر یا ظاہری طور پر جنت میں داخل کرنے کا سبب ہوگی اور مراد یہ ہے کہ: وہ حقیقی کیاری ہوگی بایں طور کہ آخرت میں وہی جگہ جنت میں منتقل کر دی جائے گی[4]۔

([1]) قتیبہ کہتے ہیں کہ: اس کا معنی ہے کہ اس جگہ میں نماز اور ذکر کا اہتمام کرنا، جن تم میں لے جانے والے عمل ہیں، گویا وہ اسی کا حصہ ہے۔ دیکھیے: النہایۃ (۱/۱۸۳)۔

([2]) اس حدیث کی تخریج: امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر (8721) پر کی ہے۔ امام نسائی نے اپنی سنن کبری میں کتاب المناسک باب المنبر حدیث نمبر (4274) پر کی ہے۔

([3]) امام ابن حجر نے فتح الباری (۴/۵۸۹) میں اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور میرے ممبر میرے حوض پر ہوگیا کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یعنی قیامت کے دن سے منتقل کیا جائے گا اور اسے حوض پر نصب کیا جائے گا۔ زیادہ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میرا یہ ممبر جس پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تھی۔ اور یہ واضح ہو گیا کہ اس سے مراد وہ ممبر ہے جو آپ کے لیے قیامت کے دن رکھا جائے گا اور یہ زیادہ واضح ہے۔ حدیث کے تخریج: امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل المدینۃ باب نمبر ۱۲ حدیث نمبر (۱۸۸۸) پر کی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الحج باب مابین القبر والبیت روضۃ من ریاض الجنۃ حدیث نمبر (۱۳۹۱) پر کی ہے۔

([4]) دیکھیے: فتح الباری (۴/۵۸۹)۔

مسجد نبوی کے فضائل

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نماز سے بہتر ہے[1]۔

اور ابن حبان نے اپنے صحیح اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک بہترین جگہ ہے جس کی طرف سفر کیا جائے وہ میری یہ مسجد اور بیت عتیق ہے"[2]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی وسلم نے فرمایا: "بے شک میں نبیوں کا آخری ہو اور یہ میری مسجد سب سے آخری مسجد ہے"۔[3]

امام سندی رحمہ اللہ نسائی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تین مسجد ہیں جن کے لیے فضیلت کی گواہی دی گئی ہے ان میں یہ آخری مسجد ہے یا انبیاء کرام کی مسجدوں میں یہ آخری مسجد ہے یا یہ کہ یہ مسجدوں میں باقی رہنے والی آخری مسجد ہو گی اور دوسری مسجدوں سے فنا ہونے میں یہ آخر تک رہے گی۔

([1])اس کے تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں **کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، باب فضل الصلاة في مسجد مکة والمدینة، حدیث نمبر (1190)** پر کی ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں **کتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مکة والمدینة، حدیث نمبر (1394)** پر روایت کی ہے۔

([2])اس کے تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں **کتاب الصلاة، باب المساجد، حدیث نمبر (1616)** پر کی ہے، اور امام احمد نے اپنے مسند میں **حدیث نمبر (14782)** اور امام طحاوی نے **شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر (576)** پر روایت کی ہے۔

([3])اس کے تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں **کتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مکة والمدینة، حدیث نمبر (1394)** اور **(507)** پر کی ہے، اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں **کتاب الصلاة، باب المساجد، حدیث نمبر (1621)** پر روایت کی ہے۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سفر نہیں کی جاسکتی ہے مگر تین مسجدوں کی جانب مسجد حرام، مسجد رسول[1] اور مسجد اقصی"[2]۔

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (385/3) میں لکھتے ہیں کہ مسجدیں نہ کہہ کر رسول ﷺ کی تعظیم کرنے کا اشارہ ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ راویوں کا صرف ہوا۔ اور اس کی تصدیق آپ ﷺ نے ابو سعید کی حدیث میں کی ہے، جس میں آپ نے فرمایا: "ومسجدي..."۔

([2]) اس کے تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب **فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة** باب **فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة** حدیث نمبر (1189) پر کی ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب **الحج** باب **فضل المساجد الثلاثة** حدیث نمبر (1397) پر روایت کی ہے۔

دوسرا: مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ[1]

آپ نے مسجد کی تعمیر کے بعد جو دوسرا کام انجام دیا وہ مہاجر اور انصار کے درمیان بھائی چارہ پیدا کرنا تھا، وہ اس لئے کہ مہاجرین جب مدینہ آئے تو ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا کیونکہ وہ اپنے مال اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو پیش آمدہ اس مادی پریشانی کا حل نکالنا چاہا۔

چنانچہ سے یہ بھائی چارہ انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر میں انجام پایا[2]۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ بھائی چارہ مسجد میں انجام پایا۔[3]

وہ نوے (90) لوگ تھے جن میں سے آدھے مہاجرین میں سے تھے اور آدھے انصار میں سے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سو لوگ تھے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

([1]) شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالی نے **فقہ السیرۃ** میں صفحہ 179 پر فرمایا: اس اخوت کا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کی قبیلائی ریشہ داری ختم ہو جائے، اور حقیقی حمیت صرف اسلام کے لیے ہو۔

شیخ ابو الحسن ندوی نے **السیرۃ النبویۃ** میں صفحہ 198 پر فرمایا: یہ اخوت ایک عالمی اور منفرد اسلامی اخوت کی بنیاد تھی، اور ایک ایسے امت کی بیداری کے لیے پیش لفظ تھی جس کی دعوت اور پیغام کے تحت ایک نیا عالم تشکیل پائے، جو درست عقائد اور صالح مقاصد پر قائم ہو، اور دنیا کو دکھ، نفرت، اور تباہی سے نجات دلا سکے، اور ایمان، معنوی اخوت، اور مشترکہ عمل پر مبنی نئے تعلقات قائم کرے۔ یہ اخوت، جو محدود تھی مہاجرین اور انصار کے درمیان، نئی زندگی کی ابتدا اور انسانیت کے لیے شرط تھی۔

([2]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا: کتاب الکفالۃ، باب قولہ تعالی: {وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ}، حدیث نمبر 2294؛ اور کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر 7340؛ اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا: کتاب فضائل الصحابۃ، باب مؤاخاۃ النبي صلی اللہ علیہ وسلم بین أصحابہ رضی اللہ عنھم، حدیث نمبر 2529، 204، 205۔

([3]) ابو سعید نے "شرف المصطفیٰ" میں یہ بات کہی، جیسا کہ الحافظ نے فتح میں نقل کیا (690/7)، اور الحافظ نے دونوں کو فتح میں جمع کیا (727/4) اور فرمایا: یہ جمع ممکن ہے کہ مؤاخات کا آغاز نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے مدینہ آنے کے اوائل میں ہوا، اور وہ اسے اس اعتبار سے تجدید کرتے رہے کہ جو بھی اسلام قبول کرے یا مدینہ میں حاضر ہو، اور یوں سلسلہ جاری رہا، اور ضروری نہیں کہ مؤاخات ایک ہی دفعہ میں ہوئی ہو۔

درمیان حق اور مواساۃ پر بھائی چارہ بنایا اور یہ کہ وہ رشتے داروں کے علاوہ موت کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے[1]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمان باری تعالی: ((ولکل جعلنا موالی))[النساء:۳۳]، کے بارے میں کہا ہے کہ مہاجر لوگ جب مدینہ آئے تو وہ رشتہ داروں کے علاوہ انصاری کے وارث ہوتے تھے اس مواخات کی وجہ سے جسے ان کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا پھر جب یہ آیت: ((ولکل جعلنا موالی)) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا[2]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اسی طرح سے اس روایت میں ہے کہ حلیف کے میراث کا ناسخ یہ آیت: ((ولکل جعلنا موالی)) ہے، ابوداؤد نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ نے عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمان باری تعالی: ((والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم)) کے بارے میں کہا ہے کہ: ایک شخص دوسرے شخص سے حلف لیتا تھا جبکہ ان کے درمیان کوئی نسب نہ ہوتا تو وہ ایک دوسرے کا وارث ہوتے پھر یہ انفال کی آیت سے منسوخ ہو گیا، اللہ کا فرمان ہے: ((واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض))[الانفال:75][3]، اور کئی مختلف طرق سے علماء کی ایک جماعت سے یہ بات ثابت ہے اور یہی معتمد قول بھی ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ نسخ دو مرتبہ ہوا ہو، پہلی مرتبہ اس وقت جب عقد کرنے والا عصبہ کے علاوہ اکیلا وارث ہوتا تھا، تو یہ آیت: ((ولکل جعلنا موالی)) نازل ہوئی، پھر وہ سبھی وارث ہونے لگے اسی پر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری، ابن سعد (110/1)۔

([2]) بخاری نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا – کتاب التفسیر، باب (7)، حدیث نمبر (4580) – اور کتاب الفرائض، باب ذوي الأرحام، حدیث نمبر (6747)۔

([3]) یہ خبر ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے – کتاب الفرائض، باب نسخ میراث العقد بمیراث الرحم، حدیث نمبر (2921)۔

کو محمول کیا جائے گا پھر یہ سورہ احزاب کی آیت سے منسوخ ہوئی اور میراث کو عصبہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور اب عقد کرنے والے کیلئے صرف مدد اور نصرت اور اس طرح کے امور ہی باقی ہیں اور اسی پر باقی آثار کو محمول کیا جائے گا[1]۔

امام سہیلی رحمہ اللہ کا خوبصورت قول:

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آمد کے بعد اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ کی بنیاد ڈالی تاکہ ان سے اجنبیت کی وحشت ختم ہو جائے اور اس طرح سے گھر اور قرابت داروں سے علیحدگی سے ان کو سکون مل سکے اور ان میں سے ایک دوسرے کو آپس میں مضبوطی حاصل ہو، پھر جب اسلام مضبوط ہو گیا اور لوگ جمع ہو گئے اور ڈر ختم ہو گیا تو اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض فى كتاب الله))[الأنفال: ٧٥]، یعنی میراث میں، پھر اللہ رب العالمین نے تمام اہل ایمان کو بھائی قرار دیا اور فرمایا: ((انما المؤمنون إخوة))[الحجرات: ١٠]، یعنی محبت کرنے میں اور دعوت کے شامل ہونے میں[2]۔

اور اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کے معاہدے کو مضبوط کیا اور اسے محکم کیا اپنے اس فرمان سے: ((ان الذين امنوا وهاجروا وجاهدوا باموالهم وانفسهم فى سبيل الله والذين اووا ونصروا اولئك بعضهم اولياء بعض...)) فرمان باری تعالی:((اولئك هم المؤمنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم))تک[الانفال:72-74]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے مومنوں کی اصناف کو ذکر کیا اور انہیں مہاجرین اور انصار میں تقسیم کیا، مہاجرین وہ جو اپنے گھر اور مال سے نکل

([1]) دیکھیں: فتح الباری (122/9) – (517/13)۔

([2]) دیکھیں: الروض الأنف (350/2)۔

آئے اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد اور دین کو قائم کرنے کے لیے آئے اور انہوں نے اپنے مال اور جان کو اسی میں صرف کیا اور انصار وہ مسلمان اہل مدینہ میں سے جنہوں نے اپنے مہاجرین بھائیوں کو اپنے گھر میں پناہ دی اور اپنے مال کو ان کے لئے کھول دیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی ان کے ساتھ قتال کر کے مدد کی تو یہ بعض بعض سے زیادہ حقدار ہیں یعنی ان میں سے ہر شخص دوسرے سے زیادہ حق دار ہے اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کا ماحول پیدا کیا بایں طور کہ ہر دو بھائی تھے چنانچہ وہ اس طرح سے اپنے قرابت سے آگے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے مواریث کے ذریعے اس حکم کو منسوخ کر دیا[1]۔

کتنے مرتبہ بھائی چارہ واقع ہوا:

اصحاب مغازی نے یہ ذکر کیا ہے کہ صحابہ کے درمیان بھائی چارہ دو مرتبہ واقع ہوا:

پہلی مرتبہ:

ہجرت سے پہلے خاص طور سے مہاجرین کے درمیان مواسات اور نصرت پر، کیونکہ بعض ہجرت کرنے والے مال اور قوت و طاقت اور تعداد میں بعض سے زیادہ مضبوط تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر اور نیچے والوں کے درمیان بھائی چارہ پیدا کیا تاکہ نیچے والا اوپر والے سے ترقی کر سکے اور اوپر والا نیچے والے سے مدد لے سکے، اسی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ مواخات ظاہر ہوتی ہے[2]، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بچپن میں ان کی

([1]) دیکھیں: **تفسیر ابن کثیر (4/95)**۔

([2]) میں نے کہا: ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (57/3) میں رسول ﷺ کی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اخوت پر انکار کیا۔ الحافظ نے الفتح (690/7) میں بعد ازاں کچھ آثار بیان کیے جس میں مؤاخاتِ رسول ﷺ لعلی رضی اللہ عنہ شامل تھی، اور فرمایا: "اور جب اسے جو پہلے ذکر ہو چکا ہے اس کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو اس کی قوت اور وضاحت حاصل ہوتی ہے۔" الحافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ (214/3) میں فرمایا: جہاں تک مؤاخاتِ نبی ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، بعض علماء اس پر انکار کرتے ہیں اور اس کی صحت کو

دیکھ بھال کرتے تھے بعثت سے پہلے اور یہ اس کے بعد بھی جاری رہا، اور اسی طرح حمزہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کا بھائی چارہ بھی تھا کیونکہ زید ان کے غلام تھے اور ان کی بھائی چارہ صحیح روایت میں ثابت ہے[1] اور وہ دونوں مہاجرین میں سے ہیں، اور امام حاکم نے اپنی مستدرک اور بخاری نے الادب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ ابو شعثاء کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر اور ابن مسعود[2] کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور وہ دونوں مہاجرین میں سے ہیں۔

دوسری مرتبہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ہجرت کے بعد بھائی چارہ قائم کیا اور یہ آپ کے مدینہ آنے کے بعد کی بات ہے۔[3]

ابن اسحاق نے سیرت میں بہت سے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ قائم کیا تھا، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں سے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور کہا کہ تم اللہ کے لیے دو دو لوگ بھائی بھائی بن جاؤ۔

مانے سے باز رہتے ہیں۔ان کا سبب یہ ہے کہ مؤاخات اصل میں اس لیے شرع کی گئی تھی تاکہ بعض کو بعض کے ساتھ ہم آہنگی ہو اور دلوں میں الفت پیدا ہو، لہٰذا نبی ﷺ کی مؤاخات کسی ایک سے یا مہاجرین کی ایک دوسرے سے مؤاخات کا کوئی معنی نہیں بنتا، جیسا کہ مؤاخاتِ حمزہ اور زید بن حارثہ میں ہے، سوائے اس کے کہ نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے فائدے کو کسی اور پر منحصر نہ کیا، کیونکہ وہ بچپن میں اپنے والد ابی طالب کی زندگی میں رسول ﷺ کے زیر کفالت تھا، اور اسی طرح حمزہ نے بھی اپنے مولا زید بن حارثہ کے فائدے کو اپنایا، اس لحاظ سے نبی ﷺ نے انہیں مؤاخات کی۔ اللہ أعلم۔

([1]) حمزہ رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ کی مؤاخات کی داستان البخاری نے صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب المغازی۔ باب عمرۃ القضاء۔ حدیث نمبر (4251)۔

([2]) یہ الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔ کتاب معرفۃ الصحابۃ۔ باب کان ابن مسعود سادس ستۃ في الإسلام۔ حدیث نمبر (5423)، اور البخاری نے الأدب المفرد میں بھی روایت کیا ہے۔ حدیث نمبر (442)۔

([3]) دیکھیں: فتح الباری (727/4) اور (690/7)۔

1-ابو بکر صدیق-رضی اللہ عنہ وارضاہ- خارجہ بن زید کے بھائی تھے۔

2-عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ عتبان بن مالک کے بھائی تھے[1]۔

3-ابو عبیدہ بن الجراح ابو طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی تھے[2]۔

4-عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن ربیع کے بھائی تھے[3]۔

5-جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ معاذ بن جبل کے بھائی تھے[4]۔

6-مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی تھے[5]۔

7-ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھائی تھے[6]۔

8-سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے[7]۔

([1])یہ صحیح ہے،اور الحافظ نے اس پر الفتح(351/10) میں تصریح کی۔

([2])امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے-حدیث نمبر(2528)،اور لفظی متن عنس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی ﷺ نے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات قائم کی۔

الحافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ(214/3) میں فرمایا کہ مسلم کی روایت زیادہ صحیح ہے بہ نسبت ابن اسحاق کی سیرت(119/2) میں مذکور مؤاخات ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی،اور اللہ أعلم۔

([3])یہ بات بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے-کتاب مناقب الأنصار-باب کیف آخی النبي ﷺ بین أصحابہ-حدیث نمبر (3937)۔

([4])یہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت(119/2) میں ذکر کی ہے،اور ابن ہشام نے اس کی پیروی کی،اور فرمایا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس دن حبشہ میں غیر حاضر تھے،اور جعفر نے شہر مدینہ فتح خیبر میں پہلی بار سنہ سات ہجری میں قدم رکھا۔

([5])یہ بات الحاکم نے المستدرک میں الواقدی سے روایت کی ہے-کتاب معرفۃ الصحابۃ-باب مناقب أبي أیوب الأنصاري-حدیث نمبر (5983)-اور ابن اسحاق نے اپنی سیرت(119/2) میں بھی ذکر کی ہے۔

([6])ابن اسحاق نے اپنی سیرت(119/2) میں ذکر کیا،اور حافظ نے الفتح(690/7) میں بیان کیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہجرت دیر سے ہوئی،اس لیے بدر،احد اور خندق کی غزوات گزر چکی تھیں۔

([7])یہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت(119/2) میں ذکر کیا ہے۔اور یہ صحیح البخاری میں بھی موجود ہے-کتاب مناقب الأنصار-باب کیف آخی النبي ﷺ بین أصحابہ۔ نیز یہ کتاب الصوم-باب من أقسم علی أخیہ لیفطر في التطوع-حدیث نمبر(1968) میں بھی روایت ہوا ہے، جہاں ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سلمان رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات قائم کی۔

9- طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

10- اور زبیر بن عوام رضی اللہ تعالی عنہ سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی تھے۔

11- اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ابو رویحہ خثعمی رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی تھے[1]۔

اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ لوگوں کے درمیان بھائی چارہ نہ تھی اس کا معنی یہ ہے کہ یہ پہلے وہ لوگ ہیں جن کے درمیان مہاجرین اور انصار میں سے اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے بھائی چارہ کا ماحول بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آنے والوں اور اسلام میں اس کے بعد داخل ہونے والوں کے ساتھ بھائی چارے کی تجدید کیا کرتے تھے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

انصار کے جاویداں کارنامے:

اس بھائی چارے میں ایثار، ہمدردی اور انس و محبت کے جذبات شامل تھے، جنہوں نے نئے معاشرے کو بہترین نمونوں سے بھر دیا[2]۔

میں نے یہ وضاحت بھی کی کہ الواقدی نے ابن سعد کی طبقات (361/4) میں انکار کیا کہ سلمان رضی اللہ عنہ صرف غزوۃ احد کے بعد ہی مسلمان ہوئے، اور اولین دیکھنے والے خندق کی لڑائی تھی۔ لیکن حافظ نے الفتح (727/4) میں فرمایا کہ مؤاخات کا آغاز سلمان رضی اللہ عنہ کے مدینہ آمد کے اوائل میں ہوا، اور بعد میں نبی ﷺ نے مؤاخات اُن سب کے ساتھ قائم کی جو بعد میں آئے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ مؤاخات ایک ہی دفعہ ہوئی ہو، اس طرح ابن اسحاق کی روایت کہ سلمان رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات ہوئی صحیح ثابت ہوتی ہے، اور صحیح میں موجود خبر اس کی تائید کرتی ہے، اور اس طرح یہ مسئلہ رفع ہو گیا، الحمد للہ۔

([1]) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (2/119)

([2]) دیکھیں: فقہ السیرۃ، شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ، ص 180

انصار رضی اللہ عنہم نے اپنے مہاجر بھائیوں کے استقبال کا اہتمام کیا کوئی بھی مہاجر کسی انصاری کے پاس آتا تو وہ قرعہ کے ذریعے ہی آتا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ام علاء انصاریہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: جب مہاجر مدینہ آئے تو انصار نے ان کو اپنے پاس رکھنے کے لئے قرعہ اندازی کی[1]۔

اور انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ ایثار و قربانی کی بے مثال اور خوبصورت مثال پیش کیا چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں ابراہیم بن سعد کے حوالے سے ان کے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب مہاجر لوگ مدینہ آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن الربیع کے درمیان بھائی چارہ کی تو سعد نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مال والا ہوں تو تم میرے مال کو دو حصے میں تقسیم کر دو اور میرے پاس دو بیویاں ہیں تم دیکھو ان میں سے کون تمہیں پسند آتی ہے اس کا نام مجھے بتاؤ میں اسے طلاق دے دوں اور جب وہ اپنی عدت مکمل کر لے تو تم اس سے نکاح کر لینا، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اللہ تعالی تمہارے لیے تمہارے مال اور اہل میں برکت عطا فرمائے[2] مجھے صرف یہ بتادو کہ تمہارا بازار کہاں ہے؟

چنانچہ لوگوں نے بنو قینقاع کے بازار[3] کا راستہ انہیں بتادیا، جب وہ واپس ہوئے تو ان کے پاس زیادہ بچے ہوئے گھی اور پنیر تھے، وہ اسی طرح سے آتے جاتے رہے پھر ایک دن آئے تو ان کے اوپر پیلے پن کا نشان تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: کیا ماجرا ہے؟، انہوں نے کہا: میں

([1]) یہ حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب مناقب الأنصار - باب مقدم النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينة - حدیث نمبر (3929)- اور کتاب التعبیر - باب العين الجارية في المنام - حدیث نمبر (7018) میں بھی آئی ہے۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (27458)۔

([2]) شیخ محمد الغزالی نے اپنی کتاب **فقہ السیرۃ** ص 180 میں لکھا: "... مھاجرین نے اس خالص قربانی کی قدر کی، اس کا استحصال نہیں کیا، اور نہ ہی اس سے کچھ حاصل کیا سوائے اتنا کہ وہ اپنے شرافتمند محنت کی طرف متوجہ ہوئے۔"

([3]) حافظ نے **الفتح** (5/7) میں کہا: **بنو قَيْنُقَاع**: قاف کے ساتھ، یہ یہودیوں کی ایک قبیلہ ہے، جس سے بازار کا نام منسوب ہوا۔

نے ایک انصاری عورت سے شادی کرلی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مہر کے طور پر کیا دیئے ہو، انہوں نے کہا: کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری کی[1]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ اس حدیث سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

١ -سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی فضیلت کہ انہوں نے اپنے اوپر ایثار کیا جیسا کہ واقعہ میں آیا۔

٢ -اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی فضیلت کہ انہوں نے ایسے کام سے اجتناب کیا جس سے حیاء اور مروّت بچنے کا تقاضا کرتی ہے، خواہ وہ اس کے محتاج ہی کیوں نہ ہوں۔

٣ -اس میں یہ بھی ہے کہ بھائی چارہ قائم کرنا اور مالدار کی طرف سے فقیر پر ایثار کرنا پسندیدہ ہے، یہاں تک کہ اپنی ایک بیوی پیش کرنے کی حد تک۔

٤ -اور اس میں یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو صحیح نیت سے چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بہتر عطا فرماتا ہے۔

٥ -اس میں کسبِ معاش کا استحباب ہے۔

٦ -اور یہ کہ جو شخص اپنی حیثیت و مروّت کے مطابق کام کرتا ہے تو اس پر کوئی عیب نہیں۔

٧ -اس میں کراہت ہے ایسی ہدیہ یا بخشش قبول کرنے کی جس سے ذلت کی توقع ہو۔

([1]) یہ حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے -کتاب مناقب الأنصار - باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار - حدیث نمبر (3780) (3781)-اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے -کتاب النکاح -باب الصداق -حدیث نمبر (1427)۔

۸ -اور اس میں یہ بھی ہے کہ انسان کا اپنی محنت سے زندگی گزارنا تجارت یا ہنر کے ذریعے بہتر ہے، بہ نسبت ہدیہ اور عطیہ پر زندگی گزارنے کے، کیونکہ اس میں عزتِ نفس اور اخلاقی بلندی پائی جاتی ہے۔

۹ -اس میں نئے شادی شدہ کے لیے دعا کرنے کا استحباب ہے۔

۱۰ -اس میں یہ بھی ہے کہ امام یا بڑا اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کے حالات دریافت کرے، خاص طور پر جب ان سے کچھ غیر معمولی بات دیکھے۔

۱۱ -اور اس میں یہ بھی ہے کہ مرد نکاح سے پہلے عورت کو دیکھ سکتا ہے۔[1]

شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آدمی کو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی سخاوت پر جتنا تعجب ہوتا ہے، اتنا ہی تعجب اسے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی عظمتِ کردار پر بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے یہودیوں کے بازار میں جاکر ان سے کاروباری مقابلہ کیا، اور انہیں ان کے میدان ہی میں پیچھے چھوڑ دیا۔ پھر چند ہی دنوں میں اتنا کما لیا کہ اپنی عزتِ نفس کو قائم رکھ سکیں اور اپنی عفت کی حفاظت کر سکیں۔ بے شک بلند ہمّت ایمان کی نمایاں صفات میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے چہروں کو بگاڑے جنہوں نے اسلام کا نام لے کر اسلام ہی کو کھاڈالا، اور اس کے نام پر کھاتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے اس دنیا میں حق کی عزت و وقار کو ضائع کر دیا"۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے اور ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا، اور انصار زمین و جائیداد کے مالک تھے، تو انصار نے ان کے ساتھ اپنے باغات کی پیداوار میں اس شرط پر شرکت کی کہ وہ ہر سال

([1]) دیکھیں: فتح الباری (294/10)۔

([2]) دیکھیں: فقہ السیرۃ، ص180۔

اپنے پھلوں کا حصہ مہاجرین کو دیں گے اور کھجور کے باغات کی محنت و خرچ کی ذمہ داری خود اٹھائیں گے[1]۔

اور ایک دوسری روایت صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انصار نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں (مہاجرین) کے درمیان کھجور کے درخت تقسیم کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''۔ تو انصار نے کہا: پھر ہم باغات کی دیکھ بھال اور محنت کا کام کریں گے، اور آپ ان کو پھل میں شریک کر دیں۔ مہاجرین نے کہا: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث نے انصار کی ظاہری فضیلت موجود ہیں۔[3]

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا تھا کہ ان کے لیے بحرین کو خاص کر دیں تو انہوں نے کہا نہیں سوائے اس کے کی آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کے لیے اسی کے مثل دیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک تم میرے بعد ترجیحات[4] دیکھو گے تو تم صبر کرو یہاں تک کہ تم ہاؤس پر تم مجھ سے ملاقات کرو"[5]۔

([1]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ کتاب الھبۃ وفضلھا۔ باب فضل المنیحۃ۔ حدیث نمبر (2630)۔

([2]) اسے بخاری نے صحیح میں نقل کیا ہے۔ کتاب الحرث والمزارعۃ۔ باب إذا قال اکفني مؤونۃ النخل۔ حدیث نمبر (2325)؛ اور اسے کتاب مناقب الأنصار میں بھی نقل کیا ہے۔ باب إخاء النبي ﷺ بین المھاجرین والأنصار۔ حدیث نمبر (3782)۔

([3]) دیکھیں: فتح الباری (487/7)۔

([4]) حافظ حافظ نے فتح الباری میں کہا (325/5): رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ کس طرح قریش کے بادشاہوں نے الأنصار کے مال پر قبضہ کر لیا اور انہیں انعام میں ترجیح دی، یہ ان کی نبوت کے اہم علامات میں سے ہے ﷺ۔

([5]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ کتاب المساقاۃ۔ باب القطائع۔ حدیث نمبر (2376)؛ اور اسے کتاب مناقب الأنصار میں بھی نقل کیا ہے۔ باب قول النبي ﷺ للأنصار: "اصبروا حتی تلقوني علی الحوض"۔ حدیث نمبر (3792) (3793) (3794)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے صلح کی اور ان پر جزیہ فرض کیا اور اس کو انصار کے لئے الگ کرنے سے مراد اس کے جزیہ اور خراج کا ان کے لیے خاص کرنا ہے نہ کہ ان کی گردنوں کو ان کے ملکیت میں داخل کرنا کیونکہ صلح کی زمین نہ تقسیم کی جاتی ہے نہ خاص کی جاتی ہے[1]۔

"اس حدیث میں انصار کے لیے ایک ظاہر فضیلت ہے، کیونکہ انہوں نے مہاجرین کو چھوڑ کر دنیا کی کسی چیز کو اپنے لیے خاص کر لینا پسند نہ کیا"۔[2]

اللہ رب العالمین اپنی کتاب کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ[1] فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [الحشر: ۹]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں فرمایا: انصار کرام کو فضیلت میں تین مرتبے حاصل ہوئے:

۱- اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا (ایثار)۔
۲- دوسروں کے ساتھ مواسات (یعنی ان کی دلجوئی اور مدد کرنا)۔
۳- اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینے کا استحقاق چھوڑ دینا[4]۔

([1]) دیکھیں: فتح الباری (404/6)۔

([2]) دیکھیں: فتح الباری (325/5)۔

([3]) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا (69/8): اور ان (الأنصار) کے اندر مہاجرین کے لیے حسد نہیں پایا جاتا، جو اللہ نے انہیں مقام، شرف، اور ذکر و مرتبے میں فضیلت دی ہے۔

([4]) دیکھیں: فتح الباری (۳۲۵/۵)۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انصار کی تعریف فرمائی، ان کے فضل، شرف اور کرم کو بیان کیا، اور یہ بھی کہ ان کے دلوں میں حسد نہیں تھا، بلکہ وہ حاجت کے باوجود دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔[1]

"اور انسانی تاریخ نے کبھی ایسا اجتماعی واقعہ نہیں دیکھا جیسا کہ انصار کا مہاجرین کے استقبال کا واقعہ۔ . . اس خالص محبت کے ساتھ، اس بے مثال سخاوت کے ساتھ، اس خوشگوار شراکت کے ساتھ، اور اس بات پر کہ وہ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر مہمانوں کو جگہ دینے اور بوجھ اٹھانے میں آگے بڑھتے تھے۔ . . اگر یہ واقعہ حقیقت میں پیش نہ آیا ہوتا تو لوگ اسے اڑتے ہوئے خواب، پرواز کرتی ہوئی رؤیا اور ایسی اعلیٰ مثالیں سمجھتے جنہیں محض بلند پرواز تخیل نے تراشا ہو۔"[2]

"امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ابو داود نے صحیح سند کے ساتھ، جو شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: مہاجرین نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے ایسا کوئی قوم نہیں دیکھی جن کے پاس ہم آئے ہوں کہ وہ بہت زیادہ میں اس قدر بخشنے والے ہوں اور تھوڑے میں بھی اس قدر مواسات کرنے والے ہوں۔ انہوں نے ہمیں تکلیفوں سے بچالیا اور اپنی خوشیوں میں ہمیں شریک کیا۔ ہمیں تو یہ خوف ہے کہ وہ سارا اجر ہی لے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ایسا ہر گز نہیں"۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو اور ان کے لیے اللہ سے دعا کرتے رہو"۔[3]

([1]) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (٦٨/٨)۔

([2]) دیکھیں: ظلال القرآن (٣٥٢٦/٨)۔

([3]) امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (١٣٠٧٥) اور (١٣١٢٢) – اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں – کتاب الأدب – باب في شكر المعروف – حدیث نمبر (٤٨١٢)۔

انصار کی فضیلت میں وارد آیات اور احادیث [1]

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ((والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم))[التوبۃ ۱۰۰]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ رب العالمین اس آیت میں مہاجرین اور انصار اور ان کی احسان کے ساتھ پیروی کرنے والوں میں سے سبقت کرنے والوں سے اپنی رضامندی کی خبر دے رہا ہے اور یہ کی اللہ رب العالمین نے ان کے لیے نعمتوں والی جنت اور کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو دیکھ کر وہ بھی اپنے رب سے راضی ہوں گے... تو ان لوگوں کی بربادی ہو جو انہیں برا بھلا کہے یا ان میں سے کسی ایک سے بغض رکھے یا کسی کو برا بھلا کہے خاص طور سے صحابہ کے سردار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر اور افضل یعنی صدیق اکبر اور خلیفہ اعظم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بے شک ایک ذلیل گروہ رافضیوں میں سے صحابہ کرام میں سب سے افضل لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں ان سے بغض رکھتے ہیں انہیں برا بھلا کہتے ہیں ان کے اس عمل سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور یہ الٹے ہونے کی دلیل ہے اور ان کے دل کے بدلے ہونے کی دلیل ہے یہ لوگ قرآن پر ایمان کس طرح ایمان لانے والے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ ان سے نفرت کرتے ہیں ان کو برا بھلا کہتے ہیں جن سے اللہ رب العالمین راضی ہو گیا ہے؟!

اور رہی بات اہل سنت کی تو وہ ان لوگوں سے رضامندی ظاہر کرتے ہیں جسے اللہ رب العالمین راضی ہوا اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں جن کو اللہ رب العالمین نے برا بھلا کہا ہے ان سے دوستی

([1]) حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں کہا(۳/۲۱۷): یہ بات ثابت ہے کہ مدینہ کے تمام مسلمان، یعنی انصار، دنیا و آخرت میں عزت و بلندی کے مستحق ہیں۔

کرتے ہیں جن کو اللہ رب العالمین دوست بناتا ہے اور ان سے دشمنی کرتے ہیں جن کو اللہ رب العالمین دشمن بناتا ہے اور وہ اتباع کرنے والے ہیں بدعات ایجاد کرنے والے نہیں ہیں وہ پیروی کرتے ہیں کوئی نئی چیز نہیں لاتے ہیں اسی لئے وہ اللہ رب العالمین کے کامیاب ہونے والے گروہ میں شامل ہیں وہی اللہ رب العالمین کے ایمان لانے والے بندے ہیں[1]۔

فرمان باری تعالی ہے: ((لقد تاب الله على النبي والمهاجرين والانصار الذين اتبعوه في ساعه العسره من بعد ما كاد يزيغ قلوب فريق منهم ثم تاب عليهم انه بهم رؤوف رحيم))[التوبۃ:۱۱۷]۔

رہی بات انصار کی فضیلت میں وارد احادیث کی تو وہ بہت ہی زیادہ ہیں:

شیخان نے اپنی صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کی نشانی انصار سے محبت ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے نفرت ہے"[2]۔

شیخان نے ہی اپنی صحیحین میں براء کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انصار سے مومن ہی محبت کرتا ہے اور ان سے نفرت کرنے والا منافق ہے جو ان سے محبت کرے گا اللہ رب العالمین ان سے محبت کرے گا جو ان سے بغض رکھے گا اللہ ان سے بغض رکھے گا[3]۔

([1]) دیکھیں تفسیر ابن کثیر (۲۰۳/۴)۔

([2]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے – کتاب الإیمان – باب علامۃ الإیمان حب الأنصار – حدیث نمبر ۱۷، اور مسلم نے اپنی صحیح میں – کتاب الإیمان – باب الدلیل علی أن حب الأنصار وعلیھم رضي اللہ عنھم من الإیمان – حدیث نمبر ۷۴۔

([3]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے – کتاب مناقب الأنصار – باب حب الأنصار من الإیمان – حدیث نمبر ۳۷۸۳، اور مسلم نے صحیح میں – کتاب الإیمان – باب الدلیل علی أن حب الأنصار وعلیھم رضي اللہ عنھم من الإیمان – حدیث نمبر ۷۵۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انصار سے ایسا شخص نفرت نہیں کرے گا جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والا ہو"[1]۔

اور امام احمد کے یہاں مسند میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انصار سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا کوئی شخص بغض نہیں رکھے گا، یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے بغض رکھیں گے"[2]۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص انصار کی قدر و منزلت کو پہچانے، اور جانے کہ انہوں نے دینِ اسلام کی نصرت میں، اس کے ظاہر کرنے میں، مسلمانوں کو پناہ دینے میں، اور دینِ اسلام کے اہم کاموں کو بخوبی انجام دینے میں کیا کچھ کیا ہے، نیز ان کا رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا اور آپ ﷺ کا ان سے محبت فرمانا، ان کا اپنے مال و جان کو آپ ﷺ کے سامنے قربان کرنا، آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کرنا اور باقی تمام لوگوں کی مخالفت کر کے اسلام کو ترجیح دینا۔۔۔ پھر اگر وہ شخص انصار کو اسی وجہ سے محبت کرے، تو یہ اس کے ایمان کی صحت اور اسلام میں اس کے سچائی کی دلیل ہے؛ کیونکہ وہ اسلام کے ظاہر ہونے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے کاموں کے پورا ہونے پر خوش ہے۔ اور جو انصار سے بغض رکھے، وہ اس کے بالکل برعکس ہے، اور یہی اس کے نفاق اور اس کے دل کے بگاڑ کی علامت ہے[3]۔

([1]) یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے — کتاب الإیمان — باب الدلیل علی أن حب الأنصار وعلیھم رضي اللہ عنھم من الإیمان — حدیث نمبر ۷۶۔

([2]) یہ حدیث امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے — حدیث نمبر ۲۸۱۸۔

([3]) دیکھیں صحیح مسلم بشرح النووی (۲/۵۵)۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک شخص ہوتا[1]، اور اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں یا گھاٹی میں تو میں انصار کی گھاٹی یا وادی میں چلوں گا[2]۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے کوئی ظلم نہیں کیا، انہوں نے آپ کو پناہ دی اور آپ کی مدد کی تھی[3]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ اس دن کے بعد کبھی بھی منبر پر نہ چڑھے[4]، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العالمین کی حمد بیان کی اللہ رب العالمین کی تعریف کی پھر کہا: ((میں تمہیں انصار کے سلسلے میں خصوصی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے راز

([1])امام خطابی نے، جیسا کہ حافظ نے الفتح میں نقل کیا (۳۷٤/۸): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام سے ارادہ فرمایا کہ انصار کے درمیان محبت اور دلجمعی پیدا ہو، اور ان کے دین میں تعریف و تحسین حاصل ہو، یہاں تک کہ اگرچہ وہ چاہتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے ساتھ رہتے، مگر ہجرت کی شرط کی وجہ سے یہ ممکن نہ تھا... اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباء کی نسل سے ہٹنے کا ارادہ نہیں فرمایا؛ کیونکہ یہ بالکل ممکن نہ تھا... اور کیسے ممکن ہوتا، جبکہ آپ نسل اور نسب میں ان سے افضل اور اصل میں زیادہ شریف تھے۔

([2])حافظ نے الفتح میں کہا (٤٨٦/٧): اس کا مقصد یہ تھا کہ انصار کی موافقت اور وفاداری دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی، لیکن مراد یہ نہیں کہ آپ ان کے پیرو بن جائیں، بلکہ آپ وہ ہیں جن کی اطاعت ہر مؤمن پر فرض ہے۔

([3])یہ حدیث البخاری نے صحیح میں ذکر کی ہے – کتاب مناقب الأنصار – باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "لولا الهجرة لكنت امرأً من الأنصار" – حدیث نمبر ۳۷۷۹۔ نیز کتاب المغازی میں – باب غزوة الطائف – حدیث نمبر ٤۳۳۰۔ اور کتاب التمنی – باب ما يجوز من اللو – حدیث نمبر ۷۲٤٤۔

([4])حافظ نے الفتح (499/7) میں کہا: انس کے حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ بات نبی ﷺ کی بیماری کے وقت کی تھی۔

دار ہیں، انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دیں اور ان کا حق[1] ہمارے ذمے باقی ہے تو تم ان کے اچھا کرنے والوں کو قبول کرو اور ان کے برا کرنے والوں سے در گزر کرو[2]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں انس رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری عورت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان کے ساتھ ان کا ایک بچہ بھی تھا، اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک تم میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا"[3]۔

اور صحیحین میں ایک دوسری روایت میں ہے انس رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں اور بچوں کو اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے کھڑے ہو گئے اور آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم تم میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا"[4]۔

([1]) حافظ نے الفتح (498/7) میں کہا: نبی ﷺ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو العقبۃ کی رات کو ان کے ساتھ ہوئی، جب انہوں نے بیعت کی کہ وہ نبی ﷺ کو پناہ دیں گے اور ان کی مدد کریں گے، اور اس کے بدلے میں جنت کا وعدہ پایا، اور انہوں نے اس بیعت کو پورا کیا۔

([2]) امام النووی نے شرح مسلم (16/57) میں فرمایا: مراد اس سے حدود کے سوا ہے۔ یہ حدیث البخاری نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب مناقب الأنصار، باب: قول النبي ﷺ: "اقبلوا من محسنهم، وتجاوزوا عن مسيئهم"، حدیث نمبر 3799 اور 3801۔ اور مسلم نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب فضائل الصحابۃ، باب: من فضائل الأنصار، حدیث نمبر 2510۔

([3]) یہ حدیث البخاری نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب مناقب الأنصار، باب: قول النبي ﷺ للأنصار: "أنتم أحب الناس إليّ"، حدیث نمبر 3786۔ اور مسلم نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب فضائل الصحابۃ، باب: من فضائل الأنصار، حدیث نمبر 2509۔

([4]) یہ روایت البخاری نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب فضائل الأنصار، باب: قول النبي ﷺ للأنصار: "أنتم أحب الناس إليّ"، حدیث نمبر 3785۔ اور مسلم نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب فضائل الصحابۃ، باب: من فضائل الأنصار، حدیث نمبر 2508۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی عورت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اگر وہ انصار کے دو گھروں کے درمیان اُترے"[1]۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا - جب وہ اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کر رہے تھے، اور یہ کلمات انہوں نے رضی اللہ عنہ اس وقت کہے جب وہ زخمی ہوئے-: "میں اُسے انصار کے بارے میں خیر کی وصیت کرتا ہوں، جنہوں نے ان سے پہلے گھر اور ایمان کو ٹھکانا بنایا، کہ ان کے نیکوکار سے بھلائی قبول کی جائے اور ان کے خطاکار سے درگزر کیا جائے"۔[2]

اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں قوی سند کے ساتھ حارث بن زیاد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، جو بھی شخص اللہ سے ملاقات کے وقت انصار سے محبت کرے تو وہ اللہ رب العالمین سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو بھی شخص انصار سے نفرت کرے یہاں تک کہ اللہ رب دو جہاں سے ملاقات کرے تو وہ اللہ رب العالمین سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ رب العالمین اس سے نفرت کریں گے[3]۔

([1]) یہ روایت ابن حبان نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب إخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابۃ، باب: ذکر البیان بأن تحنن الأنصار علی المسلمین وأولادھم کتحنن الوالد علی ولدہ، حدیث نمبر 7267۔

([2]) یہ روایت البخاری نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب: قصۃ البیعۃ، حدیث نمبر 3700۔

([3]) یہ روایت الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر. 2637

اور امام احمد نے اپنی مسند، ابن ماجہ نے اپنی سنن میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات پسند کرتے تھے کہ مہاجرین اور انصار نماز میں آپ کے قریب کھڑے ہوں[1]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ انصاری کی مغفرت فرما اور انصار کے اولاد کی مغفرت فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد کی مغفرت فرما"[2]۔

اور امام احمد کی مسند میں حسن سند کے ساتھ دوسری روایت میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد: ((اے اللہ انصار پر رحم فرما ان کی اولاد پر رحم فرما اور ان کے اولاد کی اولاد پر رحم فرما))[3]۔

([1]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر **11963**، اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں کتاب إقامة الصلاة والسنة فیھا، باب: من یُستحب أن یلی الإمام، حدیث نمبر **977** میں روایت کی ہے۔

([2]) یہ روایت البخاری نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب التفسیر، باب: وللہ خزائن السموات والأرض، حدیث نمبر **4906**، اور مسلم نے صحیح میں روایت کی ہے، کتاب فضائل الصحابة، باب: من فضائل الأنصار، حدیث نمبر **2506**۔

([3]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر **11730**۔

تیسرا: صحیفہ کی کتابت

رہی بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تیسرے کام کی تو وہ صحیفہ کی کتابت تھی۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قبیلے پر ان کی دیت لکھیں[1]۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ ضعیف کے ساتھ روایت نقل کی ہے—لیکن اس کی تائید اس سے پہلے مذکور امام مسلم کی روایت سے ہوتی ہے—عمرو بن شعیب اپنے والد سے، اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک معاہدہ لکھا کہ وہ اپنے اپنے خون بہا (دیت) ادا کریں گے، اپنے قیدیوں کو معروف طریقے سے فدیہ دے کر آزاد کریں گے، اور مسلمانوں کے درمیان اصلاح کریں گے"۔[2]

ا۔ مسلمانوں سے متعلق صحیفہ کے بنود:

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یہ کتاب محمد نبی کی طرف سے ہے قریش اور مدینہ کے مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان اور جو ان کی پیروی کریں اور ان سے مل جائیں اور ان کے ساتھ جہاد کریں:

1- یہ سب لوگ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہی امت ہیں۔

([1]) اور یہ حدیث امام مسلم نے صحیح میں روایت کی ہے—کتاب العتق، باب: غیر موالی کے آزاد شدہ غلام کی سرپرستی منع ہے، حدیث نمبر 1507۔ اور الطحاوی نے اسے شرح مشکل الآثار میں بھی روایت کیا ہے، حدیث نمبر 2851۔

([2]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے—حدیث نمبر 6904۔

2-مہاجرینِ قریش اپنے گروہ کے اندر دیت (خون بہا) ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کو معروف اور انصاف کے ساتھ فدیہ دے کر آزاد کرائیں گے۔ اور انصار کی ہر جماعت بھی اپنے اپنے سابقہ طریقے پر دیت ادا کرے گی۔

3-مؤمنین اپنے درمیان کسی مقروض یا محتاج کو تنہا نہ چھوڑیں گے بلکہ معروف طریقے پر اس کی مدد کریں گے، خواہ وہ فدیہ ہو یا خون بہا۔

4-مؤمنین جو تقویٰ پر قائم ہیں، وہ اس کے خلاف یکجا کھڑے ہوں گے جو ان میں سے ظلم یا گناہ یا زیادتی یا فساد کی کوشش کرے، چاہے وہ کسی کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

5-اللہ کی ذمہ داری (امان) [1] ایک ہے؛ مسلمانوں میں سے سب سے ادنیٰ شخص بھی امان دے تو وہ سب کے لیے معتبر ہو گی۔ [2]

6-مؤمن سب ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہیں، دوسروں کے مقابلے میں۔

7-جو یہود مؤمنین کے تابع ہوں گے، ان کے لیے نصرت اور برابری کا حق ہے؛ ان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف مدد کی جائے گی۔

8-مؤمن اللہ کی راہ میں بہائے گئے خون کے بدلے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔

9-جس نے کسی مؤمن کو بغیر کسی حق اور دلیل کے قتل کیا، اس سے قصاص لیا جائے گا، سوائے اس کے کہ مقتول کا ولی معاف کر دے۔

([1]) یعنی کہ اگر کسی مسلمان ـــــ چاہے آزاد ہو، غلام ہو یا مملوک ـــــ نے کسی کافر یا کافروں کے ایک گروہ کو پناہ دی اور ان کی حفاظت اور سلامتی کا بندوبست کیا، تو یہ پناہ پوری جماعت مسلمانوں پر نافذ ہوتی ہے، اور ان کی حفاظت اور امان کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ دیکھیں: النھایۃ (301/1)۔

([2]) یہ حدیث امام احمد نے مسند میں بیان کی ہے (حدیث نمبر ۸۷۸۰)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بھی نقل کی ہے (حدیث نمبر ۱۲٤٤)، اور اس کا اسناد حسن ہے۔

10- تمام مؤمنین پر (ظالم یا فتنہ پرداز) کے خلاف کھڑا ہونا لازم ہے، اور ان کے لیے اس کے خلاف اٹھنے کے سوا اور کوئی صورت جائز نہیں۔

صحیفہ کی وہ شقیں جو مشرکین سے متعلق ہیں:

1- کوئی مشرک نہ تو قریش کے لیے مال کی پناہ دے گا اور نہ جان کی، اور نہ ہی کسی مؤمن کے مقابلے میں ان کی حمایت کرے گا۔

2- نہ قریش کو اور نہ ہی ان کے مددگاروں کو پناہ دی جائے گی۔

3- قریش اور ان کے حلیفوں کے لیے صلح کا حق ہے جب وہ صلح چاہیں، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کی ہو۔

شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بات قابل توجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدے میں مسلمانوں اور مکہ کے مشرکین کے درمیان موجود دشمنی کی طرف اشارہ فرمایا، اور ان کی دوستی وحمایت کو قطعی طور پر مسترد کر دیا، نیز ان کی کسی بھی طرح مدد کرنے کو حرام قرار دیا۔ بھلا ان لوگوں سے اس کے سوا اور کیا توقع کی جاسکتی تھی جن کے زخم ابھی تک قریش اور ان کے حلیفوں کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے خون رسا رہے تھے؟ [1]۔

ج- صحیفہ کی وہ شقیں جو یہود سے متعلق ہیں:

1- یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر اخراجات برداشت کریں گے جب تک وہ جنگ کی حالت میں ہوں۔

([1]) دیکھیے: فقہ سیرت (ص185)۔

2-بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک اُمت شمار ہوں گے۔ یہود کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔ ان کے حلیف اور وہ خود اپنی جانوں کے ذمہ دار ہوں گے، مگر جو کوئی ظلم یا گناہ کرے گا تو وہ صرف اپنی جان کو ہلاک کرے گا اور اپنے اہلِ خانہ کو۔

3- باقی یہود، جیسے: بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جُشم، بنو اوس، بنو ثعلبہ، جفنۃ، اور بنو الشطیبہ —— ان سب کے لیے وہی حق ہے جو بنو عوف کے یہود کو دیا گیا ہے۔ اور یہود کے قریبی ساتھی (بطانہ) بھی انہی کی طرح ہیں۔

4-یہود میں سے کوئی شخص محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلے گا۔

5-یہود اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے۔ اور یہ کہ دونوں مل کر اُن کے خلاف مدد کریں گے جو اس صحیفہ کے فریقین سے جنگ کرے گا۔ نیز ان کے درمیان خیر خواہی، نصیحت اور نیکی ہو گی، نہ کہ گناہ۔ [1]۔

د- صحیفہ کی وہ شقیں جو عمومی قواعد سے متعلق ہیں:

1- مدینہ اس صحیفہ کے فریقین کے لیے حرام ہے، یعنی اس کے اندر امن اور حفاظت کی ضمانت ہے۔ پڑوسی کو جان کے برابر سمجھا جائے گا، نہ کہ کوئی نقصان پہنچے گا اور نہ گناہ ہو گا۔ کسی کو حرمت کے خلاف نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، مگر اس کے اہل کی اجازت سے۔

2-اس صحیفہ کے فریقین کے درمیان جو بھی چھوٹا تنازع یا جھگڑا ہو، جس سے فساد کا اندیشہ ہو، تو اسے اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کے پاس رجوع کرایا جائے گا۔

3-ان کے درمیان یہ بھی مقرر ہے کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے تو سب متحد ہو کر اسے روکیں گے۔

([1]) السہیلی نے الروض الأنف میں کہا (۲/ ۳۵۰): یعنی نیکی اور وفاداری کو گناہ سے روکنے والا حفاظتی ذریعہ ہونا چاہیے۔

4-جو کوئی باہر جائے یا مدینہ میں قیام کرے، وہ محفوظ ہو گا، جب تک کہ اس نے ظلم یا گناہ نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا حامی ہے اور محمد ﷺ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ [1]

اس حکمت اور فصاحت کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ نے ایک نئے معاشرے کے اصول قائم کیے۔ یہ منظر اس بات کا ثبوت تھا کہ صحابہ کرام ﷺ کو کس طرح ان فضائل سے نوازا گیا جن سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے، اور یہ سب رسول ﷺ کی صحبت کی بدولت ممکن ہوا۔ نبی ﷺ انہیں تعلیم، تربیت اور تزکیہ نفس کے ذریعے سنوارا کرتے، اور مکارم اخلاق کی طرف مائل کرتے۔ انہیں آدابِ محبت، اخوت، عظمت، شرف، عبادت اور اطاعت سکھاتے۔ اسی کے ساتھ، وہ ﷺ سختی سے یہ بھی تلقین کرتے کہ لوگ سوال و مطالبہ (مسالہ) سے پرہیز کریں [2]، صبر اور قناعت کے فضائل بیان کرتے۔ وہ مسالہ کرنے کو چھوٹے نقص، چھوٹی چوٹ یا شرمندگی کے مترادف قرار دیتے، جب تک کہ کوئی مجبور نہ ہو۔ نبی ﷺ انہیں عبادات میں فضائل، اجر اور اللہ کے ہاں انعام کی تعلیم دیتے، اور انہیں نازل شدہ وحی کے ذریعے مضبوط تعلق سے جوڑتے، تاکہ یہ تعلیم اور مطالعہ ان پر ان کی ذمہ داریوں، دعوت کے حقوق اور رسالت کی پیروی کے شعور کو مستحکم کرے، نیز سمجھ اور تدبر کی ضرورت بھی اجاگر کرے۔

([1])اس صحیفے کی تفصیل دیکھیے: سیرت ابن ہشام (2/ 115)، البدایہ والنہایہ (3/ 238) الروض الانف (2/ 350) سبل الہدی والرشاد (3/ 382)۔

([2])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حدیث نمبر (5680) پر کی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے وہ کہتے ہیں میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی وجہ سے ایسا کرنے والے کے چہرے میں قیامت کے دن زخم کے مانند نشان ہوں گے"

اور اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (1474) پر اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (1040)(104) پر عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انسان برابر لوگوں سے مانگتے رہتا ہے (سوال کرتا ہے) یہاں تک کہ وہ قیامت یعنی اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہو گا۔"

اور اسی طرح، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معنوی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو بلند کیا، اور انہیں اعلیٰ اقدار، اعلیٰ صفات اور بلند مثُل سے نوازا، یہاں تک کہ وہ انسانی تاریخ میں انبیاء کے بعد سب سے بلند کمال کی تصویر بن گئے۔

پھر یہ عظیم رہنما رسول ﷺ، ہر وہ صفت، خوبی، کمال، قابلیت، عظمت، فضیلت اور حسن اخلاق واعمال رکھتے تھے جو دلوں کو ان کی طرف مائل کرتی تھیں اور جانیں ان کے لیے قربان ہو جاتیں۔ وہ جو بھی ایک کلمہ فرماتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً اس پر عمل کرتے، اور جو بھی ہدایت یا رہنمائی پیش فرماتے، وہ سب اس پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تاکہ اسے اپنانے میں سب سے آگے رہیں۔

ایسی ہی خصوصیات کی بدولت، رسول ﷺ نے مدینہ میں ایک نیا معاشرہ قائم کیا، جو سب سے شاندار اور شرف والا معاشرہ تھا جو تاریخ نے دیکھا۔ اور انہوں نے اس معاشرے کے مسائل کے لیے ایسے حل وضع کیے کہ انسانیت کی بلندیاں اس سے سانس لے سکیں، حالانکہ یہ مسائل پہلے وقت کے اندھیروں اور ظلمتوں کی گہرائیوں میں دبے ہوئے تھے۔[1]

([1]) دیکھیے: الرحیق المختوم (ص ۱۸۸)۔

اذان کی مشروعیت[1]

اذان اسلام کے شعائر میں سے ایک ہے، اس لیے اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی شہر کے لوگ اجتماع کر کے اذان چھوڑ دیں، تو حاکم کے لیے ان کے خلاف لڑنا جائز ہے۔ اس بات کا مضبوط ثبوت وہ حدیث ہے جو شیخان نے اپنی صحیحین میں روایت کی ہے، لفظ مسلم کے مطابق: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح صادق کے وقت غزوہ پر روانہ ہوتے تھے اور اذان سنتے تھے۔ اگر اذان سن لیتے تو رک جاتے، ورنہ دھاوا بول دیتے[2]۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ اذان اس جگہ والوں پر دھاوا بولنے سے مانع ہے کیونکہ یہ ان کے اسلام پر ہونے کی دلیل ہے[3]۔

([1])اذان عربی زبان میں کسی چیز کی خبر دینے کو کہا جاتا ہے دیکھیے لسان العرب (1/ 105) اللہ تعالی نے سورہ توبہ کی آیت نمبر تین میں ارشاد فرمایا ہے: {وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ}۔

اور شریعت میں اذان کہتے ہیں نماز کے وقت کی مخصوص الفاظ کے ذریعے خبر دینا، دیکھیے: النہایۃ (1/ 37)۔

امام قرطبی کہتے ہیں جیسا کہ ان سے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (2/ 277) میں نقل کیا ہے کہ: اذان اپنے الفاظ کی قلت کے باوجود عقیدہ کے بہت سے مسائل پر مشتمل ہے کیونکہ اذان میں اکبریت سے ابتدا ہوئی ہے جو کہ اللہ تعالی کے وجود اور اسکے کمال کے بیان کو شامل ہے پھر توحید کہ اسبات اور شرک کی نفیک یبات ائی ہے پھر محمد صلیاللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اسبات کی بات ہے پھر اللہ تعالی نے رسالت کی گواہی کے بعد مخصوص فرمانبرداری کی طرف بلایا ہے کیونکہ اس فرمانبرداری کا علم صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہی ممکن ہے پھر ہمیشگی والی کامیابی کی طرف دعوت ہے اور اس میں مر کر دوبارہ زندہ کیے جانے کی طرف اشارہ ہے پھر جو باتیں گزر چکی ان کو ایک بار پھر دہرایا گیا ہے۔

([2])یہ حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے۔ کتاب الجھاد والسیر۔ باب: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی"۔ حدیث نمبر (2943)۔ اور مسلم کی صحیح میں۔ کتاب الصلاۃ۔ باب: "کافر کے گھر پر غارتگری سے باز رہنے کا حکم اگر ان کے درمیان اذان سنی جائے"۔ حدیث نمبر (382)۔

([3])دیکھیں صحیح مسلم بشرح النووی (73/4)۔

اذان کی مشروعیت کب ہوئی؟

اذان ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی[1]، جیسا کہ شیخان نے اپنی صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حدیث سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو نماز کے لیے کوئی اعلان (پکار) نہیں ہوتا تھا۔ لوگ بس جمع ہو کر نماز کا وقت دیکھتے رہتے۔ پھر ایک دن اس بارے میں بات چیت ہوئی۔ بعض نے کہا: نصاریٰ کی طرح ایک ناقوس (گھنٹی) بنالیا جائے جس سے لوگوں کو نماز کا پتہ چل جائے، اور بعض نے کہا: یہود کی طرح ایک بوق (سنکھ) استعمال کیا جائے۔ [2]

اور امام ابوداود نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو عمیر بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ اپنے انصاری چچاؤں سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: نبی اکرم ﷺ نماز کے بارے میں فکر مند تھے کہ لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟

تو کسی نے عرض کیا: نماز کے وقت ایک جھنڈا (پرچم) نصب کر دیا جائے، جب لوگ اسے دیکھیں تو ایک دوسرے کو اطلاع دے دیں۔ لیکن یہ بات نبی اکرم ﷺ کو پسند نہ آئی۔ [3]

عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خواب

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب میں سو رہا تھا تو رات کے وقت ایک شخص میرے پاس آیا۔ اُس نے سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اُس کے ہاتھ میں ایک ناقوس (گھنٹی) تھا، جسے وہ اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اُس سے کہا: اے عبداللہ! کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا: تم اسے کس کام میں استعمال کرو گے؟ میں نے کہا: میں اس سے

---

(1) حافظ نے فتح الباری میں کہا (278/2): زیادہ مضبوط قول یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے سال میں مشروع ہوئی۔

(2) یہ حدیث البخاری نے اپنے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الأذان - باب آغاز اذان - حدیث نمبر (٦٠٤)، اور مسلم نے بھی اپنے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الصلاۃ - باب آغاز اذان - حدیث نمبر (٣٧٧)۔

(3) اسے ابو داود نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاۃ - باب آغاز اذان - حدیث نمبر (٤٩٨) - اور ابن الاثیر نے اسے جامع الأصول میں ذکر کیا ہے (٣٣٥٣)۔

لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤں گا۔اس نے کہا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ تو اس نے کہا: یوں کہو: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ پھر وہ تھوڑا پیچھے ہٹا اور کہا: جب تم نماز قائم کرو (یعنی اقامت کہو) تو یوں کہو: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔[1]

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ خواب حق ہے ان شاء اللہ۔ تم بلال کے پاس جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے اسے سنا دو[2] تاکہ وہ اذان دے، کیونکہ بلال کی آواز تم سے زیادہ بلند اور دل نشین ہے"۔

---

(1) الحافظ نے الفتح میں فرمایا (٢/ ٢٨٧): کہا جاتا ہے کہ اذان کو دہرایا جانا اور اقامت کو الگ رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ اذان غائب لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے ہے، اس لیے اسے دہرایا جاتا ہے تاکہ وہ تک پہنچ جائے، جبکہ اقامت حاضرین کے لیے ہے۔ اس لیے مستحب ہے کہ اذان بلند مقام سے دی جائے، اور اذان کی آواز اقامت سے بلند ہو، اور اذان کو ترنم کے ساتھ کہا جائے جبکہ اقامت تیز ہو، اور "قد قامت الصلاة" کو دہرایا جائے کیونکہ یہ بذات خود اقامت کا مقصد ہے۔

(2) امام النووی نے شرح مسلم میں فرمایا (٤/ ٦٧): بلال -رضی اللہ عنہ- کو نداء اور اعلان کے لیے مخصوص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی آواز سب سے خوش تھی، لہٰذا مؤذن کے لیے یہ مستحب سمجھا گیا کہ اس کی آواز بلند اور خوبصورت ہو، اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اگر ہمیں دو مؤذّن ملیں، ایک جس کی آواز خوبصورت ہو اور وہ اپنی اذان کے بدلے رزق طلب کرے، اور دوسرا جو بغیر کسی معاوضے کے اذان دے لیکن اس کی آواز خوبصورت نہ ہو، تو کس کو ترجیح دی جائے؟ اس کے بارے میں دو رائے ہیں: درست ترین یہ ہے کہ خوش آواز والے کو رزق دیا جائے۔

چنانچہ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا اور میں کلمات دہراتا گیا اور بلال رضی اللہ عنہ انہیں اذان میں بلند آواز سے دہراتے گئے۔ اسی دوران حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں یہ اذان سنی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں نے بھی ویسا ہی خواب دیکھا جیسا کہ انہوں نے (عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے)۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا شکر ہے" [1]۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے مؤذن تھے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چار موذن تھے: بلال بن رباح، عبداللہ بن ام مکتوم، ابو محذورہ[2] اور سعد القرظ[3]۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے: بلال اور ابن ام مکتوم جو اندھے تھے[4]۔

---

(1) عبداللہ بن زید کی رؤیا کے بارے میں حدیث روایت ہوئی: ابن حبان نے اپنے صحیح میں - کتاب الصلاۃ - باب اذان - حدیث نمبر (١٦٧٩)، اور امام احمد نے اپنے مسند میں - حدیث نمبر (١٦٤٧٧) اور (١٦٤٧٨)، اور ابو داود نے اپنے سنن میں - کتاب الصلاۃ - باب اذان کیسے کیا جائے - حدیث نمبر (٤٩٩)، اور اس کی سند حسن ہے۔

(2) امام الذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں فرمایا (٣/ ١١٧): ابو محذورۃ الجمحي، مؤذن مسجد الحرام اور نبی ﷺ کے صحابی تھے... اور وہ -رضی اللہ عنہ- لوگوں میں سب سے خوش آواز اور سب سے خوشگوار آواز رکھنے والوں میں سے تھے۔

(3) یہ سعد بن عائذ ہیں، مؤذن اور عمار بن یاسر -رضی اللہ عنہ- کے مولی، جو سعد القرظ کے نام سے معروف ہیں۔ انہیں یہ لقب اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ اس میں تجارت کرتے تھے۔ القرظ ایک قسم کا درخت ہے جس کی لکڑی استعمال ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا سر مسح کیا، برکت دی، اور انہیں مسجد قباء کا مؤذن بنایا، اور بلال کے نائب کے طور پر مقرر کیا جب بلال موجود نہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں مسجد رسول ﷺ میں اذان کے لیے بلال کے نائب مقرر کیا خلافت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما میں، جب بلال شام کی طرف روانہ ہوئے، اور اذان ان کے بعد بھی قائم رہی۔ دیکھیں: أسد الغابۃ (٢/ ٢٩٩)۔

(4) اسے امام مسلم نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاۃ - باب مؤذنین کو ایک مسجد میں مقرر کرنے کی استحباب - حدیث نمبر (٣٨٠)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کا کہنا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے، اس کا مطلب ہے کہ مدینہ میں ایک وقت میں اور ابو محذورہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں موذن تھے اور سعد القرظ قباء میں تھے[1]۔

امام احمد نے اپنی مسند، ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں کچھ لوگوں کے ساتھ باہر نکلا جب ہم حنین کے آدھے راستے میں تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس آرہے تھے تو ہماری ملاقات راستے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے مؤذن نے نماز کے لیے اذان دی تو ہم نے موذن کی آواز سنی اور ہم اس کے نقالی کرتے ہوئے چیخنے لگے اور اس کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سنی اور ہمارے پاس ایک شخص کو بھیجا یہاں تک کہ ہم آپ کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے کس کی آواز بلند ہوتے ہوئے سنی ہے؟ تو لوگوں نے میری جانب اشارہ کیا اور انہوں نے صحیح بھی کہا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کھڑے ہو اور نماز کیلئے اذان دو" چنانچہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھے اذان کے کلمات سکھائے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مکہ میں اذان کا حکم دے دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں یہ حکم دے دیا پھر جب میں عتاب بن اسید کے پاس آیا جو مکہ میں اللہ

(1) دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی (٤/ ٧١)۔

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنر تھے تو میں نے ان کے ساتھ نماز کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اذان دیا[1]۔

امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حفص بن عمر بن سعد القرظ موذن کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: سعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قباوالوں کے لئے اذان دیا کرتے تھے یہاں تک کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی خلافت میں منتقل کر دیا اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ان کے زمانے میں اذان دی[2]۔

اذان کی فضیلت

اذان کی فضیلت کے سلسلے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبدالرحمن ابوصعصعہ کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے کہ انہوں نے انہیں خبر دی کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں بکریوں اور دیہاتوں کو پسند کرتے ہوئے دیکھتا ہوں ہو چنانچہ جب تم اپنی بکریوں میں یا دیہات میں رہو اور تم نے نماز کے لیے اذان دینا ہو تو اپنی آواز کو اذان کے ساتھ بلند کرو کیوں کہ تمہاری اذان کی آواز جو بھی جن اور انسان یا کوئی بھی چیز سنیں گے وہ قیامت کے دن تمہارے لئے گواہی دیں گے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ میں نے یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے[3]۔

---

(1) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (١٥٣٨٠) - اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاۃ - باب اذان - حدیث نمبر (١٦٨٠) - اور اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے - کتاب الصلاۃ - باب اذان کی صورت - حدیث نمبر (٣٧٩)۔

(2) اسے الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (٦٠٨٥)۔

(3) اسے البخاري نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الأذان - باب آواز بلند کرنا عند النِّدَاء - حدیث نمبر (٦٠٩)۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1-اذان کے ساتھ آواز کو بلند کرنے کا مستحب ہونا تاکہ اس کے لئے گواہی دینے والے زیادہ ہوں جب تک کہ اسے تکلیف یا مشقت کا سامنا نہ ہو۔

2-اس میں یہ بات ہے کہ بکریوں سے محبت کرنا اور دیہات (بادیہ) میں رہنا، خصوصاً جب فتنہ کا زمانہ آجائے، تو یہ سلف صالحین کا عمل رہا ہے۔

3-اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیہات میں جا کر رہنا (تبدی)، بدوی عربوں کے ساتھ سکونت اختیار کرنا، اور ان کے ساتھ زندگی کے اسباب (گزر بسر کے ذرائع) میں شریک ہونا جائز ہے، بشرطیکہ انسان کے پاس کچھ علم ہو اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ ان کی سخت مزاجی اور جفاکشی سے متاثر ہو کر دین میں کمزوری اختیار کر لے۔

4-اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی اکیلا آدمی (فرد) بھی ہو تو اذان دینا مستحب ہے، خواہ وہ ویران علاقے (قفر) ہی میں کیوں نہ ہو، اور اگرچہ اسے یہ امید نہ ہو کہ کوئی دوسرا نمازی اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ اس لیے کہ اگرچہ اسے نمازیوں کی دعا کا ثواب نہیں ملے گا، لیکن پھر بھی اس کی اذان سننے والے دیگر لوگ (یا جنات، فرشتے) اس کے گواہ ہوں گے، اور یہ فضیلت اسے حاصل ہوگی۔ [1]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن لوگوں میں سب سے لمبی گردن والے مؤذن ہوں گے"[2]۔

---

(1) دیکھیں: فتح الباری (۲/ ۲۹۳)۔

(2) اسے مسلم نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاۃ - باب فضل اذان اور شیطان کا اذان سن کر بھاگ جانا - حدیث نمبر (۳۸۷) - اور ابن حبان نے بھی اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاۃ - باب اذان - حدیث نمبر (۱٦٦٩)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف کے مابین اس حدیث کے معنی کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ رب العالمین کی رحمت کے زیادہ شوق میں ہونگے کیونکہ جو زیادہ شوق والا ہوتا ہے وہی جس کی طرف دیکھی جائے اس کی طرح اپنی گردن کو لمبا کرتا ہے، معنی یہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ ثواب کو دیکھیں گے۔

اور نضر بن شمیل کا فرمان ہے کہ جب قیامت کے دن لوگوں کو پسینے آرہے ہوں گے تو ان کے گھر دن بڑے ہو جائیں گے تاکہ وہ پریشانی اور پسینہ ان کو لاحق نہ ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سردار ہوں گے رہنما ہوں گے اور عرب کے لوگ سرداروں کو لمبی گردن سے متصف کرتے تھے[1]۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں: دنیا میں مؤذن اپنے اذان کے کام میں جو مشقت اٹھاتے ہیں، اور بلند آواز کے ساتھ اذان دیتے ہیں، یہ عمل ان کو دوسرے نیک اعمال کرنے والوں سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ روزانہ پانچ وقت اذان دیتے ہیں، اس کے بعد اقامت کہتے ہیں، اس میں محنت کرتے ہیں اور اپنی آواز بلند کرتے ہیں، نیز اذان دینے کے لیے اونچی جگہوں پر چڑھتے ہیں، اور یہ سب ایک ظاہر مشقت والا کام ہے۔ اس بنا پر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ روزِ قیامت مؤذنوں کی گردنیں لمبی ہوں گی، تاکہ وہ اپنے اس عمل کے بدلے دوسرے نیک اعمال کرنے والوں سے بڑھ کر ثواب کے منتظر ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ان کی محنت اور اذان کی خدمت کے بدلے دوسروں سے زیادہ اجر اور انعام عطا کرے گا۔ امام طحاویؒ کہتے ہیں: ہمیں لوگوں کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں جتنے اقوال ملے ہیں، ان میں سب سے اچھا اور بہتر یہی تأویل ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس حدیث میں اس کے رسول ﷺ نے کیا مراد لیا[2]۔

---

(1) دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی (٤/ ٧٩)۔

(2) دیکھیں: شرح مشکل الآثار (١/ ٢٠٠)۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر لوگ اذان اور صف اول کی فضیلت کو جان لیں پھر انہیں اس پر قرعہ اندازی کے علاوہ کوئی اور حل نظر نہ آئے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں گے"[1]۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ اذان کی فضیلت، اس کی قدر و منزلت اور اس پر ملنے والے بڑے اجر کو اچھی طرح جان لیں، اور پھر انہیں یہ موقع نہ ملے کہ ہر کوئی اذان دے سکے (کیونکہ وقت محدود ہے یا ایک ہی مسجد میں ایک ہی شخص اذان دیتا ہے)، تو وہ اس موقع کو پانے کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کرتے۔[2]

اور امام احمد نے اپنی مسند اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مؤذن کی مغفرت کر دی جاتی ہے اس کی آواز کے پہنچنے کی جگہ تک[3]، اور اس کے لیے ہر تر اور خشک چیز گواہی دیتی ہیں"[4]۔

---

(1) اسے البخاري نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب اذان - باب الاستهام في الأذان - حدیث نمبر (٦١٥) - اور مسلم نے بھی اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاة - باب صفوں کی مساوات اور قیام اور اولیت کا فضل - حدیث نمبر (٤٣٧) - اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاة - باب اذان - حدیث نمبر (١٦٥٩)۔

(2) دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی (٤/ ١٣٢)۔

(3) یعنی آخری حد؛ یعنی اگر کوئی شخص اپنی آواز بلند کرنے میں اپنی تمام طاقت استعمال کرے تو اللہ کی مغفرت میں کامل مقام حاصل کر لیتا ہے، یعنی جب آواز کی حد تک پہنچ جائے تو مغفرت کی غایت تک پہنچتا ہے۔ دیکھیں: النهاية (٤/ ٢٦٥)۔

(4) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (٩٥٤٢) - اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاة - باب اذان - حدیث نمبر (١٦٦٦)۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں: یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں کے درمیان اذان کے سلسلے میں جھگڑا ہوا تو ان کے درمیان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قرعہ اندازی کرائی[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اسے سعید بن منصور اور بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے دونوں کے حوالے سے نقل کرتے ہیں وہ عبداللہ بن شبرمہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ لوگوں نے اذان کے سلسلے میں قادسیہ[2] کے مقام پر اختلاف کیا تو وہ اپنا جھنڈا لے کر سعد بن ابی وقاص کے پاس آیا تو انھوں نے لوگوں کے درمیان قرعہ نکالی۔

اور یہ منقطع روایت ہے اسے سیف ابن عمر نے فتوح میں اور طبری نے اپنی تاریخ سے عبداللہ بن شبرمہ کے حوالے سے ان کے سگے بھائی ابو وائل سے نقل کیا ہے، اور کہا کہ ہم نے قادسیہ کو دن کی شروعات میں فتح کیا پھر ہم واپس ہوئے اس وقت موذن کو زخم لگے تھے، جو کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے اسے ذکر کیا اور اضافہ کیا ہے کہ پھر قرعہ ان میں سے ایک شخص کے لیے نکلے اور اس نے اذان دی[3]۔

اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے 12 سال

---

(1) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں معلق طور پر روایت کیا ہے، کتاب الأذان - باب الاستهام في الأذان۔

(2) یعنی معرکہ قادسیہ میں، اور قادسیہ عراق کا ایک معروف مقام ہے، جہاں مسلمانوں اور فارس کے درمیان ایک مشہور لڑائی ہوئی، یہ خلافت عمر - رضی اللہ عنہ - کے زمانے میں ہجرت کے پندرھویں سال میں ہوئی۔ سعد بن ابی وقاص - رضی اللہ عنہ - مسلمانوں کے سردار تھے اور مسلمانوں نے اس لڑائی میں شاندار فتح حاصل کی۔

(3) دیکھیں: فتح الباری (۲/ ۳۰۲)۔

اذان دی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور اس کے لیے ہر دن اذان کے بدلے ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں"[1]

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "امام ضامن[2] ہے اور مؤذن موتمن[3] ہے، اللہ رب العالمین ائمہ کو بھلائی کی طرف رہنمائی فرمائے اور موذنین کی مغفرت فرمائے"[4]۔

اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: "اگر میں خلافت کے ساتھ اذان کی استطاعت رکھتا تو ضرور اذان دیتا"[5]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں نے اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مؤذن کے

---

(1) اسے ابن ماجہ نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے - کتاب اذان اور اس میں سنت - باب فضل اذان اور مؤذنین کے ثواب - حدیث نمبر (۷۲۸)۔

(2) ضَامِنٌ: یہاں ضَمان سے مراد حفاظت اور نگہبانی ہے؛ کیونکہ یہ لوگوں کی نماز کی حفاظت کرتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ مقتدی کی نماز اس کی ذمہ داری میں صحیح ہے اور اس کی صحت اس کی نماز سے مشروط ہے، لہٰذا یہ ان کے نماز کی صحت کا ضامن ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (۳/ ۹٤)۔

(3) مؤتَمَنٌ: یعنی جس پر وہ بھروسہ کرتے ہیں اور اسے امین رکھتے ہیں، یعنی مؤذن لوگوں کے لیے ان کی نماز اور روزے کا امین ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (۱/ ۷۲)۔

(4) اسے ابن حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الصلاۃ - باب اذان - حدیث نمبر (۱٦۷۲) - اور امام احمد نے بھی اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (۷۱٦۹)۔

(5) اسے الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کیا ہے (۵/ ٤٤٤) - اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں (۲۳٤۸) - اور الحافظ نے اسے الفتح میں ذکر کیا ہے (۲/ ۲۷۷) - اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔

لیے اس کی آواز کی حد تک بخشش کر دی جاتی ہے، اور ہر زندہ اور بے جان چیز جو اس کی آواز سنتی ہے، اس کی سچائی کی گواہی دیتی ہے۔"[1]

ضعیف اور کمزور روایتیں:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کچھ حدیثیں ایسی وارد ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ میں مشروع ہوئی، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

1- امام طبرانی کے یہاں سالم بن عبداللہ بن عمر کے حوالے سے ان کے والد سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسرا کرایا گیا تو اللہ رب العالمین نے آپ پر اذان کی وحی فرمائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے اور اسے بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو سکھلایا، اس حدیث کی اسناد میں طلحہ بن زید ہیں جو کہ متروک راوی ہیں۔

2- اور امام دار قطنی نے اطراف میں انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کا حکم دیا جب نماز کی فرضیت ہوئی تو اس کی اسناد بھی ضعیف ہے۔

3- ابن مردویہ کے یہاں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب مجھے اسرا کرایا گیا تو جبریل علیہ السلام نے اذان دی تو فرشتوں کو یہ گمان ہوا کہ وہ ان کی امامت کریں گے مگر انہوں نے مجھے آگے بڑھایا اور میں نے نماز پڑھائی، اس میں ایسے راوی ہیں جن کے بارے میں کچھ نہیں جانا جاتا۔

پھر حافظ نے کئی آثار ذکر کئے ہیں اور ان کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے، اور سہیلی نے الروض الانف[1] میں یہ کوشش

---

(1) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (۱۸۵۰۶) - اور النسائی نے السنن الکبریٰ میں - باب اذان - حدیث نمبر (۱۶۲۲)۔

کی ہے کہ احادیث کے درمیان جمع کریں مگر انہوں نے تکلف اور بے جا محنت و مشقت سے کام لیا ہے اور حق اور صحیح بات پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے[2]۔

(1) دیکھیے: **الروض الأنف**، جلد2، صفحہ 356۔

(2) دیکھیے: **فتح الباري**، جلد2، صفحہ 279۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اللہ اکبر کہا۔ اس وقت وہ اپنے گھر والوں کے لیے کھجوریں توڑنے کے لیے ایک کھجور کے درخت کی چوٹی پر تھے۔ ان کی پھوپھی خالدۃ بنت الحارث نے ان کی تکبیر سنی تو بولیں: "اللہ تجھے ناامید کرے! اگر تو نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے آنے کی خبر سنی ہوتی تو اس سے زیادہ خوشی نہ کرتا۔" عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "اے پھوپھی! وہ تو اللہ کی قسم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بھائی ہیں، اور انہی کے دین پر ہیں، انہیں بھی وہی پیغام دے کر بھیجا گیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔" پھوپھی نے کہا: "اے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ قیامت کے قریب مبعوث ہوں گے [1]؟" انہوں نے کہا: "ہاں۔" تو پھوپھی بولیں: "پھر تو یہ وہی ہیں"[2]۔

امام احمد نے اپنی مسند، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن سلام کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو لوگ آپ کی

---

(1) اسے ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے - کتاب الفتن - باب: نبی ﷺ کا فرمان "مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا" - حدیث نمبر (۲۲۱۳) - اور اس کی سند ضعیف ہے - مستورد بن شداد فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مجھے قیامت کے سانس میں بھیجا گیا، تو میں اس سے آگے نکل گیا، جیسے یہ انگلی اس سے آگے ہے۔" (یعنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا)۔

نبی ﷺ کے فرمان "نَفَسِ السَّاعة" کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس وقت مبعوث کیا گیا جب قیامت قائم ہونے کا وقت قریب آ گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ دیر مؤخر فرما دیا۔ تو اللہ نے مجھے اسی قریب کے وقت میں بھیجا، اور "نَفَس" کو قرب پر اطلاق کیا گیا۔

اور کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا قیامت کے لیے ایک سانس مقرر ہے جیسے انسان کا سانس ہوتا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت بھیجا گیا جب میں اس کے سانس کو محسوس کر رہا ہوں، جیسے کوئی قریب والے کے سانس کو محسوس کرتا ہے۔ یعنی مجھے اس وقت بھیجا گیا جب اس کی نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں اور علامتیں نمایاں ہو گئی تھیں۔ دیکھیں: النہایۃ (۵/ ۸۱)۔

(2) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (۲/ ۱۳۰) - البدایۃ والنہایۃ (۳/ ۲۲۴)۔

طرف جلدی جلدی بھاگے [1] اور میں بھی انہی لوگوں میں سے تھا جب میں نے آپ کا چہرہ دیکھا تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا [2] اور میں نے سب سے پہلی بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنی تھی وہ تھی: اے لوگو سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے [3]۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہوں جن کو صرف نبی ہی جانتے ہیں: قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہے اور اہل جنت کا سب سے پہلا کھانا کیا ہے اور کس وجہ سے بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اور کس وجہ سے اپنے ماموں زاد لوگوں کے مشابہ ہوتا ہے؟

([1]) حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۲۲٤/۳) میں فرمایا: اس سیاق کا مقتضا یہ ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو پہلی مرتبہ اُس وقت دیکھا اور سنا جب آپ ﷺ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں اُترے۔ اور ایک روایت میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے اُن کی ملاقات اُس وقت ہوئی جب آپ ﷺ قبا سے بنی نجّار کے مکان، یعنی ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو رہے تھے۔ تو ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ کو قبا میں دیکھا ہو اور دوبارہ ملاقات بنی نجّار کے ہاں ہوئی ہو، واللہ أعلم۔

([2]) شیخ محمد الغزالی نے فقہ السیرۃ (ص ۱۹۹) میں فرمایا: باطن کی روشنی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے اور اُس کے نقوش میں طہارت کی آیات پڑھی جا سکتی ہیں۔ عبداللہ بن سلام اس مہاجر قائد ﷺ کی خبر معلوم کرنا چاہتے تھے، تو آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ کی حقیقت جاننے کی کوشش کی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے احوال کی تحقیق کے بعد سب سے پہلی چیز جس پر وہ مطمئن ہوئے یہ تھی کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ کسی کے عقلی اور اخلاقی ملامح ایک سرسری نظر سے معلوم نہیں ہو جاتے، لیکن بڑا باطنی کمال اکثر ظاہر مادی چہرے پر ایک سچا عنوان بن کر جھلکتا ہے۔

([3]) اس حدیث کو امام احمد نے مسند (حدیث نمبر: ۲۳۷۸٤) میں روایت کیا ہے، اور ترمذی نے اپنی جامع میں (کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب فی إفشاء السلام، حدیث نمبر: ۲٦٥۳) اور ابن ماجہ نے (کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب ما جاء فی قیام اللیل، حدیث نمبر: ۱۳۳٤) میں روایت کیا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ابھی ان کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی ہے راوی کہتے ہیں، عبداللہ نے کہا: وہ فرشتوں میں سے یہود کا دشمن ہے[1] تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامہ تک ی پہلی نشانی آگ ہو گی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی جانب لے جائے گی اور رہی بات جنت والوں کے پہلے کھانے کی تو مچھلی کے کلیجے کا اضافی حصہ[2] ہو گا، اور رہی بات بچے کے آدمی سے مشابہ ہونے کی تو جب آدمی عورت سے ہمبستر ہوتا ہے اور اس کا پانی آگے ہو جاتا ہے تو وہ اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی آگئے ہو جاتا ہے تو اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

عبداللہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : پھر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک یہود جھوٹے لوگ ہیں اور اگر وہ میرے اسلام کے بارے میں جانیں گے تو وہ آپ کے پاس میرے متعلق بہتان تراشی کریں گے، چنانچہ آپ ان کے پاس کسی کو بھیجیں اور میرے متعلق ان سے دریافت کریں کہ عبد اللہ بن سلام

([1]) یہود کی جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان پر عذاب لے کر نازل ہوتے تھے۔ امام احمد نے اپنی مسند (حدیث نمبر: ٢٤٨٣) میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے ابوالقاسم! ہم آپ سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اگر آپ نے ہمیں ان کے بارے میں خبر دے دی تو ہم جان لیں گے کہ آپ نبی ہیں۔۔۔ پھر انہوں نے کہا: اب صرف ایک باقی ہے، اور اگر آپ نے ہمیں اس کے بارے میں بتا دیا تو ہم آپ سے بیعت کریں گے، کیونکہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے پاس ایک فرشتہ خبر لے کر نہ آتا ہو، تو ہمیں بتایئے آپ کے پاس کون آتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **جبرائیل علیہ السلام**۔ انہوں نے کہا: جبرائیل؟ یہ تو وہی ہے جو جنگ، قتال اور عذاب لے کر اترتا ہے، وہ تو ہمارا دشمن ہے۔۔۔ الحدیث۔

([2]) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (٦٩٢/٧) میں فرمایا: **زیادۃ کبد حوت** (مچھلی کے جگر کا زائد حصہ) وہ الگ تھلگ ٹکڑا ہے جو جگر کے ساتھ لٹکا رہتا ہے، اور کھانے میں انتہائی لذیذ ہوتا ہے۔

تمہارے درمیان کیسا شخص ہے؟ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جانب قاصد بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں عبداللہ بن سلام کا کیا مقام ہے تو انہوں نے کہا وہ ہم میں بہتر آدمی ہیں اور بہتر آدمی کے بیٹے ہیں وہ ہمارے عالم ہے اور ہمارے عالم آدمی کے بیٹے ہیں اور وہ ہم میں دین میں سب سے زیادہ سمجھنے والے اور ہم میں سب سے زیادہ سمجھنے والے رکھنے والے کے بیٹے ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے اگر عبداللہ بن السلام مسلمان ہو جائیں؟"

تو انہوں نے کہا اللہ رب العالمین انہیں اس سے محفوظ رکھے پھر آپ نے یہی بات ان سے دوبارہ کہیں تو انہوں نے پھر اسی طرح سے کہا۔

چنانچہ عبداللہ بن سلام ان کی جانب نکلے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

تو انہوں نے کہا وہ ہم نے سب سے برے اور سب سے برے کے بیٹے اور سب سے جاہل اور سب سے جاہل کے بیٹے ہیں۔

عبداللہ بن سلام نے کہا: میں ان سے اسی کا خوف کھاتا تھا[1]۔

اسی وقت عبداللہ بن سلام کے بارے میں اللہ رب العالمین کا فرمان یہودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے نازل ہوا: ((كان من عند الله و كفرتم به وشهد شاهد من بني اسرائيل على مثله فآمن ان الله لا يهدي القوم الظالمين))[الاحقاف: ١٠]۔

([1]) یہ سب امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب أحادیث الأنبیاء میں، باب: آدم اور ان کی ذریت کی تخلیق (حدیث نمبر: ٣٣٢٩)، اور اسی کو کتاب مناقب الأنصار، باب (٥١) میں بھی روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ٣٩٣٨)۔ اسی طرح امام احمد نے اپنی مسند (حدیث نمبر: ١٢٠٥٧) میں بھی روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے فضائل:

شیخان نے اپنی صحیحین میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کسی زمین پر چلنے والے کے بارے میں یہ جنتی ہے سوائے عبداللہ بن سلام کے لیے[1]، وہ کہتے ہیں کہ انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ((وشهد شاهد من بني اسرائيل على مثله))[2]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح اور حاکم نے مستدرک اور احمد نے مسند میں حسن سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن میں کھانا لایا گیا تو ہم نے اس نے سکھایا اور اس میں کچھ چیز بچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس گلی سے ابھی ایک آدمی نکلے گا جو یہ باقی چیز کھائے گا وہ جنت والوں میں سے ہے، سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بھائی عمیر کو وہاں طہارت کے لئے چھوڑا تھا تو میں نے کہا وہ میرا بھائی ہے وہاں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ نکلے اور انھوں نے اسے کھایا[3]۔

([1])حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري (٧/ ٥٠٨) میں فرمایا: یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض جماعت سے فرمایا تھا کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں، مگر عبداللہ بن سلامؓ کا ذکر نہیں کیا، اور یہ بعید ہے کہ حضرت سعدؓ اس سے مطلع نہ ہوں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی نفس کی تزکیہ کرنا پسند نہ کیا، کیونکہ وہ خود بھی ان دس خوشخبری پانے والوں میں سے تھے۔ اس پر تعقّب کیا گیا کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور کے حق میں ایسی بات سننے سے انکار کریں۔ میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات ان دس صحابہ کی وفات کے بعد کہی، کیونکہ عبداللہ بن سلامؓ ان سب کے بعد زندہ رہے، اور ان کے ساتھ صرف حضرت سعدؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ باقی بچے تھے۔

([2])اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب مناقب الأنصار، باب: عبداللہ بن سلامؓ کے مناقب (حدیث نمبر: ٣٨١٢)۔ اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب فضائل الصحابۃ، باب: عبداللہ بن سلامؓ کے فضائل (حدیث نمبر: ٢٤٨٣)۔

([3])اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب إخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابۃ، باب: عبداللہ بن سلامؓ کے لیے جنت ثابت کرنے کا ذکر (حدیث نمبر: ٧١٦٤)۔ اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے: کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب: جو شخص دل میں رائی

امام احمد نے اپنی مسند میں، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ یزید بن عمیرہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جب معاذ بن جبلؓ کو موت کا وقت آیا تو ان سے کہا گیا: اے ابو عبدالرحمٰن! ہمیں وصیت فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا: مجھے بٹھادو۔ پھر کہا: "علم اور ایمان اپنی جگہ پر ہیں، جو ان دونوں کو تلاش کرے گا وہ انہیں پالے گا"— یہ جملہ انہوں نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کے بعد کہا: "علم کو چار اشخاص کے پاس تلاش کرو: عویمر ابو الدرداءؓ کے پاس، سلمان فارسیؓ کے پاس، عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس، اور عبداللہ بن سلامؓ کے پاس، جو یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: 'وہ دس میں سے دسواں شخص ہے جو جنت میں جائے گا"۔[1]

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں خرشہ بن حر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، میں مدینہ کی مسجد میں ایک حلقے میں بیٹھا ہوا تھا جس میں ایک اچھی شکل و صورت والے شیخ تھے وہ عبداللہ بن سلام تھے چنانچہ وہ انہیں اچھی حدیث بیان کرنے لگے جب کھڑے ہوئے تو لوگوں نے کہا: جس سے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ ایک جنتی شخص کو دیکھے تو وہ ان کی جانب دیکھے وہ کہتے ہیں میں نے کہا پھر میں اللہ کی قسم ان کے پیچھے جا کر ان کا گھر دیکھوں گا وہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے پیچھے گیا یا تو وہ چلے یہاں تک کی مدینہ سے نکلنے کے قریب تھے پھر اپنے گھر میں داخل ہوئے آئے تو میں نے ان سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دے دی اور انہوں کہا :اے میرے بھتیجے تمہاری کیا ضرورت ہے؟۔

کے دانے کے برابر بھی تکبّر رکھتا ہو، جنت میں داخل نہیں ہوگا (حدیث نمبر: ٥٨١٤)۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں (حدیث نمبر: ١٤٥٨) روایت کیا ہے۔

([1]) اسے امام احمد نے اپنی مسند (حدیث نمبر: ٢٢١٠٤) میں روایت کیا ہے، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب إخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابۃ، باب: اس بیان کا ذکر کہ عبداللہ بن سلامؓ جنت میں داخل ہونے والے دسویں شخص ہیں (حدیث نمبر: ٧١٦٥)۔

میں نے کہا: جب آپ کھڑے ہوئے تو میں نے لوگوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ جنتی آدمی کو دیکھیں تو ان کی جانب دیکھے، تو مجھے یہ پسند آیا کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں تو انہوں نے کہا: اللہ تعالی اہل جنت [1] کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے، اور میں تمہیں وہ بات بتاؤں گا اور لوگوں نے کیوں یہ بات کہی، ہوا یوں کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس ایک شخص آیا اور کہا اٹھو اور اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ چلنے لگا، پھر میں اپنے بائیں جانب ایک عام راستے پر تھا، تو میں نے اسے چلنا چاہا تو اس نے مجھ سے کہا اس پر سے نہ چلو، یہ بائیں جانب والے لوگوں کا راستہ ہے، وہ کہتے ہیں پھر میرے دائیں جانب ایک سیدھی اور واضح راہ تھی تو اس نے کہا، یہاں سے چلو مجھے لے کر ایک پہاڑ کے پاس گیا اور کہا اس پر چڑھو جب میں اس کے اوپر چڑھنے کا ارادہ کرتا تو اپنی پشت کے بل گر جاتا یہاں تک کہ میں نے ایسا کوئی مرتبہ کیا، پھر وہ مجھے لے کر ایک ستون کے پاس گیا، جس کا سرا آسمان میں تھا اور نچلا حصہ زمین میں تھا اور اس کے اوپر ایک حلقہ تھا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا اس کے اوپر چڑھو، تو میں نے کہا اس پر کیسے چڑھوں جبکہ اس کا سرا تو آسمان میں ہے، چنانچہ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور میرے ساتھ چل پڑا پھر میں نے دیکھا کہ میں اس حلقے کے پاس ہوں پھر اس نے ستون کو مارا اور نیچے گر گیا اور میں وہیں صبح تک لٹکا رہا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے یہ واقعہ آپ سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((رہی بات اس راستے کی جو تمہارے بائیں جانب تھا تو یہ اصحاب شمال کا راستہ ہے، اور رہی بات اس راستے کے جو آپ کے داہنے جانب تھا تو یہ اصحاب یمین [2] کا راستہ ہے، رہی بات اس پہاڑ

([1]) نسائی کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: "جنت اللہ ہی کی ہے، وہ جسے چاہے اس میں داخل کرے"۔

([2]) نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو راستہ تیرے بائیں طرف دکھایا گیا، وہ اہلِ جہنم کا راستہ ہے اور تو ان میں سے نہیں ہے، اور جو راستہ تیرے دائیں طرف دکھایا گیا، وہ اہلِ جنت کا راستہ ہے"۔

کی تو وہ شہیدوں کا مقام ہے اور اسے آپ نہیں پا سکتے رہی بات ستون کی تو وہ اسلام کا ستون ہے اور رہی بات کڑے کی تو وہ اسلام کا کڑا ہے اور تم مرتے دم تک اسے پکڑے رہو گے [1]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے اس حدیث میں درج ذیل فوائد ہیں:

1- یہ عبداللہ بن سلامؓ کی **منقبت** بیان کرتا ہے۔

2- اس میں **خوابوں کی تعبیر** اور راستوں کے اختلاف کو سمجھنے کا علم بھی شامل ہے۔

3- اس میں **ستون، پہاڑ، سبزہ زار اور مضبوط گرفت** کے معنی کی تفسیر بھی موجود ہے۔

4- اس میں **نبوت کے نشانیاں** بھی ہیں کہ عبداللہ بن سلامؓ **شہید نہیں ہوئے**، اور حقیقت میں وہ اپنے بستر پر وفات پا گئے، یہ واقعہ **معاویہؓ کے خلافت کے آغاز میں** مدینہ میں ہوا۔ [2]

عبداللہ بن سلامؓ مدینہ میں **سال 43 ہجری** میں **معاویہ بن ابی سفیانؓ کی خلافت میں** وفات پا گئے۔ [3]

•••

([1]) امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب مناقب الأنصار، باب: **عبداللہ بن سلامؓ کے مناقب** (حدیث نمبر: ۳۸۱۳)، اور اپنی کتاب التعبیر میں، باب: **الخضر علیہ السلام کے خواب میں ظہور** (حدیث نمبر: ۷۰۱۰)۔ امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب فضائل الصحابۃ، باب: **عبداللہ بن سلامؓ کے فضائل** (حدیث نمبر: ۲٤۸٤ اور ۱۵۰)۔ نسائی نے اپنی السنن الکبری میں روایت کیا ہے: کتاب التعبیر، باب صعود الجبل الزلق (حدیث نمبر: ۷۵۸٦)۔

([2]) دیکھیے: فتح الباری (۱۴/۴۳۱)۔

([3]) دیکھیے: تہذیب التہذیب (۲/۳۵۱)، اسد الغابہ (۲/۶۱۳)۔

عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا رومہ[1] نامی کنواں خریدنا

امام بغوی نے معجم الصحابہ میں بشر بن بشیر اسلمی کے طریق سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ اپنے والد کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب مہاجر لوگ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہاں کا پانی انہیں راس نہ آیا، اور بنو غفار میں سے ایک شخص کے پاس ایک چشمہ تھا جس کو رومہ کہا جاتا تھا، وہ شخص اس میں سے ایک مٹکا پانی ایک مد[2] کے بدلے بیچتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: کیا تم اس کو جنت میں ایک چشمے کے بدلے میں مجھ سے بیچو گے؟

تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور میرے گھر والوں کے پاس اس اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، تو یہ بات عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے اسے 35 ہزار درہم کے بدلے خریدا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ میرے لیے بھی وہ وعدہ کرتے ہیں جو اس کے لیے کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! چنانچہ عثمان نے کہا میں نے اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا"[3]۔

جامع ترمذی کی ایک روایت میں اور طحاوی کے شرح مشکل الآثار کی ایک روایت میں حسن سند کے ساتھ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو وہاں پر بئر رومہ کے علاوہ کوئی میٹھے پانی کا ذریعہ نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو بیئر رومہ کو خرید کر اس کے پانی کو مسلمانوں کے لئے وقف

([1]) بِئْرُ رُوْمَةَ: راء پر ضم کے ساتھ، مدینہ میں ایک کنواں ہے جسے عثمانؓ نے خرید کر وقف کر دیا۔ (دیکھیں: النھایۃ ۲/۲۵۴)

([2]) المُدّ: اس کا اصل مطلب ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ پھیلائے تاکہ دونوں ہتھیلیوں میں کھانا بھر سکے۔ (دیکھیں: النھایۃ ۴/۲۶۳)

([3]) اس روایت کو البغوی نے معجم الصحابۃ میں اور الطبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ۱۲۲۶)۔

کر دے اس کے لئے جنت میں اس سے بہتر چشمہ ہو گا، چنانچہ میں نے اس کو اپنے مال خاص سے خرید لیا[1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے رومہ کو کھودا اس کے لیے جنت ہے چنانچہ میں نے اسے کھدایا"[2]۔

ابن بطال کہتے ہیں: یہ اس حدیث کے بعض راویوں کا وہم ہے مشہور بات یہی ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالی نے اسے خریدا تھا نہ کہ اسے کھودایا تھا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ان روایات میں مشہور بات یہی ہے جیسا کہ ترمذی زید ابن ابی انیسہ کی روایت سے نقل کیا ہے ابو اسحاق کے واسطے سے، انہوں نے کہا ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ بئر رومہ کا پانی قیمت دے کر پیا جاتا تھا، لیکن وہم کی تعیین نہیں ہوتی، چنانچہ امام بغوی نے معجم الصحابہ[3] میں بشر بن بشیر اسلمی کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مہاجر ہجرت کر کے مدینہ آئے---وہی حدیث جس کو میں نے تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے---پھر حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگرچہ وہ پہلے ہی چشمہ تھا، مگر اس میں کوئی مانع نہیں کہ عثمان نے پھر اسکی اور کھدائی کی ہو، اور ہو سکتا ہے کی چشمہ کنویں میں جاتا رہا ہو تو انہوں نے اس کی توسیع کی اور اس کا منڈیر باندھا جس سے اس کی کھدائی ان کی طرف منسوب کر دی گئی[4]۔

([1])امام ترمذی نے اپنی جامعہ میں روایت کیا ہے: کتاب المناقب، باب: **عثمان بن عفانؓ کے مناقب**)حدیث نمبر: ٤٠٣٦(، اور الطحاوی نے اپنی شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے (حدیث نمبر: ٥٠١٩)، امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے (حدیث نمبر: ٤٢٠ و ٥١١)۔ ترمذی فرماتے ہیں: **یہ حدیث حسن ہے۔**

([2])یہ حدیث امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں روایت کی ہے: کتاب الوصایا، باب: **جب زمین یا کنواں پر قیام کیا جائے** (حدیث نمبر: ٢٧٧٨)۔

([3])دیکھیں: معجم الصحابۃ للبغوی (٢٩٣/١)۔

([4])دیکھیں: فتح الباری (٦٧/٦)۔

نماز میں اضافہ

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ نماز دو رکعت فرض کی گئی [1] پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کی تو چار فرض کی گئی اور سفر کی نماز پہلی حالت پر باقی رہی [2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ نبی کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے نماز دو دو [3] رکعت فرض کی گئی تھی مغرب کے علاوہ کہ وہ تین رکعت تھی، اللہ رب العالمین نے ظہر اور عصر اور عشاء کو اقامت کی حالت میں پورا کر کے چار کر دیا اور سفر کی حالت میں نماز کو اپنی پہلی صورت میں باقی رکھا [4]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: جو میرے لیے ظاہر ہے اور جس سے تمام دلیلیں جمع ہو جاتی ہیں وہ یہ ہے کہ اسراء کی رات مغرب کے علاوہ ہر نماز کی دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر ہجرت کے بعد فجر کے علاوہ ساری نمازوں میں اضافہ کر دیا گیا، جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ سفر اور حضر میں دو رکعت نمازیں تھیں پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مقیم ہوئے، تو اقامت کی حالت میں

([1]) یہ وہ پہلا وقت تھا جب **نماز فرضہ کے طور پر فرض ہوئی**، وہ بھی **اسراء و معراج میں**، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

([2]) یعنی **دو رکعتیں**، جیسا کہ اسراء و معراج میں فرض کی گئیں، اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ **مسافر اپنی چار رکعت والی نماز کو دو رکعتیں کر سکتا ہے۔**

یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: کتاب مناقب الأنصار، باب: تاریخ، لوگوں نے تاریخ کہاں سے شروع کی؟ (حدیث نمبر: ۳۹۳۵)۔

([3]) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا (۲/ ۱۱): لفظ **دو رکعتیں** کو دوہرایا گیا تاکہ **ہر نماز میں دہرائی جانے والی دو رکعتوں کی عمومی حکمت** ظاہر ہو۔

([4]) امام احمد نے اپنی مسند میں بھی روایت کی ہے (حدیث نمبر: ۲۶۳۳۸)۔

میں نمازوں میں دو رکعت کا اضافہ ہو گیا اور فجر کی نماز کو لمبی قرات کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا اور مغرب کی نماز بھی کیونکہ وہ دن کی وتر ہے[1]۔

(1) یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الصلاۃ - باب فصل في صلاۃ السفر - حدیث نمبر (۲۷۳۸)۔ اور دیکھیں حافظ کا کلام فتح الباری (۲/ ۱۱)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف کہ کہیں مدینہ خالی نہ ہو جائے

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ نبویہ میں مقیم ہوئے، تو بنو سلمہ [1] کے لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ دیں، کیونکہ ان کے گھر مدینہ کے کنارے والے حصے میں تھے، مسجد نبوی سے دور تا کہ وہ مسجد نبوی کے قریب آ جائیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ مدینہ ویران نہ ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا، جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے دور تھے تو ہم نے چاہا کہ ہم اپنے گھروں کو بیچ دیں اور مسجد سے قریب آ جائیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا اور کہا تمہارے لیے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ ہے [2]۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ بنو سلمہ نے مسجد کے قریب کی جگہ میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا ، یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اے بنو سلمہ ! اپنے گھروں کو لازم پکڑو،

([1]) حافظ نے فتح میں فرمایا (٢/ ٣٥٦): بنی سلمہ: لام پر زبر کے ساتھ، یہ انصار کی ایک بڑی قبیلہ کی نسل ہیں، پھر بعد میں خزرج سے بھی۔

([2]) یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ - باب فضل کثرۃ الخطا إلی المساجد - حدیث نمبر (٦٦٤)۔

تمہارے قدموں کو لکھا جائے گا)) [1] انہوں نے کہا، وہاں سے منتقل ہونا ہمارے لیے زیادہ خوشی کا باعث نہ تھا[2]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلمہ کے بارے میں اپنا یہ فرمان نازل کیا: ((وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ))[یٰس ۱۲][3]۔

فوائد حدیث

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1-نیک اعمال، جب خالص ہوں، ان کے اثرات **اچھی نیکیاں** کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔

2-اس میں یہ استحباب ہے کہ انسان **مسجد کے قریب سکونت اختیار کرے**، مگر اس کے لیے استثناء ہے اگر اسے کوئی اور فائدہ حاصل ہو، یا وہ زیادہ اجر کے لیے زیادہ چلنے کی نیت رکھے، بشرطیکہ یہ خود پر بوجھ نہ ڈالے۔

3-کچھ علماء نے یہاں سے یہ استنباط کیا کہ دور کی مسجد کی طرف جانا مستحب ہے، چاہے قریب ہی کوئی مسجد موجود ہو، اور یہ تبھی درست ہے جب دور کی مسجد جانے سے قریب والی مسجد چھوڑنا لازم نہ ہو۔ اگر قریب والی مسجد چھوڑنا ضروری ہو تو پھر اسے زندہ رکھنا اور اللہ کا ذکر کرنا افضل

([1])امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا (٥/ ١٤٤): اس کا معنی ہے کہ "اپنے گھرانے سے لگے رہو، کیونکہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑو گے تو تمہارے آثار اور تمہارے مساجد کی طرف بڑھنے کے قدم ثبت ہو جائیں گے"۔

([2])امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - **کتاب الاذان - باب احتساب الاثار** -حدیث نمبر (٦٥٥) و (٦٥٦) - روایت انس رضی اللہ عنہ سے۔ اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - **کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ - باب فضل کثرۃ الخطوالی المساجد** -حدیث نمبر (٦٦٥)۔

([3])اس آیت کی نزول کا ذکر **بنو سلیمہ** کے بارے میں ابن ماجہ نے اپنی سنن میں کیا ہے - **کتاب المساجد والجماعات - باب البعد فالأبعد من المسجد أعظم أجراً** -حدیث نمبر (٧٨٥) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ یہ روایت دیگر صحاح کے مطابق صحیح ہے۔ امام بخاری نے بھی اس پر تبصرہ کیا ہے - **کتاب الاذان - باب احتساب الاثار**، مجاہد سے روایت کے طور پر۔

ہے۔ اسی طرح، اگر دور کی مسجد میں کچھ کمی ہو، جیسے کہ امام بدعت پر ہو، تو وہاں جانا درست نہیں۔[1]

([1]) دیکھیں: **فتح الباری (۲/ ۳۵۸)**۔

یہود کی دشمنی

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو وہاں پر یہود آباد تھے اور ان کے تین مشہور قبیلے تھے: بنو قینقاع جو کہ خزرج کے حلیف تھے، اور ان کے گھر مدینہ کے اندر ہی تھے، اور بنو نضیر اور بنو قریظہ جو کہ اوس کے حلیف تھے اور ان کے گھر مدینہ کے بالائی حصے میں تھے۔

اور یہ یہودی قبیلے اوس اور خزرج کے درمیان جنگ کے اسباب پیدا کرتے تھے، اور یہودی اوس اور خزرج کے خلاف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بعثت سے پہلے مدد طلب کرتے تھے، جیسے کی ہم نے انصار کے اسلام قبول کرنے کی شروعات میں ذکر کیا ہے، پھر جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں سے مبعوث کیا تو ان لوگوں نے آپ کا انکار کیا اور جو وہ کہا کرتے تھے ان کے بارے میں اس کا انہوں نے انکار کر دیا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند حسن سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے - یہ اصحاب بدر میں سے ہیں - کہتے ہیں کہ بنو عبدالاشہل میں سے ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا، وہ کہتے ہیں کی وہ ایک دن اپنے گھر میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ پہلے ہمارے پاس آیا اور بنو عبدالاشہل کی بیٹھنے کی جگہ کھڑا ہوا سلمہ کہتے ہیں ان دنوں میں وہاں موجود سب سے کم عمر تھا میرے اوپر ایک چادر تھی میں اس میں اپنے گھر والوں کے آنگن میں سو رہا تھا، تو اس نے بعثت، قیامت، حساب، میزان اور جنت و جہنم کا تذکرہ کیا اور اس نے یہ اہل شرک میں سے ایک قوم سے کہا جو بتوں کی پرستش کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد کسی اٹھائے جانے کی بات نہ مانتے تھے تو انہوں نے اس سے کہا اے فلان تیری بربادی ہو تم یہ مانتے ہو کہ لوگ اپنے مرنے کے بعد ایسے دنیا میں اٹھائے جائیں گے جس میں جنت اور جہنم ہو گئی اور اس میں وہ اپنے اعمال کا بدلہ دیئے جائیں گے؟

انہوں نے کہا: "جی ہاں، اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے، کاش کہ اسے اس آگ میں اپنے حصے کا سب سے بڑا تنور دیا جاتا، جس میں اسے بھونا جاتا، پھر وہ اسے اس میں ڈال دیا جاتا اور اس پر ڈھک دیا جاتا، اور کاش کہ وہ کل اس آگ سے نجات پاتا"۔

لوگوں نے اس سے کہا: تیری بربادی اس کی نشانی کیا ہے۔

اس نے کہا: ایک نبی مبعوث کیے جائیں گے اس شہر کی طرف اور اس نے اپنے ہاتھ سے مکہ اور یمن کی جانب اشارہ کیا۔

لوگوں نے کہا: تمہارے خیال میں وہ کب مبعوث ہوں گے۔

وہ کہتے ہیں: اس نے میری جانب دیکھا اور میں ان لوگوں میں سب سے کم عمر والا تھا اور کہا اگر یہ لڑکا بڑھاپے کو پہنچے گا تو انہیں پالے گا۔

سلمہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم دن اور رات جاتے رہیں یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درمیان میں فرمایا تو ہم آپ پر ایمان لے آئے اور اس نے حسد اور سرکشی کرتے ہوئے آپ کا انکار کیا۔

تو ہم نے کہا اے فلان تیری بربادی ہو کیا تو ہم سے ان کے بارے میں وہ باتیں نہیں کرتا تھا؟

اس نے کہا: ہاں کیوں نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں[1]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: اور جو بات ہمیں عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پہنچی ہے کہ معاذ بن جبل، بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما نے یہود سے کہا: لوگو! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو تحقیق کہ تم ہمارے اوپر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے مدد طلب کرتے تھے اور ہم

([1]) یہ حدیث امام أحمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر ۱۵۸٤۱۔

اس وقت شرک والے تھے، اور تم ہمیں یہ بتاتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور تم ہمارے لئے ان کی صفت بیان کرتے تھے۔

تو سلام بن مسکم -بنو نضیر کے ایک فرد- نے کہا، ہمارے پاس کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جو ہم جانتے ہیں اور ہم جس کا تذکرہ تم سے کرتے تھے یہ وہ نہیں ہے، اس پر اللہ رب العالمین نے ان کے اس بات پر یہ آیت نازل فرمائی: ((ولما جاءهم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنه الله على الكافرين))[البقرة: ٨٩] [1]۔

اور رافع بن حریۂ ملا اور وہب بن یہوذا نے کہا: تم سے ہم نے یہ بات کبھی نہیں کی تھی اور اللہ رب العالمین نے موسی علیہ السلام کے بعد کوئی کتاب نازل فرمائی اور نہ ہی اللہ رب العالمین نے ان کے بعد کوئی ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا بھیجا تو اللہ رب العالمین نے ان دونوں کے اسی بات کے سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی: ((يا اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا يبين لكم على

---

[1] یہ خبر سیرۃ ابن ہشام میں (٢/١٦٠) میں مذکور ہے۔

فترة[1] من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشير ولا نذير فقد جاءكم بشير ونذير والله على كل شيء قدير))[المائدہ:19][2]۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں اپنے والد کے نزدیک ان کے بیٹوں میں سب سے زیادہ محبوب تھی اور اپنے چچا ابو یاسر گھر کے یہاں بھی میں چہتی ہی تھی، میں جب بھی ان دونوں سے ان کے کسی بچے کے ساتھ ملاقات کرتی تھی تو وہ اس کے چھوڑ کر مجھے پکڑتے تھے۔

وہ کہتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور قبا میں قیام فرمایا بنو عمرو بن عوف میں، اور ان کے پاس میرے والد حیی بن اخطب[3] اور چچا ابو یاسر بن اخطب بالکل صبح کے وقت گئے[4]۔

([1])الحافظ ابن کثیر نے اپنے تفسیر میں لکھا (جلد ۳، صفحہ ۷۰): اللہ تعالیٰ اہل کتاب یعنی یہودیوں اور نصاریٰ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اس نے ان کی طرف اپنا رسول محمد ﷺ بھیجا، جو خاتم النبیین ہیں، یعنی ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا، بلکہ وہ سب کے بعد آنے والا مکمل رسول ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {عَلَى فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ} یعنی پیغمبر ﷺ کے بھیجے جانے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے درمیان ایک طویل مدت گزر چکی تھی۔ اس مدت کے بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ کتنی تھی؟ صحیح یہی ہے کہ یہ تقریباً چھ سو سال تھی، جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے (حدیث نمبر ۳۹۴۸، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے)۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اس مدت کے بعد بھیجا، جب بہت سے پیغمبروں کے بعد کے راستے مٹ گئے تھے، ادیان میں تبدیلی آگئی تھی، اور لوگ بت پرستی، آگوں اور صلیبوں کی عبادت کرنے لگے تھے، اس لیے ان پر اللہ کی نعمت سب سے بڑی نعمت تھی، اور ان کے لیے محمد ﷺ کی ہدایت کی ضرورت سب سے زیادہ تھی۔

([2])یہ خبر سیرۃ ابن ہشام میں (جلد ۲، صفحہ ۱۷۶)۔

([3])الحافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں لکھا (جلد ۳، صفحہ ۲۲۶): جہاں تک حُیَیّ بن اَخطب کا تعلق ہے، اس نے نبی ﷺ اور ان کے صحابہ سے دشمنی اختیار کی، اور وہ اسی رویے پر قائم رہا۔ اللہ کی لعنت اس پر رہی، حتیٰ کہ وہ صبرا (باندھ کر) قتل ہوا، نبی ﷺ کے سامنے، جب بنی قریظہ کے ساتھ جنگ میں اسے ہلاک کیا گیا۔

([4])الحافظ نے الفتح میں کہا (جلد ۷، صفحہ ۶۹۵): یہ وہ لوگ ہیں، جن میں سے ابو یاسر بن اَخطب بھی تھا، اور ان میں سے کسی کا اسلام ثابت نہیں ہوا۔

وہ کہتی ہیں: پھر وہ دونوں شام کے وقت ہی واپس آئے، وہ کہتے ہیں وہ بالکل تھکے ہوئے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے سست ہو کر واپس آئے، کہتی ہیں: میں ان کو دیکھ کر خوش ہوئی جیسے کی میں پہلے کیا کرتے تھی تو ان دونوں میں سے کوئی بھی غم کے سبب میری طرف متوجہ نہ ہوا، وہ کہتے ہیں پھر میں نے اپنے چچا ابو یاسر کو سنا وہ میرے والد حیی بن اخطب سے کہہ رہے تھے: کیا یہ وہی ہے؟

انہوں نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! پھر انہوں نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو اور یقین ہے؟

انہوں نے کہا: ہاں! پھر کہا: تو اس کے حوالے سے تمہارے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم جب تک میں زندہ رہوں گا اس سے دشمنی رکھوں گا[1]۔

یہود کا آپ سے ظاہر دشمنی اور ان کی بعض خبریں

جب یہود نے مدینہ میں اسلام کے پھیلاؤ کو دیکھا یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی بھی گھر ایسا نہیں بچا جس میں لوگ مسلمان نہ ہوئے ہوں تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر حقد اور حسد کو ظاہر کیا اور انہوں نے آپ کے لئے اور آپ کے اصحاب کے لیے دشمنی ظاہر کی۔

اور اوس اور خزرج قبیلے سے بھی کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے، جو لوگ جاہلیت ہی کے حالت پہ بوڑھے ہو چکے تھے، تو وہ اہل نفاق تھے[2] جو اپنے آباؤ اجداد کے شرک اور اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے جھٹلانے والے دین پر قائم تھے، مگر اسلام نے انہیں اپنے غلبے اور ان کی قوم کے لوگوں کے ان پر اکٹھا ہونے سے زیر کر دیا، اس لئے انہوں نے اسلام کو ظاہر کیا اور انہوں

([1]) دیکھیں سیرۃ ابن ہشام (جلد ۲، صفحہ ۱۳۲)۔

([2]) نفاق کا ظاہر ہونا مدینہ میں صرف غزوہ بدر الکبری کے بعد ہوا، جیسا آگے بیان کیا جائے گا۔

نے اسے قتل سے ڈھال [1] کے طور پر استعمال کیا اور باطن میں وہ نفاق کے شکار تھے، اور وہ اپنی خواہشات میں یہودیوں کے ساتھ تھے کیونکہ وہ نبی کو جھٹلانے والے اور اسلام کا انکار کرنے والے تھے [2]۔

یہود میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن

ان یہودیوں میں سے جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف دشمنی ظاہر کی کچھ بہت ہی سخت دشمن تھے: حیی بن اخطب، اور اس کے بھائی ابو یاسر، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع، کعب بن اشرف، کعب بن اسد، عمرو بن جحاش، رفاعہ بن یزید بن تابوت [3]۔

اور ان ہی میں سے ابن صلوبا الفطیونی تھا، جس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "اے محمد! آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان سکیں، اور نہ ہی اللہ نے آپ پر کوئی واضح نشانی اتاری ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کی پیروی کریں"۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ﴾ [البقرۃ: ۹۹] [4]۔

اور انہی میں سے رافع بن حریملہ اور وہب بن زید بھی تھا جن لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اے محمد تم ہمارے پاس ایک ایسی کتاب لے کر آؤ جس سے تم ہمارے اوپر آسمان سے اتارو ہم اس کو پڑھیں، اور ہمارے لئے نہریں جاری کرو ہم تمہاری پیروی کریں گے

---

(1) اس کا ذکر نبی ﷺ نے بھی فرمایا جیسا کہ صحیحین میں روزے کے متعلق ہے: "الصوم جُنّة" یعنی روزہ رکھنے والا شخص اپنی حفاظت کرتا ہے کہ اسے شھوات سے نقصان نہ پہنچے۔ دیکھیں النھایۃ (جلد ۱، صفحہ ۲۹۷)۔

(2) دیکھیں سیرۃ ابن ہشام (جلد ۲، صفحہ ۱۲۷)۔

(3) حافظ نے فتح الباری (7/ 69) میں فرمایا: "ان میں سے کسی کے اسلام کی کوئی ثابت شدہ خبر نہیں ہے"۔

(4) اس خبر کا ذکر سیرۃ ابن ھشام میں بھی آیا ہے (2/ 161)۔

تمہاری تصدیق کریں گے، اللہ رب العالمین نے ان کے اس بات پر یہ آیت نازل فرمائی: ((ام تریدون ان تسألوا رسولکم کما سئل موسی من قبل ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل))[البقرۃ:۱۰۸] [1]۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے کسی چیز کے بارے میں رسول سے ہٹ دھرمی اور اقتراح کے طور پر سوال کرنے کو مذموم قرار دیا ہے، جیسا کہ بنو اسرائیل نے موسی علیہ السلام سے ہٹ دھرمی تکذیب اور بغض کے خاطر سوال کیا تھا[2]۔

اور انہی میں سے عبداللہ بن صوریا اعور[3] تھا جو کہ یہود کے بڑے عالموں میں سے ان کے سرداروں میں سے تھا ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سرداروں سے گفتگو کی ان میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسد[4] بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: اے یہودیوں اللہ رب العالمین سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ جو چیز میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں وہ حق ہے۔

انہوں نے کہا: "اے محمد! ہم اسے نہیں جانتے"، پس انہوں نے اس بات کا انکار کیا جسے وہ خود جانتے تھے، اور کفر پر اڑ گئے، تو اللہ تعالی نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا}(سورۃ النساء: ۴۷)

([1])مرجع سابق۔

([2])دیکھیے تفسیر ابن کثیر (جلد 1، صفحہ 381)۔۔

([3])یہ خبر سیرۃ ابن ھشام میں ہے (جلد 2، صفحہ 161)۔

([4])الحافظ ابن کثیر نے الفتح میں بیان کیا ہے (جلد 7، صفحہ 696) کہ عبداللہ بن صوریا کا اسلام صحیح راستے سے ثابت نہیں ہوا۔
اسی طرح (جلد 7، صفحہ 695) انہوں نے ذکر کیا کہ جب کئی یہودی رہنماؤں، مثلاً کعب بن اسد وغیرہ کا ذکر کیا، تو یہ واضح ہوا کہ ان میں سے کسی کا بھی اسلام ثابت نہیں ہوا۔

ترجمہ: اے اہل کتاب! ایمان لے آؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا ہے، جو اُس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم کچھ چہروں کو مٹا دیں اور انہیں اُن کی پیٹھوں کی طرف پھیر دیں، یا اُن پر لعنت کریں جیسے ہم نے سَبت والوں پر لعنت کی تھی، اور اللہ کا حکم تو ہر صورت ہو کر ہی رہنے والا ہے [1]۔

بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو بلایا اور اُن سے ایک بات پوچھی، مگر انہوں نے وہ بات آپ ﷺ سے چھپالی اور اس کے بجائے کچھ اور بات بتادی۔ پھر انہوں نے یہ ظاہر کیا گویا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے درست جواب پیش کیا ہے، اور جو انہوں نے چھپایا تھا اُس پر خوش ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: {وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ (187) لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ}(سورۃ آل عمران: 187–188) →

ترجمہ: اور جب اللہ نے اُن سے عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اسے ضرور لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے، تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی، کتنا برا ہے جو وہ خریدتے ہیں۔ تم ہر گز یہ نہ سمجھنا کہ جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا اُس پر بھی ان کی تعریف کی جائے، وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ [آل عمران: ۱۸۷-۱۸۸] [2]۔

([1]) یہ واقعہ **سیرۃ ابن ہشام** میں مذکور ہے (جلد 2، صفحہ 173)۔

([2]) اس حدیث کو البخاری نے روایت کیا ہے (کتاب التفسیر، باب "لا تحسبن الذین یفرحون بما أوتوا"، رقم الحدیث 4568)۔ اسی حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے (کتاب صفات المنافقین وأحکامھم، رقم الحدیث 2778)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ کتاب کے لیے عتاب اور ڈانٹ ہے، اور اُن کے لیے سخت وعید ہے۔ ان سے انبیاء کی زبانوں کے ذریعے عہد لیا گیا تھا کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور لوگوں میں اُن کا ذکر بلند کریں گے تاکہ لوگ اُس کے لیے تیار رہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں بھیجے تو وہ ان کی پیروی کریں۔ لیکن انہوں نے اس حقیقت کو چھپالیا اور دنیا و آخرت کی بھلائی اور وعدہ کردہ خیر کے بدلے میں معمولی سا دنیاوی فائدہ اور حقیر سا حصہ لے لیا۔ پس کیا ہی بُری سودے بازی ہے جو انہوں نے کی، اور کیا ہی بُرا لین دین ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔

اور اس میں علماء کے لیے اس بات پر تنبیہ ہے کہ وہ ان کے راستے پر اگر چلیں گے تو انہیں بھی اسی طرح سے پھٹکار لگے گی جس طرح سے انہیں لگی، ان کے ساتھ بھی وہی انجام ہوگا جو ان کے ساتھ ہوا، اس لئے علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاس موجود عمل صالح کی جانب رہنمائی کرنے والے نفع بخش علم کو لوگوں میں عام کریں، اور ان میں سے کچھ بھی نہ چھپائیں، کئی طرق سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " **جس سے کسی علم کے بارے میں سوال کیا گیا اور اس نے چھپالیا تو اسے قیامت کے دن جہنم کے آگ کی لگام پہنائی جائے گی** "[1]۔

امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فنحاص[2] سے جو کی یہودیوں کے علماء

([1]) یہ حدیث امام أحمد نے مسندہ میں بیان کی ہے (رقم الحدیث: 7571) اور ابن ماجہ نے اسے سنن میں، باب "من سُئِل عن علم فکتمہ" کے تحت نقل کیا ہے (رقم الحدیث: 266)۔ دونوں کے اسناد صحیح ہیں۔ مزید برآں، الحافظ ابن کثیر نے اس حدیث پر تبصرہ کیا ہے تفسیرہ (جلد 2، صفحہ 180) میں۔

([2]) الحافظ ابن کثیر نے **الفتح** (جلد 7، صفحہ 695) میں بیان کیا ہے کہ بعد ازاں جب وہ عددی فہرست بیان کرتے ہیں، جن میں **فنحاص** شامل تھا، تو انہوں نے کہا: "فھؤلاء لم یثبت إسلام أحدٍ منھم" یعنی ان میں سے کسی کا اسلام ثابت نہیں ہوا۔

اور احبار میں سے تھا کہا کہ اللہ رب العالمین سے ڈر اور اسلام قبول کر لے؛ اللہ کی قسم تو جانتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے بھیجے گئے ہیں اور تمہارے پاس اللہ کے پاس سے حق بات لے کر آئے ہیں اور تم آپ کے بارے میں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو، تو فنحاص نے کہا: اے ابو بکر! اللہ کی قسم ہم اللہ رب العالمین کے محتاج نہیں ہیں وہ خود ہمارا محتاج ہے، ہم اس طرح سے اس کے سامنے سے آہ وزاری نہیں کرتے جس طرح وہ ہمارے سامنے آہ وزاری کرتا ہے، اور ہم اس سے بے نیاز ہیں اگر وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہمارے مال ہم سے قرض جیسا کہ تمہارا ساتھی[1] گمان کرتا ہے، وہ تمہیں سود سے منع کرتا ہے اور وہ ہمیں سود دیتا ہے، اگر وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔

پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ غصہ ہوئے اور فنحاص کے چہرے پر دے مارا، فنحاص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر سے کہا تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے ابھارا ہے چنانچہ انہوں نے اس کی خبر دی تو فنحاص نے اس کا انکار کر دیا اور کہا میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔

اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقير ونحن اغنياء سنكتب ما قالوا وقتلهم الانبياء بغير حق ونقول ذوقوا عذاب الحريق))[آل عمران: ۱۸۱][2]۔

---

[1] صاحبکم کا مطلب یہاں ہے: آپ کا رسول، یعنی حضرت محمد ﷺ۔

[2] یہ کہانی ابن اسحاق کی السیرۃ النبویۃ (جلد 2، صفحہ 171) میں بیان کی گئی ہے، مگر وہاں اسے بغیر سند کے نقل کیا گیا ہے۔ بعد ازاں، امام الطحاوی نے اسے شرح مشکل الآثار میں ذکر کیا (رقم الحدیث: 1830) اور اس کا سند حسن قرار دیا۔ مزید برآں، الحافظ ابن حجر العسقلانی نے اسے فتح الباری (جلد 9، صفحہ 99) میں بھی نقل کیا اور اس کی سند کو مزید مضبوط بنایا۔

ان کی جانب سے فتنہ پھیلانے کا ارادہ

ابن اسحاق کہتے ہیں: کعب بن اسد اور ابن صلوبا اور عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا: تم ہمیں محمد کے پاس لے کر چلو ہو سکتا ہے ہم اسے اس کے دین سے پھیر دیں کیونکہ وہ انسان ہیں چنانچہ وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے کہا اے محمد تم جانتے ہو کہ ہم یہود کے بڑے عالم اور ان کے سردار اور امیر لوگ ہیں اور اگر ہم تمہاری پیروی کریں تو سارے کے سارے یہود تمہاری پیروی کریں گے اور وہ ہماری مخالفت نہ کریں گے اور ہمارے اور ہماری قوم کے بعض لوگوں کے درمیان جھگڑا ہے کیا ہم ان کو آپ کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے لے کر آئیں اور آپ ہمارے لئے ان کے خلاف فیصلہ کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم نے یہ بات نہ مانی اور اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوك عن بعض ما انزل اللہ الیك فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم، وان کثیرا من الناس لفاسقون افحکم الجاھلیہ یبغون ومن احسن من اللہ حکما[1] لقوم یوقنون))[المائدۃ: ۴۹-۵۰][2]۔

اور یہود کی ایک جماعت نے آپس میں کہا: آؤ ہم محمد اور اس کے ساتھیوں پر نازل کی گئی چیز پر صبح ایمان لاتے ہیں اور شام میں انکار کر دیتے ہیں تاکہ ہم ان پر ان کے دین کو مشکوک کر سکیں ہو سکتا ہے وہ اسی طرح سے کریں جس طرح سے ہم کرتے ہیں، اور وہ بھی اپنے دین سے پھر جائیں تو اللہ رب العالمین نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل: ((یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق

([1]) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا (جلد 3، صفحہ 131): یعنی، اللہ سے زیادہ عدل کرنے والا کون ہے؟ جو شخص اللہ کے شریعت کو سمجھ کر ایمان لاتا ہے، یقین رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اللہ تعالی سب سے بہتر حکمران ہے اور اپنی مخلوق پر اپنی رحمت والدہ کی اولاد پر رحمت سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی ہر چیز سے باخبر، ہر چیز پر قادر اور ہر معاملے میں عدل کرنے والا ہے۔

([2]) یہ خبر ابن ھشام کی سیرت میں موجود ہے (جلد 2، صفحہ 179)۔

بالباطل وتكتمون الحق وانتم تعلمون وقالت طائفه من اهل الكتاب امنوا بالذى انزل على الذين امنوا وجه النهار واكفروا اخره لعلهم يرجعون ولا تؤمنوا الا لمن تبع دينكم قل ان الهدى هدى الله[1] ان يؤتى احد مثل ما اوتيتم أو يحاجوكم عند ربكم قل ان الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء[2] والله واسع عليم))[آل عمران: ۷۱-۷۳][3]۔

اللہ رب العالمین کا مسلمانوں کو ان سے محبت کرنے سے منع کرنا

ابن اسحاق کہتے ہیں: رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث نے اسلام ظاہر کیا اور نفاق میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ان دونوں سے محبت ظاہر کرتے تھے تو اللہ رب العالمین نے یہ فرمان نازل فرمایا: ((يا ايها الذين امنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم والكفار اولياء واتقوا الله ان كنتم مؤمنين)) فرمان باری تعالیٰ: ((واذا جاؤوكم قالوا امنا وقد دخلوا بالكفر وهم قد خرجوا به والله اعلم بما كانوا يكتمون)) تک [المائدۃ: ۵۷-۶۱][4]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہودیوں میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھے کیونکہ ان کے درمیان جاہلیت میں جوار اور حلف[5] کا رشتہ تھا، اللہ رب

---

(1) حافظ ابن کثیر نے فرمایا (جلد 2، صفحہ 60): یعنی وہی اللہ ہے جو مومنوں کے دلوں کو کامل ایمان کی طرف ہدایت دیتا ہے، اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر اتاری گئی واضح آیات، قطعی دلائل اور روشن حجتوں کے ذریعے۔ اور اگر تم — اے یہود — محمد ﷺ کی صفات کو اپنی قدیم کتابوں میں چھپاتے ہو، تو بھی اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت قائم ہے۔

(2) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا (جلد 2، صفحہ 60): یعنی تمام امور اس کے اختیار میں ہیں، اور وہی دینے والا اور روکنے والا ہے۔ وہ جسے چاہے ایمان، علم اور مکمل بصیرت عطا کرتا ہے، اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے، اس کی نظر اور بصیرت کو اندھا کر دیتا ہے، اس کے کان اور دل پر مہر لگا دیتا ہے، اور اس کی نظر پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اسی کے پاس دلیل اور حکمت ہے۔

(3) یہ خبر ابن ہشام کی سیرت میں موجود ہے (جلد 2، صفحہ 166)۔

(4) یہ خبر ابن ہشام کی سیرت میں موجود ہے (جلد 2، صفحہ 181)۔

(5) حلف کی اصل: معاہدہ اور عہد، یعنی ایک دوسرے کی مدد، تعاون اور اتفاق۔ دیکھیں النہایۃ (جلد 1، صفحہ 407)۔

العالمین نے ان کو دوست بنانے سے منع کرتے ہوئے یہ فرمان نازل فرمایا:((یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانہ من دونکم لا یالونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الایات ان کنتم تعقلون ھا وتم تحبونھم ولا یحبونکم وتؤمنون بالکتاب کلہ واذا لقوکم قالوا امنا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور))[آل عمران:۱۱۸-۱۱۹] (1)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اِن آیات کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو منافقین کو اپنا دلی مشیر اور رازدار بنانے سے منع فرمارہا ہے۔یعنی اُنہیں اپنے بھید اور دل کے ارادے ظاہر نہ کریں، کیونکہ وہ اپنے دشمنوں تک یہ سب باتیں پہنچاتے ہیں۔ منافقین اپنی پوری کوشش اور طاقت سے اہلِ ایمان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ یعنی وہ ہر ممکن طریقے سے اُن کی مخالفت کرنے، انہیں ضرر پہنچانے، دھوکہ اور فریب دینے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان کو سختی اور مشقت میں ڈالیں، اُنہیں پریشانی میں مبتلا کریں اور اُن پر تنگی ڈالیں۔(2)

● ان کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں نازل ہونے والے قرآن سے متعلق سوال:

اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتے تھے اس لئے نہیں کہ وہ حق کو جانیں بلکہ تکبر اور مذاق اڑاتے ہوئے ایسا کرتے تھے چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

(1) یہ خبر ابن ھشام کی سیرت میں موجود ہے (جلد ۲، صفحہ ۱۷۱)۔

(2) دیکھیں کلام الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں (جلد ۲، صفحہ ۱۰۶)۔

ساتھ ایک کھیتی میں تھا[1] آپ ایک کھجور کی ٹہنی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے تو یہودیوں[2] کا گذر ہوا اور بعض لوگوں نے بعض نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھو تو انہوں نے کہا: تمہاری اس کے بارے میں کیا ضرورت ہے؟

تو بعض نے کہا: کہیں تمہارے سامنے ایسی چیزیں نہ پیش کرے جسے تم ناپسند کرتے ہو، تو انہوں نے کہا ان سے سوال کرو چنانچہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور ان کا کوئی جواب نہیں دیا، تو مجھے پتا چلا کہ آپ کی جانب وحی کی جارہی ہے تو پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا، پھر جب وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ویسالونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا))[الاسراء: ۸۵][3]۔

([1])النووي نے شرح صحیح مسلم میں (جلد ۱۷ صفحہ ۱۱۳) فرمایا: یہ کاشت یا زرعی زمین کا مقام ہے۔ اور ایک دوسری روایت صحیح بخاری میں (حدیث نمبر ۱۲۵) میں ہے: یہ مدینہ کے خَرِب میں تھا۔ — خرب (بکسر الخاء) جمع ہے خربۃ کا، اور خرب کے برعکس عامر یعنی آباد یا آبادکاری والا مقام ہے۔ الحافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۳۱۸) میں کہا: پہلی روایت زیادہ درست ہے، کیونکہ مسلم نے اپنی صحیح میں (حدیث نمبر ۲۷۹٤ و ۳٤) ابن مسعود سے الفاظ میں روایت کی ہے: "یہ نخل میں تھا"۔

([2])باقی روایات میں، کتاب العلم (حدیث نمبر ۱۲۵)، کتاب الاعتصام (حدیث نمبر ۷۲۹۷)، اور کتاب التوحید (حدیث نمبر ۷٤٥٦) میں صحیح بخاری میں درج ہے، اور مسلم کی صحیح میں بھی (حدیث نمبر ۲۷۹٤) روایت ہے: "جب یہود کا ایک گروہ گزر رہا تھا..." الحافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۳۱۹) میں کہا: اس اختلاف کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے ملے، لہٰذا یہ درست ہے کہ ہر ایک گروہ دوسرے کے پاس سے گزرا۔

([3])میں نے کہا: یہ ظاہر کرتا ہے کہ آیت روح {وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ...} مدینہ میں نازل ہوئی۔ لیکن امام احمد نے اپنی مسند میں (حدیث نمبر ۲۳۰۹) اور ترمذی نے جامع میں (کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ بنی إسرائیل، حدیث نمبر ۳٤۰۷) صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قریش نے یہود سے کہا: "ہمیں کچھ دے دو تاکہ ہم اس شخص سے سوال کریں"۔ یہود نے جواب دیا: "اس سے روح کے بارے میں پوچھو"۔ پھر جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا} "اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دے: روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں علم میں کچھ ہی دیا گیا ہے۔" الحافظ ابن حجر نے فتح الباری (۹/ ۳۱۹) میں کہا: یہ ممکن ہے کہ نزول ایک سے زیادہ بار ہوا ہو، اور دوسری بار کے سکوت (خاموش رہنے) کو اس بات کے لیے لیا جائے کہ مزید وضاحت کی توقع تھی، اور اگر یہ قبول کر لیا جائے تو درست ہے، ورنہ پہلی روایت سب سے صحیح ہے۔

تو بعض لوگوں نے کہا: ہم نے تم سے کہا تھا کہ تم ان سے نہ پوچھ[1]۔

فوائد حدیث

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں کئی فوائد ہیں:

1-عالم سے قیام یا چلنے کی حالت میں سوال کرنا جائز ہے اگر اس سے ان پر بوجھ نہ پڑے۔

2-اس میں صحابہ کا نبی ﷺ کے ساتھ ادب اور غالب گمان پر عمل کرنے کا بیان ہے۔

3-اس میں یہ بھی ہے کہ جسے نص کے آنے کی توقع ہو وہ اجتہاد سے جواب دینے سے رک جائے۔

4-اس میں یہ بات بھی ہے کہ بعض معلومات کا حقیقی علم اللہ ہی کے پاس مخصوص ہے۔

5-س میں یہ بھی ہے کہ کبھی امر طلب کے علاوہ معانی کے لیے بھی وارد ہوتا ہے، واللہ اعلم[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہود نے کہا ہمیں بہت زیادہ علم دیا گیا ہے ہمیں تورات دیا گیا ہے اور جسے تورات دیا گیا اسے بہت زیادہ خیر دیا گیا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((قل لو كان البحر مدادا لكلمات ربي لنفد البحر))[الكهف،: ١٠٩][3]۔

([1]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے–کتاب العلم–باب قولہ تعالی: {وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا} –حدیث نمبر (١٢٥)۔ اور اسی نے کتاب التفسیر–باب "ویسالونک عن الروح"–حدیث نمبر (٤٧٢١) میں بھی نقل کی۔ نیز مسلم نے اپنی صحیح میں – کتاب صفات المنافقین وأحکامھم–باب "سؤال الیھود النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن الروح"–حدیث نمبر (٢٧٩٤) میں نقل کی۔

([2]) **فتح الباري** (٩/ ٣٢٣)۔

([3]) یہ حدیث **الإمام أحمد** نے اپنے مسند میں نقل کی ہے–حدیث نمبر (٢٣٠٩)، اور **ابن حبان** نے اپنی صحیح میں نقل کی–کتاب العلم–حدیث نمبر (٩٩)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ رب العالمین فرمارہے ہیں:
اے محمد اگر سمندر کا پانی سیاہی بن جائے اس قلم کے لیے جس سے اللہ رب العالمین کے کلمات اور اس کی حکمتیں اور اس کی دلالت کرنے والے نشانیوں کو لکھا جاتا ہے تو سمندر کا پانی ختم ہو جائے یعنی ان کی کتابت سے پہلے سمندر کا پانی ختم ہو جائے، اگرچہ اس کے مثل دوسرا دریا بھی لے آئیں پھر دوسرا پھر دوسرا اس طرح کتنا بھی لایا جائے تو بھی اللہ رب العالمین کے کلمات ختم نہ ہوں گے [1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور طیالسی نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں یہودیوں کی ایک جماعت ایک دن اللہ کے رسول صلی علیہ وسلم کے پاس آئی اور انہوں نے کہا اے ابو القاسم ہمیں چند کاموں کے بارے میں بتائیں جن کے بارے میں ہم آپ سوال کریں گے ان کے بارے میں صرف نبی ہی جانتے ہیں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا: تم مجھ سے جو چاہو سوال کرو لیکن میرے لیے اللہ رب العالمین کا ذمہ بناؤں اور وہ چیز جو یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے بیٹوں سے لی تھی اگر میں تمہیں کوئی چیز بیان کروں ہ، س اسے تم سمجھ جاؤ تو تم اسلام پر میری پیروی کروگے۔

انہوں نے کہا: آپ کے لئے وہ سب ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس تم سوال کرو جو بھی چاہتے ہو۔

ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں چار خصلتوں کے بارے میں بتایئے جن کے بارے میں ہم آپ سے سوال کر رہے ہیں آپ ہمیں کھانے کے بارے میں بتائیں جس کو اسرائیل [2] نے اپنے آپ پر تورات کے نازل ہونے سے پہلے حرام کر لیا تھا، اور ہمیں عورت اور مرد کے پانی کے بارے میں بتلائیں اور اس سے مونث اور مذکر کیسے ہوتا ہے، ہمیں اس نبی کی نیند والی حالت کے بارے میں میں بتلائیں اور فرشتوں میں سے تمہارا دوست کون ہے؟

([1]) **مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (۵/ ۲۰۴)۔**

([2]) **اسرائیل:** یہ یعقوب علیہ السلام ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر اللہ کا عہد و پیمان ہے اگر میں تمہیں کوئی بات بتاؤں تو تم میری پیروی کروگے۔

تو انہوں نے آپ کو جو آپ نے عہد و میثاق چاہا دے دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ رب العالمین کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تورات کو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل یعقوب بہت سخت مرض میں مبتلا تھے[1]؟..... اور ان کی بیماری بہت لمبی چلی تھی، تو انہوں نے اللہ رب العالمین کے لئے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں اس بیماری سے شفا عطا کی تو وہ اپنے اوپر سب سے محبوب پانی اور سب سے محبوب کھانے کو حرام کرلیں گے، اور ان کے نزدیک سب سے محبوب شراب اونٹ کا دودھ تھا اور سب سے محبوب کھانا اونٹ کا گوشت تھا۔

تو انہوں نے کہا: ہاں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تو ان پر گواہ ہو جا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ رب العالمین کا واسطہ دیتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے جس نے موسی علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا کیا تم جانتے ہو کہ آدمی کا پانی موٹا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی باریک اور پیلا ہوتا ہے تو جو بھی غالب آئے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے اللہ رب العالمین کے حکم سے، اور اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے

([1]) وہ مرض جو یعقوب علیہ السلام کو لاحق ہوا: یہ عرق النساہے۔ ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے – کتاب التفسیر – باب ومن سورۃ الرعد – حدیث نمبر (۳۳۸۰) – اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی – حدیث نمبر (۲٤۸۳) – حسن سند کے ساتھ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، کہ انہوں نے کہا: یہود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: "یاابا القاسم! ہم آپ سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں..." انہوں نے پوچھا: "ہمیں بتائیں اسرائیل نے اپنے اوپر کیا حرام کیا؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے عرق النسا کی شکایت تھی، اور اسے صرف اونٹ کا گوشت اور دودھ ہی مناسب لگتا تھا، اسی لیے اس نے یہ حرام کردیا..." ابن القیم نے زاد المعاد (٤/ ٦٦) میں فرمایا: عرق النساوہ درد ہے جو کولہے کے جوڑ سے شروع ہوتا ہے، اور ران کے پچھلے حصے تک جاتا ہے، کبھی کبھی ایڑی تک بھی۔ جتنا زیادہ وقت یہ درد رہتا ہے، اتنا زیادہ پاؤں اور ران کمزور ہو جاتے ہیں۔

ہے تو اللہ کے حکم سے وہ مذکر ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے مونث ہوتی ہے۔

تو انہوں نے کہا: ہاں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ تو ان پر گواہ ہو جا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ رب العالمین کا واسطہ دیتا ہوں جس نے موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم جانتے ہو کہ اس نبی کے آنکھ سوتے ہیں لیکن ان کا دل نہیں سوتا ہے[1]۔

تو انہوں نے کہا: ہاں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان پر گواہ ہو جا۔

تو انہوں نے کہا: آپ اب ہمیں یہ بتایئے کہ فرشتوں میں تمہارا دوست کون ہے، اس کے بعد یا تو ہم تمہارے ساتھ رہیں گے یا ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دوست جبریل ہیں اور اللہ رب العالمین نے کسی نبی کو نبوت نہیں کیا کبھی بھی مگر یہ کہ وہ اس کے دوست ہوتے ہیں۔

تو انہوں نے کہا: بس اس کے بعد ہم آپ کو چھوڑ دیں گے اگر آپ کا دوست فرشتوں میں سے کوئی اور ہوتا تو ہم آپ سے بیعت کر لیتے اور آپ کی تصدیق کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو تمہیں اس کی تصدیق سے کیا چیز مانع ہے۔

([1])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (٣٥٦٩)، اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (٧٣٨) (١٢٥) – عائشہ رضی اللہ عنہا سے، جنہوں نے کہا: میں نے کہا: "یا رسول اللہ، کیا آپ وتر سے پہلے سوتے ہیں؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :**میری آنکھ سوتی ہے لیکن میرا دل نہیں سوتا"۔**

اور بخاری کی صحیح میں ایک اور روایت ہے – حدیث نمبر (٣٥٧٠) – انس رضی اللہ عنہ سے، کہ انہوں نے کہا ... :**اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سوتی تھی لیکن دل نہیں سوتا، اور یہی حال دیگر انبیاء کا بھی تھا، کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔**

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں کہا(٦/ ١٩) :**یہ انبیاء کی خاص خصوصیات میں سے ہے، اللہ کی صلوات اور سلام ہو ان پر۔**

انہوں نے کہا: یہ تو فرشتوں میں سے ہمارا دشمن ہے تو اللہ رب العالمین نے بات نازل کی:((قل من كان عدوا لجبريل فانه نزله على قلبك باذن الله))البقرۃ:۹۷] آیت کے آخر تک اور یہ بھی آیت نازل ہوئی: ((فباءوا بغضب على غضب))[البقرۃ:۹۰][1]

ابن اسحاق کا آیت کے نزول میں وہم

ابن اسحاق نے اپنی سیرہ[2] میں ذکر کیا ہے کہ یہود میں سے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے سوال کیا اے محمد یہ جو تمہیں سکھاتا ہے وہ انسان ہے یا جنات ہے؟ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رہی بات اللہ کی قسم تم یقینا جانتے ہو کہ اللہ رب العالمین کے پاس سے ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں تم اسے اپنی تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو، انہوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو بھیجتا ہے تو وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، تو آپ ہمارے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتاریئے جس کو ہم پڑھیں اور پہچان لیں، ورنہ ہم جو آپ لے کر آتے ہیں اس طرح سے آپ کے پاس لے کر آئیں گے، اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی:((قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان يأتوا بمثل هذا القران لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا))[الاسراء:88]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات میں نظر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس کا پورا پورا سیاق قریش کے ساتھ ہے، اور یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں جمع ہوئے تھے، واللہ اعلم[3]۔

([1])حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۲۵۱٤)۔ اور الطیالسی نے اپنی مسند میں روایت کی ہے—حدیث نمبر (۲۸۵٤)۔

([2])دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۲/ ۱۸۳)۔

([3])دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (۵/ ۱۱۷)۔

یہودیوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رجم کے حکم سے متعلق سوال:

شیخان نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: یہود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے آپ کے پاس ایک ایسے آدمی اور عورت کا ذکر کیا جنہوں نے زنا کیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "تورات میں رجم کے بارے میں کیا پاتے ہو؟"

انہوں نے کہا: ہم انہیں رسوا کریں گے اور انہیں کوڑے لگائے جائیں گے۔

عبداللہ بن سلام جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے انہوں نے کہا: اس نے جھوٹ کہا بے شک اس میں رجم کا حکم ہے، چنانچہ وہ تورات لے کر آئے اور اسے کھولا دونوں میں سے ایک نے رجم والی آیات پر اپنا ہاتھ رکھ لیا، اور اس نے اس کے پہلے اور بعد کی باتیں پڑھیں۔

عبداللہ بن سلام نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ چنانچے اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو وہاں پر آیت رجم موجود تھی۔

لوگوں نے کہا: انہوں نے اے محمد سچ کہا، اس میں رجم والی آیت موجود ہے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں حکم دیا اور انھیں رجم کر دیا گیا[1]۔

اور صحیح مسلم، امام احمد کی مسند میں ایک دوسری روایت میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کوڑے لگا کر منہ پر کالے پوتے ہوا گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور کہا کیا تم اپنی کتاب میں زنا کی حد اسی طرح پاتے ہو؟

([1])امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے—کتاب الحدود—باب أحكام أهل الذمة—حدیث نمبر (٦٨٤١)۔ اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے—کتاب الحدود—باب رجم الیھود "أهل الذمة في الزنى"—حدیث نمبر (١٦٩٩)۔

تو انہوں نے کہا: ہاں، وہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور کہا: ((میں تمہیں اللہ کا حوالہ دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی، کیا تم اپنی کتاب میں زنا کی حد اس طرح سے پاتے ہو؟))۔

اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم، اور اگر تم مجھے اس کا واسطہ نہ دیتے تو میں تمہیں ہیں اس کی بابت نہ بتلاتا، ہم اپنی کتاب میں زنا کی حد رجم پاتے ہیں، لیکن یہ ہمارے بڑے لوگوں میں عام ہو گیا، جب ہم امیر شخص کو پاتے تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور کو پاتے تو اس پر حد نافذ کرتے، تو ہم نے کہا آؤ ہم ایک ایسی راہ تلاش کریں جو ہم امیر اور غریب سب پر نافذ کریں چنانچہ ہم نے کوڑے لگانے اور کالا پوتنے پر اتفاق کیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ میں تیرے حکم کو سب سے پہلے زندہ کرنے والا ہوں جبکہ ان لوگوں نے اسے مار دیا تھا۔

وہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، تو رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((یا ایها الرسول لا یحزنك الذین یسارعون فی الكفر)) فرمان باری تعالی: ((یقولون ان أوتیتم هذا فخذوه)) تک۔ [المائدہ: 41]۔

وہ کہتے تھے حضرت محمد کے پاس جاؤ اگر وہ تمہیں کالا پوتنے اور کوڑے مارنے کا فتوی دیں تو اسے لے لو اور اگر تمہیں رجم کا حکم دے تو اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((ومن لم یحكم بما انزل الله فاولئك هم الكافرون)) [المائدۃ: ٤٤]۔

اور اللہ تعالی نے یہود کے بارے میں اپنے اس فرمان باری تعالیٰ ارشاد فرمایا: ((ومن لم یحكم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون))، ((ومن لم یحكم بما انزل الله فاولئك هم الفاسقون)) [المایدۃ: ٤٦-٤٧]۔

راوی کہتے ہیں: یہ سب کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے حکم کی موافقت میں فیصلہ کیا، اور یہ ان کے عقیدہ کے مطابق صحیح کو الزام کرنے کے باب سے نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر حال میں شریعت محمدی کی اتباع کے مامور ہیں، لیکن یہ اللہ رب العالمین کی آپ کی طرف اس تعلق سے خاص وحی کے ذریعے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے سوال کرنا اس لئے تھا کہ آپ ان کے پاس موجود حکم سے اس کو ثابت کر دیں، جس کے چھپانے اور انکار کرنے، اور لمبے زمانے تک اس پر عمل کرنے پر ان لوگوں نے اتفاق کیا ہوا تھا، چنانچہ جب انہوں نے اس کے خلاف عمل کے باوجود اس کا اعتراف کیا، تو اس سے یہ پتہ چلا کہ کہ وہ جھٹلانے دشمنی اور گمراہی میں اپنے پاس موجود کتاب کی صحت کے خلاف تھا، اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم بنانا نفسانی خواہشات اور ان کی رائے کی موافقت کے سبب تھا، نہ کہ وہ آپ کے حکم کی صحت کا اعتقاد رکھتے تھے، اسی لئے ان لوگوں نے کہا: ((ان اوتیتم ھذا)) یعنی کوڑے لگانا اور منہ کالا کرنا، ((فخذوہ)) یعنی اسے قبول کرلو ((وان لم تؤتوہ فاحذروا))[المائدۃ: ٤١]، یعنی؛ اسکے قبول کرنے اور پیروی کرنے سے[2]۔

یہودیوں کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دیت کے حکم سے متعلق سوال:

اسی طرح سے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دیت کے حکم سے متعلقہ بھی سوال کیا، جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح اور ابو داود نے اپنی سنن میں قوی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قریظہ اور نضیر نامی دو قبیلے تھے، اور

([1]) امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الحدود – باب رجم الیھود أھل الذمۃ في الزنی – حدیث نمبر (١٧٠٠)۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (١٨٥٢٥)

([2]) ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر (٣/ ١١٦).

نضیر کے لوگ قریظہ سے زیادہ مقام والے تھے، انہوں نے کہا: جب قریظہ کا کوئی شخص نضیر کے کسی شخص کو قتل کرتا، تو وہ اس کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا تھا اور جب نضیر کا کوئی شخص قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرتا تو اس کی دیت سو وسق [1] کھجور کی دی جاتی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو نظیر کے ایک شخص نے قریظہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا، تو انہوں نے کہا: تم اسے ہمارے حوالے کرو تاکہ ہم اسے قتل کریں، تو انہوں نے کہا: ہمارے اور تمہارے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں گے پھر وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور یہ آیت نازل ہوئی: ((وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط))[المائدۃ: ٤٢]۔

اور قسط کا معنی ہے کہ جان کے بدلے جان۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ((أفحکم الجاھلیہ یبغون))[المائدۃ: ٥٠][2]۔

اور امام احمد کی مسند اور ابو داؤد کی سند میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مروی ہے کہ فرمان باری تعالی: ((فان جاءوك فاحكم بينهم او اعرض عنهم وان تعرض عنه فلا يضروك شيئا، وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط ان الله يحب المقسطين))، [المائدۃ: ٤٢]۔ وہ کہتے ہیں کہ جب بنو نظیر کے لوگ بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرتے تھے تو وہ انہیں آدھی دیت دیتے تھے، اور جب بنو قریظہ کے لوگ بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرتے تھے تو وہ پوری دیت دیا کرتے تھے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان دیت کو برابر کر دیا[3]۔

([1]) ساٹھ صاع کو کہا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: النھایۃ (٥/ ١٦١).

([2]) یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے — کتاب القضاء — باب الإخبار عن السبب الذي من أجله أنزل الله جل وعلا {وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ} — حدیث نمبر (٥٠٥٧)۔ اور امام ابو داود نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے — کتاب الدیات — باب النفس بالنفس — حدیث نمبر (٤٤٩٤)۔

([3]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر (٣٤٣٤) — اور ابو داود نے اپنی سنن میں — کتاب الأقضیۃ — باب الحکم بین أھل الذمۃ — حدیث نمبر (٣٥٩١).

***

مدینہ کے مشرکین کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رویہ

مدینہ کے کچھ لوگ اپنی **شرک کی حالت** پر قائم رہے اور اسلام میں داخل ہونے سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض قریش سے جا ملے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف **اشتعال دلانے** لگے۔ ان میں سب سے مشہور **ابو عامر راہب** اور **عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول** تھے۔

جہاں تک **ابو عامر** کا تعلق ہے تو اس کا نام **عمرو بن صَیفی** تھا، وہ **بنی ضُبَیعہ بن زید** (قبیلہ اوس) میں سے تھا۔ وہ **حنظلہ غسیل الملائکہ** کا والد تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں اس نے نصرانیت اختیار کر لی تھی اور اہلِ کتاب کا علم پڑھا تھا۔ اس میں جاہلیت میں عبادت گزاری بھی پائی جاتی تھی اور قبیلہ خزرج میں بڑا مرتبہ اور شرف رکھتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور مسلمان آپ پر جمع ہو گئے اور اسلام کا بول بالا ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کے دن غلبہ عطا فرمایا تو یہ ملعون ابو عامر غصے سے اپنی تھوک تک نگل نہ سکا۔ اس نے کھلم کھلا دشمنی اختیار کی اور اس پر اصرار کیا، پھر بھاگ کر مکہ کے کافروں یعنی مشرکینِ قریش کے پاس جا پہنچا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر بھڑکایا۔ وہ ان عرب قبائل کے ساتھ مل گئے جو ان کے ہم خیال تھے اور سالِ اُحد میں مدینہ پر چڑھ آئے۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہوا، اور اللہ نے انہیں آزمائش میں ڈالا، لیکن آخر کار انجام متقین کے حق میں ہی رہا۔ یہ فاسق (ابو عامر) صفوں کے درمیان گڑھے کھود گیا تھا۔ انہی میں سے ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ گر گئے اور اس دن آپ ﷺ زخمی ہو گئے: آپ کے چہرہ مبارک پر زخم آیا، دائیں طرف کا نچلا دانت (رباعیہ) شہید ہو گیا اور سرِ مبارک زخمی ہو گیا۔ اور یہ شخص اپنی کفر و شرک کی حالت پر ہی مر گیا۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر [1]۔

([1]) ملاحظہ کریں: **سیرۃ ابن ہشام** (۲/ ۱۹۷)۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کا قصہ:

رہی بات عبداللہ بن ابی ابن سلول[1] کی اس پر اللہ رب العالمین کی لعنت ہو وہ خزرج کے بنو حبلی قبیلے کا ایک فرد تھا، اور اس کے قوم میں اس کی اطاعت کی جاتی تھی، اور اس کے قوم میں سے دو لوگ بھی اس کے مقام میں مخالفت نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی اس سے پہلے یا بعد میں اوس اور خزرج کے لوگ دونوں گروہوں میں سے اس کے علاوہ کسی ایک شخص پر متفق ہوئے تھے، اور اس کی قوم کے لوگوں نے اس کے لئے موتیوں کا ہار بنوایا تھا تاکہ اس کو پہنائیں اور اسے اپنا بادشاہ بنالیں، پھر اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو بھیجا جب وہ اسی حالت پر تھے چنانچہ جب اس کی قوم کے لوگ اسلام کی طرف پھر گئے تو وہ دشمنی پر اتر آیا، اور اس نے ایک خیال کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے، اور وہ اپنے کفر پر باقی رہا پس جب اس نے اپنی قوم کو دیکھا کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں تو وہ بھی اپنی نفاق اور دشمنی پر قائم رہتے ہوئے ناپسندیدگی کے باوجود اسلام میں داخل ہو گیا، اور یہ غزوہ بدر کبریٰ کے بعد کا واقعہ ہے[2]۔

([1]) یہ عبداللہ بن اُبَيّ بن سلول خزرجی ہے، کنیت ابوالحباب (حرپ پیش کے ساتھ) تھی، اور ابن سلول کے نام سے مشہور ہوا۔ سلول اس کی والدہ کی جدہ (دادی) تھی۔ وہ اسلام میں سردار المنافقین تھا اور مدینہ کے رہنے والا تھا۔ جاہلیت کے آخری دور میں خزرج کا سردار تھا۔ بدر کے واقعے کے بعد اس نے تقیہ کرتے ہوئے اسلام کا اظہار کیا۔ مسلمانوں پر جب بھی کوئی مصیبت آتی، وہ ان پر خوش ہوتا، اور جب بھی ان کے خلاف کوئی بری خبر سنتا تو اس کو پھیلا دیتا، اس کے اس بارے میں کئی واقعات منقول ہیں۔ جب وہ مر گیا (لعنت ہو اس پر)، نبی کریم ﷺ آگے بڑھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: {وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ} (سورۃ التوبۃ، آیت ٨٤) وہ اپنے نفاق ہی پر مرا۔ وہ بڑا لمبا چوڑا تھا، گھوڑے پر سوار ہوتا تو اس کے پاؤں زمین کو لگتے تھے۔ مزید دیکھیں: الأعلام للزركلي (٤/ ٦٥)۔

امام ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (١/ ٣٢٣) میں کہا: "نہ دنیا حاصل کی اور نہ آخرت، ہم اللہ سے عافیت چاہتے ہیں۔"

([2]) ملاحظہ کریں: سیرۃ ابن ہشام (٢/ ١٩٦-١٩٧)۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے پر ایک خاص کپڑے[1] پر سوار ہوئے اور آپ نے اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے سوار کیا، اور سعد بن عبادہ کی زیارت کے لئے بنو حارث بن خزرج[2] میں واقعہ بدر سے پہلے نکلے، یہاں تک کہ آپ کا گزر ایک مجلس سے ہوا جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بیٹھا ہوا تھا ابھی تک وہ اسلام نہیں لایا تھا[3]، اس وقت مجلس میں مسلمان اور اور بت پرست اور یہودی مشرک بھی بیٹھے ہوئے تھے، اسی مجلس میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے، جب مجلس پر جانور کے چلنے سے اڑنے والا غبار پہنچا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا اور کہا: تم ہمارے اوپر غبار نہ اڑاؤ، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سلام کیا[4] اور پھر کھڑے ہو گئے اور نیچے اترے، اور انہیں اللہ رب العالمین کی طرف بلایا اور ان پر قرآن کی تلاوت کی۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: اے آدمی اگر جو تم کہتے ہو وہ سچ ہے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے، مگر تم ہمیں ہماری بیٹھنے کی جگہوں میں تکلیف نہ دو، تم اپنے پڑاؤ کی جانب جاؤ اور جو وہاں آئے اسے یہ باتیں سناؤ۔

([1]) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰۰/۹) میں فرمایا: "قطیفۃ فدکیہ" یعنی ایک موٹا کمبل یا کپڑا جو فَدَک کی طرف منسوب ہے، فَدَک (ف کے زبر اور دال کے زبر کے ساتھ) مدینہ سے دو منزل کے فاصلے پر ایک مشہور مقام ہے۔

([2]) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰۰/۹) میں فرمایا: یعنی یہ (مقام) بنو حارث کے گھروں میں تھا، اور یہ سعد بن عبادہؓ کی قوم ہے۔

([3]) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰۰/۹) میں فرمایا: یعنی اسلام ظاہر کرنے سے پہلے۔

([4]) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰۰/۹) میں فرمایا: اس سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے ساتھ کفار بھی موجود ہوں تو ان پر سلام کرنا جائز ہے، اور ایسی حالت میں سلام کا قصد صرف مسلمانوں کے لیے ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس نے سلام کیا اس نے ایسی عام عبارت استعمال کی ہو جس میں تخصیص مقصود ہو، جیسا کہ (نبی کریم ﷺ کے فرمان میں ہے): "السلام علی من اتبع الہدی" (ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلامتی ہو)۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں ہماری مجلسوں میں یہ بات سنایئے ہم اسے پسند کرتے ہیں۔

تو مسلمانوں مشرکوں اور یہودیوں کے درمیان بات چیت ہونے لگی اور قریب تھا کہ وہ لڑنے لگ جائیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خاموش کراتے رہیں یہاں تک کہ وہ پر سکون ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے یہاں تک کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس جا پہنچے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: اے سعد کیا تم ابو حباب[1] یعنی عبداللہ بن ابی کی بات نہیں سنتے ہو؟ اس نے ایسی ایسی بات کہی ہے۔

سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اس کو معاف فرما دیجیے اور در گزر کیجیے، قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، یقیناً اللہ تعالیٰ وہی حق لے کر آیا ہے جو آپ پر اُتارا گیا، اور اس جھیل (بحیرہ) کے لوگوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ اسے بادشاہ بنائیں اور اس کے سر پر پٹی (تاج باندھنے کی علامت) باندھیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اس حق کے ذریعے ردّ کر دیا جو آپ کو دیا ہے تو وہ اس بات پر تنگ دل ہو گیا، پس اسی وجہ سے اس نے وہ حرکت کی جو آپ نے دیکھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ مشرکین اور اہلِ کتاب کو اسی طرح معاف کر دیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ نے انہیں حکم دیا تھا، اور وہ تکالیف پر صبر کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ}" اور تم ضرور اُن لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور مشرکین سے بہت سی

([1]) "بضم الحاء"، یہ عبداللہ بن اُبی کا کنیت ہے، اور نبی ﷺ نے اس موقع پر انہیں اسی کنیت سے پکارا کیونکہ وہ اس کنیت سے مشہور تھے یا صلح اور ہم آہنگی کے مقصد کے لیے۔ اس وقت اسلام جیسا کہ آگے آنے والی حدیث میں واضح ہو گا، ظاہر نہیں ہوا تھا۔

تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ یقیناً بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔"(آل عمران:186) [1]۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ}"اہلِ کتاب میں سے اکثر لوگ اپنی طرف سے حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں، حالانکہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے۔ پس تم انہیں معاف کرو اور در گزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"(البقرۃ:109) اور نبی کریم ﷺ عفو و در گزر کے بارے میں اسی پر عمل کرتے تھے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں (یعنی قتال و سزا دینے کے) حکم کی اجازت مرحمت فرمائی [2]۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ سے کہا گیا: "اگر آپ عبداللہ بن اُبَی (رئیس المنافقین) کے پاس جائیں؟" تو نبی کریم ﷺ اُن کے پاس جانے کے لیے نکلے اور آپ گدھے پر سوار تھے، اور مسلمان آپ کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے۔ وہ جگہ دلدلی زمین تھی۔ جب نبی

([1]) حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۱۸۰): "تو جو شخص حق پر کھڑا ہوتا ہے، یا بھلائی کا حکم دیتا ہے، یا برائی سے روکتا ہے، اسے ضرور تکلیف پہنچتی ہے، اور اس کا علاج صرف اللہ میں صبر کرنا، اللہ کی مدد لینا، اور اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔"

([2]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے) **کتاب التفسیر - باب: وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا - حدیث نمبر ٤٥٦٦** (اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کی ہے) **کتاب الجهاد والسير - باب: نبی ﷺ کی دعا اور منافقوں کے اذیت پر صبر - حدیث نمبر ١٧٩٨**۔

کریم ﷺ عبداللہ بن اُبی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: "اپنے آپ کو مجھ سے دور رکھو! اللہ کی قسم، آپ کے گدھے کی بدبو نے مجھے اذیت پہنچائی ہے"۔

تو ایک انصاری شخص نے کہا: "اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی خوشبو تیری خوشبو سے بہتر ہے۔" پس عبداللہ بن اُبی کے قبیلے کا ایک آدمی اس کے لیے غصے میں آیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ پھر ہر ایک کے ساتھی اپنے اپنے آدمی کے لیے غصے میں آ گئے، اور ان کے درمیان کھجور کی شاخوں، جوتوں اور ہاتھوں سے مار پیٹ ہونے لگی۔ پھر ہمیں خبر پہنچی [1] کہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: {وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا}"اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دو"۔(الحجرات:9) [2][3]

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: حدیث میں درج ذیل فوائد پائے جاتے ہیں:

([1]) حافظ الفتح (٥/ ٦٣٧) کے مطابق، حدیث کے راوی أنس بن مالک -رضي اللہ عنہ- ہیں۔

([2]) حافظ الفتح (٥/ ٦٣٧) نے ذکر کیا کہ ابن بطال نے مذکورہ آیت کے نزول میں اشکال کیا، یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد: {وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا} ۔ یہ اس کہانی میں آتی ہے کیونکہ مخاصمت اس وقت ہوئی تھی جب حضرت نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ والے صحابہ اور عبداللہ بن اُبي کے صحابہ (جو اُس وقت کفار تھے) آپس میں لڑے، اس لیے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ {طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ} ۔ مزید یہ کہ اس کہانی میں أنس اور أسامۃ متحد تھے، اور روایت أسامۃ میں آیا ہے کہ مسلمان اور مشرک دونوں لڑے۔ یہ مسئلہ بعض احکام پر "تغلیب" کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے، حالانکہ ایک اور اشکال یہ ہے کہ حدیث أسامۃ واضح کرتی ہے کہ یہ بدر سے پہلے ہوا اور عبداللہ بن اُبي اور اس کے ساتھی اس وقت مسلمان نہیں تھے، جبکہ مذکورہ آیت سورۃ الحجرات میں بعد میں نازل ہوئی، لیکن ممکن ہے کہ آیتِ اصلاح قدیماً نازل ہوئی ہو، اس طرح اشکال دور ہو سکتا ہے۔

([3]) یہ حدیث بخاری کی صحیح میں بھی ہے -کتاب الصلح- باب: "ماجاء في الإصلاح بين الناس" -رقم الحدیث (٢٦٩١) اور مسلم کی صحیح میں - کتاب الجهاد والسير - باب: "دعاء النبي -رضي اللہ عنہ- وصبره على أذى المنافقين" - رقم الحدیث (١٧٩٩)۔

1- نبی کریم ﷺ کی **صبر، حلم اور اللہ کے راستے میں اذیت سہنے کی اعلیٰ صفت** واضح ہوتی ہے۔

2- اس میں **اللہ کی طرف دعا اور دلوں کو نیکی و حسن سلوک پر ہم آہنگ کرنے** کا درس ہے۔

3- یہ حدیث یہ بھی بیان کرتی ہے کہ **گدھے پر سوار ہونا بزرگان دین کے مرتبہ میں کسی کمی یا عیب کا سبب نہیں۔**

4- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی **نبی ﷺ کے ساتھ ادب، تعظیم اور شدید محبت** اور یہ کہ جو بزرگ کے لیے کسی بات کی نشاندہی کرے، وہ **عرض کے انداز میں کرے نہ کہ جزم و سختی** سے۔

5- اس میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ **تعریف میں بعض اوقات مبالغہ جائز ہے**، جیسا کہ صحابی نے کہا کہ "گدھے کی خوشبو عبداللہ بن اُبی کی خوشبو سے بہتر ہے"، اور نبی ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔[1]

قریش کا مشرکین مدینہ کے ذریعے استغلال:

قریش نے اس معاملے کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا، اور مکہ کے مشرکین نے اپنی راہِ گمشدگی ابن سلول میں پائی، کیونکہ وہ ان کے مذہب پر تھا۔ اس لیے انہوں نے اسے خطوط لکھے تاکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائے اور وہ وہی کام کرے جو وہ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے خلاف مکہ میں کرتے تھے۔ حضرت ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمن بن کعب بن مالک اور ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ: کفار قریش نے ابن اُبی اور اس کے ساتھ بت پرست اوس و خزرجیوں کو خط لکھا، اور فرمایا: "اللہ کی قسم! تم نے ہمارا ساتھی پناہ دی

([1]) دیکھیں: فتح الباري (٥/ ٦٣٨)۔

ہے، ہم تم سے لڑیں گے یا اسے نکال دیں گے، یا ہم سب تمہارے پاس آئیں گے تاکہ تمہارے مقابل لڑنے والے کو قتل کریں اور تمہاری عورتوں پر حقِ غلبہ حاصل کریں۔" جب یہ بات عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھ بت پرستوں تک پہنچی تو وہ جمع ہو گئے تاکہ نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کریں۔ جب یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا: "یقیناً قریش کی تم پر جو دھمکی آئی ہے وہ مبالغہ آمیز ہے۔ جو تم چاہتے ہو، اپنے نفس کے لیے، اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف لڑنا چاہتے ہو، اس سے زیادہ نہیں۔" اس بات کے بعد، جب انہوں نے نبی ﷺ کی یہ نصیحت سنی تو وہ بکھر گئے اور منتشر ہو گئے۔ (1)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نگرانی

رسول ﷺ کی حفاظت: رسول اللہ ﷺ قریش کی مکاریوں سے محتاط رہنے کے لیے رات کو کبھی بھی بغیر ہوشیاری کے نہیں سوتے تھے، بلکہ یا تو جاگ کر رہتے یا اپنے صحابہ کی حفاظت میں ہوتے۔ حضرت بخاری اور مسلم رحمہا اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مدینہ میں جاگ کر گزارا اور فرمایا: "کاش میرے صحابہ میں سے کوئی نیک آدمی آج رات میری حفاظت کرے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی وقت ہم یہ حالت میں تھے کہ اچانک ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ کون ہے؟"

انہوں نے فرمایا: یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: "تم یہاں کیسے آئے؟"

---

(1) یہ حدیث امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب: "في خبر النضير"، رقم حدیث (٣٠٠٤)۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے لیے خوف پیدا ہوا، اس لیے میں آیا ہوں تاکہ آپ کی حفاظت کروں"[1]۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی، اور پھر آرام سے سو گئے[2]۔

فوائد حدیث :

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جس سے بہت سے فوائد ہیں

1-دشمن سے خبردار رہنا اور اس کے لئے تیاری کرنا۔

2-لوگوں پر لازم ہے کہ اپنی جان اور سلطنت کی حفاظت کریں تاکہ قتل و نقصان سے بچ سکیں۔

3-اس میں نیک اور بھلے کام کرنے والے کی تعریف اور اسے صالح کہلانے کا سبق بھی شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سب کچھ اپنے طاقتور بھروسے اور توکل کے ساتھ انجام دیا۔ آپ ﷺ نے دن اُحد میں دو زِرّہ دار لباس پہنے، سر پر مغفر رکھا، اور سپاہیوں کو پہاڑی چوٹی پر بٹھایا، اور شہر کے گرد خندق کھودی۔ اس کے باوجود، جب جنگ سخت ہوئی تو آپ سب سے آگے تھے۔ آپ ﷺ نے کھانے پینے کے وسائل بھی خود فراہم کیے اور اپنے اہل خانہ کے لیے ضروریات کا انتظام کیا۔ آپ ﷺ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے تھے کہ آسمان سے آئے، حالانکہ وہ سب سے زیادہ حق دار تھے کہ یہ سب ان کے لیے حاصل ہو۔ توکل عملِ دل ہے، اور وسائل اختیار کرنا عملِ بدن؛

([1])امام نووی نے **شرح مسلم** (١٤٨/١٥) میں فرمایا: علماء نے کہا کہ یہ حدیث سورۃ المائدۃ کی آیت (٦٧) کے نزول سے پہلے کی ہے: {وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ}، کیونکہ اس وقت نبی ﷺ نے اپنی حفاظت ترک کر دی تھی اور صحابہ کو بھی حکم دیا کہ وہ ان کی حفاظت سے ہٹ جائیں۔

([2])اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا، **كتاب الجهاد والسير**، باب: "الحراسة في الغزو في سبيل الله"، رقم حدیث (٢٨٨٥)؛ اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا، **كتاب فضائل الصحابة**، باب: "فضل سعد بن أبي وقاص -رضي الله عنه-"، رقم حدیث (٢٤١٠) (٤٠)۔

دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: {وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي} "لیکن تاکہ میرا دل اطمینان حاصل کرے۔" نیز ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا: "کیا میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں اور توکل کروں، یا اسے آزاد کر دوں اور توکل کروں؟

نبی ﷺ نے فرمایا: "اسے باندھ دو اور توکل کرو[1]"۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ احتیاط اور تدابیر اختیار کرنے سے توکل میں کمی نہیں آتی، بلکہ یہ اس کا حصہ ہے، واللہ اعلم[2]۔

اور امام حاکم نے مستدرک میں ایک حدیث نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام بیہقی نے بھی دلائل نبوہ میں ابی بن کعب سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ آئے اور انصار نے انہیں پناہ دیا اور سارے عرب نے ایک تیر سے انہیں نشانہ بنایا تو وہ بغیر ہتھیار کے نہ رات کرتے تھے اور نہ ہی صبح کرتے تھے[3]۔

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ سہل بن حنظلہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز کے لیے اذان دی گئی[4] تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے لگے آگے اور آپ گھاٹی کی طرف توجہ دیا کرتے تھے[5]۔

([1]) صحیح حدیث: امام ترمذی نے اپنی جامعہ میں روایت کیا، **کتاب صفة القيامة والرقائق والورع**، باب (٥٠)، رقم حدیث (٢٦٨٦)؛ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا، **کتاب الرقائق**، باب: "الورع والتوكل"، رقم حدیث (٧٣١)۔

([2]) دیکھیں: **فتح الباری** (١٧٦/٦) اور (٣٧٣/١١)۔

([3]) الحاکم نے اپنی المستدرک میں روایت کیا، **کتاب التفسیر**، باب: "شأن نزول آية {وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ}"، رقم حدیث (٣٥٦٤)؛ اور البیہقی نے **دلائل النبوة** (٦/٣) میں بھی ذکر کیا۔

([4]) **التثويب في صلاة الفجر**: یہ ہے کہ مؤذن صبح کی نماز میں کہے: "الصلاة خير من النوم" دو مرتبہ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: **النهاية** (٢٢١/١)۔

([5]) ابن القیم نے زاد المعاد (٢٤٣/١) میں فرمایا: یہ توجہ (التفات) جو انسان نماز میں جہاد کی فکر میں کرے، عبادات کے دائرے میں آتی ہے، جیسے نماز خوف۔ اور اس کے قریب ہے عمر رضی اللہ عنہ کا قول: "میں نماز میں ہوتے ہوئے بھی لشکر تیار کرتا ہوں"، یعنی یہ نماز اور جہاد دونوں کا امتزاج ہے۔ یہ اثر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: صحیح بخاری، کتاب العمل في الصلاة، باب: "يفكر الرجل الشيء في الصلاة"

اور امام ابوداود نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو نگرانی کے لیے گھاٹی کی طرف ایک گھوڑ سوار بھیجا تھا[1]۔

اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں حسن سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((والله يعصمك[2] من الناس))[المائدۃ:٦٧] تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبے سے اپنا سر نکالا اور ان سے کہا اے لوگو تم واپس چلے جاؤ اللہ رب العالمین نے میری حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے[3]۔

قریش کی طرف سے انصار کو مسجد حرام سے روکنے کی کوشش

اور قریش کے لوگ ہر طرف سے مہاجرین اور ان کو پناہ دینے والے انصار کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے انصار کو مسجد حرام سے روکنے کی کوشش کی اور یہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ اور ابو جہل -اس پر اللہ کی لعنت ہو- کے قصے میں بالکل واضح نظر آتا ہے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں سعد بن معاذ عمرہ کرنے کے لئے نکلے اور امیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے اور جب وہ شام جاتا تھا تو مدینہ سے گزرتے ہوئے سعد رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس رکتا تھا، تو امیہ نے سعد سے کہا: کیا

(معلق)، اور اسے ابن ابی شیبہ نے بھی اپنے مصنف میں روایت کیا ہے (رقم الحدیث ٨٠٣٤)، اور اس کا سند صحیح ہے جیسا کہ حافظ نے الفتح (٤١٨/٣) میں کہا۔

(1) اس کی تخریج ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا، کتاب الصلاۃ، باب: "النظر في الصلاة" (رقم الحدیث ٩١٦)۔

(2) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں (١٥١/٣) فرمایا: "تو میری پیغام رسانی کر، میں تمہارا حافظ، مددگار، دشمنوں پر مدد دینے والا اور فتح دینے والا ہوں۔ لہٰذا نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ تمہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ نبی ﷺ اس آیت کے نزول سے پہلے پہرے دار رکھا کرتے تھے۔

(3) امام ترمذی نے اپنی جامعہ میں روایت کیا، **کتاب التفسیر**، باب: "ومن سورة المائدة" (رقم الحدیث ٣٠٤٦)، اور ابن الاثیر نے جامع الأصول (١١٨/٢) میں بھی ذکر کیا، اور اس کا سند حسن ہے جیسا کہ حافظ نے الفتح (١٧٦/٦) میں فرمایا۔

میں دوپہر ہونے کا انتظار نہ کروں ، جب دوپہر ہو جائے اور لوگ غافل ہو جائیں تو جا کر کے طواف کروں۔

جب سعد طواف کر رہے تھے اسی وقت ابو جہل آیا اور اس نے کہا: یہ کون ہے جو کعبہ کا طواف کر رہا ہے؟

سعد نے کہا: میں سعد ہوں۔

ابو جہل نے کہا: تم خانہ کعبہ کا طواف امن وامان کے ساتھ کر رہے ہو جب کہ تم نے محمد اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دے رکھی ہے؟۔

تو سعد نے کہا: ہاں! چنانچہ دونوں کے درمیان کہی سنی ہو گی، تو سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اللہ کی قسم اگر تو نے مجھے خانہ کعبہ کے طواف سے روکا تو میں شام جانے سے تیرے تجارتی قافلہ کو روک دوں گا۔

صحیح بخاری میں دوسری روایت کے اندر ہے سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اللہ کی قسم اگر تو نے مجھے اس سے منع کیا تو میں اس سے زیادہ سختی چیز سے منع کروں گا مدینہ سے راستہ روک دوں گا۔

تو امیہ نے سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: تم ابو الحکم پر اپنی آواز نہ اٹھاؤ کیونکہ وہ اس وادی کا سردار ہے، چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ غصہ ہوئے اور امیہ سے کہا تو مجھے چھوڑ دے، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ تجھے قتل کریں گے، اس نے کہا: مجھے،

انہوں نے کہا: ہاں[1] اس نے کہا: اللہ کی قسم! محمد جب بات کرتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا۔۔۔ وہ اسی طرح یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے بدر میں اسے قتل کر دیا[2]۔

فوائد حدیث

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں کئی فوائد ہیں:

1- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح معجزات۔

3- اور اس میں سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کی قوت اور یقین کا بیان ہے۔

3- اور اس میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ عمرے کا رواج بہت ہی پرانا ہے۔

4- اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کرنے سے پہلے بھی عمرے کی اجازت تھی حج کے برخلاف، اللہ اعلم۔[3]

([1]) اور ایک دوسری روایت میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ: سعدؓ نے اُمیہ سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "یقیناً وہ تمہیں قتل کریں گے"۔ اُمیہ نے پوچھا: کیا مکہ میں؟ سعدؓ نے کہا: مجھے نہیں معلوم۔ تو اس بات پر اُمیہ سخت گھبرا گیا اور سخت ڈر گیا۔

([2]) اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب المغازی، باب: "ذکر النبي ﷺ من یقتل ببدر" (حدیث نمبر ۳۹۵۰)۔ اور اسی کو کتاب المناقب، باب: "علامات النبوة في الإسلام" (حدیث نمبر ۳۶۳۲) میں بھی روایت کیا ہے۔

([3]) ملاحظہ ہو: فتح الباري (۸/ ۱۰)۔

جہاد[1] کی مشروعیت

امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں مضبوط سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے تاکہ صرف اللہ رب العالمین کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے اور میرا رزق میرے نیزے کے نیچے بنایا گیا ہے اور میری مخالفت کرنے والوں کے لئے ذلت اور خواری ہے اور جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہے[2]۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: "اور نبیِّ الملحمۃ[3] ﷺ وہ ہیں جنہیں اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کے لیے بھیجا گیا۔ قبل ازیں کوئی نبی اور اس کی امت اس طرح جہاد نہیں کرتے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت نے کیا۔ یہ وہ بڑی جنگیں (الملاحم) ہیں جو ان کی امت اور کفار کے درمیان ہوئی د[4] اور ہوتی رہتی ہیں، جن جیسی مثال پہلے کسی زمانے میں نہیں ملتی۔ آپ کی

([1]) جہاد: کفار سے لڑائی کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے اپنی پوری طاقت اور وسعت کو کام میں لانا، خواہ قول کے ذریعے ہو یا عمل کے ذریعے۔ کہا جاتا ہے: "جهد الرجل في الشيء" یعنی اس نے کسی کام میں بھرپور محنت کی اور مبالغہ کیا۔ اور "جاهد في الحرب" یعنی اس نے جنگ میں کوشش اور جہاد کیا۔ ملاحظہ ہو: النھایۃ (۱/ ۳۰۸)۔

([2]) امام بخاریؒ نے اسے اپنی صحیح میں معلق ذکر کیا ہے (کتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في الرماح)، اور طحاوی نے اسے شرح مشکل الآثار (حدیث ۲۳۱) میں بسند قوی متصل روایت کیا ہے۔ اور امام ذہبیؒ نے سیر أعلام النبلاء (۱۵/ ۵۰۹) میں ذکر کیا اور فرمایا: اس کی سند صالح ہے۔

([3]) امام ابن حبانؒ نے اپنی صحیح (کتاب التاریخ، باب صفته ﷺ وأخباره، حدیث ۶۳۱۴) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے نام بتاتے، آپ ﷺ نے فرمایا: "میں محمد ہوں، احمد ہوں، المقفّی ہوں، الحاشر ہوں، نبی الرحمہ ہوں، اور نبی الملحمہ ہوں۔" اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح (کتاب الفضائل، باب في أسمائه ﷺ، حدیث ۲۳۵۵) میں اس روایت کو ذکر کیا ہے مگر "نبی الملحمۃ" کے الفاظ کے بغیر۔

([4]) الملحمۃ: اس سے مراد جنگ اور قتال کی جگہ ہے۔ اس کی جمع الملاحم آتی ہے۔ یہ لفظ اس سے ماخوذ ہے کہ لوگ اس میں آپس میں گتھم گتھا اور باہم مختلط ہو جاتے ہیں۔ دیکھیے: النھایۃ (٤/ ٢٠٦).

امت نے کفار کو زمین کے مختلف خطوں میں صدیوں کے سلسلے میں مارا، اور ان بڑی جنگوں میں ایسے کارنامے انجام دیے جو کسی اور امت نے نہیں کیے"[1]۔

احمد شوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالُوا غَزَوْتَ، وَرُسْلُ اللهِ مَا بُعِثُوا ... لِقَتْلِ نَفْسٍ وَلَا جَاؤُوا لِسَفْكِ دَمِ

جَهْلٌ وتَضْلِيلُ أَحْلَامٍ وَسَفْسَطَةٌ ... فتَحْتَ بِالسَّيْفِ بَعْدَ الفَتْحِ بِالقلَمِ

لَمَّا أَتَى لَكَ عَفْوًا كُلُّ ذِي حَسَبٍ ... تَكَفَّلَ السَّيفُ بالجُهَّالِ والعَمَمِ

والشَّرُّ إِنْ تَلْقَهُ بِالْخَيرِ ضِقْتَ بِهِ ... ذَرْعًا وإِنْ تَلْقَهُ بِالشَّرِّ يَنْحَسِمِ

●●●

[1] دیکھیے: زاد المعاد (1/ 93)۔

جہاد کے مراتب

جب یہ بات معلوم ہو گئی تو یہ جان لیں کے جہاد کے چار مراتب ہیں: جہاد نفس، جہاد شیطان، جہاد کفار، جہاد منافقین۔

جہاد نفس کے بھی چار مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ: یہ کہ نفس کو جہاد کرے تاکہ **ہدایت اور دینِ حق** سیکھے، جس کے بغیر نہ دنیا میں کامیابی ہے اور نہ آخرت میں خوشی۔ جب علم اس سے چھوٹ جائے، تو دونوں جہانوں میں خسارہ ہے۔

دوسرا مرتبہ: یہ کہ نفس کو علم کے بعد **اس پر عمل کرنے کی کوشش** کرے، کیونکہ صرف علم، بغیر عمل کے، اگر نقصان نہ دے تو فائدہ بھی نہیں پہنچاتا۔

تیسرا مرتبہ: یہ کہ نفس **دعوت اور علم دوسروں تک پہنچانے میں جدوجہد** کرے، تاکہ جو نہیں جانتے انہیں سکھائے، ورنہ وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو اللہ کی ہدایت اور واضح دلائل کو چھپاتے ہیں، اور ان کا علم نہ فائدہ دے گا اور نہ اللہ کے عذاب سے نجات دلائے گا۔

چوتھا مرتبہ: یہ کہ نفس دعوتِ اللہ میں مشکلات اور اذیت برداشت کرنے میں صبر کرے، اور یہ سب اللہ کے لیے کرے۔ جب یہ چار مراتب مکمل ہو جائیں، تو وہ شخص ربانی کہلائے گا۔ سلف صالحین متفق ہیں کہ جو عالم صرف علم رکھتا ہے لیکن عمل، تعلیم اور صبر کے مراتب پر پورا نہیں اترتا، وہ ربانی [1] نہیں کہلائے گا۔ جو شخص علم جانتا ہے، اس پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے، وہ آسمانوں کی بادشاہت میں عظیم شمار ہوتا ہے۔

([1]) ربّانی: وہ عالم جو علم و دین میں راسخ ہو، یا وہ جو اپنے علم کے ذریعے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو چاہے۔ دیکھیے: النہایۃ (۲/ ۱٦۷).

رہی بات شیطان کے ساتھ جہاد کی :

تو اس کے دو مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ: یہ کہ نفس کو جہاد کرے تاکہ **ایمان میں شبہات اور شک پیدا کرنے والی چیزوں** کو دفع کرے۔

دوسرا مرتبہ: یہ کہ نفس کو جہاد کرے تاکہ **فساد انگیز ارادے اور خواہشات** کو دفع کرے۔

چنانچہ پہلے جہاد کے بعد یقین ہوگا اور دوسرے کے بعد صبر ،فرمان باری تعالیٰ ہے:

{وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ} [السجدة: ٢٤]، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **دین کی قیادت اور رہنمائی** صرف صبر اور یقین کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔ صبر **خواہشات اور فاسد ارادوں** کو دفع کرتا ہے۔ یقین **شبہات اور شکوک** کو دفع کرتا ہے۔

رہی بات کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کی

تو اس کے چار مراتب ہیں:

دل سے، زبان سے، مال اور نفس سے، اور کافروں سے جہاد ہاتھ کے ساتھ خاص ہے اور منافقوں کے ساتھ جہاد زبان سے زیادہ خاص ہے۔

رہی بات ظالموں اور بدعات اور منکرات کے پاس داروں سے جہاد کی

تو اس کے تین مراتب ہیں:

اگر قدرت ہو تو ہاتھ سے اور اگر عاجز ہو تو زبان کی طرف منتقل ہو اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو دل سے جہاد کرے یہ جہاد کے 13 مراتب ہیں، "**اور جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ**

وہ غزوہ نہ کیا ہو اور نہ ہی اپنے نفس میں غزوہ کا خیال لایا ہو، تو وہ نفاق کے ایک درجے پر مرتا ہے"[1]۔

[1] یہ روایت صحیح مسلم میں آئی ہے – کتاب الإمارۃ، باب: ذم من مات ولم یحدث نفسہ بالغزو، حدیث نمبر 1910۔ اور مزید دیکھیں: زاد المعاد (ج3، ص9 – 10)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا غزوہ کیا؟

شیخان نے اپنی صحیح ہے میں ابو اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں زید ابن ارقم کے بغل میں تھا ان سے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے ہیں؟ تو انہوں نے کہا:[1] انیس، کہا گیا: آپ نے ان کے ساتھ کتنے غزوات کئے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: سترہ، میں

([1]) الحافظ نے الفتح میں کہا (5/8): ''یہی انہوں نے کہا، اور مراد وہ غزوات ہیں جن میں نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- خود نکلے، چاہے لڑا ہو یا نہ لڑا ہو۔'' لیکن ابو یعلی نے ابو الزبیر کے راستے جابر سے روایت کی ہے کہ غزوات کی تعداد اکیس (21) ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، اور اس کا اصل صحیح مسلم میں ہے (حدیث نمبر 1813)۔ اس حساب سے، زید بن ارقم نے دو غزوات کا ذکر نہیں کیا، اور ممکن ہے وہ الأبواء اور بُواط ہوں، شاید یہ اس کے لیے چھپی رہیں کیونکہ وہ چھوٹا تھا۔ اور جو میں نے کہا اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے جو مسلم کی صحیح میں ہے (حدیث نمبر 1254) الفاظ کے ساتھ: "میں نے کہا: تو پہلی غزوۃ کون سی تھی جس میں وہ نکلے؟" انہوں نے کہا: ذات العشیر یا العشیرہ۔ اور العشیرہ تیسری غزوۃ ہے۔

اور ابن التین کا قول: ''زید بن ارقم کے قول کو یوں سمجھا جائے کہ العشیرہ پہلی غزوۃ تھی جس میں وہ، یعنی زید بن ارقم، غزا''۔ میں نے کہا: ''پہلی غزوۃ کون سی تھی جس میں وہ غزا؟ (یعنی آپ اس کے ساتھ تھے)؟'' انہوں نے کہا: العشیر۔ یہ بھی ممکن ہے، اور اس کے بعد کی دو غزوات اس کے لیے چھپی رہیں، یا اس نے دونوں غزوات کو ایک شمار کیا۔ کیونکہ موسی بن عُقبۃ نے کہا: نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- نے خود آٹھ غزوات میں لڑائی کی: بدر ثم اُحد ثم الأحزاب ثم المُصطلَق ثم خیبر ثم مکۃ ثم حنین ثم الطائف۔

اور اس نے غزوۃ قریظۃ کو نظر انداز کیا، کیونکہ اس نے اسے غزوۃ الأحزاب میں شامل کر دیا، اس لیے کہ یہ اسی کے بعد وقوع پزیر ہوئی۔ اور کسی اور نے اسے الگ شمار کیا کیونکہ یہ غزوۃ الأحزاب کے بعد منفرد طور پر ہوئی۔ اسی طرح، کسی اور نے غزوۃ الطائف اور غزوۃ حنین کو ایک شمار کیا، کیونکہ وہ آپس میں قریب وقت پر ہوئی تھیں۔ یوں یہ بات ممکن ہے کہ اس طرح زید بن ارقم کے قول اور جابر رضی اللہ عنہما کے قول دونوں کو یکجا سمجھا جائے۔

اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں تفصیل سے بیان کیا (۲/۲۵۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے خود جو غزوات انجام دی ہیں ان کی تعداد تئیس تک پہنچتی ہے، اور اسی کا اتباع الواقدی نے بھی کیا۔ یہ ابن اسحاق کی گنتی کے مطابق ہے، البتہ اس نے وادی القری کو خیبر سے الگ شمار نہیں کیا، جیسا کہ السُّھیلی نے اشارہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اضافی چھ غزوات اسی نوعیت کی ہیں۔ اسی بنیاد پر وہ روایات جو عبد الرزاق نے صحیح اسناد کے ساتھ سعید بن المسیب سے نقل کی ہیں، اس پر لاگو ہوتی ہیں، جس میں کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے چوبیس غزوات کیں۔ اور یعقوب بن سفیان نے سلمۃ بن شبیب کے ذریعے عبد الرزاق سے روایت کی ہے کہ سعید نے کہا: "شروع میں اٹھارہ، پھر کہا چوبیس۔" الزھری نے کہا: "مجھے معلوم نہیں کہ یہ غلط فہمی تھی یا کچھ اس کے بعد سنا۔" الحافظ نے کہا کہ اس روایت کو اسی طرح سمجھنا شک و شبہات کو دور کرتا ہے اور مختلف اقوال کو یکجا کرتا ہے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

نے کہا: ان میں سب سے پہلا غزوہ کونسا تھا؟ تو انہوں نے کہا: عسیرہ یا عشیر، چنانچہ میں نے قتادہ سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے کہا: عشیرہ[1]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس غزوے کیے جن میں سے آٹھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا[2]۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید بریدہ کا مقصد ان کے اٹھ میں قتال کرنے والی بات سے یہ ہو کہ اس میں غزوہ فتح داخل نہیں ہے، اور ان کا مذہب یہ ہوگا کہ مکہ صلح کے طور پر فتح کیا گیا، جیسا کہ امام شافعی اور ان کے موافقت کرنے والوں کا قول ہے[3]۔

وہ بڑے غزوات جن کے بارے میں قرآن نازل ہوئی:

رہی بات بڑے غزوات کی تو وہ سات ہیں: بدر، احد، خندق، خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک اور ان غزوات کے سلسلے میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں:

1- غزوہ بدر سے متعلق سورہ انفال کی آیتیں نازل ہوئی۔

([1]) اسے **البخاری** نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — **کتاب المغازی** — باب: **غزوۃ العشیرۃ یا العسیرۃ** — حدیث نمبر (4949)، اور اسے **مسلم** نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — **کتاب الجهاد والسير** — باب: **عدد غزوات النبي ﷺ** — حدیث نمبر (1254)۔

([2]) اسے **امام مسلم** نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — **کتاب الجهاد والسير** — باب: **عدد غزوات النبي ﷺ** — حدیث نمبر (1814)، اور مراد اس کے قول سے "رضی اللہ عنہ" یہ ہے کہ انہوں نے ان میں سے آٹھ غزوات میں خود شرکت کی: بدر، احد، الأحزاب، قریظۃ، المصطلق، خیبر، حنین، اور الطائف۔

([3]) دیکھیے: صحیح مسلم مع شرح نووی (12/ 164)۔

2-غزوہ احد سے متعلق سورہ آل عمران کی آخری آیات فرمان باری تعالی سے: ((واذ غدوت من اهلك تبوء المؤمنين مقاعد للقتال۔۔۔))[آل عمران: ۱۲۱] آخر سے کچھ پہلے تک کی آیتیں نازل ہوئیں۔

3-اور خندق اور قریظہ کے سلسلے میں سورہ احزاب کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

4-اور حدیبیہ یا اور خیبر کے قصے کے سلسلے میں سورہ فتح نازل ہوئی، اور اس میں فتح مکہ کی جانب کا اشارہ کیا گیا۔

5-اور فتح مکہ کا تذکرہ سورہ نصر میں ہوا ہے۔

6-اور غزوہ حنین کے سلسلے میں سورہ توبہ کی کچھ آیتیں نازل ہوئیں۔

7-اور غزوہ تبوک کے بارے میں سورہ توبہ نازل ہوئی۔

اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ قرآن میں ان سات غزوات کے علاوہ کسی کا تذکرہ نہیں ہے ہے بلکہ قرآن ان غزوات کے علاوہ کے سلسلے میں بھی نازل ہوا ہے، جیسے غزوہ بنو نضیر اور سورہ حشر کا نزول اسی سے متعلق تھا اس کے علاوہ اور کئی غزوات بھی مذکور ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے صرف غزوہ تبوک میں زخمی ہوئے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان میں سے بدر اور حنین اور احد میں فرشتوں نے قتال کیا تھا دوسرے اور تیسرے کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ ان غزوات کے بیان میں ان کی تحقیق آئے گی، اور خندق کے دن فرشتے نازل ہوئے تھے اور انہوں نے مشرکین کے قدم لڑکھڑا دیئے اور انہیں شکست دے دی تھی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے چہروں میں کنکری پھینکی تھی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے چنانچہ دو غزوے میں فتح حاصل ہوئی تھی بدر اور حنین میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں منجنیق سے قتال کیا تھا جو کہ غزوہ طائف

تھی،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں خندق کے ذریعے سے پناہ حاصل کی تھی جو کہ غزوہ احزاب تھی جس کے سلسلے میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آپ کو مشورہ دیا تھا[1]۔

قتال کا حکم

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراتے رہے بنا جنگ کئے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مشرکین کی مکاریوں اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرتے رہے کیونکہ اللہ رب العالمین نے انھیں تکلیف پر صبر کرنے اور رکے رہنے اور عفو درگزر کرنے کا حکم دے رکھا تھا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالی ہے: ((فاصدع بما تؤمر واعرض عن الجاهلين))[الحجر: ٩٤]،اور فرمان باری تعالی ہے: ((فاعفوا واصفحوا حتى يأتي الله بامره))[البقرة: ١٠٩]۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو اس وقت وہاں مسلمانوں کے ساتھ بت پرست مشرک اور یہودی بھی موجود تھے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تکلیف دیا کرتے تھے تو للہ رب العالمین نے اپنے نبی کو صبر اور درگزر سے کام لینے کا حکم دیا[2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مشرکین اور اہل کتاب سے اللہ کے حکم کے مطابق عفو ودرگزر سے کام لیتے تھے اور ان کی تکلیفوں پر صبر کیا کرتے تھے جیسے کہ اللہ رب العالمین کا

([1]) دیکھیں: **سبل الهدى والرشاد** (جلد 4، صفحہ 9)۔

([2]) اسے **ابو داؤد** نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے — **كتاب الخراج والإمارة والفيء** — باب: **یہود کو مدینہ سے نکالنے کا طریقہ** — حدیث نمبر (3000)۔

فرمان تھا:((ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلك من عزم الامور))[آل عمران: ۱۸۶]۔اور یہ بھی فرمان باری تعالیٰ ہے ((ود کثیر من اهل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسهم من بعد ما تبین لهم الحق فاعفوا واصفحوا حتی یاتی الله بامره))[البقرۃ: ۱۰۹]۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کے عفو ودر گزر سے متعلق امر کی تاویل کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے ان کے سلسلے میں قتال کا حکم دے دیا[1]۔

پھر جب مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی اور انصار کے اسلام قبول کرنے سے ان کو تقویت ملی تو اللہ رب العالمین نے مسلمانوں کو قتال کا حکم فرمایا، مگر ان پر اسے فرض نہ کیا۔

امام حاکم نے اپنی مستدرک اور نسائی نے سنن کبریٰ میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم طاقت میں تھے جبکہ ہم مشرک تھے پھر جب ہم نے اسلام قبول کر لیا تو ہم کمزور ہو گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے در گزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو تم قتال نہ کرو، پھر جب اللہ رب العالمین نے آپ کو مدینہ کی جانب منتقل ہونے کا حکم دیا تو قتال کا بھی حکم دیا[2]۔

([1])اسے **البخاری** نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — **کتاب التفسیر** —باب: {وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ} —حدیث نمبر (4566)۔

([2])اسے **الحاکم** نے اپنے المستدرک میں روایت کیا ہے — **کتاب الجهاد** —حدیث نمبر (2424)، اور الحاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے بخاری کے معیار پر، اور بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔ **الذهبی** نے اس کی تصدیق کیا ہے اور سے **النسائی** نے اپنی السنن الکبری میں روایت کیا ہے — **کتاب الجهاد** —باب: **جهاد کی وجوبیت** —حدیث نمبر (4279)۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بیعت عقبہ سے پہلے جنگ کی اجازت نہ دی گئی تھی اور نہ ہی خون کو آپ کے لئے حلال کیا گیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف بلانے کا حکم دیا گیا تھا اور تکلیفوں پر صبر اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اور قریش والوں نے آپ کی پیروی کرنے والوں کو خوب ستایا اور انہوں نے ان کے دین سے متعلق انہیں خوب ازمائش میں مبتلا کیا، اور انہیں ان کے گھروں سے جلاوطن کر دیا چنانچہ وہ اپنے دین کے سلسلے میں آزمائش میں تھے اور ان کے ہاتھوں میں عذاب دیئے جاتے تھے اور کچھ لوگ ان سے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے اپنے شہر میں بھی بھاگ گئے ہوئے تھے اور کچھ حبشہ کی سرزمین کی طرف چلے گئے تھے کچھ مدینہ کی طرف چلے گئے تھے اور ہر جانب بکھر گئے تھے۔

جب قریش کے لوگوں نے اللہ رب العالمین کے خلاف سرکشی شروع کی اور انہوں نے نے انہوں نے آپ کی دعوت کا انکار کر دیا اور نبی کو جھٹلا دیا اور انہوں نے اللہ کی عبادت کرنے والے اور توحید کا اقرار کرنے اور اس کے نبی کی پیروی کرنے اور اس کے دین کو مضبوط پکڑنے والے لوگوں کو جلاوطن کیا اور عذاب میں مبتلا کیا، تو اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو قتال کی اجازت دی اور جن لوگوں نے ان پر ظلم کیا تھا ان سے انتقام لینے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کی اجازت دینے اور ان کے خون کو آپ کے لئے حلال کرنے اور ظالموں سے قتال کے لیے سب سے پہلی آیت یہ فرمان باری تعالی نازل ہوئی: ((أذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومسجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ولينصرن الله من ينصره، ان الله لقوى عزيز الذين ان مكناهم فى الارض اقاموا الصلاه

واتوا الزكاة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور))[الحج: ٣٩-٤١] (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بے شک اللہ رب العالمین نے جہاد کو اس کے مناسب وقت میں مشروع قرار دیا کیونکہ جب وہ مکہ میں تھے تو مشرک زیادہ تعداد میں تھے اور اگر اللہ رب العالمین مسلمانوں کو حکم دیتا کہ وہ باقی لوگوں پر قتال کریں جبکہ وہ دسویں حصے کے برابر بھی نہ تھے تو یہ ان پر بھاری گزرتی اسی لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ والوں نے عقبہ کی رات بیعت کی جو کی اسی سے کچھ زیادہ تھے تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اس وادی والوں پر جا کر انہیں قتل نہ کر دیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے[2]۔

جب مشرکین نے سرکشی کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے اپنے درمیان سے نکال دیا اور آپ کو انہوں نے قتل کرنا چاہا اور انہوں نے آپ کے صحابہ کو کھدیڑ دیا، تو ان میں سے کچھ لوگ حبشہ کے لئے گئے، کچھ مدینہ چلے گئے، پھر جب وہ مدینہ میں آباد ہوئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں جا پہنچے اور لوگ اکٹھے ہو گئے اور وہ آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوئے تو وہ اب دار الاسلام قرار پایا اور ایک ایسی پناہ گاہ ہوئی جس میں وہ پناہ لے سکے تو اللہ رب العالمین نے دشمنوں سے جہاد کو فرض کیا تو یہ اس بارے میں سب سے پہلی آیت نازل ہوئی: ((اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق))[الحج: ٣٩-٤٠] [3]۔

([1]) یہ خبر **سیرۃ ابن ہشام** میں مذکور ہے (جلد 2، صفحات 80–81)۔

([2]) اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ بیعتِ عقبۃ ثانیہ کا ذکر آچکا ہے، اس لیے اسے ملاحظہ کریں۔

([3]) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (جلد ٥/ صفحہ ٤٣٤).

امام احمد نے اپنی مسند اور ابن حبان نے اپنی صحیح اور ترمذی نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالا گیا تو ابو بکر نے کہا: انہوں نے اپنے نبی کو نکال دیا ہے "اناللہ وانا الیہ راجعون" یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی: ((أذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير))[الحج: ٣٩]۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ جان لیا کہ جنگ ہو گی، ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ قتال کا سلسلہ میں پہلی آیت نازل ہوئی تھی[1]۔

امام نسائی نے سنن کبریٰ میں صحیح سند کے ساتھ زہری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قتال کے سلسلے میں سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی، جیسا کہ عروہ نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے مجھ سے بیان کیا ہے وہ یہ آیت ہے: ((أذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير))[2]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ رب العالمین نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں تو میں نے کہا: اے میرے رب یہ میرے سر کو پھوڑ دیں گے اور اسے پرندوں کو کھانے کے لیے چھوڑ دیں گے، اللہ رب العالمین نے فرمایا: انہیں اسی طرح سے نکالو جس طرح سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور ان سے قتال کرو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور تم خرچ کرو

([1])امام احمد نے اس کو اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (١٨٦٥) - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب السیر، باب فرض الجهاد - حدیث نمبر (٤٧١٠) - اور الترمذی نے جامعہ میں، کتاب التفسیر، باب ومن سورة الحج - حدیث نمبر (٣٤٤٤)۔

([2])نسائی نے اسے السنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے، کتاب التفسیر، باب سورة الحج - حدیث نمبر (١١٢٨٣) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے فتح (٨/٥) میں ذکر کیا اور اس کے سند کو صحیح قرار دیا۔

ہم تمہارے اوپر خرچ کریں گے اور تم لشکر بھیجو ہم اس کے پانچ گناہ بھیجیں گے اور تم اپنے اطاعت کرنے والوں کے ساتھ مل کر اپنی نافرمانی کرنے والوں سے قتال کرو))[1]۔

یہ لڑائی کی اجازت اس لیے دی گئی تاکہ باطل کو ختم کیا جائے اور مسلمانوں سے قریش کے ظلم و ستم کو دور کیا جائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے خلاف عام جنگ کی ہدایت نازل فرمائی، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔ اس حکمت کا مقصد، جو حالات کی بنا پر تھا—جن کی اصل وجہ قریش کی طاقت اور بغاوت تھی—یہ تھا کہ مسلمان قریش کے تجارتی راستے پر اپنا کنٹرول قائم کریں جو مکہ سے شام جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کنٹرول کے لیے دو منصوبے منتخب کیے:

پہلا: قریش کے قافلوں پر حملے کے لیے ایک کے بعد ایک چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنا۔

دوسرا: قریش کو کمزور کرنے کی کوشش کرنا، دفاعی معاہدوں میں داخل ہونا، اور مدینہ کے گرد موجود قبائل کے ساتھ جارحیت سے پرہیز کرنا، جن کی زمینوں سے قریش کے قافلے شام جاتے وقت گزرتے تھے۔ نبی ﷺ کے فوجی گشت کے دوران یہ معاہدے کیے گئے، جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہوگا۔[2]

([1])اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجنۃ زصفۃ نعیمھا و اھلھا، باب الصفات التی یعرف بھا في الدنیا أھل الجنۃ و أھل النار حدیث نمبر (2865)(63) پر کیا ہے۔

([2])دیکھیں: الرّحیق المختوم، صفحہ ۱۹۶۔

غزوہ بدر کبری سے پہلے بھیجے گئے چھوٹے لشکر اور پیش آنے والے سرایہ(1) اور غزوات(2)

سریہ سیف البحر

اور یہ سریہ رمضان سنہ ایک ہجری میں بھیجی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے کے ساتویں مہینے[3] کی ابتدا میں، جو کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ کی قیادت میں تیس مہاجر سواروں کے ساتھ انجام پائی[4]، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا باندھا اور یہ اسلام کی حالت میں باندھا گیا پہلا جھنڈا تھا[5] جسے ابو ابو مرثد کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا۔

([1])السَرِیّۃ: یہ فوج کا ایک گروہ ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ تعداد چار سو، جو دشمن کے پاس بھیجا جاتا ہے، اور اس کا جمع السَّرَایا ہے۔ انہیں اس لیے اس نام سے پکارا گیا کیونکہ یہ فوج کا خلاصہ اور بہترین حصہ ہوتے ہیں، یا اس لیے کہ یہ خفیہ اور رازدارانہ کارروائی کرتے ہیں۔ دیکھیں: النھایۃ(۲/ ۳۲۶)۔

([2])الغَزوۃ: دشمن سے لڑائی کے لیے جانا۔ دیکھیں: لسان العرب(۱۰/ ٦٧)۔ میں نے کہا: محدثین اور سیر و مغازی کے اہل کی روایات کے مطابق، ہر وہ عسکری قافلہ جس میں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- خود موجود ہوں غزوۃ کہلاتا ہے، اور جو قافلہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے بغیر، صرف کچھ صحابہ کو بھیج کر دشمن کے پاس جاتا ہے، اسے سَرِیۃ یا بَعْثَۃ کہتے ہیں۔

([3])دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد(۲/ ۱)۔

([4])ابن سعد نے اپنی طبقات میں کہا(۲/ ۱): رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے بدر سے پہلے انصار میں سے کسی کو بھی مبعث نہیں بھیجا، کیونکہ انہوں نے شرط رکھی تھی کہ وہ اپنے گھر میں انہیں روکیں گے، اور یہ ہمارے نزدیک ثابت ہے۔

([5])ابن سعد نے اپنی طبقات میں کہا(۲/ ۱): رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے سب سے پہلا لِوَاء حمزہ بن عبد المطلب -رضي اللہ عنہ- کو دیا۔

اور ابن إسحاق نے سیرت میں ذکر کیا (۲/ ۲۰۷) کہ سب سے پہلا رَایۃ عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب کی تھی جو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اسلام میں دی۔

الحافظ نے الإصابۃ(٤/ ۳۵۳) میں فرمایا: "اور یہ ممکن ہے کہ ان کے مابین جمع کیا جائے اُن لوگوں کے قول کے مطابق جو الرَّایۃ اور اللِّوَاء کے درمیان فرق کرتے ہیں، اور اللہ بہتر جانتا ہے۔"

اور حمزہ رضی اللہ عنہ نکلے تھے جن کا مقصد قریش کے شام سے مکہ جارہے ایک تین سو لوگوں پر مشتمل لشکر کو روکنا تھا جس میں ابو جہل بن ہشام بھی تھا- اللہ کی اس پر لعنت ہو- چنانچہ وہ لوگ عیص[1] کی جانب سے سیف البحر پہنچے اور وہاں پر ان کے آپس میں ملاقات ہوئی اور جنگ کے لیے صف بندی کرنے لگے، تو مجدی بن عامر جہنی وہاں سے چلا جو کہ دونوں گروہوں کا حلیف تھا[2] دونوں جانب نکلا یہاں تک کہ ان کے درمیان آڑ بن گیا اور لوگوں نے قتال نہ کیا، پھر ابو جہل اپنے ساتھیوں اور لاہ و لشکر کے ساتھ مکہ کی جانب متوجہ ہو گیا اور حمزہ اور ان کے ساتھی مدینہ کی جانب آ گئے[3]۔

میں کہتا ہوں: جو **الرّایۃ** اور **اللّواء** میں فرق کرتے ہیں انہیں میں سے **الإمام ابن أبي شیبۃ** ہے، جیسا کہ نہوں نے اپنے **المصنف** (18/194) میں باب باندھا ہے **رایات کے بارے میں** اور اس کے بعد **ألویۃ** کا باب بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس کی پیروی کی **الإمام الترمذي** نے اپنے **جامعہ** میں، **کتاب الجهاد** کے باب نھم ودہم میں کی ہے۔

([1]) العیصُ: یہ مدینہ کے قریب، سمندر کے کنارے کا ایک مقام ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (۳/ ۲۹۷)۔

([2]) میں نے کہا: اس سے سمجھا جاتا ہے کہ رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- نے مدینہ پہنچنے کے ابتدائی وقت میں جھینۃ کے ساتھ ایک حلف کر لیا تھا، اور اس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد نے اپنے مسند میں رقم کی ہے (حدیث نمبر ۱۵۳۹) ایک ضعیف سند کے ساتھ سعد بن أبي وقاص- رضي اللہ عنہ- سے، انہوں نے کہا: "جب رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- مدینہ پہنچے تو جھینۃ آئے اور کہا: آپ ہمارے درمیان اتریں ہیں، ہمیں تحفظ دیں تاکہ ہم آپ کے پاس آئیں اور ایمان لائیں، تو آپ نے ان کے لیے حلف کر دیا اور وہ اسلام لائے۔"

([3]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۲۰۷)، الطبقات لابن سعد (۲/ ۲۰۱)۔

رابغ کی طرف عبیدہ ابن حارث رضی اللہ عنہ کا لشکر

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ کو جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے چچازاد بھائی تھے، کو رابغ[1] کی جانب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے آٹھویں سال کی ابتداء میں ماہ شوال کے اندر بھیجا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا باندھا، جسے مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالی عنہ نے مہاجرین میں سے ساٹھ لوگوں کے ساتھ اٹھایا تھا، ان میں کوئی بھی انصاری نہ تھا چنانچہ ان کی ملاقات ابو سفیان[2] ہے حرب رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوئی جو کہ ان دنوں مشرک تھے، اور ان کے ساتھ دو سو کا لشکر تھا، وہ اس وقت ہے ایک چشمے پر تھے جسے احیا کہا جاتا تھا اور وہ جحفہ سے دس میل کے فاصلے پر تھا، چنانچہ دونوں گروہوں نے ایک دوسرے پر تیر چلائے مگر انہوں نے تلوار نہ سونتی اور نہ ہی نہیں جنگ کیا، صرف اور صرف مڈبھیڑ ہوئی چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے اس وقت ایک تیر چلائیں جو کہ اسلام میں چلائی جانے والی پہلی تیر تھی[3]، پھر دونوں گروہ اپنے پڑاؤ کے جانب چلی گئیں۔

([1]) **رابغ** : یہ شام، مصر، ترکی اور ان راستوں پر چلنے والوں کا **میقات** ہے۔ آج یہ مکہ سے تقریباً ۱۸۳ کلو میٹر دور ہے۔ پہلے **الجحفة** میقات تھا لیکن اب یہ غائب ہو گیا اور آج لوگ **رابغ** سے احرام باندھتے ہیں۔

([2]) یہ روایت ابن سعد نے طبقاتہ (۱/ ۲۵۲) میں بیان کی ہے، اور ابن اسحاق نے السیرۃ (۲/ ۲۰۴) میں ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں پر عکرمہ بن أبي جهل -رضي اللہ عنہ- تھے، جو اس وقت مشرک تھے اور صرف فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

([3]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (3728) پر سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے راستے میں عرب کے لوگوں میں سب سے پہلے تیر چلانے والا تھا۔

اور مشرک لوگوں میں بنو زہرہ کے حلیف مقداد بن عمرو[1] رضی اللہ تعالی عنہ اور عتبہ بن غزوان مازنی مسلمانوں کی طرف بھاگے دونوں مسلمان تھے لیکن وہ ان کے ساتھ صرف انہیں دکھانے کے لیے نکلے تھے[2]۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ عبیدہ ابن حارث رضی اللہ عنہ کا سریہ غزوہ ابواء کے بعد بھیجا گیا تھا، وہ کہتے ہیں: ابوالاسود نے اپنے مغازی میں عروہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ابن عائذ نے اسے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے موصولا روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اُبواء مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبید بن حارث کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ بھیجا، اور ان کی ملاقات قریش کے ایک لشکر سے ہوئی اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے پر تیر برسائے، چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے ایک تیر ماری، اور وہ اللہ کے راستے میں پہلے تیر چلانے والے شخص تھے[3]۔

اور اگر یہ بات صحیح ہے تو راجح قول وہی ہے جو ابوالاسود اور ابن عائذ نے کہا ہے، لیکن یہاں اشکال سریہ خرار میں مقداد بن عمرو کے مسلمانوں کے جھنڈے کے اٹھانے کے سلسلے میں باقی رہتا ہے جیسا کہ آرہا ہے، چنانچہ یہ احتمال ہوگا کہ یہ ابن سعد کا وہم ہے، واللہ اعلم۔

([1])اور انہیں المقداد بن الأسود -رضي اللہ عنہ- کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، کیونکہ الجاہلیت میں الأسود بن عبد یغوث نے انہیں اپنا گود لیا تھا، اس لیے ان کا نسبت اسی سے ہونے لگی اور یہ نام مشہور ہو گیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: {ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ} (سورۃ الاحزاب، آیت ۵)، تو ان کے لیے کہا گیا: المقداد بن عمرو۔

([2])اس سریۃ کی تفصیلات کے لیے دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۲۰۳)، الطبقات الکبریٰ ابن سعد (۱/ ۲۵۲)، البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۲۵۷)، دلائل النبوۃ للبیھقي (۳/ ۹)۔

([3])دیکھیں: فتح الباری (۸/ ۴)۔

خرار[1] کی جانب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کا لشکر

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے نویں مہینے کی ابتدا میں ماہ ذوالقعدہ کے اندر خرار نامی جگہ کی طرف بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا بنایا جسے مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ نے اٹھایا تھا، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین میں سے 20 لوگوں[2] کے ساتھ بھیجا تھا تاکہ قریش کے ایک قافلے کو روکیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ خرار سے آگے نہ جائیں، چنانچہ وہ لوگ اپنے قدموں پر دن میں چھپتے ہوئے اور رات کو چلتے ہوئے نکلے اور وہاں وہ صبح کے وقت پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ قافلہ کل ہی یہاں سے نکل چکا ہے چنانچہ وہ مدینہ واپس آگئے اور انہیں کوئی بھی سازش نہ نظر آئی[3]۔

([1])الخَرَّارُ: خ کی فتح اور پہلی راء کی تشدید کے ساتھ: یہ جگہ جوالجحفہ کے قریب ہے۔ دیکھیں: النھایۃ(۲/ ۲۱)۔

([2])یہ ابن سعد نے اپنی طبقات(۱/ ۲۵۲) میں ذکر کیا ہے——اور ابن اسحاق نے السیرۃ(۲/ ۲۱۲) میں بیان کیا: کہ وہ آٹھ گروہ تھے، اللہ جانتا ہے۔

([3])دیکھیں: الطبقات الکبریٰ ابن سعد(۱/ ۲۵۲)، سیرۃ ابن ھشام(۲/ ۲۱۲)، البدایۃ والنھایۃ(۳/ ۲۴۸)۔

پہلے ہجری سال میں ہونے والی وفاتیں

مسلمانوں میں سے مدینہ میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے وفات پانے والے کلثوم بن ہدم[1] رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ بوڑھے شخص تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو قبا کے مقام پر کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہی آپ نے قیام کیا[2]۔

اور ہجرت کے اس پہلے سال میں وفات پانے والوں میں سے اسعد بن زرارہ بھی تھے جو ہجرت کے نو مہینے کے بعد فوت ہوئے ان کے حلق میں ایک تکلیف ہوئی تھی جسے ذبحہ[3] کہا جاتا ہے اس کی وجہ سے ان کی وفات ہوئی تھی۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ کے حلق میں ذبحہ نامی بیماری کے سبب داغا تھا[4]۔

اور ابن ماجہ کی سنن میں حسن سند کے ساتھ ایک روایت کے اندر ہے وہ کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کو داغا اور وہ فوت ہو گئے[1]۔

([1]) حافظ نے **الإصابة (٥/ ٤٦٢)** میں فرمایا: "الهِدْم" (باء کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے)۔

([2]) ملاحظہ ہو: **البداية والنهاية (٣/ ٢٤٤)** اور **الإصابة (٥/ ٤٦٢)**۔

([3]) "الذَّبْحَة": باء کے فتحہ کے ساتھ (کبھی سکون کے ساتھ بھی آتا ہے)۔ یہ ایک بیماری ہے جو حلق میں خون کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک پھوڑا ہوتا ہے جو حلق میں ظاہر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے حلق بند ہو جاتا ہے اور سانس رک جاتا ہے، اور انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: النهاية (٢/ ١٤٢)۔

([4]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ٢٣٢٠٧)، اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں "كتاب الطب" کے تحت "باب ما جاء في الرخصة في التداوي بالكيّ" میں روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ٢١٧٥)، اور ابن الأثیر نے اسے جامع الأصول میں ذکر کیا ہے (حدیث نمبر: ٥٦٨٧)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے غسل میں شریک ہوئے اور انہیں تین کپڑوں میں کفن دیا جن میں ایک چادر بھی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے جنازے کے سامنے آپ چلے اور انہیں قبرستان میں دفن کیا، اور یہ انصار میں سے بقیع میں دفن کیے جانے والے سب سے پہلے شخص تھے[2]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل مغازی اور تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غزوہ بدر کبری سے پہلے فوت ہوئے تھے[3]۔

میں کہتا ہوں: اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اور عقبہ کے دونوں بیعتوں میں انہوں نے شرکت کی تھی، اور وہ اپنے قبیلے کے نقیب بھی تھے، اور وہ تمام نقیبوں میں سب سے کم عمر تھے، اور وہی سب سے پہلے مدینہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے جمعہ پڑھنے والے تھے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

مسلمانوں میں سے کم لوگوں کے وفات کا سبب

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سال اور اس کے بعد کم لوگوں کے وفات پانے کی سبب یہ ہے کہ بعد کے دنوں کے مقابلے میں بھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ اسلام ابھی صرف اور صرف حجاز کے کچھ حصے ہی میں تھا، یا وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر کے گئے تھے، اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت میں بلکہ اس سے بھی پہلے اسلام تمام اقلیموں میں پھیل چکا تھا، جس سے وہ سبب ظاہر ہوتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کی وفات کم ہوئی اور پھر بعد میں تابعین اور ان کے بعد کے زمانوں میں زیادہ وفات کیوں ہوئی[4]۔

([1]) اسے ابن ماجہ نے اپنی **سنن** میں روایت کیا ہے—"کتاب الطب" میں "باب من اکتوی" کے تحت—حدیث نمبر (۳۴۹۲)۔

([2]) ملاحظہ ہو: **الطبقات الکبری لابن سعد (۳/ ۳۰۹)**، **سیرت ابن ہشام (۲/ ۱۲۱)** اور **البدایۃ والنہایۃ (۳/ ۲۴۳)**۔

([3]) ملاحظہ ہو: **الإصابۃ (۱/ ۲۰۹)**۔

([4]) ملاحظہ ہو: **السیرۃ النبویۃ للذہبی (۱/ ۲۹۴)**۔

ہجرت کا دوسرا سال

غزوہ ابواء یا ودان[1]

یہ پہلا غزوہ ہے جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے: اور ابن اسحاق کہتے ہیں: سب سے پہلا غزوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو اک کا کیا پھر بواط کا پھر عسیرہ[2] کا۔

اور یہ غزوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے 12 ویں مہینے کی ابتداء میں ماہ صفر پیش آیا، اس کا جھنڈا حمزہ بن عبد المط لب رضی اللہ تعالی عنہ نے اٹھایا تھا جو کہ سفید تھا، اور مدینہ پر اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ کو اپنے پیچھے چھوڑا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے 70 لوگوں کے ساتھ نکلے تھے جن میں کوئی بھی انصاری صحابی نہ تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایک لشکر کو روکنے کے لیے ابواء نامی مقام پر پہنچے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کوئی بھی شازش نہ دیکھی۔

اور اس غزوہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مخشی بن عمرو ضمری سے وعدہ کیا جو کہ بنو ضمرہ کا اپنے زمانے میں سردار تھا، اس بات پر کی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ضمرہ کے ساتھ

---

(1) الأبواء: ہمزہ کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پہاڑ ہے، اس کے پاس ایک بستی بھی ہے جو اسی کی طرف منسوب ہے۔ یہ جُحفہ کے قریب مدینہ کی سمت میں واقع ہے، اور ان دونوں کے درمیان تیئیں میل کا فاصلہ ہے۔ اسے "الأبواء" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں بارش کے پانی جمع ہو کر ٹھہر جاتے ہیں۔ (ماخذ: معجم البلدان ۷۳/۱، النهاية ۲٤/۱)۔
رہی بات ودّان کی: تو یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں ہے، جو نواحی "الفُرع" میں واقع ہے۔ اس کا فاصلہ الأبواء سے تقریباً آٹھ میل ہے اور یہ جُحْفہ کے قریب ہے۔ (ماخذ: معجم البلدان ٤٤٨/٨) حافظ ابن حجر نے فرمایا: "الأبواء اور ودّان دو قریبی مقامات ہیں جن کے درمیان چھ یا آٹھ میل کا فاصلہ ہے، اور اسی لیے صعب بن جَثّامہ کی حدیث میں آیا ہے: 'وهو بالأبواء أو ودّان'۔" (ماخذ: فتح الباري ٤/٨)
میں کہتا ہوں: صعب بن جَثّامہ کی یہ حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے – "كتاب جزاء الصيد – باب إذا أهدى للمحرم حمارًا وحشيًا حيًا لم يقبل" – حدیث نمبر (۱۸۲۵)۔

(2) اور بخاری نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے – "كتاب المغازي – باب غزوة العُشَيرة أو العُسيرة"۔

جنگ کریں گے اور نہ ہی وہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے، اور نہ ہی ہیں آپ کے خلاف کسی کے ساتھ شامل ہوں گے اور نہ ہی کسی دشمن کا ساتھ دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اور اپنے درمیان ایک خط لکھا۔

اور اس غزوہ سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری 15 راتوں تک تھی[1]۔

(1) ملاحظہ ہو: الطبقات الکبری لابن سعد (۲۵۲/۲)، سیرت ابن ہشام (۲۰۳/۲)، شرح المواهب (۲۲۹/۲) اور البدایة والنهایة (۲۵۷/۳)۔

غزوہ بواط[1]

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ربیع الاول میں ہجرت کے تیرہویں مہینے کی ابتدا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے اور اس کا جھنڈا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے اٹھایا تھا جو کہ سفید تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر سعد بن معاذ[2] رضی اللہ تعالی عنہ کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سائب بن عثمان بن مظ عون[3] کو جانشین مقرر فرمایا، اس سفر سے آپ کا مقصد قریش کے ایک لشکر کو روکنا تھا جس میں امیہ بن خلف جمحی[4] اور قریش کے سو دیگر لوگ مع پندرہ سو اونٹ تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضوی[5] نامی جگہ کے کنارے آباد ایک جگہ بواط پہونچے آپ کو کوئی سازش نظر نہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی جانب لوٹ آئے[6]۔

---

(۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباري (٤/٨) میں فرمایا: "بُوَاط: باء کے فتحہ کے ساتھ (اور بعض کے نزدیک اس میں ضم بھی آتا ہے) اور واو کو تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ جُھَینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو یَنبُع کے قریب واقع ہے۔"

(۲) یہ بات ابن سعد نے اپنی **طبقات (۲/۲۵۳)** میں ذکر کی ہے۔

(۳) اور ابن اسحاق نے اپنی **سیرت (۲/۲۱۰)** میں ذکر کیا ہے۔

(٤) یہ شخص غزوہ بدرِ کبریٰ میں کافر کی حالت میں قتل ہوا۔

(٥) **رَضوی**: راء کے فتحہ اور ضاد کے سکون کے ساتھ، یہ یَنبُع کا ایک مشہور اور بڑا پہاڑ ہے۔ (ماخذ: **معجم البلدان ٤/٤٠٩**)

(٦) ملاحظہ ہو: **طبقات ابن سعد (۲/۲۵۳)**، **سیرت ابن ہشام (۲/۲۱۰)**، **شرح المواہب (۲/۲۳۱)** اور **البدایۃ والنہایۃ (۳/۲٦۰)**۔

غزوہ عشیرہ

یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا غزوہ ہے[1] جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سولہویں مہینے کی ابتدا میں جمادی الاخرۃ[2] کے مہینے میں ہوئی تھی، اور اس جنگ کا جھنڈا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ نے اٹھایا تھا، جو کہ سفید جھنڈا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا تھا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ سو لوگوں کے ہمراہی میں نکلے تھے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہاجرین میں سے دو سو لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی تھی اور کسی کو نکلنے کے لئے مجبور نہ کیا تھا، اور تیس لوگ اونٹ پر سوار ہو کر باری باری نکلے تھے، ان کا مقصد شام کو جا رہے قریش کے ایک لشکر کو روکنا تھا، ان کے بارے میں آپ کو خبر ملی تھی کہ وہ مکہ سے نکل رہے ہیں جس میں قریش کے

---

(۱) بخاری نے اپنی **صحیح** میں تعلیقاً روایت کیا ہے – "کتاب المغازی – باب غزوۃ العُشَیرۃ أو العُسَیرۃ" – اور ابن اسحاق نے کہا ہے: سب سے پہلی غزوہ جو نبی ﷺ نے کی وہ **الأبواء** تھی، پھر **بُواط**، پھر **العُشَیرۃ**۔

لیکن امام مسلم نے اپنی **صحیح** میں – "کتاب الجهاد والسیر – باب عدد غزوات النبي ﷺ" – حدیث نمبر (۱۲۵٤) میں زید بن أرقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلی کون سی غزوہ کی؟ تو انہوں نے کہا: **ذات العُسَیر یا العُشَیر**۔

حافظ ابن کثیر نے **البدایۃ والنھایۃ (۳/۲٦۱)** میں فرمایا": یہ حدیث اس بات پر ظاہر ہے کہ سب سے پہلی غزوہ **العُشَیرۃ** ہے، سوائے اس کے کہ مراد یہ ہو کہ زید بن أرقم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ساتھ جو پہلی غزوہ میں شرکت کی وہ العُشَیرۃ تھی۔ اس صورت میں یہ اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ اس سے پہلے بھی کچھ غزوات ہوئے ہوں جن میں زید بن أرقم رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوئے ہوں۔ اس طرح ابن اسحاق کی روایت اور اس حدیث کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے، واللہ أعلم۔"

میں کہتا ہوں: اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد نے اپنی **مسند** میں صحیح سند کے ساتھ (حدیث نمبر ۱۹۲۸۲) روایت کی ہے کہ ابو إسحاق کہتے ہیں: میں نے زید بن أرقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نے کتنی غزوات کیں؟ انہوں نے کہا: انیس، اور میں نے ان میں سے سترہ میں شرکت کی، اور دو میں وہ مجھ سے آگے بڑھ گئے (یعنی میں شریک نہ ہو سکا)۔

(۲) یہ بات ابن سعد نے اپنی **طبقات (۱/۲۵۳)** میں ذکر کی ہے، اور ابن اسحاق نے اپنی **سیرت (۲/۲۱۱)** میں ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ جمادی الاولیٰ کے آخر میں ہوئی تھی اور نبی ﷺ کی واپسی جمادی الآخر میں ہوئی۔

لوگوں کا بہت سارا مال ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشیرہ نامی مقام پر پہنچے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ لشکر کچھ دنوں پہلے ہی وہاں سے نکل چکا ہے، اور اس لشکر کو پکڑنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نکلے تھے جب وہ شام سے واپس ہو رہے تھے، اور وہی غزوہ بدر کبری کا سبب بنا تھا۔

اور اسی غزوہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مدلج[1] اور بنو صہ نمرہ قبیلے کے ان کے حلیفوں کے ساتھ معاہدہ بھی کیا تھا۔

کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں علی رضی اللہ تعالی عنہ ابو تراب کنیت سے پکارا تھا؟

کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو ابو تراب کی کنیت سے پکارا تھا۔

چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور فضائل صحابہ میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور ابن اسحاق نے ا سیرہ میں ضعیف سند کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اور علی رضی اللہ تعالی عنہ ذات العسـ ثیرہ نامی غزوہ میں ساتھی تھے، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہاں اتر کر قیام کیا، تو ہم نے بنو مدلج کے کچھ لوگوں کو دیکھا جو اپنے ایک چشمے میں کھجور کے باغ میں کام کر رہے تھے، علی بن طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے مجھ سے کہا: اے ابو الیقظان[2] تمہاری کیا رائے ہے ہم ان کے پاس چلیں اور دیکھیں وہ کیسے کام کر رہے ہیں، چنانچہ ہم ان کے پاس گئے تو ہم نے ان کے کام کو ایک گھنٹے دیکھا پھر ہمیں نیند آ گئی، تو

---

(۱) غزوہ ودّان یا الأبواء میں یہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی ضمرۃ سے صلح کی، شاید یہ پہلی صلح کی توثیق کے لیے ہو، یا یہ کہ حلفاء بنی مدلج کسی وجہ سے بنی ضمرۃ سے الگ تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے بنی مدلج کے ساتھ الحاق کیا، تو یہ بنی مدلج کے ساتھ صلح کی ابتدا تھی۔ (ماخذ: شرح المواهب (۲/۲۳٤))

(۲) أبو الیقظان: یہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا کنیت ہے۔

میں اور علی وہاں سے نکلے اور ہم کچھ کھجور کے بیچ مٹی پر جا کر لیٹ گئے، اور پھر ہمیں نیند آ گئی، اللہ کی قسم ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار کیا آپ ہمیں اپنے پیر مبارک سے حرکت دے رہے تھے ہم اس جگہ لیٹنے کی وجہ سے مٹی مٹی ہو گئے تھے، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: اے ابو تراب، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مٹی کے نشانات دیکھ رہے تھے [1]۔

ابو تراب کی کنیت کے سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد دیا گیا

میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ سب سے پہلے دن جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ ابو تراب کنیت سے پکارا وہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح کے بعد کا واقعہ ہے، اور ان کا نکاح غزوہ بدر کبریٰ کے بعد ہوا تھا۔

چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ کے گھر آئے تو علی رضی اللہ تعالی عنہ کو گھر میں نہ پایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟

انہوں نے کہا: میرے اور ان کے درمیان کچھ کہی سنی ہوئی اور وہ مجھ سے غصہ ہو کر میرے پاس سے نکل گئے اور میرے پاس دوپہر کے وقت آرام نہیں کئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص [2] سے کہا: انہیں دیکھو وہ کہاں ہیں؟

([1]) یہ روایت امام احمد نے اپنی **مسند** میں بیان کی ہے – حدیث نمبر (۱۸۳۲۱) – اور امام احمد نے **فضائل الصحابۃ** میں بھی روایت کی ہے – حدیث نمبر (۱۱۷۲) – اور الطحاوی نے **شرح مشکل الآثار** میں بھی ذکر کیا ہے – حدیث نمبر (۸۱۱)۔

([2]) حافظ ابن حجر نے فتح الباري (۱۰٤/۲) میں فرمایا: "میرے نزدیک یہ حدیث کے راوی کے لیے آسان معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ انہوں نے ذکر نہیں کیا کہ وہ کسی اور کے ساتھ رسول ﷺ کے پاس تھے۔"

چنانچہ وہ شخص آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے جب کہ وہ لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر ان کے بازو سے گر گئی تھیں اور ان پر مٹی لگے ہوئے تھے۔

اور ایک دوسری روایت میں صحیح کے اندر ہے کہ ان کی پیٹھ مٹی مٹی ہو گئی تھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مٹی کو جھاڑنے لگے[1] اور کہہ رہے تھے اے ابو تراب اٹھو اے ابو تراب اٹھو[2]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: اگر یہ روایت محفوظ[3] ہے یعنی غزوہ عشیرہ کے وقت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب کی کنیت سے اللہ کے رسول صلی وسلم کا پکارنا تو دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ ہو گی کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں کئی بار صادر ہوا، اور اس بارے میں پورا اعتماد سہل[4] سے مروی باب کی اس حدیث پر ہے، واللہ اعلم[5]

---

(۱) ایک دوسری روایت میں صحیح البخاری میں آیا ہے کہ: "نبی ﷺ نے اپنے پیٹھ سے مٹی صاف کی۔"

(۲) یہ روایت بخاری نے اپنی صحیح میں درج کی ہے: کتاب الصلاۃ – باب نوم الرجال في المسجد – حدیث نمبر ٤٤١ کتاب الأدب – باب الكُنْيَةِ بِأَبِي تراب – حدیث نمبر ٦٢٠٤ اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کی ہے: کتاب فضائل الصحابۃ – باب من فضائل عليّ بن أبي طالب ﷺ – حدیث نمبر ٢٤٠٩

(۳) حافظ نے کہا: "اگر یہ محفوظ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس میں توقف ہوا، اور اس حدیث کے اسناد میں کوئی اختلاف (مقال) موجود ہے۔" (ماخذ: شرح المواهب ٢٣٥/٢) میں کہتا ہوں: یہ حدیث ابن اسحاق کی روایت میں منفرد ہے، اور کسی نے اس پر عمل یا تائید نہیں کی۔ انہوں نے اپنی سیرت (٢١٢/٢) میں اس حدیث کی صحت پر یقین نہیں کیا۔ انہوں نے حدیث کے بعد علی رضی اللہ عنہ کو أبي تراب کہنے کی دوسری روایت بیان کی، جو کہ شیخان نے اپنی صحیحوں میں روایت کی، اور پھر کہا: "اللہ جانتا ہے کہ کون سی بات درست ہے۔"

(۴) یہ وہی روایت ہے جو شیخان نے اپنی صحیحوں میں روایت کی، اور تھوڑی دیر پہلے بیان کی گئی۔

(۵) ملاحظہ ہو: فتح الباري (٢٣٢/١٢)۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کی اس کنیت سے خوشی:

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ اس کنیت سے خوش ہوا کرتے تھے، جیسا کہ شیخان نے اپنی صحیحین میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ تعالی عنہ کا کوئی بھی نام ان کے نزدیک ابو تراب سے زیادہ محبوب نہ تھا، اور وہ جب اس نام کے ذریعے سے پکارے جاتے تھے تو خوش ہوا کرتے تھے اور انہیں اس نام سے صرف اور صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا ہے[1]۔

لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت جو علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کرنے والا ہے:

اور اسی غزوہ عشیرہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: ((کیا میں تم دونوں کو لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت شخص کے بارے میں نہ بتاؤں؟))

ہم نے کہا: ہاں کیوں نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قوم ثمود کا وہ چھوٹا گدھا[2] جس نے اٹھنے کی کونچ کو کاٹا تھا، اور وہ شخص جو اے علی تم کو یہاں پر مارے گا اور آپ صلی اللہ

---

(۱) بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی: کتاب الأدب – باب التكني بأبي تراب – حدیث نمبر ٦٢٠٤ اور مسلم نے بھی: کتاب فضائل الصحابۃ – باب من فضائل عليّ بن أبي طالب رضی اللہ عنہ – حدیث نمبر ٢٤٠٩۔

(۲) اور انک انام قُدّار بن سَالف، اور یہ اپنے قبیلے میں ایک معزز اور صاحبِ اثر شخص تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی – حدیث نمبر (٤٩٤٢) – اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کی – حدیث نمبر (٢٨٥٥) – عبد اللہ بن زمعۃ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور وہ اونٹنی اور اسے زخمی کرنے والے شخص کا ذکر کر رہے تھے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: "{إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا} انبعث لها رجل عزيز عارم منيع في رهطه" عارمٌ: یعنی بدنما، شرّ میں مبتلا۔ (ماخذ: النہایۃ ٣/٢٠١)۔

علیہ وسلم نے ان کے سر کے کنارے پر ہاتھ رکھا، یہاں تک کہ یہ اس کی وجہ سے تر ہو جائے گی یعنی ان کی داڑھی[1]۔

اور امام حاکم کے مستدرک میں حسن سند کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: بے شک تمہیں یہاں پر ایک وار کیا جائے گا اور ایک بار یہاں پر کیا جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دونوں کنپٹیوں کی جانب اشارہ کیا، اور ان سے خون بہے گا یہاں تک کہ تمہاری داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جائے گی اور ایسا کرنے والا شخص سب سے زیادہ بدبخت ہوگا، جیسا کہ قوم ثمود کے اونٹنی کے کوچ کا کاٹنے والا قوم ثمود کا سب سے زیادہ بدبخت شخص تھا[2]۔

میں کہتا ہوں: علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو سنہ چالیس ہجری میں رمضان کی 17 ویں رات کو قتل کیا گیا، انہیں عبدالرحمن بن ملجم خارجی[3] قبحہ اللہ نے قتل کیا تھا۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ عشیرہ سے مدینہ کی جانب واپس آگئے اور وہاں پر آپ کو کوئی سازش نظر نہ آئی[4]۔

---

(۱) امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی – حدیث نمبر (۱۸۳۲۱) – اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بھی ذکر کیا ہے – حدیث نمبر (۸۱۱) – یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو: السلسلة الصحيحة للألباني – حدیث نمبر ۱۰۸۸۔

(۲) الحاکم نے اپنی **المستدرک** میں روایت کی – "کتاب معرفة الصحابة – باب إخباره ﷺ بشهادة عليّ رضی اللہ عنہ" – حدیث نمبر (٤٦٤٧)۔

(۳) امام الذہبی نے میزان الاعتدال (۵۹۲/۲) میں فرمایا: "عبدالرحمن بن مُلجِم المُرَادی، یہ وہ گمراہ اور خارج از اسلام شخص تھا جس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود ہو۔ یہ اللہ کے لیے عبادت گزار اور فرمانبردار تھا، لیکن اسے شرّ کے ساتھ ختم کیا گیا، کیونکہ اس نے امام المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، اپنے خیال میں یہ اللہ کے قریب ہونے کا ذریعہ تھا۔ اس کے بعد اس کے چاروں حصے کاٹ دیے گئے، آنکھیں نکال دی گئیں، اور پھر آگ میں جلایا گیا۔ ہم اللہ سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔"

(۴) ملاحظہ ہو: سیرة ابن هشام (۲۱۰/۲) طبقات ابن سعد (۲۵۳/۲) الرّوض الأُنف (۳۸/۳) البداية والنهاية (۲٦۰/۳) شرح المواهب (۲۳۲/۲)۔

غزوہ سفوان[1] یا پہلی غزوہ بدر

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ عشیرہ سے واپسی کے بعد مدینہ میں چند ہی راتیں ٹھہرے تھے جو دس تک بھی نہیں پہنچتی یہاں تک کی کرز بن جابر فہری[2] نے مدینہ کے کچھ مویشیوں پر دھاوا بولا اور انہیں ہانک کر لے گیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے 70 لوگوں کے ساتھ نکلے اور اس غزوہ کا جھنڈا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے اٹھایا اور یہ جھنڈا سفید تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کو مدینہ پر اپنا جانشین مقرر کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ ایک وادی پر پہنچے جسے وادی سفوان کہا جاتا تھا جو بدر کے ایک کنارے میں واقع ہے، کرز ابن جابر بھاگ کر نکل گیا اور اس لیے اسے نہ پکڑ سکے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر مدینہ واپس ہو گئے[3]۔

---

(۱) سَفوان: سین اور فاء کے فتحہ کے ساتھ، یہ بدر کے علاقے میں ایک وادی ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ پہنچے تاکہ کُرز بن جابر الفہری کو تلاش کریں جب اس نے مدینہ کے ریوڑ پر حملہ کیا۔ (ماخذ: النھایۃ ۳۳۸/۲)۔

(۲) کُرز بن جابر الفہری: یہ مشرکین کے سرداروں میں سے تھا، بعد میں اسلام قبول کیا اور صحابہ کے ساتھ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے العُرَنیین کے تعاقب میں بیس سواروں کے ساتھ بھیجا اور اس پر قیادت سونپی۔ وہ فتح مکہ میں شہید ہوا۔ (ماخذ: الإصابۃ ٤٣٤/٥)

(۳) ملاحظہ ہو: سیرۃ ابن ھشام (۲۱۳/۲)، اور ابن سعد نے اپنی طبقات (۲۵۳/۲) میں ذکر کیا کہ یہ واقعہ غزوۃ العُشَیرۃ سے پہلے پیش آیا۔

عبداللہ بن جحش کا سریہ نخلہ[1] کی جانب

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ستر ہویں ماہ کی شروعات میں ماہ رجب میں عبداللہ بن جحش کو نخلہ کی جانب بارہ[2] آدمیوں کے ساتھ بھیجا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آٹھ[3] مہاجرین کے ساتھ، جن میں ایک بھی انصاری صحابی نہ تھے، اور ان میں سے ہر دو لوگ باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوا کرتے تھے۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایک خط لکھا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس میں دو دن چلنے کے پہلے نہ دیکھیں، پھر اسے دیکھیں اور جو انہیں اس میں حکم دیا گیا ہے اسے انجام دیں، اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کریں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نکلے اور انہوں نے دو دن کے بعد وہ خط پڑھیں اس میں لکھا تھا کہ جب تم میرے اس کتاب میں دیکھنا تو تم چلتے رہنا یہاں تک کہ نخلہ نامی میں جگہ پڑاؤ ڈالنا مکہ اور طائف کے درمیان، اور وہاں پر قریش کے لوگوں کے گھات میں رہنا، اور ہمیں ان کی خبریں دینا۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سن لیا اور میں نے آپ کی بات مان لی، پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تحقیق کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ میں نخلہ نامی مقام کی طرف چل کر جاؤں اور وہاں بیٹھ کر قریش کے گھات میں لگوں یہاں تک کہ میں ان کی خبر معلوم کروں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور کروں، تو تم میں سے جو شخص شہادت کا چاہنے والا ہے اور اس میں

---

(۱) نخلۃ: یہ حجاز میں مکہ کے قریب واقع ایک مقام ہے، جہاں کھجور کے درخت اور زراعت موجود ہے۔ (ماخذ: معجم البلدان ۸/۳۸۱)۔

(۲) یہ بات ابن سعد نے اپنی طبقات (۲/۲۵۳) میں ذکر کی ہے۔

(۳) اور ابن اسحاق نے اپنی **سیرت (۲/۲۱۳)** میں بھی بیان کی ہے۔

رغبت رکھتا ہے تو وہ میرے ساتھ چلے اور جو اسے ناپسند کرتا ہے تو وہ لوگ واپس ہو جائے رہی بات میری تو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے لئے آگے بڑھ رہا ہوں۔

چنانچہ وہ آگے بڑھے اور ان کے ساتھ ان کے ساتھی بھی آگے بڑھے ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا، اور وہ حجاز کی جانب نکل گئے یہاں تک کہ جب وہ معدن کے پاس پہنچے فرع کے اوپر جسے بحران کہا جاتا ہے تو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اس اونٹ کو غائب کر دیا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اور وہ دونوں اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔

اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باقی ساتھی چلتے رہیں یہاں تک کہ نخلہ نامی مقام پر جا کر قیام کیا اس وقت ان کے پاس سے قریش کا ایک لشکر کشمش اور چمڑے اور قریش کے تجارتی سامان لئے ہوئے گذرا جس میں عمرو بن حضرمی اور عثمان اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ اور حکم بن کیسان ہشام ابن مغیرہ کے غلام بھی تھے، چنانچہ جب انہیں لوگوں نے دیکھا تو ان سے ڈر گئے اور ان کے معاملے میں انہیں خوف لاحق ہوا، اور وہ ان سے قریب ہی پڑا اور ڈالے ہوئے تھے، چنانچہ عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی طرف آئے جب کہ انہوں نے اپنے سر کو منڈایا ہوا تھا تاکہ وہ لوگوں کو اطمینان دلائیں، چنانچہ جب لوگوں نے انہیں دیکھا تو وہ اطمینان کی حالت میں آئے اور انہوں نے کہا یہ سب عمرہ کرنے والے ہیں تمہیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ انہوں نے اپنے مویشیوں کو چرانے کے لیے چھوڑ دیا، اور انہوں نے کھانا بنایا، اور مسلمانوں نے ان کے بارے میں مشورہ کیا یہ ماہ رجب کے آخری دن کی بات ہے جو کہ حرام مہینہ تھا، چنانچہ انہوں نے کہا اللہ کی قسم اگر تم نے انہیں اس رات چھوڑ دیا تو وہ حرم میں داخل ہو جائیں گے، اور پھر وہ اس کے ذریعے تم سے بھاگ جائیں گے اور اگر تم انہیں قتل کرو گے تو انہیں تم حرام مہینے میں قتل کرو گے چنانچہ لوگوں کو تردد لاحق ہوا اور وہ ان کے خلاف نکلنے میں ڈرنے لگے اور پھر انہوں نے ان کے خلاف اپنے آپ کو ہمت دی، اور ان میں سے جن پر قدرت نہیں حاصل ہوئی ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور ان کے ساتھ موجود مال و متاع کو لینے کا انہوں نے ارادہ کیا، چنانچہ واقد بن عبداللہ تمیمی

نے عمرو ابن حضرمی کو ایک تیر سے نشانہ بنایا اور اسے قتل کر دیا کیا اور مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول دیا، اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قیدی بنا لیا گیا اور نوفل بن عبداللہ واپس ہوا اور انہیں عاجز کر دیا، چنانچہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: بیشک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمارے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ہوگا اور یہ غنیمت میں سے خمس کے فرض کرنے سے پہلے کی بات ہے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قافلے کا پانچواں حصہ الگ کر لیا اور باقی کو اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اور پھر عبداللہ بن جحش قافلے اور دو قیدیوں کو لے کر مدینہ کی جانب چلے، اس سریہ کے اندر سب سے پہلے اسلام میں خمس کو الگ کیا گیا اور کافروں میں سے اسلام میں سب سے پہلے کسی کو قتل کیا گیا اور اسلام میں سب سے پہلے دو قیدی بنائے گئے۔

جب وہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا میں نے تمہیں حرام مہینے میں قتال کا حکم نہیں دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور قافلے کے سلسلے میں تصرف کرنے سے توقف اختیار کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ بھی لینے سے انکار کیا۔

چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تو لوگوں کو بہت افسوس ہوا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو چکے ہیں اور انہیں مسلمانوں میں سے ان کے بھائیوں نے ان کے کیے ہوئے عمل پر بہت برا بھلا کہا اور مشرکوں کو اس واقعے کے ذریعے سے مسلمانوں کے سلسلے میں طعن و تشنیع کا موقع ملا، اور انہوں نے کہا کہ محمد اور ان کے ساتھیوں نے حرام مہینے کو حلال کر لیا ہے اور اس میں انہوں نے خون بہایا ہے اور اس میں انہوں نے لوگوں کے مال لئے ہیں اور لوگوں کو قیدی بنایا ہے۔

اور مدینہ میں یہودیوں نے بھی فتنہ سازی شروع کی اور انہوں نے فتنہ برپا کرنے کا ارادہ کیا جب لوگوں نے اس سلسلے میں دشمنوں کی جانب سے فتنہ سازی اور برا بھلا کہنے میں کثرت کر دی،

تو اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يسالونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله و كفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر من عند الله [1] والفتنه اكبر من القتل [2] ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا،ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فاولئك حبطت اعمالهم فى الدنيا أولئك اصحاب النار هم فيها خالدون ان الذين امنوا والذين هاجروا وجاهدوا فى سبيل الله اولئك يرجون رحمه الله والله غفور رحيم﴾[البقرہ:217-218]۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی اور اللہ رب العالمین نے ان کو لاحق خوف[3] اور غم کو ختم کر دیا پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلے اور دو قیدیوں کو اپنے قبضے میں لیا اور قریش کے لوگوں نے ان کی طرف عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کی دیت بھیجیں،اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تمہارے سلسلے میں فدیہ قبول نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہمارے وہ دونوں ساتھی ہمارے پاس آئیں یعنی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان

---

(۱)حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (۵۷٦/۱) میں فرمایا: "یعنی اگر تم نے حرام مہینے میں قتل کیا تو انہوں نے تمہیں اللہ کے راستے سے روک دیا، اور ساتھ ہی کفر کے ساتھ تمہیں روک دیا، اور تمہیں مسجد الحرام سے نکال دیا جبکہ تم اس کے اہل تھے، یہ اللہ کے نزدیک اس شخص کو قتل کرنے سے زیادہ بڑا جرم ہے جسے تم نے قتل کیا۔"

(۲)حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (۵۷٦/۱) میں مزید فرمایا: "یعنی یہ لوگ مسلمان کو اس کے دین میں آزمائش میں مبتلا کرتے تاکہ وہ ایمان کے بعد کفر کی طرف واپس جائے،اور یہ اللہ کے نزدیک قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔"

(۳)ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۱۵۲/۳) میں فرمایا: مقصود یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے اولیاء اور دشمنوں کے درمیان عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔اللہ نے اپنے اولیاء کو اس بات سے بری نہیں کیا کہ انہوں نے حرام مہینے میں لڑائی کے جرم کا ارتکاب کیا، بلکہ فرمایا کہ یہ بڑا گناہ ہے۔لیکن ان کے دشمن مشرکوں کا جرم اس سے بھی بڑا اور شدید ہے، کیونکہ وہ محض حرام مہینے میں لڑائی نہیں کرتے، بلکہ ہر برائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔اس لیے وہ مذمت اور عیب اور سزا کے زیادہ مستحق ہیں۔خاص طور پر جب کہ اولیاء اللہ کے لڑائی کے مقاصد صحیح نیت اور اللہ کی راہ میں قربانی کے تحت تھے، یا اگر کسی قسم کی کمی تھی تو وہ اللہ کی طرف سے معاف ہونے والی تھی، کیونکہ انہوں نے توحید کی، نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، اور اللہ کی خاطر دنیاوی چیزوں کو ترجیح دی۔چنانچہ جیسا کہ کہا گیا: "اور اگر محبوب نے ایک گناہ کیا...تو اس کی تمام نیکیاں اس کے لیے ہزاروں شفیع کے طور پر آئیں۔" تو پھر وہ کس طرح اس نفرت انگیز دشمن کے برابر کیا جا سکتا ہے، جو ہر برائی میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک بھی شفیعانہ نیکی نہیں ہے۔

رضی اللہ عنہما، اور وہ لوگ اپنے ساتھیوں سے نخلہ پہنچنے سے پہلے ہی پیچھے رہ گئے تھے کیونکہ وہ اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کو ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ ہم ان کے سلسلے میں تم پر خوف کھاتے ہیں اگر تم انہیں قتل کروگے تو ہم تمہارے دونوں ساتھیوں کو قتل کریں گے۔

پھر سعد اور عتبہ رضی اللہ تعالی عنہما آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان دونوں کا فدیہ لیا، رہی بات حکم بن کیسان کہ تو وہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام اچھا رہا اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے رہے یہاں تک کہ بئر معونہ کے دن شہید ہو کر وہ قتل کیے گئے، اور رہی بات عثمان بن عبداللہ کی تو وہ مکہ پہنچ گیا اور وہاں پہ کفر کی حالت میں ہی کر فوت ہوا[1]۔

اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالی عنہ کے سریہ میں جو کچھ ہوا اس کے بعد مشرکوں کا خوف ثابت گیا اور ان کے سامنے حقیقی خطرہ کھڑا ہو گیا، اور وہ جس چیز سے ڈرتے تھے اس میں واقع ہو گئے اور انہوں نے یہ جان لیا کہ مدینہ والے بالکل بیدار اور گھات میں لگے ہوئے ہیں جو ان کے تمام تجارتی آمد و رفت پر نظر لگائے ہوئے ہیں اور مسلمان یہ طاقت رکھتے ہیں وہ چار سو کلو میٹر تقریبا چلیں اور پھر ان کے آدمیوں کو قتل کریں اور قیدی بنائے اور ان کے مال کو لے لیں، اور پھر وہ صحیح سلامت مال غنیمت کو لیے ہوئے واپس جائیں، اور انہیں یہ محسوس ہوا کہ شام کی طرف ان کے

---

(1) عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی ایک سریہ کی داستان روایت کی گئی ہے: النسائی نے اپنی السنن الکبری – کتاب السیر – باب البکاء عند التشییع – حدیث نمبر ۸۷۵۲ میں ذکر کیا۔ الطحاوی نے شرح مشکل الآثار – حدیث نمبر ٤٨٨٠ و ٤٨٨١ میں بیان کیا۔ ابن سعد نے اپنی طبقات (۲۵۳/۲) میں درج کیا۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرت (۲۱۳/۲) میں ذکر کیا۔ البیھقی نے دلائل النبوۃ (۱۷/۳) میں روایت کی۔ الطبرانی نے اسے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے الفتح (۲۰۹/۱) میں ذکر کیا۔ حافظ نے مزید کہا کہ انہوں نے ابن عباس کی روایت کو الطبری کی تفسیر میں پایا، اور ان تمام طرق کو ملا کر یہ حدیث صحیح ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا: بخاری نے اپنی صحیح میں اس سریہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ کتاب العلم – باب مایذکر فی المناولۃ میں بخاری نے روایت کی کہ بعض لوگوں نے مناولہ میں حدیث نبی ﷺ کی دلیل دی، جہاں نبی ﷺ نے سریہ کے امیر کو خط لکھا اور فرمایا: "یہ خط اس وقت تک نہ پڑھو جب تک کہ تم اُس مقام پر نہ پہنچ جاؤ جو میں نے کہا ہے۔" جب وہ مقام پہنچے تو انہوں نے لوگوں کے سامنے پڑھا اور نبی ﷺ کے احکام سے انہیں آگاہ کیا۔

تجارتی قافلے ہمیشہ خطرے کے سامنے ہوں گے ، لیکن بجائے اس کے کہ وہ اپنے اس سرکشی اور بیوقوفی سے باز آئیں اور صلح اور معاہدے کا راستہ اپنائیں وہ حقد اور غصے میں اور زیادہ بڑھ گئے اور ان کے سردار اور بڑے اپنے پرانے وعدے اور دھمکیوں کو اور مضبوط کرنے لگے ، کہ وہ مسلمانوں کو ان کے گھر میں ہی ختم کریں گے اور یہی وہ غصہ تھا جو انہیں بدر کی طرف لا کھڑا کیا[1] ۔

(1) ملاحظہ کریں: الرحیق المختوم، صفحہ ۲۰۱ ۔

تحویل قبلہ

اور ہجرت کے دوسرے ماہ رجب کے درمیان میں اللہ تعالی نے بیت المقدس سے مسجد الحرام کی جانب قبلہ کے تحویل کرنے کا حکم دیا[1]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں براابن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز پڑھی، پھر ہمیں کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے بیت المقدس کی جانب چھ مہینے تک رخ کرکے نماز پڑھی پھر بعد میں قبلہ تحویل کر دیا گیا[3]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کو آپ کے والد ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کعبہ کی جانب[4] رخ کرنے کا حکم دیا جائے۔اسی لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں نماز پڑھتے تھے تو کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھا کرتے تھے،اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قبلہ کا رخ کیا کرتے تھے، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں شیخین کی شرط پر

---

(۱)حافظ نے الفتح(۱/۱۳٤) میں فرمایا: "قِبلہ کی طرف رجوع (تبدیلی) صحیح قول کے مطابق دوسری ہجری سال کے نصف ماہ رجب میں ہوئی،اور اسی پر اکثر علماء اتفاق رکھتے ہیں۔"

(۲)حافظ نے الفتح(۱/۱۳٤) میں مزید کہا: "دونوں روایات کو یکجا کرنا آسان ہے — یعنی جو کہتے ہیں 16 مہینے یا 17 مہینے —اس طرح کہ جو 16 مہینے پر جزم رکھتے ہیں وہ ماہِ آمد اور ماہِ تبدیلی کو ایک مہینہ شمار کریں اور زائد کو خارج کر دیں،اور جو 17 مہینے پر جزم رکھتے ہیں وہ دونوں کو ملا کر شمار کریں،اور جو شک میں ہیں وہ اس پر تردد کریں۔کیونکہ ماہِ آمد ربیع الاول میں ہوئی،اس میں کوئی اختلاف نہیں۔"

(۳)اس واقعہ کو روایت کیا ہے: امام بخاری نے صحیح بخاری —کتاب الإیمان — باب الصلاۃ من الإیمان — حدیث نمبر ٤٠ میں،اور کتاب الصلاۃ — باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان — حدیث نمبر ۳۹۹ میں،اور امام مسلم نے صحیح مسلم — کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ — باب تحویل القبلۃ من القدس إلی الکعبۃ — حدیث نمبر ٥۲٥ (۱۲) میں ذکر کیا۔

(٤)اس روایت کو **امام احمد نے مسند میں رقم ۲۲٥۲** میں بیان کیا ہے۔

صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کعبہ ہوا کرتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ نے 16 مہینے وہاں بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی پھر آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا۔[1]

پھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو آپ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا کہ آپ ایک ساتھ خانہ کعبہ اور بیت المقدس کو اپنے سامنے کر سکیں چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت اللہ رب العالمین سے دعا کیا کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف کرتے اور اللہ رب العالمین سے دعا کیا کرتے، تو اللہ رب العالمین نے یہ فرمان نازل کیا: ((قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام[2] وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره))[البقرہ:144]۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی جانب اپنا رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے پہل مدینہ آئے تو آپ انصار میں سے اپنے ننیہال میں قیام پذیر ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز

---

(1) امام بخاری نے **صحیح بخاری—کتاب الصلاۃ—باب التوجہ نحو القبلۃ—حدیث نمبر ۳۹۹** میں روایت کیا، **براء بن عازب رضی اللہ عنہ** سے، جنہوں نے کہا..."اور رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا کہ وہ اپنی قیام گاہ میں کعبہ کی طرف رخ کریں۔"
اس روایت کو **امام احمد نے مسند میں رقم ۲۹۹۱** میں بھی ذکر کیا۔

(2) النسائی نے اپنی السنن الکبری میں حسن اسناد کے ساتھ رقم ۵۶۷۴ میں روایت کیا، اور ابن الاثیر نے جامع الأصول رقم ۵۹۴۷ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا: "سب سے پہلے قرآن سے جو نسخ ہوا، وہ قبلے کی تبدیلی تھی۔"

ادا کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے نماز نماز عصر کی ادا کی[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشہور بات یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف رخ کر کے سب سے پہلے عصر کی نماز ادا کی، اسی لیے اہل قبا کو یہ خبر بعد میں فجر کے وقت پہنچی[2]۔

اہل قبا کو تحویل قبلہ کی خبر کا پہنچنا

اور تحویل قبلہ کی خبر اہل قبا کو نماز فجر میں دوسرے دن پہنچی جب وہ مدینہ سے باہر تھے۔

چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ صبح کی نماز میں قبا کے مقام پر تھے[3]، اس وقت ان کے پاس ایک آنے والا شخص آیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر رات میں قرآن نازل ہوئی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کو اپنے سامنے کریں چنانچہ تم بھی اسے اپنے سامنے کرو اس وقت ان کے چہرے شام کی جانب تھے چنانچہ وہ لوگ کعبہ کی طرف مڑ گئے[4]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ((چنانچہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اور پھر نماز کے بعد وہ نکلے اور

---

(۱) اس روایت کو **امام بخاری نے صحیح بخاری—کتاب الإیمان—باب الصلاۃ من الإیمان—حدیث نمبر ۴۰** میں بیان کیا ہے۔

(۲) ملاحظہ کریں: **تفسیر ابن کثیر (۱/۴۶۰)**۔

(۳) حافظ ابن حجر نے الفتح (۲/۶۵) میں فرمایا: "اس میں اختلاف پایا جاتا ہے روایتِ براء سے، کیونکہ یہاں ذکر ہے کہ یہ عصر کی نماز میں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ دونوں خبروں میں کوئی تناقض نہیں ہے، کیونکہ یہ خبر عصر کے وقت پہنچتی ہے شہر کے اندر والوں تک، جو بنو حارثہ تھے، جیسا کہ روایتِ براء میں ہے۔ اور یہ خبر صبح کے وقت پہنچتی ہے شہر کے باہر والوں تک، جو بنو عمرو بن عوف اہل قباء تھے، جیسا کہ روایتِ ابن عمر میں ہے۔"

(۴) اس واقعہ کو روایت کیا ہے: امام بخاری نے صحیح بخاری —کتاب الصلاۃ—باب ما جاء في القبلۃ—حدیث نمبر ۴۰۳ میں، اور امام مسلم نے صحیح مسلم—کتاب المساجد—باب تحویل القبلۃ—حدیث نمبر ۵۲۶ میں ذکر کیا۔

انصار کی ایک جماعت کے پاس سے ان کا گزر ہوا جو عصر کی نماز بیت المقدس کی جانب رخ کر کے پڑھ رہے تھے تو انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف متوجہ تھے چنانچہ سبھی لوگ مڑ کر کعبہ کی جانب رخ کر کے کھڑے ہو گئے[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں اس حدیث میں ایسی دلیل ہے جو ان کے یعنی صحابہ کرام کے اللہ اور اس کے رسول کے لیے اطاعت وفرماں برداری کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ وہ اللہ رب العالمین کے حکم کی پیروی کرنے والے تھے اللہ رب العالمین سب سے راضی ہو[2]۔

فوائد حدیث

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ تحویل قبلہ والی احادیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1-اس حدیث میں مرجئہ پر رد ہے جو وہ انکار کرتے ہیں کہ دین کے اعمال کو ایمان کا نام دیا جائے۔

2-اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور اپنے رب پر کرامت کا بیان ہے کہ آپ جو بھی چاہتے تھے بغیر تصریحی سوال کے اللہ آپ کو نواز دیا کرتا تھا۔

3-اور اس میں خبر واحد کی قبولیت اور اس پر عمل کے واجب ہونے پر بھی دلیل ہے، اور یہ کہ اس سے علم کے ذریعے ثابت ہونے والے چیز منسوخ مانی جائے گی، کیوں کہ بیت المقدس کی جانب ان کا نماز پڑھنا ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف رخ کر کے کے نماز پڑھنے کے دیکھنے

---

(۱) اس روایت کو: امام بخاری نے صحیح بخاری – کتاب الصلاۃ – باب التوجہ نحو القبلۃ – حدیث نمبر ۳۹۹ میں، اور امام احمد نے مسند – حدیث نمبر ۱۸۷۰۷ میں بیان کیا۔

(۲) ملاحظہ کریں: تفسیر ابن کثیر (۱/۴۵۷)۔

سے قطعی طور پر ثابت تھا، مگر ان کا قبلہ کی جانب رخ کرنے کے لئے مڑنا اسی خبر واحد کے ذریعے سے تھا))۔

4-اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ ناسخ کا حکم مکلف شخص کے حق میں ثابت اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اسے نہ پہنچ جائے، کیونکہ اہل قبا کو اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا باوجود یہ کی ان کے اس نماز سے کی نماز پہلے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا جاچکا تھا، اور اس سے امام طحاوی نے اس بات کا استنباط کیا ہے کہ جسے دعوت نہ پہنچی ہو اور اس کے لئے اس کا معلوم کرنا بھی ممکن نہ ہو تو اس کے لئے فرض غیر لازم ہے۔

5-اور اس میں غیر نمازی کا نمازی کو تعلیم دینے کے جواز کا بھی بیان موجود ہے۔

6-اور اس میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کی نماز پڑھنے والا نماز نہ پڑھنے والے کی بات کو سن سکتا ہے اس سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی[1]۔

تحویل قبلہ کے وقت لوگوں کا ردعمل

اور جب قبلہ کعبہ مشرفہ کی جانب سے تحویل ہوگیا تو کافروں اور یہودیوں میں نفاق اور شک رکھنے والے بعض لوگوں کو شک اور ہدایت سے روگردانی کا جذبہ اور شبہ لاحق ہوا، اور انہوں نے کہا: ((ما ولاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها))، یعنی انہیں کیا ہوگیا کبھی اس طرف منہ کرتے ہیں کبھی اس طرف منہ کرتے ہیں؟[2]

([1])ملاحظہ کریں: فتح الباری (۱/۱۳٦) اور (۲/٦٦)۔

([2])ملاحظہ کریں: **تفسیر ابن کثیر (۱/٤٥٤)**۔

تواللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((سیقول السفهاء[1] من الناس ما ولاهم عن قبلتهم التی کانوا علیها قل لله المشرق والمغرب یهدی من یشاء الی صراط مستقیم))[البقرۃ: ۱۴۲]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہی اللہ رب العالمین ہی مالک ہے وہی تصرف کرنے والا ہے وہی فیصلہ دینے والا ہے جس کے فیصلے سے متعلق پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں، جو اپنی مخلوقات میں جو چاہے کر سکتا ہے اور جو چاہے حکم دے سکتا ہے اپنی شریعت میں اور وہی جسے چاہے راستے کی جانب ہدایت دے اور جسے چاہے سیدھے راستے سے بھٹکا دے اور اس کے لیے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے جس کا ماننا اور تسلیم کرنا واجب ہے[2]۔

رہی بات مسلمانوں کی تو ان میں سے بعض نے کہا: بیت المقدس کی جانب پڑھی گئی ہماری نمازوں کا کیا ہوگا اور ان لوگوں کا کیا ہوگا جو ہمارے بھائیوں میں سے بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اسی حالت میں فوت ہو گئے تو اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول من ینقلب علی عقبیه وان کانت لکبیرة الا علی الذین هدی الله وما کان الله لیضیع ایمانکم[3] ان الله بالناس لرؤوف رحیم))[البقرۃ: ۱۴۳][4]۔

([1]) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا (۱/۴۵۲): "اس آیت میں 'سفہاء' سے مراد کہا گیا ہے: مشرک، عرب کے مشرک، اور بعض نے کہا یہ یہودی علماء ہیں، اور بعض نے کہا یہ منافق ہیں۔ آیت عام ہے اور یہ تمام پر محیط ہے، اور اللہ بہتر جانتا ہے۔"

([2]) ملاحظہ کریں: البدایۃ والنہایۃ (۳/۲۶۸-۲۶۹)۔

([3]) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا (۱/۴۵۸): "یعنی آپ کی قبل ازیں بیت المقدس کی طرف نماز بھی اللہ کے نزدیک ضائع نہیں ہوئی، اس کا ثواب محفوظ ہے۔"

([4]) اس کی تخریج امام بخاری نے صحیح بخاری – کتاب الإیمان – باب الصلاۃ من الإیمان – حدیث نمبر ۴۰ میں، اور امام احمد نے مسند – حدیث نمبر ۲۶۹۱ میں کی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی لئے جو لوگ اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اتباع پر جمے رہے اور جس طرف اللہ رب العالمین نے حکم دیا اس طرح بغیر شک اور شبہ کے متوجہ ہو گئے بڑے صحابہ میں سے، اور ان میں سے بعض لوگ اس طرح بھی گئے کہ مہاجرین اور انصار میں سے سابقین واولین لوگوں نے ہی دونوں قبلوں کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی ہے[1]۔

یہودیوں کا حسد

اور جب مسجد اقصیٰ سے کعبہ مشرفہ کی جانب قبلہ تحویل ہو گیا تو یہودیوں کے دل میں مسلمانوں کے خلاف حقد اور حسد بھر گیا، اس فضل کی وجہ سے جو اللہ رب العالمین مسلمانوں کو عطا کیا اور وہ تھا ان کی کعبہ مشرفہ کی جانب رہنمائی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح کہا جب انہوں نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا جسے امام احمد نے اپنی مسند میں بھی نقل کیا ہے: ((... بے شک وہ ہم سے کسی چیز پر اتنا زیادہ غصہ نہیں کرتے ہیں جتنا وہ جمعہ کے دن کے بارے میں ہم سے حسد کرتے ہیں جس کی اللہ رب العالمین نے ہمیں رہنمائی فرمائی اور وہ اس سے بھٹکے رہے، اور قبلہ پر جس کی اللہ نے ہماری رہنمائی فرمائی اور اس میں بھی وہ بھٹکتے رہے، اور ہمارے امام کے پیچھے آمین کہنے پر))[2]۔

([1]) مزید ملاحظہ کریں: تفسیر ابن کثیر (٤٥٧/١)۔

([2]) اس روایت کو امام احمد نے **مسند—حدیث نمبر ۲۵۰۲۹** میں بھی بیان کیا ہے۔

یوم عاشورا کے روزے

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور یہودیوں کو عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس دن کے روزہ رکھنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ رب العالمین نے موسی علیہ السلام کو فرعون کے لشکر سے نجات دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ہم تمہاری بہ نسبت موسی علیہ السلام سے زیادہ قریب ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے روزے کا حکم فرمایا))۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ نے یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا تو آپ نے فرمایا یہ کیا ماجرہ ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ بہت ہی مبارک دن ہے یہ وہ دن ہے جس میں اللہ رب العالمین نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام[1] نے آج کا روزہ رکھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تمہاری بنسبت موسی علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم دیا[2]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس خبر کے ظاہر پر اس بارے میں اشکال پیش کیا گیا ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو یہودیوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، جب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ ربیع الاول میں آئے تھے، اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا اس بارے میں جاننا اور اس کے بارے میں سوال کرنا اس وقت تھا جب آپ مدینہ آچکے تھے نہ کی مدینہ آمد سے پہلے آپ کو اس کا علم ہوا تھا، پورا معاملہ یہ ہے کہ اس کلام میں محذوف ہے جس کی تقدیر اس طرح سے ہوگی: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ

---

(۱) امام مسلم نے اپنی روایت میں اضافہ کیا ہے کہ: "انہوں نے اللہ کے شکر کے طور پر روزہ رکھا تھا چنانچہ ہم بھی اس کا روزہ رکھتے ہیں"۔

(۲) اس کی تخریج امام بخاری نے صحیح بخاری – کتاب الصیام – باب صوم یوم عاشوراء – حدیث نمبر ۲۰۰٤ میں، اور امام مسلم نے صحیح مسلم – کتاب الصیام – باب صوم یوم عاشوراء – حدیث نمبر ۱۱۳۰ میں کیا ہے۔

آئے اور عاشورا کا قیام کیا تو یہودیوں کو اس میں روزہ رکھتے ہوئے پایا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہودی لوگ حساب کرتے ہوں یوم عاشورا کا شمسی سال کے حساب سے تو جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے ہوں اس دن عاشورہ کا دن رہا ہو ان کے اس حساب کے اعتبار سے، اور یہ تاویل اس بات کو راجح قرار دیتی ہے کہ مسلمان موسی علیہ السلام کے زیادہ حقدار اور زیادہ قریب ہیں کیونکہ اس مذکورہ دن کو اللہ رب العالمین نے ان سے چھپادیا تھا اور مسلمانوں کو اللہ رب العالمین نے اس دن کی رہنمائی فرمائی تھی، لیکن احادیث کی سیاق سے اس تاویل کی نفی ہوتی ہے اور پہلی تاویل پر اعتماد کیا جائے گا، پھر میں نے طبرانی کی المعجم الکبیر میں ایک ایسی چیز دیکھی جو پہلے مذکور احتمال کی تائید کرتی ہے، اور یہ وہ روایت ہے جس کی تخریج زید بن ثابت نے ابو زناد عن ابیہ کے واسطے خارجہ بن زید بن ثابت کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ((عاشوراء کا دن وہ دن نہیں ہے جس کو لوگ کہتے ہیں، بلکہ وہ ایسا دن تھا جس میں کعبہ کو غلاف چڑھایا جاتا تھا، جو کئی سال میں گھوما کرتا تھا اور اس دن وہ فلاں یہودی دی کے پاس آتے تھے تاکہ وہ انہیں حساب بتائے، چنانچہ جب وہ زید بن ثابت کے پاس آئے اور انہوں نے اس کا سوال کیا اور اس کی سند حسن ہے یعنی یہود کے جاہل لوگ اپنے روزے اور عید میں ستاروں کے حساب پر اعتماد کرتے تھے یعنی سال ان کے یہاں سورج کے اعتبار سے ہوتا تھا چاند کے حساب سے نہیں))[1]۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن نے صحیح سند کے ساتھ محمد بن صیفی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن کہا: ((کیا تم میں سے کسی نے آج کچھ کھایا ہے ہم نے کہا ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو کھا چکے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے نہیں کھایا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو تم اپنے باقی دن کو پورا کرو جو کھایا ہو

([1]) ملاحظہ کریں: فتح الباری (٤/ ٧٧)۔

اور جو نہ کھایا ہو سارے لوگ، اور مدینہ کے گرد و نواح میں لوگوں کو بھیج دو، وہ انہیں بتائیں کہ وہ سبھی اپنے دن کے باقی حصہ میں روزہ رکھیں))۔

وہ کہتے ہیں: اہل عروض سے مراد مدینہ کے گرد کا علاقہ ہے[1]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: ((عاشورہ کے دن قریش کے لوگ جاہلیت[2] میں روزہ رکھا کرتے تھے اور اللہ کے رسول بھی اس کا روزہ رکھتے تھے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ نے اس کا روزہ رکھا اس کے روزہ رکھنے کا حکم دیا، مگر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے عاشورا کے دن کو چھوڑ دیا جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا[3]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کی موافقت پسند تھی ان باتوں میں جن میں آپ کو کوئی بھی حکم نہ ہوا تھا[4]، خصوصا ان امور میں جن میں بت پرستوں کی مخالفت ہوتی ہو، پھر جب مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کا معاملہ مشہور ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کی مخالفت کرنی پسند ہو گئی، جیسا کہ صحیح روایت میں یہ

([1])اس واقعہ کو روایت کیا ہے: ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ – کتاب أبواب الصیام – باب صیام یوم عاشوراء – حدیث نمبر ۱۷۳۵ میں۔

([2])حافظ ابن کثیر نے الفتح (۷۷۳/٤) میں فرمایا: "قریش کے عاشوراء کے روزے کی بات شاید پچھلے شریعت سے آئی ہو، اسی لیے وہ اسے عظمت دیتے تھے، جیسے اس دن کعبہ کو پوشاک دینے کا رواج۔ نیز، میں نے 'مجالس الباغندی الکبیر' کے تیسرے مجلس میں عکرمہ سے سنا کہ پوچھا گیا، تو فرمایا: قریش نے جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تھا، جس کی یاد دلائی گئی، اس لیے کہا گیا: 'عاشوراء کا روزہ رکھو، تاکہ وہ گناہ مٹ جائے۔'"

([3])اس روایت کو مزید بیان کیا ہے: امام بخاری نے صحیح بخاری – کتاب الصیام – باب صوم یوم عاشوراء – حدیث نمبر ۲۰۰۲ میں، اور امام مسلم نے صحیح مسلم – کتاب الصیام – باب صوم یوم عاشوراء – حدیث نمبر ۱۱۲۵ میں۔

([4])اسی موضوع سے متعلق: امام بخاری نے صحیح بخاری – کتاب اللباس – باب الفَرق – حدیث نمبر ۵۹۱۷ میں، اور امام مسلم نے صحیح مسلم – کتاب الفضائل – باب في سدل النبي صلی اللہ علیہ وسلم شعرہ – حدیث نمبر ۲۳۳٦ میں، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اہل کتاب کے ساتھ اس چیز میں میل رکھتے تھے جس کا انہیں حکم نہیں تھا۔

بات ثابت ہے[1] تو یہ انہی میں سے ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کی موافقت کی اور کہا: ہم موسی علیہ السلام کے تمہاری بہ نسبت زیادہ حقدار ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مخالفت پسند ہوئی تو آپ نے یہ حکم فرمایا اس پہلے اور بعد میں ایک دن کا اضافہ کر لیا جائے تاکہ ان کی مخالفت ہو سکے،،،اور اس طرح عاشوراء کے روزے کے تین مراتب ہوں گے: سب سے کمتر درجہ یہ ہے کہ صرف اسی دن کا روزہ رکھا جائے، اور اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ 9 تاریخ کا اس کے ساتھ روزہ رکھا جائے، اس سے بھی اوپر کا درجہ یہ ہے کہ 9 نو اور گیارہ کا روزہ رکھا جائے، واللہ اعلم[2]۔

عاشورہ کے روزے کی فضیلت

رہی بات عاشورہ کے روزے کی فضیلت کی تو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، اللہ کے رسول سے عاشورہ کے روزے سے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے"[3]۔

([1])امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کی ہے – حدیث نمبر ۳۰۲ – کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: یہود میں جب کوئی عورت حیض میں ہوتی، تو وہ اسے نہ کھلاتے اور نہ گھروں میں جنسی تعلق رکھتے۔ صحابۂ رسول ﷺ نے اس بارے میں پوچھا، تو اللہ تعالی نے فرمایا: {وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ} (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۲) پھر نبی ﷺ نے فرمایا: "سب کچھ کرو سواء نکاح کے"۔ جب یہود تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا: "یہ آدمی ہمارا ہر کام لیتا ہے اور ہر معاملے میں ہم سے اختلاف کرتا ہے۔" حافظ ابن کثیر نے الفتح (۵۵۷/۱۱) میں بیان کیا: "قرطبی نے جو بات کہی اس کے مطابق نبی ﷺ بعض معاملات میں اہل کتاب کے ساتھ میل رکھتے تھے تاکہ محبت اور اتحاد قائم رہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ دو صورتوں میں ہوتا اور نازل نہ ہوا تو نبی ﷺ اہل کتاب کے ساتھ عمل کرتے تھے، کیونکہ وہ شریعت کے حامل تھے، جبکہ بت پرست کسی شریعت پر نہیں تھے۔ جب مشرک مسلمان ہوئے تو مخالفت صرف اہل کتاب کے ساتھ باقی رہی۔ اور احادیث میں اہل کتاب کے ساتھ مخالفت کے بیش از تیس احکام ملتے ہیں، جیسے: عاشوراء کا روزہ، قبلہ کی سمت، حیض والی عورت کے ساتھ میل جول میں مخالفت، یوم سبت کو الگ سے روزہ رکھنا منع کیا گیا، کیونکہ یہ یہودیوں کا تہوار ہے، مڑھی کے بال الگ کرنا، اور دیگر معاملات۔"

([2])دیکھیے: فتح الباری (۷۷۲/۴)۔

([3])اسکی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الصیام باب استحباب ثلاثۃ أیام من کل شھر حدیث نمبر (۱۱۶۲) (۱۹۷) پر کی ہے۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت

رمضان کے روزوں کی فرضیت شعبان سنہ دو ہجری میں کعبہ کی جانب تحویل قبلہ کے ایک ماہ بعد ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ نے 9 مرتبہ رمضان کے روزے رکھے تھے[1]۔

اور رمضان کے روزوں کی فرضیت تین مراحل سے گزری:

پہلا مرحلہ: اس کے روزے رکھنے اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے درمیان اختیار کے طور پر تھا، اسی سلسلے میں فرمان باری تعالی: ((وعلى الذين يطيقونه فديه طعام مسكين))[البقرة: ١٨٤]۔ کا نزول ہوا۔

چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ((وعلى الذين يطيقونه فديه طعام مسكين)) وہ کہتے ہیں جو چاہتا روزہ افطار کرتا اور فدیہ دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی اور اس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا[2]۔

اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی وسلم کے زمانے میں تھے جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا افطار کرتا اور ایک مسکین کو کھلا دیتا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ((فمن شهد منكم الشهر فليصمه))[3]۔

([1]) دیکھیے: الطبقات از ابن سعد (121/1) زاد المعاد (29/2)۔

([2]) اس حدیث کو روایت کیا ہے: امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب التفسیر، باب (26)، حدیث نمبر (4507) میں۔ امام مسلم نے اپنے صحیح میں کتاب الصیام، باب: بیان نسخ قولہ تعالی: {وَعَلَى الذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ}، حدیث نمبر (1145) میں۔

([3]) امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب الصیام، باب: قولہ تعالی: {وَعَلَى الذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ} حدیث نمبر: 1145 (150)۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں: ابن نمیر کہتے ہیں ہم سے اعمش نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے ابن ابی لیلیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بیان کیا رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئے تو ان پر بھاری گزری، تو طاقت رکھنے والوں میں سے جو ایک مسکین کو کھانا کھلاتا وہ روزہ چھوڑ سکتا، اور اس بارے میں انہیں اجازت دی تھی، پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا: ((وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون))[البقرۃ: ۱۸۳]، پس انہیں روزے کا حکم دے دیا گیا[1]۔

دوسرا مرحلہ:

یہ مرحلہ اس کے روزے رکھنے کا تھا، لیکن جب کوئی افطار کرتا تھا تو اس کے لئے کھانا پینا اور بیوی سے صحبت اختیار کرنا نماز عشاء تک یا اس سے پہلے سونے تک جائز ہوتا، پھر جب وہ سو جاتا یا عشاء کی نماز پڑھ لیتا تو اس پر کھانا پینا اور بیوی سے صحبت اختیار کرنا اگلی رات تک حرام ہو جاتا، تو انہیں اس سے بہت مشقت لاحق ہوئی[2]۔

جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جب کوئی شخص روزہ رکھتا تھا اور افطار کا وقت ہوتا، اور وہ افطار کرنے سے پہلے سو جاتا تو وہ اس رات اور دن شام ہونے تک نہیں کھاتا، اور ابو قیس صرمہ بن ابی انس انصاری روزہ تھے، پھر جب افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی کھانا ہے تو انہوں نے کہا نہیں، مگر میں جا کر تمہارے لیے کہیں سے لاتی ہوں اور وہ اس وقت دن میں کام کیا کرتے تھے، چنانچہ ان کی آنکھ لگ گئی، اور ان کی بیوی آئیں اور

([1]) امام بخاری نے اپنی صحیح میں معلقاً روایت کیا ہے: کتاب الصوم، باب: {وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ}۔
حافظ ابن حجر نے الفتح (699/4) میں ذکر کیا ہے کہ: اسے ابو نعیم نے المستخرج میں موصولاً روایت کیا ہے اور البیہقی نے انہیں کی طریق سے روایت کیا۔

([2]) دیکھیے: زاد المعاد (30/2) تفسیر ابن کثیر (510/1)۔

انہیں سوتے دیکھا تو کہا تم محروم رہ گئے، چنانچہ وہ روزے کی حالت میں صبح کیے، پھر جب دوپہر کا وقت ہوا تو ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی، اور یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ((احل لکم لیلہ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم)) چنانچہ وہ اس آیت کو سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: ((وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر))[البقرۃ: ۱۸۷][1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب لوگ رمضان میں روزہ رکھتے اور شام ہوتی اور وہ سو جاتا تھا تو اس پر کھانا پینا اور بیوی سے صحبت کرنا حرام ہو جاتا یہاں تک کہ دوسرے دن افطار کرے، چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوئے اور اس دن وہ رات کو آپ کے پاس جاگے ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بیوی کو سویا ہوا پایا، اور ان سے صحبت اختیار کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا میں سو چکی تھی، انہوں نے کہا تم نہیں سوئی تھی، پھر صحبت اختیار کی اور کعب بن مالک نے بھی اسی طرح سے کیا، چنانچہ وہ دونوں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس کی خبر آپ کو دی اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم))[البقرۃ: ۱۸۷][2]۔

تیسرا مرحلہ:

یہ وہ مرحلہ ہے جس پر شریعت قیامت کے دن تک کے لیے لیے استقرار پائی، چنانچہ اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((احل لکم لیلہ الصیام الرفث الی نسائکم ھن ھن

---

(۱) یہ حدیث امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے - کتاب الصوم - باب: قول اللہ تعالیٰ: {أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ} - حدیث نمبر (1915) - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الصوم - باب السحور - حدیث نمبر (3460) اور (3461)۔

(۲) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (15795) - اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (479)۔

لباس لكم وانتم لباس لهن علم الله انكم كنتم تختانون انفسكم فتاب عليكم وفائكم فالان باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر ثم اتموا الصيام الى الليل ولا تباشروهن وانتم عاكفون في المساجد تلك حدود الله فلا تقربوها كذلك يبين الله لكم اياته للناس لعلهم يتقون))۔

ماہ رمضان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

ماہ رمضان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل میں سے یہ تھا کہ آپ مختلف عبادتوں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل علیہ السلام رمضان میں قرآن کا دورہ کراتے تھے[1]،اور جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آتے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیر کے معاملے میں تیز آندھی سے بھی زیادہ سخی ہو جایا کرتے تھے،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے بھی،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں سب سے زیادہ سخی ہوا کرتے تھے[2]،آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں صدقہ ، احسان، تلاوت قرآن، نماز، ذکر، اعتکاف زیادہ سے زیادہ کیا کرتے تھے،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے کو عبادت کے لیے اس طرح سے خاص کرتے تھے جس طرح دوسرے مہینوں میں نہیں کرتے تھے[3]۔

([1])یہ روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے-کتاب المناقب-باب: علامات النبوة في الإسلام-حدیث نمبر(3624)-اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے-کتاب فضائل الصحابة-باب: فضائل فاطمة رضي الله عنها-حدیث نمبر(2450)اور(98)-اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے-حدیث نمبر(3625)۔

([2])یہ روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے-کتاب الصیام-باب: أجودُ ما كان النبي ﷺ يكون في رمضان-حدیث نمبر(1902)-اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے-کتاب الفضائل-باب: كان النبي ﷺ أجود الناس-حدیث نمبر(2308)۔

([3])دیکھیں: زاد المعاد(جلد2،صفحہ30)۔

زکاۃ فطر کی فضیلت

ہجرت کے دوسرے سال ہی ماہ شعبان میں مال کے زکوۃ کے فرض ہونے سے پہلے زکاۃ الفطر کی فرضیت ہوئی[1]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں صحیح سند کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم صدقۃ الفطر[2] زکوۃ کی فرضیت کے نزول سے پہلے دیا کرتے تھے[3]۔

اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر کے واسطے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے صدقۃ الفطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر شخص کی جانب سے دینے کا حکم دیا، یا انہوں نے یہ کہا کہ چھوٹے بڑے آزاد غلام ہر شخص کی طرف سے[4]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ الفطرۃ فرض کیا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو میں سے

---

(۱) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد 1، صفحہ 120)۔

(۲) حافظ نے الفتح میں فرمایا (جلد 4، صفحہ 139): صدقہ فطر اس لیے شامل کی گئی کیونکہ یہ رمضان کے فطر میں واجب ہوتی ہے۔

(۳) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٣٨٤٠) اور (٢٣٨٤٣) - اور الطحاوی نے شرح مشکِل الآثار میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٢٥٨)۔

(۴) الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (3412) - اور ابوداود نے سنن میں روایت کی ہے - کتاب الزکاۃ - باب: من روی نصف صاع من قمح - حدیث نمبر (1619)۔

غلام اور آزاد مرد اور عورت بچے اور بڑے تمام مسلمانوں کی طرف سے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اسے نماز کے لئے نکلنے سے پہلے پہلے ادا کیا جائے۔[1]

(1) یہ روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے۔ کتاب الزکاۃ۔ باب: فرض صدقۃ الفطر۔ حدیث نمبر (1503)۔ اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے۔ کتاب الزکاۃ۔ باب: زکاۃ الفطر۔ حدیث نمبر (984)۔

غزوہ بدر کبری ابتدا سے انتہا تک

غزوہ بدر کبری[1]

اس کی تاریخ

یہ غزوہ سنہ دو ہجری میں 17 رمضان جمعہ کے دن دن کے وقت پیش آیا[2]۔

اس سے متعلق اقوال

ابن عبد البر کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سب سے بلند مقام اور اللہ رب العالمین اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے نزدیک سب سے عظیم غزوہ غزوہ بدر کبری تھا، ۔۔۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں کوئی دوسرا غزوہ ایسا نہیں ہے جو فضیلت میں اس کی برابری کر سکے، اور اس کے قریب بھی پہنچ سکے سوائے غزوہ حدیبیہ کے، جس وقت بیعت رضوان پیش آیا[3]۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ غزوہ جمعہ کے دن پیش آیا، جب سنہ دو ہجری میں رمضان کی 17 ویں تاریخ تھی، وہی یوم فرقان ہے جس میں اللہ رب العالمین نے اسلام اور

---

(1) اور اسے بدر العظمی، بدر القتال، اور یوم الفرقان بھی کہا جاتا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے اس دن حق اور باطل میں فرق کیا۔ بدر ایک مشہور گاؤں ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ بدر وہ کنواں ہے جو وہاں موجود تھا، جس کا نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس کا پانی صاف اور گولائی والا تھا، جس میں چاند کی عکاسی ہوتی تھی۔
بعض کا کہنا ہے کہ: یہ نام ایک شخص بدر بن النازین کے نام سے منسوب ہے جس نے اسے کھودا۔ دیکھیں: فتح الباری (جلد 8، صفحہ 11)، تفسیر ابن کثیر (جلد 2، صفحہ 112)۔
میں کہتا ہوں: آج بدر مسجد نبوی سے تقریباً 150 کلو میٹر دور ہے۔

(2) دیکھیں: طبقات ابن سعد (جلد 1، صفحہ 258) البدایۃ والنہایۃ (جلد 3، صفحہ 283) تفسیر ابن کثیر (جلد 2، صفحہ 111) سیرۃ ابن ھشام (جلد 2، صفحہ 238) صحیح مسلم بشرح النووي (جلد 12، صفحہ 72)

(3) دیکھیے: الاستیعاب (١٤٥/١)۔

مسلمانوں کو عزت بخشی، اور شرک اور اس کے علاقوں کو برباد کیا، اور یہ اس دن مسلمانوں کی قلت کے باوجود ہوا، تو اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو قوت بخشی اور اپنی وحی اور اپنے کتاب کو غالب کیا اور اپنے نبی اور ان کے ماننے والوں کے چہرے کو روشن کیا اور شیطان اور اس کے لشکر کو رسوا کیا[1]۔

شیخ ابوالحسن ندوی کہتے ہیں: رمضان سنہ 2 ہجری میں غزوہ بدر کبری پیش آیا، یہی وہ فیصلہ کن معرکہ تھا جس سے امت اسلامیہ اور اسلام دعوت کے کامیابی کی بنیاد پڑی، اور اسی غزوہ پر انسانیت کی معنوی انجام بھی متوقف تھی، کیونکہ جو بھی فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں اور جو بھی حکومت اور سلطنت قائم ہوئیں وہ میدان بدر میں فتح مبین کی مرہون منت تھی، اسی لئے اللہ رب العالمین نے اس معرکہ کو یوم فرقان کا نام دیا ہے، فرمان باری تعالی ہے: ((ان كنتم امنتم بالله وما انزلنا على عبدنا يوم الفرقان يوم التقى الجمعان))[الانفال: ٤١][2]۔

اور عبدالرحمن حبنہ کہ میدانی کہتے ہیں: ((اس عظیم غزوہ کے نتائج اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ موجود مسلمانوں کو مضبوط کرنے والے ربانی نصرت سے متعلق اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی پہلی قسط تھی، باوجود اس کے کہ ان کے پاس کامیاب ہونے کے لئے وسائل اور مادی طاقت نہ تھی[3]۔

غزوہ بدر کبریٰ کے خصائص

1-اس میں شریک لوگ اس کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے فلاں بدری صحابی ہیں، اور جو غزوہ احد میں شریک ہوئے انہیں احدی نہیں کہا جاتا، یا جو خندق میں شریک

---

(1) حافظ ابن کثیر کی بابت ان کی تفسیر (111/2) میں دیکھئے۔

(2) دیکھیے: دیکھیں: السیرۃ النبویۃ للندوي، صفحہ 213۔

(3) دیکھیں: کتاب الصیام ورمضان في السنۃ والقرآن للشیخ عبدالرحمن حبنکۃ المیداني، صفحہ 382۔

ہوئے انہیں خندقی نہیں کہا جاتا، اسی طرح دیگر غزوات میں شریک لوگوں کو ان غزوات کی جانب منسوب نہیں کیا جاتا۔

2- اس غزوہ میں شریک ہونے والے مسلمان مسلمانوں میں سب سے افضل لوگ ہیں، جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں معاذ بن رفاعۃ بن رافع زرقی کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے جو کہ اہل بدر میں سے تھے وہ کہتے ہیں: ((جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا تم اپنے درمیان اہل بدر کو کیسے شمار کرتے ہو؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سب سے بہترین مسلمان ہیں، یا اس کے مثل کوئی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں، انہوں نے کہا کہ اسی طرح سے جو فرشتوں میں سے شریک ہوئے تھے ان کا بھی مقام ہے[1]۔

3- اس غزوہ میں شریک لوگوں کے لیے قیامت تک کے لئے مغفرت لکھ دی گئی ہے، چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصے میں نقل کیا ہے جب انہوں نے اہل مکہ کے لیے ایک خط لکھا تھا جس میں وہ انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے ارادے کا خبر دے رہے تھے۔۔۔ تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کہا تھا: انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کی خیانت کی ہے آپ ہمیں اجازت دیں میں اس کی گردن کو مار دوں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ اہل بدر میں سے نہیں ہیں، تحقیق کہ اللہ رب العالمین نے بدر والوں کی طرف مطلع ہو کر فرمایا تھا: "تم جو چاہو کرو تحقیق کہ تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی ہے یا تحقیق کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے"[2]۔

([1]) یہ روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے- کتاب المغازي- باب: شهود الملائكة بدرا- حدیث نمبر (3992)۔

([2]) یہ روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے- کتاب المغازي- باب: فضل من شهد بدرا- حدیث نمبر (3983)- اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے- کتاب فضائل الصحابۃ- باب: من فضائل أهل بدر- حدیث نمبر (2494)۔

4- بے شک فرشتوں نے اس میں قتال کیا تھا اور یہ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے یا کسی اور غزوے میں پیش نہ آیا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابو داؤد مزنی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے جو کہ بدر میں شہید ہوئے تھے انہوں نے کہا ہے: ((بے شک میں مشرکوں میں سے ایک شخص کا پیچھا اس کے گردن کو مارنے کے لیے کر رہا تھا، تو اسی وقت اس کا سر میری تلوار اس تک پہنچنے سے پہلے ہی گر گیا تو میں نے یہ سمجھ لیا کہ اسے میرے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے[1]۔

اس غزوہ کا سبب

اس عظیم غزوے کا سبب یہ تھا کہ ابو سفیان بن حرب شام سے قریش کے بڑے قافلے کے ساتھ آ رہا تھا جس میں ان کا بہت مال اور تجارتی ساز و سامان تھا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ عشیرہ کے موقع پر مکہ سے شام جاتے ہوئے بھاگ نکلا تھا[2]۔

اور ان کا لشکر کر چالیس اونٹ پر مشتمل تھا اور اس میں 50 ہزار دینار کی مالیت تھی، قریش کے لوگوں میں سے کسی کے پاس اگر ایک اوقیہ یا اس سے زیادہ تھا تو اس نے اسے ابو سفیان کے ساتھ بھیج دیا تھا، سوائے حویطب بن عبد العزیٰ کے اسی لیے وہ بدر سے پیچھے رہ گیا تھا اور اس میں تیس یا چالیس لوگ بھی تھے جن میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن العاص بھی شامل تھے[3]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری اور آپ کا مقام بدر کی طرف نکلنا

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کے شام سے قریش کی سے تجارت کے ساتھ سے آنے کی خبر سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کے لیے تیار کیا اور ان

---

(۱) اس کی تخریج امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر (23778) پر کی ہے۔

(۲) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (۲/۲۱۸)۔

(۳) مرجع سابق (۲/۲۱۸) البدایہ والنہایہ (۳/۲۷۱) زاد المعاد (۳/۱۵۳)۔

سے کہا: یہ قریش کا قافلہ آرہا ہے اس میں ان کے بہت سارے مال و دولت ہیں تو تم ان کی طرف نکلو تاکہ ہو سکتا ہے اللہ رب العالمین اسے تمہیں مال غنیمت کے طور پر عطا کر دے[1]۔

اور دوسری روایت میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہم سے فرمایا: مجھے ابو سفیان کے ایک قافلے کے سلسلے میں یہ خبر دی گئی ہے[2] کہ وہ واپس آرہے ہیں کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ ہم اس قافلے کی طرف نکلیں ہو سکتا ہے اللہ رب العالمین ہمیں اسے مال غنیمت کے طور پر عطا کر دے، تو ہم نے کہا: ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے[3]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نکلنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ جس کے ساتھ اس کی سواری موجود ہو وہی نکلے، چنانچہ لوگ تیار ہوئے اور بعض لوگوں نے اسے ہلکا سمجھا اور بعض لوگوں کو یہ بھاری پڑی تو بہت سے صحابہ کرام پیچھے رہ گئے کیونکہ انہوں نے یہ تصور کیا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ نہیں کریں گے بلکہ وہ قافلے کو روکنے کے لیے نکلے ہیں[4]۔

---

(1) یہ روایت ابن اسحاق نے سیرت میں بیان کی ہے (جلد 2، صفحہ 218) اور اس کا اسناد صحیح ہے۔

(2) یہ بات بُسبَسۃُ بن عمرو الجهني -رضي الله عنه- نے بتائی، کیونکہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے- کتاب الإمارة- باب: ثبوت الجنة للشهيد- حدیث نمبر (1901) عن أنس بن مالک -رضي الله عنه- کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے بَسبَسۃ کو بھیجا تاکہ دیکھے کہ قافلہِ ابو سفیان نے کیا کیا، وہ آئے تو گھر میں صرف میں اور رسول اللہ ﷺ تھے، اور انہوں نے یہ حدیث بیان کی۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں نام بُسبَسۃ مصغّر لفظ بُسَیسۃ کے طور پر آیا ہے۔ اور ابن اسحاق کی سیرت میں (جلد 2، صفحہ 229) لفظ "بسبس" آیا ہے، اور الحافظ نے الاصابۃ (جلد 1، صفحہ 420) میں درست فرمایا کہ اصل نام بُسبَسۃُ ہے۔

(3) یہ بات الهيثمي نے المجمع میں ذکر کی ہے (جلد 6، صفحات 73-74) اور فرمایا: اسے الطبراني نے روایت کیا ہے اور اس کا اسناد حسن ہے۔ اور اسے البیهقي نے دلائل النبوۃ میں بھی ذکر کیا ہے (جلد 3، صفحہ 37)۔

(4) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 2، صفحہ 219) دلائل النبوۃ للبیهقي (جلد 3، صفحہ 32) الطبقات الکبری لابن سعد (جلد 1، صفحہ 254) البدایۃ والنہایۃ (جلد 3، صفحہ 272)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک ہم ایک قافلے کو روکنے کے لیے جارہے ہیں جس کے پاس سواری تیار ہو وہ ہمارے ساتھ ہولے، چنانچہ کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سواریوں کے بارے میں اجازت طلب کی کہ وہ مدینہ کے عوالی میں ہے ہم وہاں سے جاکر لے آئیں اور آپ کے ساتھ چلتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے جس کی سواری حاضر ہے کوئی نہیں نکلے گا))[1]۔

اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم غزوہ سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی کو کوئی عتاب نہ کیا۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے سے کبھی پیچھے نہ رہا سوائے غزوہ تبوک کے، اور میں غزوہ بدر میں پیچھے رہ گیا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پیچھے رہنے والوں میں سے کسی کو کوئی عتاب نہیں کیا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلے کو پکڑنے کے لیے نکلے تھے[2]۔

ایک ضعیف قصہ

ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں ضعیف سند کے ساتھ ام ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کا غزوہ کیا تو میں نے ان سے کہا میں آپ کے بیمارو کی تیمارداری کروں گی ہو سکتا ہے مجھے شہادت کا درجہ

---

(۱) امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے - کتاب الإمارة - باب: ثبوت الجنّة للشهيد - حدیث نمبر (1901) - اور امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (12398)۔

(۲) امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے - کتاب المغازي - باب: غزوة تبوک - حدیث نمبر (4418) - اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے - کتاب التوبة - باب: حدیث توبة کعب بن مالک وصاحبیہ - حدیث نمبر (2769)۔

کر دے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا کہ تم اپنے گھر میں بیٹھی رہو بیشک اللہ رب العالمین تمہیں شہادت نصیب فرمائیں گے چنانچہ انہیں شہیدہ کالقب دیا جاتا تھا۔

اور انہوں نے قرآن پڑھا تھا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں کسی کو موذن بنالیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی تھی۔

اور انہوں نے اپنے ایک غلام اور لونڈی کو اپنی وفات کے بعد آزاد کرنے کا ارادہ کیا تھا، تو وہ دونوں ایک رات کھڑے ہوئے اور انہیں ایک چادر سے ڈھک لیا یہاں تک کہ وہ مر گئیں[1] اور وہ دونوں بھاگ گئے پھر عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے صبح کی[2] اور لوگوں میں کھڑے ہوئے اور کہا جن کے پاس ان دونوں کے بارے میں خبر ہو یا جس نے ان دونوں کو دیکھا ہو وہ ان دونوں کو لے کر آئے چنانچہ ان کے بارے میں انہوں نے حکم دیا اور انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا اور مدینہ میں سب سے پہلے سولی پر لٹکائے جانے والے وہی تھے[3]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے نکلنے کی تاریخ:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے سنیچر کے دن رمضان کی بارہ راتیں رہتے ہوئے نکلے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، پھر

([1])یعنی اس نے ان کی آزادی اپنی موت پر منوط کی، یہ تدبیر سے مراد ہے، یعنی کہ مالک اپنے غلام سے کہے: "تم میری موت کے بعد آزاد ہو"، یا: "جب میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو"۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 2، صفحہ 93)۔

([2])یعنی یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ہوا ۔

([3])اسکی تخریج امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں کتاب الصلاۃ باب إمامۃ النساء حدیث نمبر (591) اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (27282) پر کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لبابہ رضی اللہ تعالی عنہ کو روحاء[1] سے واپس کیا اور انہیں مدینہ پر جانشین مقرر کیا تھا[2] جیسا کی آگے بیان کیا جائے گا۔

مسلمانوں کی تعداد

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین اور انصار میں سے نکلنے والے لوگوں کی تعداد 313 تھی، جن میں سے 70 سے کچھ زیادہ وہ[3] مہاجر تھے اور انصار میں سے دو سو چالیس سے کچھ زیادہ لوگ شامل تھے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم یہ بات کیا کرتے تھے کہ بدر کی جنگ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تین سو تیرہ تھے اتنی ہی مقدار میں جتنی طالوت کے ساتھ موجود وہ لوگ تھے جنہوں نے نہر کو پار کیا تھا، اور نہر کو پار کرنے والے ان کے ساتھ صرف مومن ہی تھے[4]۔

اور بخاری نے اپنے صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں مجھے اور ابن عمر کو بدر کے دن کم سن شمار کیا گیا، اور مہاجروں کی تعداد بدر کے دن ساٹھ سے زیادہ تھی اور انصار یا رد و سو چالیس سے زیادہ تھے[5]۔

([1]) الروحاء: ایک مقام ہے جو مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دیکھیں: جامع الأصول لابن الأثیر (جلد 9، صفحہ 379)۔

([2]) دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (جلد 3، صفحہ 275) سیرۃ ابن ھشام (جلد 2، صفحہ 224) الطبقات لابن سعد (جلد 1، صفحہ 254)

([3]) اور صحیح بخاری میں - حدیث نمبر (4026) عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہا:... تو بدر میں شریک تمام قریش کے افراد، جنہیں تیر سے نشانہ بنایا گیا، تعداد ایک اسی (81) افراد ہے۔ حافظ ابن حجر نے الفتح (جلد 8، صفحہ 62) میں فرمایا: اس حدیث کو اور حدیث البراء کو یکجا کیا جاتا ہے، یعنی حدیث البراء ان لوگوں کے لیے بیان کی گئی جو بدر میں جسمانی طور پر شریک ہوئے، اور باب کی حدیث ان لوگوں کے لیے جو جسمانی اور حکمی طور پر شریک ہوئے۔ امکان ہے کہ پہلے تعداد میں صرف آزاد افراد شامل ہیں، اور دوسری تعداد میں ان کے موالی اور پیروکار بھی شامل ہیں۔

([4]) یہ روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں بیان کی ہے - کتاب المغازي - باب: عدۃ أصحاب بدر - حدیث نمبر (3959)۔

([5]) امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے - کتاب المغازي - باب: عدۃ أصحاب بدر - حدیث نمبر (3956)۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب بدر کا دن تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا جو کہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ 319 لوگوں پر مشتمل تھے[1]۔

چنانچہ مسلم کی یہ روایت بخاری میں موجود براء رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں موجود بضع کی تفسیر کرتی ہے بایں طور کہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس لوگوں پر مشتمل تھی۔

اور خزرج کے لوگ اوس سے زیادہ تھے جیسا کہ ابن اسحاق[2] نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے، اور اوس کی تعداد خزرج سے کم اس لئے ہوئی اگرچہ وہ لوگ ان سے زیادہ مضبوط اور شان و شوکت اور طاقت قوت والے تھے اور جنگ کے وقت زیادہ صبر کرنے والے تھے کیونکہ ان کے گھر مدینہ کے بالائی حصے میں تھے اور جنگ کے لئے اعلان اچانک میں ہوا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارے پیچھے صرف وہی نکلے جن کی سواریاں ان کے ساتھ موجود ہوں، اور لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کے بالائی حصے پر جا کر اپنی سواریوں کو لانے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا[3] اور نہ ہی ان کا ارادہ جنگ کا تھا، نہ انہوں نے اس کے لئے تیاری کی تھی، اور نہ ہی وہ اس کے لئے تیار تھے، لیکن اللہ رب العالمین نے انکے اور انکے دشمنوں کے درمیان غیر متعینہ وقت کے لئے جمع کر دیا تھا[4]۔

([1]) امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے۔ کتاب الجهاد والسير۔ باب: الإمداد بالملائكة في غزوة بدر۔ حدیث نمبر (1763)۔

([2]) ابن اسحاق نے سیرت میں ذکر کیا (جلد 2، صفحہ 319): اوس کے افراد کی تعداد ایک ساٹھ اور ایک (61) ہے، اور خزرج کے افراد کی تعداد ایک سو ستر (170) ہے۔

([3]) اس حدیث کی تخریج کچھ دیر پہلے پیش کی جا چکی ہے۔

([4]) دیکھیں: زاد المعاد (جلد 3، صفحہ 169)۔

عذر کے سبب پیچھے رہنے والے لوگ:

بدر کی طرف جانے سے کئی ایک صحابہ عذر کے باعث پیچھے رہ گئے تھے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ان کا حصہ اور بدلہ مقرر فرمایا تھا، چنانچہ عذر کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں میں سے کچھ یہ ہیں:

1- عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ کی دیکھ بھال کے لئے پیچھے رہنے کو کہا تھا جو کہ بیمار تھیں چنانچہ وہ ان کے پاس ہی ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔

2- امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عثمان بدر سے اس وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے کیونکہ ان کے عقد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار بیٹی تھیں، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا: بے شک تمہارے لئے بدر میں شہید شخص کے برابر اجر اور بدلہ ملے گا[1]۔

2،3- طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بھیجا تھا تاکہ وہ قافلے کی خبر لے کر آئیں چنانچہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں تحریر کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ شام سے قافلہ واپس آنے والا ہے تو طلحہ بن عبید اللہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو بھیجا تھا کہ وہ ان کی خبر لا سکیں، طلحہ اور سعید مدینہ آئے تا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلے کی خبر دے سکیں تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق خبر پائی کی آپ کو خبر دی جا چکی ہے اور آپ نکل چکے ہیں، چنانچہ وہ لوگ آپ کے پیچھے نکلے یہاں تک کہ ان کی آپ سے ملاقات تربان[2] نامی مقام پر بدر سے واپسی کے وقت ہوئی[1]۔

([1]) امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے- کتاب الخمس- باب: إذا بعث الإمام رسولًا في حاجة- حدیث نمبر (3130)۔

([2]) تُربان: ایک مقام ہے جہاں پانی وافر ہے، جو مدینہ سے تقریباً پانچ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے، اور فرسخ تین یا چھ میل کے برابر ہوتا ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 1، صفحہ 182) اور لسان العرب (جلد 10، صفحہ 223)۔

4-ابولبابہ بن عبد المنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روحاء نامی مقام سے واپس کر دیا تھا اور انہیں مدینہ پر اپنا جانشین مقرر کیا تھا[2] جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں نافع کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما سانپوں کو قتل کر دیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم سے ابولبابہ عبد المنذر بدری[3] نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے اندر رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے چنانچہ وہ ایسا کرنے سے رک گئے[4]۔

5-ابو امامہ بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کا ارادہ کر چکے تھے اور ان کی والدہ بیمار تھیں تو ان سے ان کے ماموں ابو بردہ بن نیار[5] میں نے کہا اے میرے بھانجے تم اپنی والدہ کے پاس رہو، تو ابو امامہ نے ان سے کہا: آپ اپنی بہن کے پاس رہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے ابو امامہ کو اپنی والدہ کے پاس رکنے کا حکم فرمایا اور ابو بردہ نکل گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپسی کے وقت آئے اس وقت ان کی وفات ہو چکی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی[6]۔

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد 1، صفحہ 254)۔

([2]) امام الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے - کتاب معرفۃ الصحابۃ - باب: ذکر أبي لبابۃ - رضي اللہ عنہ - حدیث نمبر (6716) - اور دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 2، صفحہ 224)، الطبقات لابن سعد (جلد 1، صفحہ 254 اور جلد 2، صفحہ 241)۔

([3]) اس حدیث سے جو نتیجہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بدری - رضي اللہ عنہ - تھا، اور اس نے بدر کی لڑائی میں حصہ نہیں لیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس کیا اور مدینہ پر نائب مقرر کیا۔

([4]) امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے - کتاب المغازي - باب نمبر 12 - حدیث نمبر (4016) اور (4017) - اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے - کتاب قتل الحیات - باب: قتل الحیات - حدیث نمبر (2233) اور (132)۔

([5]) یہ ابو بردۃ بن نیار ہیں، جن کا اصل نام ہانئ ہے، رضی اللہ عنہ نے العقبۃ، بدر اور دیگر تمام مواقع رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، اور وہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے 53 ویں سال میں وفات پا گئے۔ دیکھیں: أسد الغابۃ (جلد 4، صفحہ 385)۔

([6]) دیکھیں: أسد الغابۃ (جلد 4، صفحہ 375)۔

6-عاصم بن عدی عجلانی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء اور عوالی [1] کے لوگوں کے پاس اپنا جانشین مقرر کیا تھا تھا کسی ایک چیز کی وجہ سے جو ان سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تھی، چنانچہ امام حاکم نے اپنی مستدرک میں عاصم بن عدی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: ((بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کی جانب نکلنے کا ارادہ کیا تو عاصم بن عدی کو قبا اور اہل عوالی پر جانشین مقرر کیا کسی ایک چیز کی سبب جو ان سے متعلق آپ کو بتائی گئی تھی [2] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ اور اجر مقرر کیا لہذا وہ جنگ میں شریک لوگوں کے مانند قرار پائے [3]۔

7-حارث بن صمہ رضی اللہ تعالی عنہ جو کہ روحاء نامی مقام پر گرنے کی وجہ سے چوٹ کھا گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ واپس بھیج دیا تھا۔ [4]

8-خوّات بن جبیر رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ اپنی مغازی میں لکھتے ہیں کہ خوات بن جبیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کی طرف نکلے تھے مگر جب وہ صفرا [5] نامی مقام

([1])العالیۃ والعَوالي: یہ مدینہ کے بلند علاقوں میں مقامات ہیں، سب سے نزدیک مدینہ سے چار میل دور، اور سب سے دور نجد کی طرف آٹھ میل دور۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 3، صفحہ 267)۔

([2])میں اس بات پر متوقف نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے عاصم بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہ کو قباء اور اہل العالیۃ پر نائب کیوں مقرر کیا، ممکن ہے کہ یہ لوگوں کے دن کے انتظام یا ان کے درمیان حکم کرنے کے لیے تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب وہ کسی غزوے کے لیے جاتے تو کسی کو نماز اور دیگر امور میں نائب مقرر کر دیتے۔

([3])امام الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے - کتاب معرفۃ الصحابۃ - باب: ذکر مناقب عاصم بن عدی -رضي اللہ عنہ- حدیث نمبر (5825)-اور ابن سعد نے الطبقات الکبری میں روایت کی ہے (جلد 1، صفحہ 254)۔

([4])دیکھیں: الطبقات الکبری (جلد 1، صفحہ 254) اور فتح الباري (جلد 8، صفحہ 20)۔

([5])وادی الصفراء: یہ مدینہ کے علاقے میں واقع وادی ہے، جہاں کھجوریں اور کھیت وافر مقدار میں ہیں، اور یہ حاجیوں کے راستے پر ہے، رسول اللہ ﷺ اس سے کئی بار گزرے۔ دیکھیں: معجم البلدان (جلد 5، صفحہ 193)۔

تک پہنچے تو ان کی پنڈلی پر ایک پتھر لگا اور وہ ٹوٹ گیا پھر وہ واپس آ گئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی حصہ لگایا تھا[1]۔

9-حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ: امام مسلم نے اپنی صحیح میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں امام مسلم نے اپنی صحیح میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: مجھے بدر میں شریک ہونے سے کسی چیز نے نہیں منع کیا مگر یہ کہ میں اور میرے والد حسیل[2] نکلے تھے، وہ کہتے ہیں پس ہمیں قریش کے قافلوں نے پکڑ لیا تھا، اور انہوں نے کہا تم محمد کے پاس جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم ان کے پاس نہیں جا رہے ہیں ہم تو صرف مدینہ کے لیے نکل رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے ہم سے اللہ رب العالمین کا عہد و میثاق لیا کہ ہم مدینہ واپس جائیں گے اور ان کے ساتھ قتال نہ کریں گے چنانچہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے آپ کو پوری خبر بتلائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں لوٹ جاؤ ہم ان کے لیے ان کا عہد پورا کریں گے[3] اور ان کے اوپر اللہ رب العالمین سے ہم مدد طلب کریں گے))۔[4]

([1])دیکھیں: أسد الغابۃ (جلد 2، صفحہ 131) اور الاستیعاب (جلد 2، صفحہ 38)۔

([2])یہ حُسَیل بن جابر ہیں، والد حُذیفۃ۔ انہیں یَمان کہا گیا کیونکہ انہوں نے اپنے قبیلے میں کسی کا خون بہا دیا، پھر مدینہ ہجرت کی، بنی عبد الأشھل سے بیعت کی، اس لیے ان کے قبیلے نے انہیں یَمان کہا کیونکہ وہ انصار سے بیعت کرنے والے تھے، اور وہ انصار یمنی تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہجرت کر گئے اور احد کی لڑائی میں حصہ لیا، اور فوضی کے سبب مسلمانوں نے انہیں غلطی سے مار دیا۔ دیکھیں: الإصابۃ (جلد 2، صفحہ 66)۔

([3])امام النووي نے شرح مسلم میں فرمایا (جلد 12، صفحہ 122): حذیفۃ اور ان کے والد کا معاملہ یہ ہے کہ کافروں نے انہیں بیعت کر کے یہ وعدہ لیا کہ وہ رسول ﷺ کے ساتھ بدر کی غزوہ میں شریک نہیں ہوں گے، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں وفاء کرنے کا حکم دیا۔ یہ لازم نہیں تھا کیونکہ امام یا اس کے نائب کے ساتھ جہاد ترک کرنا واجب نہیں ہے، لیکن رسول ﷺ نے یہ فرمایا تا کہ ان کے صحابہ میں عہد شکنی کا رواج نہ پھیلے، حالانکہ اس پر عمل کرنا ضروری نہیں تھا، کیونکہ اس پر عمل کرنے والے اس کا تاویل نہیں بیان کریں گے۔

([4])امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے - كتاب الجهاد والسير - باب: الوفاء بالعهد - حدیث نمبر (۱۷۸۷) - اور امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۲۳۳۵٤)۔

10-جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما: امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ ابوسفیان کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں بدر کے دن اپنے ساتھیوں کے لئے پانی لاتا تھا[1]۔

اور امام واقدی[2] نے ابوسفیان کی جابر کے حوالے سے مروی اس روایت کا انکار کیا ہے، اور انہوں نے کہا کہ یہ وہم ہے اہل عراق کا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ واقدی کی اس بات پر تعلیق لگاتے ہوئے اپنی تاریخ[3] میں کہتے ہیں: انہوں نے سچ کہا ہے کیونکہ زکریا بن اسحاق نے ابوالزبیر سے انہوں نے جابر سے روایت کی ہے کہ میں نہ بدر میں شریک ہوا اور نہ احد میں شریک ہوا، میرے والد نے مجھے منع کیا تھا چنانچہ جب وہ شہید ہو گئے تو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بھی غزوہ سے پیچھے نہ رہا[4]۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ بدر کے دن اپنے ساتھیوں کے لئے پانی لاتے تھے مگر اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے[5]۔

([1])امام ابوداود نے سنن میں روایت کی ہے-کتاب الجهاد-باب: في المرأة والعبد يُحذيان من الغنيمة-حدیث نمبر (2731)-اور اس کا اسناد الحافظ نے فتح اور الإصابة (جلد 1، صفحہ 546) میں صحیح قرار دیا۔

([2])یہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی ہیں، جو ضعیف ہیں، لیکن مغازی اور سیرت میں ان کی روایت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ الذهبي نے سیرت میں فرمایا (جلد 9، صفحہ 454): "انہوں نے معلومات جمع کیں، اور مختلف چیزوں کو ملایا، اچھے اور برے کو الگ نہ کیا، اس لیے ان پر تنقید ہوئی، مگر پھر بھی مغازی، صحابہ کے ایام اور ان کی خبریں بیان کرنے میں ان کی روایت ضروری ہے۔" اسی طرح الذهبي نے اور بھی کہا (جلد 9، صفحہ 469): "یہ بات واضح ہے کہ الواقدي ضعیف ہے، مگر غزوات اور تاریخ کے لیے اس کی روایت ضروری ہے، اور ہم اس کے آثار بیان کرتے ہیں بغیر احتجاج کے، لیکن فرائض میں اسے ذکر کرنا مناسب نہیں۔"

([3])دیکھیں: كلام الإمام الذهبي في حاشية سير أعلام النبلاء (جلد 3، صفحہ 191)۔

([4])امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے-کتاب الجهاد والسير-باب: عدد غزوات النبي ﷺ-حدیث نمبر (1813)۔

([5])دیکھیں: فتح الباري (جلد 9، صفحہ 411)۔

جو بدر میں شریک ہوئے تھے مگر انہوں نے قتال نہ کیا تھا:

11-انس بن مالک رضی اللہ عنہ: امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے ان سے پوچھا گیا: کیا آپ بدر میں شریک ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا اور میں بدر سے غائب کیوں ہوتا؟[1]

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: وہ ان دنوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے جیسا کہ ان سے ثابت ہے، کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالوں تک خدمت کی ہے، اور یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہے کہ ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی شروعات کرنا مدینہ آمد کے وقت تھا چنانچہ وہ آپ کے ساتھ بدر بھی گئے ہوں گے، یا وہ اپنے چچا، اپنی والدہ کے شوہر ابو طلحہ[2] کے ساتھ رہے ہوں گے۔

اور امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصحاب مغازی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کو بدری صحابیوں میں شمار نہیں کیا ہے، کیونکہ وہ بدر میں حاضری کے وقت بچے تھے انہوں نے قتال نہیں کیا تھا، بلکہ وہ لشکر کے پڑاؤ گاہ میں تھے یہی جمع کی صورت ہو سکتی ہے[3]۔

۱۲-حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ جن کی والدہ ربیع-راء کے پیش اور یاء کی تشدید کے ساتھ- تھیں، وہ جنگ کی صورتحال دیکھنے کے نکلے تھے اسی وقت انہیں ایک تیر الگا جس سے وہ فوت ہو گئے، چنانچہ وہ بھی اس جنگ میں شریک ہونے والوں میں شمار کئے گئے، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ

([1]) حافظ نے الفتح میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے (جلد 8، صفحہ 19) اور اسے امام احمد کے مسند سے نسبت دی اور اس کا اسناد صحیح قرار دیا، مگر میں نے اسے مطبوعہ مسند میں نہیں پایا، بلکہ یہ امام الحاکم کے المستدرک-کتاب معرفۃ الصحابۃ-باب: ذکر أنس بن مالک-رضي اللہ عنہ- میں موجود ہے، حدیث نمبر (6505)۔

([2]) دیکھیں: فتح الباري (جلد 8، صفحہ 19)۔

([3]) دیکھیں: سیر أعلام النبلاء (جلد 3، صفحہ 397)۔

کہتے ہیں: بے شک حارثہ بن ربیع بدر کے دن دیکھنے کے لیے آئے تھے وہ اس وقت بچے تھے اسی وقت ایک انجانے شخص کی طرف سے تیر آیا اور وہ ان کے گردن کی سوراخ پر جالگا جس نے انہیں قتل کر دیا[1]۔

اور نسائی کی سنن کبری کی ایک روایت میں ہے کہ انس رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: ((میرے پھوپھی زاد بھائی حارثہ بدر کے دن تماشہ دیکھنے کے لیے نکلے، وہ قتال کے لیے نہیں نکلے تھے، اسی وقت انہیں ایک تیر الگا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی))[2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کا نام ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے ان کا بھی ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ حارثہ بن ربیع انصاری بدر کے دن مقتول ہوئے ، وہ حارثہ بن سراقہ ہیں جو کہ تماشہ دیکھنے کے لیے آئے تھے[3]۔

([1])امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر (12252) اور (13871)۔

([2])امام النسائي نے السنن الکبری میں روایت کی ہے- کتاب المناقب- باب: حارثة بن سراقة- رضي الله عنه- حدیث نمبر (8175)۔

([3])اس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے- کتاب المغازي- باب: تسمیةِ مَن سُمی من أهل بدر۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بدر میں شریک ہونے کے سلسلے میں اختلاف:

13-سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ: ان کے بدر میں شریک ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: ((سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، اگرچہ ان کا شمار ان کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ ان کا بھی حصہ لگایا گیا تھا)) [1]۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تہذیب میں کہتے ہیں، امام بخاری، ابو حاتم، ابو احمد حاکم اور ابن حبان نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ بدر میں شریک ہوئے تھے [2]۔

میں کہتا ہوں: ان کا ذکر مسلم کی ایک روایت میں میں ہے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے بدر کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

غزوہ بدر میں قتال میں شریک لوگوں کی حقیقی تعداد

جب یہ جمع کرنا ممکن ہو جائے تو ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ سارے لوگ قتال میں شریک نہ ہوئے تھے بلکہ ان میں سے صرف تین سو چھ لوگ ہی شریک ہوئے تھے، جیسا کہ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بے شک بدر میں قتال کرنے والوں کی تعداد تین سو چھ تھی اور ابن سعد کے یہاں طبقات میں ہے کہ وہ 305 لوگ [3] تھے گویا انہوں نے ان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شمار نہیں کیا ہے [4]۔

([1])دیکھیں: فتح الباري (جلد ٨، صفحہ ١٤)۔

([2])دیکھیں: تہذیب التہذیب (جلد 1، صفحہ 695)۔

([3])دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد 1، صفحہ 254)۔

([4])دیکھیں: فتح الباري (جلد 8، صفحہ 19)۔

اور عقبہ کی رات نقیبوں میں سے رہے اکابر صحابہ اور ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ بدر سے بلا عذر پیچھے رہ گئے تھے، کیونکہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لئے نہیں جارہے ہیں مگر اللہ رب العالمین نے انکے اور انکے دشمنوں کے درمیان بغیر سابقہ موعد کے ملاقات کرادیا تھا[1]۔

مسلمانوں کی تیاری

مسلمان بدر کی طرف اس حالت میں نکلے تھے کہ ان میں سے بیشتر لوگ اپنے قدموں پر چل رہے تھے اور ان کے ساتھ ستر اونٹ بھی تھے جن پر ان میں سے ہر تین شخص باری باری ایک اونٹ پر سوار ہورہے تھے، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم بدر کے دن تین لوگ ایک اونٹ پر سوار ہوا کرتے تھے ابولبابہ[2]، علی بن ابی طالب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں دوست، وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو ان دونوں نے کہا: ہم آپ کے پیچھے چلیں گے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور نہ ہی میں تم دونوں سے زیادہ اجر وثواب سے بے نیاز ہوں"[3]۔

([1]) دیکھیں: زاد المعاد (جلد 3، صفحہ 169)۔

([2]) حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں فرمایا (جلد 3، صفحہ 276): یہ واقعہ اس سے پہلے ہوا کہ رسول ﷺ نے ابالبابۃ کو الروحاء سے واپس بلایا، پھر ان کے ہمراہ علی بن ابی طالب اور مرثد بن مرثد مقرر کیے گئے، جو ابالبابۃ کی جگہ تھے، اور یہ روایت ابن اسحاق نے سیرت میں بیان کی ہے (جلد 2، صفحہ 225)۔ اور اللہ تعالی بہتر جانتا ہے۔

([3]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (3901) - اور ابن حبان نے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب السیر - باب: إباحة تعاقب الجماعة على البعير الواحد - حدیث نمبر (4733)۔

اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ، عمر بن الخطاب اور عبد الرحمن بن عوف ایک اونٹ پر باری باری سوار ہو رہے تھے اور حمزہ بن عبد المطلب، زید بن حارثہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو کبشہ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہو رہے تھے[1]۔

اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیوں کا کاٹنا

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیوں کو کاٹنے کا حکم دیا چنانچہ امام احمد نے اپنی صحیح اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیوں کو کاٹنے کا حکم فرمایا تھا[2]۔

امام محمد بن حسن ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھی کہتے ہیں: اس سے منع کرنا اس لئے تھا تاکہ زیادہ کودنے کے وقت جانور کا گردن نہ گھٹے[3]۔

اور ابو عبید کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس لیے منع کیا تھا کیونکہ جانوروں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور اس کا چرنا اور اس کا سانس لینا اس سے تنگ ہو جاتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ بسا اوقات کسی درخت سے وہ لٹک جائے اور اس کا گلا گھٹ جائے آئے یا وہ اسے آگے چلنے سے مانع ہو[4]۔

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (جلد 2، صفحہ 225) اور البدایۃ والنھایۃ (جلد 3، صفحہ 276)۔

([2]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (25166) - اور ابن حبان نے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب السیر - باب: التقلید والجرس للدواب - حدیث نمبر (4699)۔

([3]) دیکھیں: فتح الباري (جلد 6، صفحہ 249)۔

([4]) دیکھیں: فتح الباري (جلد 6، صفحہ 249)۔

اور امام مالک نے کہا: جیسا کہ ان کے حوالے سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے: میرا خیال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا نظر بد کی وجہ سے تھا[1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: امام مالک کی بات کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں قوی سند کے ساتھ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کوئی تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا[2]۔

اور دوسری روایت میں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کوئی تعویز لٹکایا اللہ رب العالمین اس کی مراد کو پورا نہ کرے[3]۔

اور تمیمہ کہتے ہیں: اس چیز کو جو پٹے وغیرہ نظر بد کے ڈر سے لٹکائے جائیں۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب ان کے لٹکانے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ اس سے نظر بد دور ہوتا ہے تو گویا اس نے یہ گمان کیا کہ وہ تقدیر کو پھیر دیتے ہیں اور ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے[4]۔

([1]) امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے - کتاب اللباس والزینۃ - باب: کراھۃ قلادۃ الوتر في رقبۃ البعیر - حدیث نمبر (2115)۔

([2]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (17422)۔

([3]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (17404) - اور ابن حبان نے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الرقی والتّمائم - باب: ذکر الزجر عن تعلیق التمائم - حدیث نمبر (6086) - اور اس کی اسناد کو المنذري نے الترغیب والترھیب (جلد 4، صفحہ 202) میں جید قرار دیا ہے۔

([4]) دیکھیں: فتح الباري (جلد 6، صفحہ 249)۔

مسلمانوں کے گھوڑے سوار کتنے تھے

اور مسلمانوں کے ساتھ صرف ایک ہی گھوڑا تھا چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بدر کے دن ہم میں کوئی بھی گھوڑ سوار نہیں تھا سوائے مقداد کے [1]۔

حافظ ابن حجر الاصابہ اور تہذیب میں لکھتے ہیں: یہ بات ثابت نہیں ہے کہ بدر کے دن کوئی گھوڑ سوار مقداد کے علاوہ شریک ہوا تھا [2]۔

اور مقداد یہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں، انہیں مقداد ابن اسود بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اسود ابن عبد یغوث نے جاہلیت میں انہیں منہ بولا بیٹا قرار دے لیا تھا تو انہیں کی جانب ان کی نسبت کے جانے لگی اور یہی ان کی پہچان کے لیے غالب ہو گیا اور اسی کے ذریعہ سے وہ مشہور ہو گئے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ((ادعوھم لابائھم))[الاحزاب: ۵]۔ تو انہیں اس وقت مقداد ابن عمرو کہا گیا [3]۔

فتح و کامیابی اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے

اور مسلمانوں کی تیاری اور تعداد کی قلت کے باوجود اللہ رب العالمین نے انہیں یادگار فتح اور کامیابی عطا کی اور اللہ رب العالمین نے سچ کہا جب اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ [4] فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون))[آل عمران: ۱۲۳]۔

([1]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (1023) - اور ابن حبان نے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الصلاۃ - باب: إباحۃ بکاء المرء في صلاتہ - حدیث نمبر (2257)۔

([2]) دیکھیں: الإصابۃ (جلد 6، صفحہ 160)۔ تھذیب التھذیب (جلد 4، صفحہ 146)۔

([3]) دیکھیں: الإصابۃ (جلد 6، صفحہ 160)۔

([4]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (جلد 8، صفحہ 11): "یعنی مسلمانوں کی تعداد کم تھی نسبتاً ان مشرکوں کے جن سے وہ مقابلہ کر رہے تھے، اور اس لحاظ سے کہ وہ زیادہ تر پیدل تھے اور صرف چند کے پاس ہتھیار تھے، جبکہ مشرکوں کے پاس ہتھیار و وسائل زیادہ تھے۔" اور حافظ ابن

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ عیاض الاشعری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں یرموک[1] میں شریک ہوا تھا اس وقت ہمارے پانچ امیر تھے؛ ابوعبیدہ بن الجراح، یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، خالد بن ولید اور عیاض رضی اللہ عنہم۔۔۔ چنانچہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ہمیں خط لکھا کہ میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جو کامیابی کے لیے اور لشکر کے اعتبار سے بہت زیادہ مضبوط ہے تو تم اس کے ذریعہ سے فتح طلب کرو بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر کے دن تمہاری اس تعداد سے کم میں فتح نصیب کی گئی تھی[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شجاعت اور اللہ رب العالمین کے حکم کے مطابق چلنے اور اللہ رب العالمین کی رہنمائی کو بجالانے میں صحابہ کرام کا اتنا حوصلہ تھا جو ان سے پہلے کسی اور زمانے یا امت میں نہ تھی، اور نہ ہی ان کے بعد کسی اور کے لئے ہو گی، کیونکہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تھوڑی ہی مدت میں مشرق و مغرب میں دلوں اور علاقوں کو فتح کر لیا تھا، باوجود یہ کہ دوسرے علاقوں جیسے روم، فارس اور ترکیوں، بربر، صقالبہ حبشیوں اور سوڈانیوں اور قبطیوں اور دیگر بنو آدم کے لشکروں کی بہ نسبت ان کی تعداد بھی کم تھی، انہوں نے سب کو شکست دے دی یہاں تک کہ اللہ رب العالمین کا کلمہ بلند ہوا اور اس کا دین سارے ادیان پر غالب آگیا، اور مشرق و مغرب میں تیس سال

کثیر نے اپنے تفسیر میں فرمایا (جلد 2، صفحہ 111): "یعنی تمہاری تعداد کم تھی تاکہ یہ معلوم ہو کہ فتح صرف اللہ کی طرف سے ہے، نہ کہ لشکری قوت اور تعداد کی وجہ سے۔"

([1]) یرموک کی جنگ اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی لڑائیوں میں سے ایک ہے، جس میں مسلمانوں نے رومیوں پر فتح حاصل کی۔ یہ واقعہ ہجرت کے پندرہویں سال میں، خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا۔

([2]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (344) - اور ابن حبان نے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب السیر - باب: الخروج وکیفیۃ الجھاد - حدیث نمبر (4766)۔ حافظ ابن کثیر نے اسے اپنے تفسیر میں بھی ذکر کیا ہے (جلد 2، صفحہ 111) اور اس کے اسناد کو صحیح قرار دیا۔

سے کم کی مدت میں ہی اسلام کی سلطنت پھیل گئی، اللہ رب العالمین ان سے راضی ہو اور ان سب کو راضی کرے اور ہمیں ان کے ساتھ اٹھائے بے شک وہ کریم اور وہاب ہے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ دیکھنا اور آپ کا چھوٹوں کو واپس کر دینا

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ نے بئر ابی عنبہ[2] کے پاس اپنے لشکر کو پڑاؤ ڈالا، اور جو لوگ چھوٹے تھے انہیں واپس کر دیا واپس کیے جانے والے لوگوں میں سے اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر، رافع بن خدیج، اسید بنِ حضیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے[3]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں مجھے اور بن عمر کو بدر کے دن چھوٹا شمار کیا گیا تھا[4]۔

اور امام احمد کے یہاں سے مسند میں صحیح سند کے ساتھ، مروی ہے براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابن عمر کو چھوٹا شمار کیا اور ہمیں بدر کے دن واپس کر دیا گیا تھا[5]۔

اور عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ واپس گئے تو رونے لگے چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی تھی، سعد کہتے ہیں میں نے اپنے بھائی عمیر کو کو دیکھا قبل اس کے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بدر کے لیے نکلنے کی اجازت دی وہ چھپ رہے

([1]) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (جلد 4، صفحہ 72)۔

([2]) بِئر أَبِي عِنَبَة (بكسر العين وفتح النون): یہ مدینہ کا معروف کنواں ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ نے بدر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اپنے صحابہ کو جمع کیا۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 3، صفحہ 276)۔

([3]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد 1، صفحہ 254)

([4]) امام البخاري نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے - كتاب المغازي - باب: عدة أصحاب بدر - حدیث نمبر (3956)۔

([5]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (18633)۔

تھے میں نے کہا اے میرے بھائی تمہیں کیا ہوا، انہوں نے کہا مجھے خوف ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ لیا تو چھوٹا سمجھ کے مجھے واپس کر دیں گے، اور میں چاہتا ہوں کہ میں نکلوں تاکہ اللہ رب العالمین مجھے شہادت نصیب فرمائے، وہ کہتے ہیں پھر انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا تو آپ نے انہیں چھوٹا سمجھا اور کہا واپس جاؤ تو عمیر رو پڑے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی تو سعد کہتے ہیں: میں ان کے چھوٹے پن کی وجہ سے ان کی تلوار یار اٹھاتا تھا[1]۔

اور عمیر رضی اللہ تعالی عنہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے، اس وقت ان کی عمر 16 سال[2] تھی، امام احمد نے اپنی مسند میں حسن لغیرہ سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: جب بدر کا دن تھا اس دن میرا بھائی عمیر شہید ہوا[3]۔

اور عمیر رضی اللہ عنہ ہجرت کرنے والے اور پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے، امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ مصعب بن سعد کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایک پیالا لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا یا اور کچھ کھانا باقی بچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابھی اس گلی سے ایک شخص آئیں گے وہی یہ بچا ہوا کھانا کھائیں گے وہ جنتی شخص ہیں"۔

([1]) یہ روایت امام الحاکم نے المستدرک میں بیان کی ہے۔ کتاب معرفۃ الصحابۃ۔ باب: مناقب عمیر بن أبي وقاص۔ رضي اللہ عنہ۔ حدیث نمبر (4916)۔ اس کا اسناد حسن ہے۔ الھیثمي نے اسے المجمع میں ذکر کیا، اور اسے الطبراني اور البزار کی نسبت دی، اور کہا کہ الطبراني کے راوی صحیح ہیں۔ دیکھیں: سیر أعلام النبلاء (جلد 1، صفحہ 97)۔

([2]) میں کہتا ہوں: یہی عمیر ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی غزوہ بدر میں عمر سے متعلق اہل مغازی و سیر نے ذکر کیا ہے اور اس میں اشکال پایا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے بعثت کے پہلے سال اسلام قبول کیا تھا تو یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ غزوہ بدر میں ان کی عمر 16 سال ہو گئی ہو۔

([3]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (1556) پر کی ہے۔

سعد کہتے ہیں اور میں نے اپنے بھائی عمیر کو وضو کرنے کے لیے وہاں چھوڑا تھا وہ کہتے ہیں میں نے سو چا وہ عمیر ہی ہیں، وہ کہتے ہیں: عبداللہ بن سلام آئے اور اسے انہوں نے کھایا[1]۔

کمانڈری کی تقسیم

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا جھنڈا جو کہ سفید تھا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا:

1- مہاجرین کا ٹکڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جھنڈا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو دیا۔

2- انصار کا ٹکڑا اور اس کا جھنڈا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو دیا۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن العوام رضی اللہ تعالی عنہ کو داہنے جانب مقرر کیا اور مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ کو بائیں جانب مقرر کیا، اور اگلے حصے پر قیس ابن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کو جبکہ کہ عام کمانڈری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے اعلی کمانڈر ہوں[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی تنگدستی کو دیکھا تو کہا: ((اے اللہ یہ ننگے پیر ہیں تو انہیں سواری عطا کر اے اللہ یہ ننگے بدن ہے تو انہیں پہنا دے اے اللہ یہ بھوکے ہیں تو انہیں آسودہ کر دے))۔

([1]) امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (1458) - اور ابن حبان نے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب: إخبارہ ﷺ من مناقب الصحابۃ - باب: ذکر إثبات الجنۃ لعبداللہ بن سلام - حدیث نمبر (7164)۔

([2]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (جلد 2، صفحہ 224)، الطبقات الکبری (جلد 1، صفحہ 255–256)، اور البدایۃ والنھایۃ (جلد 3، صفحہ 275)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہتے ہیں : اللہ رب العالمین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر کے دن فتح نصیب کی، جب وہ واپس آئے تو ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک یا دو اونٹ ضرور تھے اور وہ کپڑا پہنے ہوئے تھے اور آسودہ تھے[1]۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اپنے صحابہ کو افطار کا حکم دیا جانا:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو افطار کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں مضبوط سند کے ساتھ عمر بن خطاب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے مہینے میں دو جنگ کی، جنگ بدر اور فتح مکہ ان دونوں میں ہم نے افطار کیا تھا[2]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کے ساتھ رمضان میں جنگ کرتے تھے، تو ہم میں کچھ لوگ روزے دار ہوتے کچھ لوگ افطاری کیے ہوئے ہوتے، تو نہ ہم میں سے افطاری کرنے والا روزہ دار کو کچھ کہتا ہے اور نہ روزے دار افطاری کرنے والے کو کچھ کہتا وہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ جو طاقت پائے وہ روزہ رکھے وہ اس کے لیے بہتر ہے اور جو ضعیف ہو وہ روزہ توڑ دے یہ اس کے حق میں بہتر ہے[3]۔

([1])امام ابو داود نے سنن میں روایت کی ہے - کتاب الجهاد - باب: في نفل السرية - حدیث نمبر (2747)۔ اور امام الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے - کتاب قسم الفيء - باب: شأن نزول سورة الأنفال - حدیث نمبر (2643) اور (2689)۔ ابن الأثیر نے اسے جامع الأصول میں بھی ذکر کیا ہے (جلد 8، صفحہ 188) اور اس کا اسناد حسن ہے۔

([2])امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (142) - اور امام ترمذی نے سنن میں روایت کی ہے - کتاب الصوم - باب: ما جاء في الرخصة للمحارب في الإفطار - حدیث نمبر (723)۔

([3])امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے - کتاب الصیام - باب: جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر - حدیث نمبر (1116) اور (96) - اور امام احمد نے مسند میں بھی روایت کی ہے - حدیث نمبر (11083)۔

اور جو بات اس بات کی تائید کرتی ہے کہ مسلمانوں نے اس غزوہ میں افطار کیا تھا وہ روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے قصہ میں روایت کیا ہے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا تھا تم اس جنت کی طرف کھڑے ہو جس کی کشادگی آسمان وزمین کے برابر ہے۔

تو عمیر بن حمام رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت کی کشادگی آسمان وزمین کے برابر ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

تو انہوں نے کہا واہ کیا خوب سودا ہے، اور انہوں نے اپنے جیب سے کچھ کھجوریں نکالیں اور انہیں کھانے لگے پھر کہا اگر میں ان کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہا تو یہ لمبی زندگی ہو جائے گی، انہوں نے اپنے پاس موجود کھجوروں کو پھینکا اور پھر دشمنوں سے قتال کرنے لگے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے[1]۔

بدر کی جانب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بغیر تیاری والے لشکر کے ساتھ مکہ لے جانے والے سیدھے راستے سے نکلے، پھر ذوالحلیفہ گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بئر روحاء پہنچے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اتر کر قیام کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے یہاں تک کہ جب منصرف[2] نامی جگہ پر پہنچے تو آپ نے مکہ کے راستے کو اپنے بائیں چھوڑ دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ

([1]) امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے۔ کتاب الإمارۃ۔ باب: ثبوت الجنۃ للشہید۔ حدیث نمبر (1901)۔

([2]) المُنصَرَف (بضم المیم وفتح الراء): یہ مکّہ اور بدر کے درمیان واقع ایک مقام ہے، دونوں کے درمیان چار برد کے فاصلے پر۔ دیکھیں: معجم البلدان (جلد 8، صفحہ 330)۔

وسلم نازیہ[1] چشمے کی طرف بدر کا ارادہ کر کے دائیں مڑ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایک کنارے تک چلے یہاں تک کہ اس وادی کو پار کر لیا جسے رحقان کہا جاتا تھا نازیہ اور صفرا کے مضیق[2] کے درمیان پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضیق پر چلے پھر آپ اس سے نیچے آئے، یہاں تک کہ صفراء کے قریب ہو گئے اور وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بسبسہ بن عمرو جھنی اور عدی بن زعباء رضی اللہ عنہما کو بدر کی جانب قافلے کی خبر لانے کیلئے بھیجا تھا[3]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرک سے مدد لینے سے انکار

راستے میں حرہ وبرہ[4] کے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشرک شخص آیا جو آپ کے ساتھ جانا چاہتا تھا، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب نکلے جب آپ حرہ وبرہ نامی مقام پر تھے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا جس کی بہادری اور قابلیت کا چرچا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس کو دیکھ کر خوش ہوئے چنانچہ جب وہ آپ کے پاس آیا تو اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ کے ساتھ چلوں

([1])النازیۃ: یہ ایک چشمہ ہے جو مکّہ سے مدینہ جانے والے راستے پر صفرا کے نزدیک واقع ہے، اور یہ مدینہ کے قریب تر ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان (جلد 8، صفحہ 361)۔

([2])مَضِیقُ الصفراء: یہ مدینہ کی جانب واقع وادی ہے، جس میں بہت سارے کھجور کے درخت اور کھیت ہیں، اور یہ راستہ حج کرنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس راستے کو کئی مرتبہ طے کیا، اور اس کا فاصلہ بدر سے ایک مرحلے کے برابر ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان (جلد 5، صفحہ 193)۔

([3])جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے نکلنے سے پہلے بَسْبَسہ بن عمروؓ اور عدی بن أبي الزَّغباءؓ کو روانہ فرمایا تھا۔ جب وہ دونوں واپس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو قافلے کی خبر دی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اس (قافلے) کے تعاقب کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں صحابہ کو دو مرتبہ بھیجا: —ایک مرتبہ مدینہ سے روانگی سے پہلے، —اور یہ دوسری مرتب ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔ دیکھیے: البدایۃ والنھایۃ (277/3)، سیرۃ ابن ھشام (225/2)

([4])حرّۃ الوَبْرَۃ: مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ دیکھیے: النھایۃ (127/5)

اور آپ کے ساتھ فائدہ حاصل کروں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب تم واپس چلے جاؤ۔

وہ کہتے ہیں: پھر وہ شخص گیا یہاں تک کہ جب ہم ایک درخت کے پاس گئے تھے وہ شخص آپ کے پاس پھر آیا اور اسی طرح سے آپ سے کہنے لگا جس طرح سے اس نے پہلی مرتبہ کہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سے اس کو جواب دیا جس طرح پہلے جواب دیا تھا، آپ نے فرمایا: تم واپس چلے جاؤ، میں مشرک سے مدد نہیں لونگا۔

وہ کہتے ہیں: پھر واپس چلے گئے یہاں تک کہ وہ بیداء[1] کے مقام پر آپ کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اسی طرح سے بات کہی جیسے پہلے کہا تھا: کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟

اس نے کہا: ہاں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: پھر ہمارے ساتھ چلو۔[2]

حازمی اپنی کتاب الاعتبار میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اور اہل علم کے درمیان اس باب میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ ایک جماعت مشرک سے مطلق طور پر مدد لینے سے ممانعت کی طرف گئی ہے، اور انہوں نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے، اور کہا ہے:

([1]) بَیداء: یہ ایک مقام ہے جو مکّہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ دیکھیے: النھایۃ (168/1)

([2]) اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب الجہاد والسِّیَر، باب: غزوہ میں کافر سے مدد لینے کی کراہت — حدیث نمبر 1817۔ اسی طرح اسے امام احمد نے اپنی مسند (حدیث: 25158) میں، اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار (حدیث: 2573) میں بھی روایت کیا ہے۔

یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جو اس کی مخالف حدیث ہے صحت اور ثبوت میں اس کے برابری نہیں کر سکتی، لہذا نسخ کا اس کے ذریعے سے دعوی کرنا ناممکن ہے۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ مشرک کو اپنے ساتھ غزوہ کرنے کی اجازت دے اور ان سے مدد طلب کرے لیکن دو شرطوں کے ساتھ:

1- یہ کہ مسلمان کم تعداد میں ہوں اور ایسا کرنے کی ضرورت آپڑے۔

2- یہ کہ وہ مشرک ان لوگوں میں سے ہوں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہوں اور ان سے دھوکہ کا خدشہ نہ ہو، لہذا جب یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں گی تو امام کے لیے ان سے مدد لینا جائز نہ ہوگا۔

وہ کہتے ہیں: ان دونوں شرطوں کے ساتھ ان سے مدد لینا جائز ہوگا، اور انہوں نے اس سلسلے میں اس روایت سے دلیل لی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین[1] کے دن ہوازن قبیلے سے قتال کے لیے صفوان بن امیہ سے مدد لی تھی، اور وہ کہتے ہیں: اسی مذہب کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بدر کے دن کی ہے، اور یہ پرانی حدیث ہے چنانچہ وہ منسوخ ہوگی۔

ابو سفیان کا قریش کے لوگوں کو نکلنے کی دعوت دینا

ابو سفیان جو کہ قافلے کا سردار تھے وہ بہت ہی ہوشیار اور احتیاط سے کام لینے والے تھے چنانچہ وہ یہ جانتے تھے کہ مکہ کا راستہ خطروں سے گھرا ہوا ہے، چنانچہ وہ خبروں کو محسوس کیا کرتے

([1]) رسولِ اکرم ﷺ کا غزوۂ حُنین کے دن صفوان بن اُمیہ سے۔ جبکہ وہ اُس وقت مشرک تھا۔ سامانِ جنگ لینے (یعنی اُس سے مدد حاصل کرنے) کی روایت حاکم نے المستدرک میں ـــ کتاب البیوع، باب: لایجوز لامرأۃٍ أمرٌ في مالھا ـــ حدیث نمبر 2347 پر ذکر کی ہے۔ اسی طرح اسے طحاوی نے شرح مشکل الآثار (حدیث: 4454) میں، اور امام احمد نے مسند احمد (حدیث: 15302) میں بھی روایت کیا ہے۔

تھے،اور راستے میں ملنے والے سواروں سے سوال کیا کرتے تھے یہاں تک کہ بعض سواروں سے یہ خبر انہیں پہنچی کہ محمد نے اپنے ساتھیوں کو قافلے کو روکنے کے لیے جمع کر لیا ہے،اس وقت ابو سفیان نے ضمضم بن عمرو غفاری کو کرائے پر لیا اور اسے مکہ کی جانب بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ قریش کے پاس جائے اور انہیں اپنے مال کی رکھوالی کے لیے اکٹھا کرے اور بتائے کہ محمد نے اپنے صحابہ کے ساتھ ان کا راستہ روک لیا ہے، چنانچہ ضمضم جلدی سے نکلے یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے،اور اس نے وادی کے اندر سے ہی اپنے اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی،اور اس نے اپنے اونٹ کے ناک کو کاٹ دیا تھا اور اپنے کجاوے کو الٹ دیا تھا اور اپنی قمیض کو پھاڑ دیئے تھے،اور وہ کہہ رہا تھا اے قریش کے لوگوں،اپنے سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلوں کو بچالو، تمہارا مال ابو سفیان کے پاس ہے اور محمد نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا راستہ روک لیا ہے مجھے نہیں لگتا کہ تم اسے بچا پاؤ گے، مدد کرو! مدد کرو![1]۔

عاتکہ[2] کا خواب:

اور ضمضم کے مکہ آنے سے تین راتیں پہلے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب نے ایک خواب دیکھا تھا جس سے وہ ڈر گئی تھیں اور ان کے دل میں رعب پیدا ہو چکا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی عباس بن عبد المطلب کے پاس خبر بھیجی اور ان سے کہا کہ اے میرے بھائی اللہ کی قسم میں نے رات کو ایک خواب دیکھا ہے جس سے میں ڈر گئی ہوں اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا ہے کہ کہیں تمہاری قوم پر اس کی وجہ سے کوئی شر اور مصیبت نا آجائے،اور جو میں تم سے بیان کر رہی ہو اسے تم چھپائے رکھنا، انہوں نے ان سے کہا: تم نے کیا دیکھی

([1]) دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام (۲/۲۱۹)،الطبقات الکبریٰ (۱/۲۵۵)۔

([2]) عاتکہ بنت عبد المطلب تھیں، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی، اور ابو طالب اور رسول اللہ ﷺ کے والد عبد اللہ کی حقیقی بہن۔ وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت بھی کی۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر أعلام النبلاء (۲/۲۷۲) میں کہتا ہوں: "ہمیں ان کا تذکرہ رؤیا (خواب) کے علاوہ کسی اور واقعہ میں نہیں ملتا۔"

ہے؟،انہوں نے کہا: میں نے ایک گھڑ سوار کو دیکھا ہے جو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا، یہاں تک کہ مکہ کے کنکریلی زمین پر کھڑا ہوا اور اپنے بلند آواز سے اس نے پکارا اے آل غدر تم اپنے قتل کی جگہ کے لئے تین دن میں تیار ہو جاؤ، پھر میں نے دیکھا: لوگ اس کی طرف جمع ہو گئے ہیں پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے، تو لوگ اس کے گرد ہی تھے کہ اس کے اونٹ نے کعبہ کے اوپر اس کو رگڑ دیا پھر اس نے اسی طرح سے پکارا: اے لوگو! تم اپنے قتل کی جگہ کے لئے تین دن میں تیار ہو جاؤ، پھر اس نے ایک بڑا سا پتھر لیا اور اسے چھوڑ دیا، تو وہ گرتے ہوئے آیا یہاں تک کہ پہاڑ کے نیچے بکھر گیا، اور پھر مکہ کے گھروں میں سے کوئی گھر یا دار نہیں بچا مگر یہ کہ اس سے ایک ٹکڑا اس گھر میں ضرور داخل ہوا۔

تو عباس نے کہا: اللہ کی قسم یہ تو بہت ہی خوفناک خواب ہے تم بھی اسے چھپائے رکھنا اور کسی سے بیان نہ کرنا۔

پھر عباس وہاں سے نکلے اور ان کی ملاقات ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے ہوئی جو کہ ان کا دوست تھا، عباس نے اس خواب کا ذکر انہوں نے اس سے کیا اور اس سے اسے چھپانے کا مطالبہ کیا مگر ولید نے اپنے والد عتبہ سے اس کا تذکرہ کیا اور پھر مکہ میں یہ بات پھیل گئی یہاں تک کہ قریش کے لوگ اپنی بیٹھکوں میں اس کے سلسلے میں بات کرنے لگے۔

عباس کہتے ہیں: پھر صبح کے وقت میں بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے گیا، اس وقت ابو جہل بن ہشام قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر عاتکہ کے خواب کے سلسلے میں بات کر رہا تھا، جب ابو جہل نے مجھے دیکھا تو کہا: اے ابو الفضل! جب تم طواف سے فارغ ہو جاؤ تو ہمارے پاس آؤ چنانچہ جب میں فارغ ہوا تو ان کے پاس گیا یہاں تک کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا، تو ابو جہل نے مجھ سے کہا: اے عبد المطلب کے بیٹے، تم میں یہ نبیہ کب سے وجود میں آئی؟ وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا: وہ خواب جیسے عاتکہ نے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں میں نے کہا انہوں نے کیا دیکھا ہے، اس نے کہا ہے اے عبد المطلب کی اولاد کیا آدمیوں کے نبی ہونے سے تم راضی نہیں تھے یہاں

تک کہ تمہاری عورتیں بھی نبی بننے لگیں، عاتکہ کا یہ خیال ہے کہ انہوں نے اپنے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ کسی نے کہا: تم تین دنوں میں نکل پڑو چنانچہ ہم تین دنوں تک تمہارا انتظار کرتے ہیں اگر وہ سچا خواب ہوا تو وہ واقع ہو کر رہے گا اور اگر تین دن مکمل ہو گیا اور وہ چیز نہ ہوا تو ہم تمہارے بارے میں یہ بات لکھ دیں گے کہ تم عرب میں سب سے چھوٹے گھر والے ہو۔

عباسؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میری طرف سے اُس (ابو جہل) کی بات پر زیادہ ردِ عمل نہ تھا، سوائے اس کے کہ میں نے اُس بات کو جھٹلایا اور انکار کیا کہ عاتکہؓ نے کوئی خواب دیکھا ہے، پھر ہم الگ ہو گئے۔

عباسؓ فرماتے ہیں: جب شام ہوئی تو بنی عبد المط لب کی کوئی عورت باقی نہ رہی مگر وہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی: تم لوگوں نے اس فاسق خبیث کو یہ موقع دے دیا کہ وہ تمہارے مردوں پر زبان درازی کرے، اور پھر اب وہ عورتوں پر بھی زبان چلانے لگا ہے اور تم سن رہے ہو، پھر بھی تمہیں جو کچھ تم نے سنا اس پر غیرت نہیں آئی؟

عباسؓ کہتے ہیں: میں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! میں نے یہ بات کی ہے (کہ جھٹلایا تھا)، لیکن اللہ کی قسم! اب میں ضرور اُس کا مقابلہ کروں گا، اور اگر اُس نے دوبارہ ایسا کیا تو میں تمہیں اُس سے کافی ہو جاؤں گا۔

اس نے کہا: تو تیسرے دن عاتکہ کے خواب کے بعد صبح نکلا، میں ہتھیار بندھا اور غصے میں تھا، محسوس ہوتا تھا کہ اس (ابو جہل) کی طرف سے کوئی امر رہ گیا ہے جو مجھے اُس سے حاصل کرنا پسند ہے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو اُسے دیکھا۔ اللہ کی قسم! میں اُس کی طرف چل پڑا تاکہ اسے چھیڑوں، شاید وہ دوبارہ اپنی بات دہرائے اور میں اسی پر پھنس جاؤں۔ وہ آدمی ہلکا پھلکا سا تھا، تیز صورت، تیز زبان اور تیز نگاہ والا۔

اور جب وہ مسجد کے دروازے کی طرف نکل رہا تھا تو سخت غصّے میں تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اِس کو کیا ہوا؟ لعنت ہو اُس پر! کیا یہ سب فاصلہ میرے اور اُس کے درمیان اتنا ہے کہ میں اسے گالی نہ دے سکوں؟

تبھی اچانک اُس نے وہ سن لیا جو میں نے نہ سنا تھا—— ضَمْضَم بن عمرو الغِفَّاری کی آواز وادی میں گونج رہی تھی، وہ اپنے اونٹ کے قریب کھڑا چیخ رہا تھا، اُس نے اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دی تھی، اپنا کجاوہ (رحل) موڑا، اور اپنی قمیض پھاڑ لی تھی؛ اور وہ پکار رہا تھا: "اے قریش کے لوگو!—— اللَّطِیمَۃَ، اللَّطِیمَۃَ! (دھوکہ! دھوکہ!) تمہارا مال اب ابوسُفیان کے ساتھ ہے—— محمد نے اپنے ساتھیوں میں اسے بانٹ ڈالا؛ میرا خیال ہے کہ تم اسے حاصل نہ کر سکو گے؛ الغوث! الغوث"!

عباسؓ نے کہا: ابوجہل نے مجھے اس سے مصروف کر دیا، اور ضَمْضَم نے اسے مجھ سے دور رکھ کر جو کچھ ہوا بیان کیا، تو قریش شدید خوف میں مبتلا ہو گئے، اور عاتِکہ کی رؤیا کی وجہ سے وہ بہت گھبرا گئے [1]۔

قریش کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کی تیاری

پھر لوگوں نے جلدی جلدی تیاری کی اور کہا: کیا محمد اور اس کے ساتھی یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارا قافلہ ابن حضرمی کے قافلے [2] کی مانند ہوگا، نہیں اللہ کی قسم وہ جان لے گا کہ اس کا معاملہ اس طرح نہیں ہے، وہ لوگ ہر سخت اور کمزور سواری پر نکل پڑے، اور وہ دو طرح کے لوگ تھے یا تو

---

[1] حدیثِ رُؤیا عاتکہ کو روایت کیا ہے: امام حاکم نے المستدرک میں —— کتاب المغازی، باب رُؤیا عاتکہ، حدیث نمبر 4353 —— اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج 3، ص 29) میں، اور ابنِ اسحاق نے السیرۃ (ج 2، ص 219) میں اسے روایت کیا ہے۔ یہ تمام روایتیں ضعیف اسناد سے ہیں، لیکن روایات کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے کو تقویت ملتی ہے، اور اس طرح یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

(2) عیرُ ابنِ الحضرمی: یہ وہ قافلہ ہے جسے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے سریہ نخلہ میں جا لیا تھا۔ اس موقع پر عمرو بن الحضرمی قتل ہوا، اور قافلے میں موجود سارا مال قبضے میں لے لیا گیا۔

خود نکلے تھے یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیجے تھے، اور قریش کے سارے لوگ غزوہ کے لیے نکلے تھے ان کے سرداروں میں سے کوئی بھی پیچھے نہ تھا سوائے ابو لہب بن عبد المطلب کے وہ پیچھے رہ گیا تھا اور انہوں نے اپنی جگہ عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا تھا، اور اس نے اس کا چار ہزار درہم جو اس پر تھا اس کے لیے مقرر کیا تھا، جو وہ ہار چکا تھا چنانچہ اس نے اسے اپنے بدلے جانے کے لیے کرایہ پر لیا اور وہ ان کی طرف سے نکلا اور ابو لہب پیچھے رہ گیا۔

اور ان کے ساتھ جانے سے قریش کے قبیلے میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا اور انہوں نے کسی کو بھی ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے اور نکلنے سے پرہیز کرنے والا نہ چھوڑا، اور نہ ہی کوئی مسلمان جس کے اسلام کے بارے میں وہ جانتے ہوں بنو ہاشم میں سے کسی کو انہوں نے چھوڑا سوائے اس کے جس سے وہ متہم نہ قرار دیتے ہوں، مگر یہ کہ انہوں نے اسے اپنے پاس نکالا، چنانچہ ناپسندیدگی کے ساتھ نکالے جانے والوں میں سے عباس بن عبد المطلب اور نوفل بن حارث اور طالب اور عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔

اور امیہ بن خلف نے بیٹھنے کا ارادہ کیا جو کہ بہت ہی بھاری بھرکم اور قابل قدر بزرگ تھا، مگر اس کے پاس عقبہ بن ابی معیط آیا آیا جبکہ وہ مسجد میں اپنی قوم کے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، اور عطر سلگانے والا برتن آگ اور خوشبو کے ساتھ لایا اور اس کے درمیان اس کے سامنے رکھ دیا پھر کہا: اے امیہ خوشبو اختیار کر لو کیونکہ تم تو عورتوں میں سے ہو تو امیہ نے اس سے کہا: اللہ رب العالمین تجھے قبیح کرے اور جو چیز تو لے کر آیا ہے اس کو بھی قبیح کرے[1]۔

([1]) یہ ابن اسحاق کی السیرۃ (222/2) کی روایت ہے کہ امیّہ کو نکلنے پر اُبھارنے والا عُقبہ بن ابی معیط تھا، جبکہ صحیح بخاری میں ـــــ حدیث نمبر 3950 ـــــ یہ ہے کہ ابو جہل نے امیہ کو نکلنے پر مجبور کیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (8/8) میں کہا: گویا ابو جہل نے عُقبہ کو اس پر مسلّط کر دیا تھا، یہاں تک کہ اس نے امیہ کے ساتھ وہ سب کچھ کروایا۔

امیہ کا خروج کو ناپسند کرنے کا سبب

اور امیہ بن خلف کا نکلنے کو ناپسند کرنے کا سبب وہ واقعہ تھا جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے، جسے وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: امیہ بن خلف کا ایک دوست تھا اور امیہ جب مدینہ کے پاس سے گزرتا تھا تو سعد کے پاس ضرور ٹھہرتا، اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو سعد عمرہ کرنے کے لئے نکلے اور مکہ میں امیہ کے پاس ٹھہرے، سعد نے امیہ سے کہا میرے لیے کوئی ایسی گھڑی دیکھو جس میں میں خانہ کعبہ کا طواف کر سکوں، چنانچہ وہ انہیں لے کر دوپہر کے قریب نکلے تو ان دونوں کی ملاقات ابو جہل سے ہوئی تو اس نے کہا: اے ابو صفوان[1] تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟

اس نے کہا: یہ سعد ہیں، تو ابو جہل نے کہا: کیا میں تمہیں مکہ میں امن وامان کے ساتھ طواف کرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا ہوں جب کہ تم نے بے دینوں کو اپنے پاس پناہ دے رکھی ہے[2] اور تم نے یہ گمان کیا ہے کہ تم ان کی مدد کروگے اور ان کے ساتھ کھڑے رہوگے ہر گز نہیں اللہ کی قسم اگر تم ابو صفوان کے پاس نہ ہوتے تو تم اپنے گھر والوں کے پاس صحیح سالم ہر گز نہ لوٹ پاتے۔

([1]) حافظ ابن حجر نے فتح الباري (8/8) میں فرمایا: یہ أُمَیَہ کی کنیت ہے: اسے اس کے بیٹے صَفوان بن أُمَیَہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کنیت دی گئی تھی۔

([2]) یُقال: صَبَأَ فُلانٌ کا معنی ہے: جب کوئی آدمی ایک دین سے نکل کر کسی دوسرے دین میں داخل ہو جائے۔ عرب لوگ نبی کریم ﷺ کو صابی کہتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ قریش کے دین سے نکل کر اسلام کے دین میں داخل ہوئے تھے۔ (مراجعہ: النھایۃ 3/3) اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ابو جھل نے کہا: "کیا تم کعبہ کا امن وامان کے ساتھ طواف کروگے، جبکہ تم نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے!"

تو سعد نے اس سے کہا اور اپنی آواز بلند کی، ہر گز نہیں! اللہ کی قسم اگر تو نے مجھے منع کیا تو میں تجھے اس سے زیادہ سخت چیز سے منع کروں گا یعنی مدینہ سے گزرنے والا راستہ[1]، تو اس نے کہا: اے سعد تم ابوالحکم اس وادی کے سردار پر اپنی آواز بلند نہ کرو، سعد نے کہا: یہ تم رہنے دو واللہ کی قسم میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے آپ کہ رہے تھے بے شک وہ تمہیں قتل کرنے والے ہیں اس نے کہا: مکہ میں؟ انہوں نے کہا: مجھے پتہ نہیں، پھر اس وجہ سے امیہ بہت زیادہ ڈر گیا[2]، اور جب امیہ اپنے گھر والوں کے پاس گیا تو کہا: ام صفوان تم نہیں دیکھ رہی کہ سعد نے مجھ سے کیا کہا ہے، انہوں نے کہا، اس نے کیا کہا ہے تم سے؟، اس نے کہا ان کا یہ گمان ہے کہ محمد نے انہیں یہ خبر دی ہے کہ وہ مجھے قتل کرنے والے ہیں، تو میں نے اس سے کہا: مکہ میں؟ تو اس نے کہا: مجھے نہیں پتہ امیہ نے اللہ کی قسم میں مکہ سے نہیں نکلوں گا، مگر جب بدر کا دن تھا تو ابو جہل نے لوگوں کو نکلنے کے لیے کہا، اور اس نے کہا کہ تم اپنے قافلے کو بچالو اس وقت امیہ نے نکلنے کو ناپسند کیا تبھی ابو جہل ان کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو صفوان اگر لوگ تمہیں پیچھے رہتے ہوئے دیکھیں گے جب کہ تم تو اس وادی کے سردار ہو تو وہ سب تمہارے ساتھ پیچھے رہ جائیں گے، ابو جہل لگاتار اسے مناتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے کہا: اگر تم نے مجھے مغلوب ہی کر دیا ہے تو اللہ کی قسم میں مکہ میں سب سے بہترین اونٹ خریدوں گا، پھر امیہ نے کہا: ام صفوان میرے لئے زاد راہ تیار کر دو، تو اس نے کہا: اے ابو صفوان کیا تم اپنے یثربی بھائی کی بات کو بھول گئے ہو؟، تو اس نے کہا: نہیں میں چاہتا ہوں ان کے ساتھ تھوڑی ہی دور جاؤں گا، جب امیہ نکلا تو تھوڑی دور چل کر جہاں رکتا ہے

([1])اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں سعدؓ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے مجھے بیت اللہ کا طواف کرنے سے روکا تو میں شام میں آپ کی تجارت کو ضرور کاٹ دوں گا۔

([2])اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اُس نے کہا: اللہ کی قسم! محمد ﷺ جب کوئی بات بیان کرتے ہیں تو وہ ہر گز جھوٹ نہیں بولتے۔

وہیں اپنے اونٹ کو باندھ دیتا، وہ اسی طرح سے کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے اسے بدر کے مقام پر قتل کر دیا[1]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری معجزات کا بیان۔

2- اس میں سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کے نفس اور یقین کی قوت کا بھی بیان ہے۔

3- اس میں اس بات کا بیان ہے کہ عمرہ پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔

4- اس میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کرنے سے پہلے عمرہ کرنے کی اجازت تھی حج کے برخلاف، اللہ تعالی اعلم[2]۔

مشرکین کے تیاری اور ان کی تعداد

اور مشرکین کی تعداد ابتدا میں ایک ہزار تین سو انیس[3] جنگجوؤں پر مشتمل تھی، اور ان کے ساتھ سو گھوڑے[1] اور چھ سو زرہیں تھیں، اور بہت سے اونٹ تھے جن کی واقعی تعداد نہیں جاتی، اور یہ سبھی ابو جہل ابن ہشام کی قیادت میں تھے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔[2]

([1]) اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب المناقب، باب: اسلام میں نبوت کی علامات، حدیث نمبر 3632۔ اور اسے کتاب المغازی میں بھی روایت کیا ہے، باب: نبی ﷺ کی طرف سے اُن افراد کا ذکر جنہیں بدر میں قتل کیا گیا، حدیث نمبر 3950۔

([2]) فتح الباري (۱۰/۸) ملاحظہ کریں۔

([3]) یہ امام مسلم کی صحیح کی روایت ہے — کتاب الجهاد والسير، باب: غزوۂ بدر میں ملائکہ کی مدد کا بیان، حدیث نمبر 1763۔ اور ابن سعد نے الطبقات (۲۵۹/۱) میں ذکر کیا ہے کہ وہ ایک ہزار جنگجو تھے۔ جبکہ بیہقی نے دلائل النبوۃ (۱۰۵/۳) میں نقل کیا ہے کہ وہ نو سو پچاس جنگجو تھے۔ ان روایات میں اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ: قریش جب مکہ سے نکلے تو ان کی تعداد ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھی، لیکن راستے میں ان کے کچھ لوگ واپس لوٹ گئے، اور میدانِ بدر میں پہنچ کر نو سو پچاس آدمی ہی لڑائی میں شریک ہوئے، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔

قریش اور کنانہ کے درمیان ٹکر

اور جب اہل قریش تیاری کر چکے اور چلنے کے لئے لیے پر عزم ہو گئے تو انہوں نے اپنے اور بنو بکر کے درمیان دشمنی اور جنگ کا تذکرہ کیا[3]، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے سے آجائیں، اور قریب تھا کہ وہ انہیں روک دیں (یثخنہم) مگر اسی وقت ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی[4] کی صورت میں ان کے درمیان ظاہر ہوا، اور وہ بنو کنانہ کے سردار وں میں سے تھا، تو اس نے کہا میں کنانہ کے تمہارے پیچھے سے تمہارے لئے کسی ناپسندیدہ چیز کے سلسلے میں ذمہ دار ہوں، اللہ رب العالمین نے اس موقف کو قرآن مجید میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ((وإذ زين لهم الشيطان أعمالهم وقال لا غالب لكم اليوم من الناس وإني جار لكم فلما تراءت الفئتان نكص على عقبيه وقال إني بريء منكم إني أرى ما لا ترون إني أخاف الله والله شديد العقاب))[الانفال:48]۔

([1]) یہ ابن اسحاق کی روایت ہے السیرۃ (۲/۲۷۸) میں ـــــ اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (۳/۳۲) میں ذکر کیا ہے کہ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے۔

([2]) سیرت ابن ہشام (۲/۲۷۸)، دلائل النبوۃ للبیہقی (۳/۳۲)، الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۱/۲۵۹)، اور البدایۃ والنھایۃ (۳/۲۷۵) ملاحظہ کریں۔

([3]) ابن اسحاق السیرۃ (۲/۲۲۲–۲۲۳) میں بیان کرتے ہیں: قریش اور بنی بکر کے درمیان جو جنگ ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ: بنی عامر بن لؤی کے شخص ابن لحضص بن الأخیف کو بنی بکر کے ایک آدمی نے عامر بن یزید بن الملوّح (جو بنی بکر میں سے تھا) کے اشارے پر قتل کر دیا۔ پھر مقتول کے بھائی مکرز بن حفص نے اس کا بدلہ لیا اور عامر کو قتل کر دیا، اور اس کے پیٹ میں اپنی تلوار گھونپ دی۔ پھر رات کے وقت اس کی لاش کو لا کر کعبہ کے پردوں میں لٹکا دیا۔ وہ اس جنگ میں مصروف ہی تھے کہ اسلام نے لوگوں کے درمیان حائل ہو کر انہیں اپنی طرف متوجہ کر دیا، یہاں تک کہ قریش نے بدر کی طرف روانگی کا ارادہ کر لیا۔ تو انہیں اپنے اور بنی بکر کے درمیان سابقہ واقعات یاد آئے، لہٰذا انہیں ان (بنی بکر) کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا۔

([4]) یہ سُراقہ وہی ہیں جو ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے، اور پھر غزوۂ طائف کے موقع پر ہجری آٹھویں سال مسلمان ہوئے ـــــ رضی اللہ عنہ۔

اس وقت وہ اپنے غصے اور دشمنی کے جذبے سے نکلے وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کے لیے نکل رہے تھے، اور ان کے ساتھ گانے والی لونڈیاں بھی تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور مسلمانوں کی ہجو میں گانا گا رہی تھیں اور وہ اس وقت بہت ہی تکبر گھمنڈ اور اتراتے ہوئے چل رہے تھے جیسے کہ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا ہے: ((ولا تكونوا كالذين خرجوا من ديارهم بطرا ورئاء الناس ويصدون عن سبيل الله والله بما يعملون محيط))[الأنفال: ٤٧]۔

ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور سدی فرمان باری تعالی: ((ولا تكونوا كالذين خرجوا من ديارهم بطرا ورئاء الناس)) کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرک لوگ ہیں جن سے بدر کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا تھا[1]۔

قریش میں سے کھانا کھلانے والے لوگ

کافروں کے لشکر کو کھانا کھلانے والے بارہ لوگ تھے، جن کے نام یہ ہیں: عباس بن عبدالمطلب، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن نوفل، طعیمہ بن عدی، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نضر بن حارث، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ بن حجاج بن عامر اور سہیل بن عمرو۔

اور ان میں سے ہر ایک ہر دن میں دس یا نو اونٹ قربان کرتا، اور سب سے پہلے ان کے لیے مکہ سے نکلتے وقت اونٹ قربان کرنے والا ابو جہل بن ہشام -لعنت اللہ علیہ- تھا، انہیں لوگوں کے سلسلے میں اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا ہے: ((ان الذين كفروا ينفقون اموالهم ليصدوا عن سبيل الله سينفقونها ثم تكون عليهم حسرة ثم يغلبون))[الانفال: ٣٦][2]۔

([1]) تفسیر ابن کثیر (٤/٧٣) ملاحظہ کریں۔

([2]) اور یہ خبر سیرت ابن ہشام (٢/٢٧٦) اور دلائل النبوۃ للبیہقی (٣/١٠٩-١١٠) میں ملاحظہ کریں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مجاہد، سعید بن جبیر، حکم بن عتیبہ، سدی اور ابن ابزی نے روایت کیا ہے، یہ ابو سفیان اور اس کے احد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کے لیے اپنے مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

اور ضحاک کہتے ہیں یہ اہل بدر کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: بہر تقدیر یہ عام ہے، اگرچہ اس کا سبب نزول خاص ہے، پس اللہ رب العالمین نے یہ خبر دی ہے کہ کفار اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ سیدھے راستے کی پیروی سے لوگوں کو روکیں، وہ ایسا کریں گے پھر ان کے مال و دولت چلے جائیں گے اور وہ ان کے اوپر حسرت و ندامت کا باعث ہوں گے، کیونکہ اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ ان کا مقصد اس سے اللہ رب العالمین کے نور کو بجھانا تھا، اور اپنے کلمہ کو کلمہ حق پر غالب کرنا تھا، اور اللہ رب العالمین تو اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے والا ہے، تو یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے جہنم کا آگ آخرت میں رسوائی کے لیے ہوگا، چنانچہ ان میں سے جو زندہ رہا، اس نے اپنے آنکھ سے دیکھا اور اپنے کان سے سنا جو اسے برا لگا، اور جو ان میں سے قتل کر دیا گیا یا مر گیا تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے لیے رسوائی والی زندگی اور ہمیشہ کے عذاب کی جانب منتقل ہوا[1]۔

مشرکوں کا راستہ

مشرک لوگ بدر کی جانب بڑھنے لگے اور وہ اپنے راستے میں مر ظہران[2] سے گزرے، پھر انہوں نے وادی عسفان[3] کو پکڑا، پھر قدید[1] سے ہوتے ہوئے جحفہ پہنچے اور وہاں پر انہوں نے پڑاؤ ڈالا[2]۔

([1]) ملاحظہ کریں: تفسیر ابن کثیر (۵۳/۴)۔

([2]) مرّ الظّہران: یہ ایک وادی ہے جو مکّہ اور عُسفان کے درمیان واقع ہے، اور اس سے منسوب بستی کا نام "مرّ" ہے، میم مفتوح اور راء مشدد۔ ملاحظہ کریں: النہایۃ (۱۵۲/۳)۔

([3]) عُسفَان: عین مضموم کے ساتھ، یہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان ایک جامع بستی ہے۔ ملاحظہ کریں: النہایۃ (۲۱۴/۳)۔

قافلے کا بچ نکلنا اور ابو سفیان کا اہل مکہ کی جانب خط

ابو سفیان قافلے کو لے کر صدر راستے پر چل رہا تھا، اور وہ خبر دار اور بیدار مغز شخص تھے، اور انہوں نے ضمضم اور لشکر کے آنے میں تاخیر دیکھی تو جب وہ بدر کے چشمے سے قریب ہوا تو اس کی ملاقات مجدی بن عمرو جہنی سے ہوئی تو انہوں نے اس سے دریافت کیا؛ کیا تم نے محمد کے جاسوسوں میں سے کسی کا احساس کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا ہے جس پر مجھے شک ہو، ہاں میں نے یہ دیکھا ہے کہ دو سوار اس ٹیلے کے پاس اپنی اونٹنی کو بٹھائے ہوئے تھے، پھر انہوں نے اپنے مشکے میں پانی بھرا اور پھر چلے گئے، اور اس نے بسبسہ بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الزغباء کے اونٹنی بٹھانے کی جگہ کی جانب اشارہ کیا، جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی طرف قافلے کی خبر لانے کیلئے بھیجا تھا جیسے کی ہم نے گذشتہ سطور میں بیان کیا ہے، تو ابو سفیان ان دونوں کے اونٹنی بٹھانے کی جگہ آیا اور انکے اونٹنیوں کی مینگنیوں کو لیا اور اسے توڑا تو اس میں کھجور کی گٹھلیاں نکلی، انہوں نے کہا یہ اللہ کی قسم مدینہ کے لوگوں کے چارے ہیں، اور یہ محمد کے جاسوس ہیں، پس وہ اپنے ساتھیوں کے پاس جلدی سے واپس گیا اور قافلے کے منہ کو موڑ کر دریا کے ساحلی علاقے کی جانب متوجہ ہو گیا، اور سیدھا راستہ چھوڑ دیا جو بدر کے بائیں جانب سے نکلتا ہے پھر وہ جلدی سے نکلا اور نجات پا گیا اور اس طرح سے مسلمانوں کی پکڑ سے وہ قافلہ نکل گیا[3]۔

جب ابو سفیان نے یہ دیکھا کہ اس کا قافلہ نکل چکا ہے تو انہوں نے قریش کے پاس قیس ابن امرؤ القیس کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم اس لیے نکلے ہو تاکہ تم اپنے آدمیوں اور قافلہ اور مال و دولت کو بچالو، تو تحقیق کہ اللہ رب العالمین نے اسے بچالیا ہے تو تم واپس ہو جاؤ۔

([1]) قُدَید (تصغیر): یہ ایک مقام ہے جو مکّہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ ملاحظہ کریں: النہایۃ (۴/۲۰)۔

([2]) ملاحظہ کریں: دلائل النبوۃ للبیہقی (۳/۱۰۵)۔

([3]) ملاحظہ کریں: سیرۃ ابن ہشام (۲/۲۳۰) - الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۱/۲۵۵)۔

جب ان لوگوں سے قاصد نے یہ بات کہی ابھی وہ جحفہ ہی میں تھے تو انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا، مگر قریش کے سرکش ابو جہل -لعنت اللہ علیہ- نے کہا، اللہ کی قسم ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں، اور پھر وہاں ہم تین دن قیام کریں اور اونٹوں کو ذبح کریں اور کھانا کھلائیں اور شراب پلائیں اور ہمارے پاس لونڈیاں ناچیں اور گائیں، یہاں تک کہ ہمارے بارے میں اور ہمارے لشکر اور انجام کے بارے میں عرب کے لوگوں کو خبر ہو، اور پھر وہ اس کے بعد ہمیشہ ہم سے ڈرتے اور خوف کھاتے رہیں [1]۔

لیکن ابو جہل کی ان باتوں کے باوجود اخنس بن شریق کھڑے ہوا جو کہ بنو زہرہ کا حلیف تھا اس نے کہا اے بنو زہرہ بے شک اللہ نے تمہارے مال کو بچا لیا ہے اور تمہارے ساتھی مخرمہ بن نوفل کو نجات دے دی ہے، تم اپنے مال کو بچانے کے لیے نکلے تھے تو تم اس کی بزدلی کو میرے حوالے کر دو اور واپس چلو کیونکہ اب بلا ضرورت تمہیں نکلنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کی بات نہ مانو جو یہ کہہ رہا ہے یعنی ابو جہل، چنانچہ وہ لوگ جحفہ سے واپس ہو گئے اور کوئی بھی زہری شخص اس میں شریک نہ ہوا، جبکہ وہ سو کے قریب تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ تین سو آدمی تھے [2]۔

اور بنو ہاشم نے بھی واپسی کا ارادہ کیا، مگر ابو جہل نے ان لوگوں پر سختی کی اور کہا اللہ کی قسم یہ لشکر ہم سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ ہم واپس چلیں۔

اور مشرک لوگ بدر کی طرف آگے بڑھے اور وہاں جا کر وادی بدر کے سرحد پر دور کی وادی کے کنارے ایک ٹیلے کے پیچھے یہ پڑاؤ ڈالیں [3]۔

([1]) ملاحظہ کریں: سیرۃ ابن ہشام (۲/۲۳۰) - دلائل النبوۃ للبیہقی (۳/۱۰۸)۔

([2]) ملاحظہ کریں: الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۲۵۵).

([3]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد ۲، صفحہ ۲۳۲) — اور طبقات الکبریٰ از ابن سعد (جلد ۱، صفحہ ۲۵۵)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ سے مشورہ[1]

اور اپنے قافلے کو بچانے کے لیے قریش کے لوگوں کے نکلنے کی خبر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی بھی راستے میں وادی ذفران[2] کے پاس تھے، اسی وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشاورتی میٹنگ بلائی آئی اور صحابہ کرام کو قریش کے نکلنے کی خبر دی تو بعض لوگوں نے تعلق کو ناپسند کیا اور آپ کی بات بات ٹال دی کیوں کہ ان لوگوں نے قتال کی تیاری نہ کی تھی تھی، بلکہ وہ قافلہ کی رکھوالی کرنے والی ایک ایک چھوٹی سی جماعت بات سے ملنے کے لیے نکلے تھے، پر جب انہوں نے یہ جانا کہ قریش کے لوگ اپنے گھوڑوں پیدل چلنے والوں بہادروں اور اور گھڑ سواروں کے ساتھ نکلے ہیں ہیں تو انہوں نے ان سے لڑائی کو بہت ہی زیادہ ناپسند کیا یہی وہ وہ ناپسندیدگی تھی جس کی تعبیر قرآن مجید نے اپنے منفرد انداز میں بیان کیا ہے[3]: ((کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من ا مؤمنین لکارھون یجادلونک في الحق بعد ماتبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم[4] ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر الکافرین))[الانفال: ۵-۷]۔

وہ کہاں ہے جس کا ارادہ اپنے لئے مسلمان جماعت نے کیا تھا اس کے مقابلے میں جس کا ارادہ اللہ نے ان کے لیے کیا تھا؟ تحقیق کے کہ وہ چاہ رہے تھے تھے کہ ان کے لئے بغیر مشقت والے لشکر شکر سے سامنا ہو اور اور غنیمت کا ایک قصہ بنے، ایک ایسی قوم کا قصہ قصہ جنہوں نے ایک

([1])حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا (جلد ۲، صفحہ ۱۴۹): رسول اللہ ﷺ اپنی صحابہ سے کسی معاملے میں مشورہ کرتے تھے تاکہ ان کے دل مطمئن ہوں اور جو کام کریں وہ ان کے لیے زیادہ آسان اور خوشگوار ہو۔

([2])ذِفْران (ذال کے ساتھ کسر) ایک وادی ہے جو وادی الصفراء کے قریب واقع ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد ۲، صفحہ ۱۴۹)۔ وادی الصفراء کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

([3])دیکھیں: في ظلال القرآن (جلد ۳، صفحہ ۱۴۸۰)۔

([4])حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا (جلد ۴، صفحہ ۱۵): جب رسول اللہ ﷺ کو نفیر کے نکلنے کی خبر پہنچی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک جماعت کا وعدہ دیا: یا تو قافلہ یا نفیر۔ زیادہ مسلمانوں نے قافلہ کی طرف رغبت ظاہر کی کیونکہ وہ بغیر لڑائی کے نفع حاصل کر سکتے تھے۔

قافلے پر پر دھاوا بولا اور اس سے انہیں مال غنیمت حاصل ہوئی، رہی بات بدر کی کی دعا پوری تاریخ میں عقیدہ سے متعلق ایک قصہ بن گئی، ایک ایسا قصہ قصہ جس میں حق اور باطل کے درمیان واضح فرق کا غلبہ ہوا، ایک ایسا قصہ جس میں حق کے اپنے اسلحہ سے لیس اور ہر طرح سے تیار دشمن پر فتح حاصل ہوئی، جب کی اہل حق بہت ہی کم تعداد میں تھے، اور ان کے سواری اور تیاری بھی بہت کمزور تھی، اللہ سے جڑے ہوئے دلوں دلوں کی کامیابی کا قصہ، جب وہ اپنے کمزوری سے سے بے فکر ہو جائے، بلکہ ایسا قصہ جس میں میں میں قتال کو ناپسند کرنے والے مٹھی بھر دل کو فتح حاصل ہوئی! لیکن نن لیکن وہ اپنے ثابت اور مضبوط آثار کے اعتبار سے سے مادی واقعہ پر غالب رہیں، اور وہ حقیقی قوت عورت اور اس کے صحیح میزان پر یقین سے، اپنے آپ پر غالب آگئی گی، اس میں موجود لوگوں پر غالب آگئی، اور اور وہ ایسے معرکے میں کود پڑی جس میں میں باتیں کی طرف ترازو کا پلڑا واضح طور پر بھاری تھا، مگر اس نے اپنے یقین سے ظاہری میزان کو بھر دیا یا اور حق کا پلڑا راجح غالب ہوا[1]۔

کمانڈر صحابہ کرام کی گفتگو

اسی وقت مہاجرین میں سے کمانڈر لوگ گفتگو کرنے لگے، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے اور گفتگو کی اور بہترین بات کہی، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ قریش کے لوگ ہیں اور یہ ان کا گھمنڈ ہے، اللہ کی قسم جب سے وہ طاقت و قوت والے ہوئے ہیں کبھی ان کو ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے، اور جب سے انہوں نے کفر کیا ہے کبھی بھی ایمان نہ لائے ہیں، اور اللہ کی قسم وہ تم سے قتال کریں گے، چنانچہ آپ اس کے لیے تیار ہو جائے اور اس کے لیے اپنی تیاری کیجئے[2]۔

([1]) دیکھیں: في ظلال القرآن (جلد ۳، صفحہ ۱۴۸۲)۔

([2]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے - حدیث نمبر (۱۳۲۹۶) - اور دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقي (جلد ۳، صفحہ ۱۰۷) - سیرۃ ابن ھشام (جلد ۲، صفحہ ۲۲۷)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو مجھے مشورہ دو، چنانچہ مقداد بن عمر ورضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے، عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں : میں نے مقداد بن عمرو سے ایک ایسا موقف دیکھا ہے کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو اس کے بدلے مجھے کچھ اور پسند نہ ہوتا[1]، مقداد نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ رب العالمین جو دکھا رہے ہو وہ کر گزریئے ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم ہم اس طرح سے نہیں کہیں گے جیسے بنو اسرائیل نے موسی علیہ السلام سے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب قتال کرو اور ہم یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ آپ اور آپ کے رب چلو قتال کرو اور ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں، اور جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس ذات کی قسم اگر آپ برک غماد[2] تک بھی ہمیں لے کر چلیں گے تو ہم وہاں تک آپ کے ساتھ چلیں گے یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں[3]۔

اور بخاری کے یہاں صحیح میں دوسری روایت میں ہے کہ مقداد نے کہا: ہم اس طرح نہ کہیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا، تم اور تمہارے رب جاؤ اور تم دونوں قتال کرو، اور اور ہم آپ کے دائیں جانب سے اور بائیں جانب سے اور آپ کے آگے اور پیچھے سے قتال کریں گے[4]۔

([1]) حافظ ابن حجر نے الفتح (جلد ۸، صفحہ ۱۳) میں فرمایا: مراد اس منظر کی بزرگی میں مبالغہ ہے، اور یہ کہ اگر کسی کو اختیار دیا جاتا کہ یا تو وہ شخص ہو یا اس کے لیے اس منظر کے مطابق کچھ حاصل ہو، تو اس کے لیے وہ شخص ہونا زیادہ پسندیدہ ہوتا۔

([2]) برک الغماد: باء کھلی، غین پر ضم اور تکسیر کے ساتھ، ایک جگہ کا نام ہے یمن میں، اور بعض نے کہا یہ مکہ کے پیچھے پانچ دن کے فاصلے پر واقع ہے۔ دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (جلد ۱، صفحہ ۱۲۱)۔

([3]) یہ روایت البخاری نے صحیح میں بیان کی ہے - کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ} - حدیث نمبر (۳۹۵۲) - اور کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: {فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ} - حدیث نمبر (۴۶۰۹) - اور ابن اسحاق نے السیرۃ (جلد ۲، صفحہ ۲۲۷) میں بھی ذکر کیا ہے۔

([4]) یہ روایت البخاری نے اپنے صحیح میں بیان کی ہے - کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ} - حدیث نمبر (۳۹۵۲)۔

اور امام احمد کے یہاں صحیح سند کے ساتھ ایک دوسری روایت میں ہے: مقداد نے کہا :اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں دریا میں گھسنے کا حکم دیں تو ہم وہاں بھی گھس جائیں گے،اور اگر آپ ہمیں یہ حکم دے کہ ہم اپنے سواریوں کو برک غماد تک لیکر جائیں تو ہم وہاں بھی لے کر جانے کے لئے تیار ہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنا حکم سنائیں[1]۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ روشن ہو گیا اور مقداد کی اس بات سے آپ کو خوشی ہوئی[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو مجھے مشورہ دو دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار[3] سے مخاطب تھے،انصار کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ آپ انہیں کو مخاطب کر رہے ہیں تو سعد بن معاذ انصار کے سردار کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا اللہ کی قسم اللہ کے رسول صلی وسلم گویا آپ ہمیں مراد لے رہے ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں،تو سعد نے کہا: ہم آپ پر ایمان لائے،ہم نے آپ کی تصدیق کی،اور ہم نے یہ گواہی دیا کہ آپ جو بات لے کر آئے ہیں وہ حق ہے،اور ہم نے اس پر اپنے عہد و میثاق آپ کو دیے ہم آپ کی اطاعت کریں گے فرمانبرداری کریں گے،اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو چاہتے ہیں وہ کر گذریئے ہم آپ کے ساتھ ہیں،اس ذات کی قسم

([1]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے-حدیث نمبر (۱۳۲۹۶)۔

([2]) اور یہ روایت البخاری نے اپنے صحیح میں بیان کی ہے-کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالی: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ} -حدیث نمبر (۳۹۵۲)۔

([3]) ابن اسحاق نے سیرت میں فرمایا (۲/ ۲۲۷): اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار کی تعداد اتنی تھی اور جب انہوں نے عقبہ میں بیعت کی تو کہا: «اے رسول اللہ! ہم آپ کی امان سے آزاد ہیں جب تک آپ ہماری دیار تک نہ پہنچ جائیں، جب آپ ہمارے پاس پہنچیں تو آپ ہماری ذمّت میں ہیں اور ہم آپ کی حفاظت کریں گے جیسا کہ ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کی حفاظت کرتے ہیں۔» اس لیے رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کو خوف تھا کہ انصار کو نصرت نظر آئے صرف اس شخص سے جو دشمن کی طرف سے ان پر چھا گیا ہو، اور ان پر لازم نہیں تھا کہ وہ اپنے علاقے کے دشمن کی طرف آپ کے ساتھ جائیں۔

جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں اس دریا میں کودنے کا حکم دیں تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی کود جائیں گے، اور ہم میں سے کوئی ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا، ہم یہ ناپسند نہیں کرتے کہ کل آپ ہمارے ساتھ ہمارے دشمن سے ملیں، ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور قتال کے وقت سچ کر دکھانے والے ہیں، شاید اللہ رب العالمین آپ کو ہم سے وہ بات دکھائیں جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے، تو آپ اللہ کی برکت سے ہمیں ساتھ لے کر چلو[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد رضی اللہ تعالی عنہ کی بات سے خوشی ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے حوصلہ حاصل ہوہ پھر کہا: لوگو اللہ رب العالمین کے نام سے چلو، خوش ہو جاؤ کیونکہ اللہ رب العالمین نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے، اور گویا میں ابھی ان لوگوں کے قتل کی جگہ کو دیکھ رہا ہوں[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو مشرکوں کے قتل کی جگہ کی بابت خبر دینا

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو مشرکوں کے قتل کی جگہ کے بارے میں خبر دینے لگے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر

([1]) سیرت ابن ہشام (۲/ ۲۲۷) میں دیکھیں۔ اور صحیح مسلم میں بھی آیا ہے۔ کتاب الجھاد والسیر، باب غزوۃ بدر۔ حدیث نمبر (۱۷۷۹)۔ یہاں متکلم انصار کی طرف سے سعد بن عبادۃ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہیں۔ بدر میں ان کے شریک ہونے پر اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ الحافظ ابن حجر الفتح (۸/ ۱۴) میں فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اس بات کو یوں جمع کیا جائے کہ نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے بدر کی غزو میں دو بار ان سے مشورہ کیا: پہلی بار جب وہ مدینہ میں تھے اور انہیں ابو سفیان کے قافلے کا خبر ملا، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ظاہر ہے، اور دوسری بار جب آپ میدان جنگ کے لیے روانہ ہوئے۔

([2]) یہ روایت ابن اسحاق کی سیرت (۲/ ۲۲۷) میں بھی موجود ہے اور اس کا اسناد صحیح ہے۔ الحافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۲۷۸) میں فرمایا: یوں ابن اسحاق نے روایت کی ہے اور اس کے کئی شواہد بھی موجود ہیں۔

والوں کے قتل کی جگہ کو کل ہمیں دکھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے یہ کل فلاں کے قتل کی جگہ ہے ان شاءاللہ، اور یہ ان شاءاللہ کل فلاں کے قتل کی جگہ ہے، اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا تھا وہ ان حدوں سے آگے نہ بڑھ سکے جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا تھا[1]۔

رسول اللہ ﷺ کا العُدوۃ الدُّنیا (قریب بدر) پر قیام :

پھر رسول اللہ ﷺ وادی ذِفْران سے کوچ کر کے العُدوۃ الدُّنیا پر اترے، جو بدر کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا[2] وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى[3] وَالرَّكْبُ[4] أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ. اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ} [الأنفال: 42] ۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس نے تمہیں اور تمہارے دشمن کو ایک ہی جگہ بغیر پہلے سے طے شدہ وعدے کے اکٹھا کر دیا تاکہ وہ تمہیں ان پر غلبہ دے اور حق کا بول بالا ہو اور باطل دب جائے۔ تاکہ معاملہ بالکل واضح ہو جائے، دلیل قائم ہو جائے اور برہان روشن ہو جائیں، اور کسی کے پاس کوئی عذر یا شبہ باقی نہ رہے۔ تب فرمایا گیا: {لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ} یعنی جو کافر کفر پر ڈٹا رہا وہ یہ جانتے ہوئے ڈٹا کہ وہ باطل پر ہے، کیونکہ اس پر دلیل قائم ہو گئی۔ اور

---

(1) اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب: "عرض مقعد المیت في الجنۃ أو النار علیہ"۔ حدیث نمبر (۲۸۷۳)، اور امام احمد نے بھی اپنے مسند میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۱۸۲)۔

(2) العُدْوَۃ: وادی کا کنارے والا حصہ، یعنی جہاں آپ اترتے ہیں، وہ وادی کا قریبی حصہ ہے جو مدینہ کے قریب ہے۔ دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (٤/ ٦٦)۔

(3) یعنی: کفار، العُدْوَۃ القُصوی: یعنی وہ دور کا حصہ جو مکہ کی جانب سے ہے۔ دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (٤/ ٦٦)۔

(4) وہ قافلہ جس میں ابو سفیان اور اس کے ساتھ مال و تجارت تھے۔ دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (٤/ ٦٦)۔

{وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ} یعنی جو ایمان لایا وہ دلیل اور بصیرت کے ساتھ ایمان لایا۔ اور ایمان ہی دلوں کی حقیقی زندگی ہے [1]۔

رسول اللہ ﷺ کی استکشافی کاروائی:

بدر کے قریب رسول اللہ ﷺ نے اپنے غار کے ساتھی ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ ایک استکشافی مہم انجام دی۔ وہ دونوں قریش کے بارے میں معلومات حاصل کرنے نکلے۔ اسی دوران ان کی ملاقات ایک عرب بزرگ سے ہوئی جس کا نام سفیان ص نمری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بزرگ سے قریش اور محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے بارے میں پوچھا اور یہ کہ ان کے متعلق اسے کیا خبر پہنچی ہے۔ اس پر بزرگ نے کہا: "میں تمہیں اس وقت تک خبر نہیں دوں گا جب تک تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ تم دونوں کس قبیلے سے ہو؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم ہمیں خبر دے دو تو ہم بھی تمہیں بتا دیں گے۔" بزرگ نے کہا: "کیا تم وعدہ کرتے ہو؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ تب بزرگ نے کہا: "مجھے خبر ملی ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی فلاں دن نکلے تھے، اگر یہ خبر سچی ہے تو وہ آج فلاں مقام پر ہوں گے۔" (یعنی وہی مقام جہاں اس وقت رسول اللہ ﷺ موجود تھے)۔ "اور مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ قریش فلاں دن نکلے تھے، اگر خبر دینے والے نے سچ کہا تو وہ آج فلاں مقام پر ہوں گے۔" (یعنی وہی مقام جہاں قریش اس وقت تھے)۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو اس نے پھر پوچھا: "تم دونوں کس قبیلے سے ہو؟" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم پانی سے ہیں [2]۔" پھر آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ بزرگ یہ سوچتا رہ گیا: "کون سا

([1]) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (٤/ ٦٩)۔

([2]) یہ رسول - صلی اللہ علیہ وسلم - کی ایک توریہ ہے، اور توریہ وہ ہے کہ کوئی چیز بیان کرے اور مراد کچھ اور ہو۔ کہا جاتا ہے: "وَرّيت الخبر أُوَرِّيه توريةً" یعنی جب آپ نے کسی بات کو چھپایا اور کچھ اور ظاہر کیا۔ دیکھیں: لسان العرب (١٥/ ٢٨٣)۔
میں کہتا ہوں: اور رسول - صلی اللہ علیہ وسلم - کا مقصد جب آپ نے فرمایا "(من ماء)" تو یہ تھا کہ وہ پانی سے پیدا ہوا، اور اس میں حقیقت کے خلاف کوئی اختلاف نہیں۔

پانی؟ کیا عراق کا پانی مراد ہے؟" پھر رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کی طرف واپس تشریف لے گئے[1]۔

اسی دن کی شام کو رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب، الزُبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص کو ساتھیوں کے ایک دستے کے ساتھ بدر کے پانی (مَاءِ بَدْر) کی طرف بھیجا تاکہ قریش کے بارے میں خبر حاصل کی جاسکے۔ وہ وہاں قریش کے کچھ جاسوس ملے، جن میں بنی الحجاج کا ایک لڑکا بھی تھا، جس کا نام اسود تھا۔ انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ رسول ﷺ کے صحابہ نے اس لڑکے سے ابوسُفْیان کی قافلے اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: "اُمی، مجھے ابوسُفْیان کا علم نہیں، مگر یہ قریش ہیں — ابوجہل اور عمرو بن ہِمام (یا امیہ بن خلف) آئے ہوئے ہیں"۔ وہ لوگ اسے مارنے لگے تو وہ کہتا رہا: "ہاں، یہ ابوسُفْیان ہے"؛ اور جب اسے چھوڑ دیا جاتا تو دوبارہ پوچھتے تو وہ کہتا: "مجھے ابوسُفْیان کا علم نہیں، مگر یہ قریش آئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں"۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز ختم کی تو فرمایا: "بے شک جب تم سچ سنو گے تو تم اسے مار ڈالو گے، اور جب وہ جھوٹ بولے گا تو چھوڑ دو گے"[2]۔

اور ایک دوسری روایت میں، جو امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ۔۔۔ ہم نے (بدر کے قریب) ان کے دو آدمی پالیے: ایک قریشی اور ایک عقبہ بن ابی معیط کا غلام۔ قریشی شخص تو بھاگ نکلا اور ہم نے عقبہ کے غلام کو پکڑ لیا۔ ہم اس سے پوچھنے لگے: "قوم (یعنی لشکرِ قریش) کتنے ہیں؟" وہ کہتا: "اللہ کی قسم! وہ تعداد میں بہت ہیں اور بڑے زور آور ہیں۔" جب وہ یہ بات کہتا تو مسلمان اسے مارتے۔ یہاں تک کہ ہم اسے

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۲۲۸)۔

([2]) یہ حدیث مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب غزوۃ بدر - رقم حدیث (۱۷۷۹) - اور امام احمد نے بھی اپنی مسند میں روایت کی ہے - رقم حدیث (۱۳۲۹۶) - اور ابن اِسحاق نے اسے سیرۃ میں ذکر کیا ہے (۲/ ۲۲۸)۔

نبی ﷺ کے پاس لے آئے۔ نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: "قوم کتنے ہیں؟" اس نے کہا: "اللہ کی قسم! وہ تعداد میں بہت ہیں اور بڑے زور آور ہیں۔" نبی ﷺ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ان کی اصل تعداد بتادے، مگر وہ نہ مانا۔ پھر نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: "وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" اس نے کہا: "روزانہ دس اونٹ۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قوم ایک ہزار ہیں، ہر اونٹ سو آدمیوں اور ان کے ساتھ والوں کے لیے ہوتا ہے"۔[1]

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے (یعنی بنی حجاج کے غلام اور عقبہ بن ابی معیط کے غلام سے) فرمایا: "قریش کے سرداروں میں سے کون کون ان کے ساتھ ہے؟" انہوں نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طُعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعۃ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ (ابنا الحجاج)، سہیل بن عمرو، اور عمرو بن عبدود۔ تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "یہ مکہ ہے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے سامنے ڈال دیے ہیں"۔[2]

([1]) ان روایتوں میں سے ایک روایت اُنس کی ہے کہ صحابہ نے اسے مارا کیونکہ اس نے کہا "من قریش"، اور دونوں روایتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ مسلمانوں کو جنگ کرنے میں رغبت کم تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قافلہ ہی ان کے ہاتھ آئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سورۃ الأنفال، آیت ۷: {وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ}۔

([2]) یہ بھی امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ رقم حدیث (۹۴۸)۔

(۱) اس کا مطلب ہے قریش کا جوہر اور لبّ، اور ان کے اشراف، کیونکہ کبد جسم کے اشرف اعضاء میں سے ہے۔ اور أفلاذ جمع فِلذۃ ہے، یعنی وہ ٹکڑا جو لمبائی میں کٹا ہو۔ دیکھیں: النہایۃ (۳/ ۴۲۲)۔

(۲) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۲/ ۲۲۹)۔

بارش کا نزول:

رسول اللہ ﷺ پانی سے دور تھے، اور مسلمانوں کو شدید پیاس اور کمزوری لاحق ہوئی۔ اسی رات اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلکی بارش نازل فرمائی[1]، جس نے انہیں پاکیزہ کیا، پانی پینے اور وضو کرنے کا موقع دیا، اور شیطان کے ناپاک اثرات ان سے دور ہو گئے۔ وادی سخت اور ریتلی تھی، لیکن پانی گرنے سے زمین نرم ہو گئی اور قدم مضبوط ہوئے۔ بارش کی شدت مشرکین پر زیادہ تھی، جو ان کے لیے ایک آزمائش اور عذاب بنی اور انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا[2]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"جب وہ تم پر نیند کو چھا دیتا ہے جو اس کی جانب سے امان ہے، اور آسمان سے تم پر پانی نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں پاک کرے اور شیطان کے ناپاک اثرات تم سے دور کرے، اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور تمہارے قدموں کو ثابت کرے"۔

مجاہد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بارش اس سے پہلے نازل فرمائی کہ نیند آتی، جس سے دھول مدھم ہو گئی، زمین پانی سے نرم ہوئی، دل خوش ہوئے، اور قدم مضبوط ہوئے[3]۔

یہ ساری جنگ اللہ کے حکم، مشیت اور تقدیر سے چل رہی تھی، اور اللہ کے فوجیوں کی رہنمائی اور تدبیر سے منظم تھی۔ یہ منظر قرآن کی تصویر شدہ، متحرک اور زندگی بخش عبارت کے ذریعے بالکل واضح ہے، گویا یہ لمحہ ابھی رونما ہو رہا ہے[4]۔

([1])امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رقم حدیث (٩٤٨) - عن علیّ بن ابی طالب کہہ رہے ہیں: "... پھر رات کے وقت ہمیں ہلکا سا بارش کا طشّ ہوا، تو ہم نے درختوں اور الحجف (یعنی ترس) کے نیچے جا کر پناہ لی، بارش سے بچنے کے لیے۔" اور طشّ کا مطلب ہے ہلکی اور کمزور بارش۔ دیکھیں: النھایۃ (٣/ ١١٣)۔

([2])دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٢٣٢)۔

([3])دیکھیں تفسیر ابن کثیر (٤/ ٢٤)۔

([4])دیکھیں ظلال القرآن (٣/ ١٤٨٣)۔

مسلمانوں کی حرکت اور بدر کے پانی پر قبضہ:

پھر رسول اللہ ﷺ اپنی فوج کے ساتھ بدر کے پانی کی طرف روانہ ہوئے تاکہ مشرکین سے پہلے وہاں پہنچ جائیں اور انہیں پانی پر قبضہ کرنے سے روکیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدر کے بہترین کنویں پر قیام فرمایا۔

امام احمد نے اپنے مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: "...رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے، اور بدر میں ایک کنواں تھا، ہم مشرکین سے پہلے اس تک پہنچ گئے"۔[1]

مشہور مگر ضعیف روایت:

جو روایت الحباب بن المنذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ یوں ہے کہ انہوں نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ! آپ نے اس مقام کو دیکھا، کیا یہ مقام اللہ نے مقرر کیا ہے اور ہم نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے رہ سکتے ہیں، یا یہ حکمت ورائے اور جنگی چال ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلکہ یہ حکمت، رائے اور جنگی چال ہے۔" الحباب رضی اللہ عنہ نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ! یہ مقام مقرر شدہ نہیں، لہذا لوگوں کو آگے بڑھائیں تاکہ ہم دشمن کے قریب ترین پانی تک پہنچیں، اسے قبضے میں لیں، اور دلوں کے پیچھے والے حصے پر قبضہ کریں، پھر اس کے اوپر ایک حوض بنائیں تاکہ پانی بھر جائے، اور پھر ہم دشمن سے لڑیں، ہم پئیں اور وہ نہ پئیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک تم نے بہترین رائے دی ہے"۔[2]

([1])امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے۔ حدیث نمبر (۹٤۸)۔

([2])حبّاب بن المنذر -رضي اللّٰہ عنہ- کے مشہور قصہ کو الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔ کتاب معرفۃ الصحابۃ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُمْ۔ باب ذکر مناقب الحباب بن المنذر۔ رضي اللّٰہ عنہ۔ حدیث نمبر (٥٨٥٦) و (٥٨٥٧)۔

لیکن یہ روایت، باوجود اپنی شہرت کے، سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور صحیح روایت کے منافی ہے جو امام احمد نے مسند میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود نے بدر کے بہترین پانی کے مقام پر قیام کا انتخاب فرمایا۔

عریش کی تعمیر[1]:

جب مسلمانوں نے پانی کے مقام پر قیام کیا اور ان کا انتظام مستحکم ہوا، تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "یا نبی اللہ ﷺ! کیا ہم آپ کے لیے ایک عریش نہ بنائیں تاکہ آپ اس میں ہوں، اور ہم آپ کے پاس اپنے ہتھیار رکھیں، پھر دشمن سے ملاقات کریں؟ اگر اللہ نے ہمیں مدد دی اور دشمن پر غالب فرمایا، تو یہ ہمارے لیے پسندیدہ ہوگا، اور اگر ایسا نہ ہوا تو آپ اپنے ہتھیار کے پاس بیٹھیں اور ہمارے پیچھے رہنے والے لوگوں سے جڑ جائیں، کیونکہ کچھ لوگ آپ کے پیچھے رہ جائیں گے۔ یا نبی اللہ ﷺ! ہم آپ سے ان سے زیادہ محبت نہیں رکھتے، اور اگر وہ سوچیں کہ آپ جنگ میں ہیں تو وہ پیچھے نہ رہتے۔ اللہ آپ کو ان کے ذریعے بچائے گا، وہ آپ کو نصیحت کریں گے اور آپ کے ساتھ جہاد کریں گے"۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات کی تعریف کی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

پھر عریش بنایا گیا، جو کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا اور ایک بلند تل پر نصب تھا، جو میدان جنگ کی طرف مشرف تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس میں داخل ہوئے، اور ان کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے[1]۔

الذهبي نے کہا: یہ حدیث منکر ہے اور اس کا سند ضعیف ہے۔ اور ابن إسحاق نے اسے السیرۃ میں روایت کیا ہے (۲/ ۲۳۲) لیکن سند منقطع ہے۔ اور الاموی کے حوالے سے ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں ذکر کیا ہے (۳/ ۲۸۳)، اور اس کے سند میں الکلبي ہے جو متروک ہے۔ اور الحافظ نے اسے الإصابۃ میں ذکر کیا ہے (۲/ ۹) اور سند کو ضعیف قرار دیا۔

([1]) العَرِیش: یہ لکڑی یا چھڑیوں کی بنی ہوئی خیمہ ہے جو لگائی جاتی ہے اور اس کے نیچے سایہ دار جگہ بنتی ہے۔ دیکھیں: لسان العرب (۹/ ۱۳٤)۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے تلوار سے خود کو تیار کیا اور چند انصار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی[2]۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ خاصیت صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عریش میں ہوں، جیسا کہ وہ غار میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے[3]۔

یہ وہ حکمت ہے جس کا اشارہ سعد رضی اللہ عنہ نے کیا، جو جنگ کے بہترین فنون میں سے ہے، کیونکہ قائد کو لڑائی کے میدان سے دور ہونا چاہیے تاکہ وہ فوج کی رہنمائی اور حربی حکمت عملی میں موثر ہو سکے، اور اگر اسے نقصان پہنچا تو فوج کا عزم ٹوٹ نہ جائے، اور شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے[4]۔

البزار نے اپنے مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے لوگو! سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟" لوگوں نے کہا: "آپ ہی ہیں، یا امیر المؤمنین!" علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے کبھی کسی سے براہِ راست مقابلہ کیا تو اس کا توازن برابر کر لیا، لیکن سب سے زیادہ بہادر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے عریش بنایا تھا، اور ہم نے کہا کہ کون رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے گا۔ اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا، تو قسم ہے اللہ کی! اس میں سے کوئی بھی

([1])عَرِیش کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔ کتاب التفسیر۔ باب قولہ تعالیٰ: {السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ} ۔حدیث نمبر (٤٨٧٧) ۔ ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سے روایت ہے، جس میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بدر کے دن اپنی خیمہ میں تھے... اور اسے الأموي نے ابن إسحاق سے روایت کیا جیسا کہ البدایۃ والنھایۃ (٣/ ٢٩٣) میں آیا: کہ نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے عَرِیش میں ہلکی نیند کی، پھر جاگے اور فرمایا: "خوش ہو جاؤ ابو بکر! اللہ کی نصرت تمہارے پاس پہنچی، یہ جبرائیل ہے، اپنے گھوڑے کے لگام کو پکڑے، علی اسے اپنی دو بازو سے رہنمائی کر رہا ہے"، اور اس کی سند حسن ہے جیسا کہ الألبانی رَحِمَهُ اللَّهُ نے فقہ السیرۃ میں (ص ٢٢٦) پر ذکر کیا۔ ابن إسحاق نے بھی سیرت میں (٢/ ٢٣٩) اس کو بغیر سند کے روایت کیا۔

([2])دیکھیں: سیرت ابن ھشام (٢/ ٢٤٠)۔

([3])دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (٣/ ٢٨٨)۔

([4])دیکھیں: السیرۃ النبویۃ ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رَحِمَهُ اللَّهُ (٢/ ١٣٥)۔

نزدیک نہ آیا مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلوار کش کر کے رسول اللہ ﷺ کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ جو بھی اُس کی طرف بڑھتا، وہ اُسے گر جاتا۔ یہی سب سے زیادہ بہادر شخص ہے"۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کو تیار کرنا اور شب بیداری:

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو قطار میں لگایا اور رات کو بہترین طریقے سے انہیں تیار کیا، اور یہ رات جمعہ کی رات تھی، یعنی رمضان کی گیارہویں رات۔ رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں چلتے اور زمین کی نشاندہی کرتے، اور کہتے: "یہاں فلانے کا قتل ہو گا کل، اور یہاں فلانے کا قتل ہو گا کل، ان شاء اللہ"[2]، اور اپنی ہاتھ زمین پر رکھتے: "یہاں، اور یہاں"۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: "واللہ! ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے آگے نہ بڑھ سکا"[3]۔

امام احمد نے اپنے مسند میں حسن سند کے ساتھ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ: "ہم نے بدر کے دن صف بندی، اور کچھ لوگ صفِ اول میں کم تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: 'میرے ساتھ ہیں[4]، میرے ساتھ ہیں'۔[5]

([1]) اسے الحافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں ذکر کیا ہے (٣/ ٢٨٧) اور الحافظ ابن حجر نے الفتح میں (٧/ ٥٦٠) میں۔

([2]) ہم نے پہلے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو کافروں کے سرمارے جانے کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں فرمایا (٣/ ٢٩٢): اس میں کوئی مانع نہیں کہ اسے جمع کیا جائے، یعنی ایک دن پہلے یا اس سے زیادہ پہلے خبر دی جائے، اور ایک دن یا موقعہ کی گھڑی پہلے بھی خبر دی جائے، اور اللہ علم والا ہے۔

([3]) اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الجھاد والسیر – باب غزوۃ بدر – حدیث نمبر (١٧٧٩) – اور امام اُحمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (١٣٢٩٦)۔

([4]) السندی نے شرح المسند میں کہا (١٣/ ٤٧٥): رسول اللہ – صلی اللہ علیہ وسلم – کا قول "مَعِي، مَعِي" یعنی میرے ساتھ رہو، یعنی اس موقف میں جو میں نے تمہارے لیے چنا ہے، نہ جلدی کرو اور نہ دیر۔

([5]) امام اُحمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا – حدیث نمبر (٢٣٥٦٧) – اور حافظ ابن کثیر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا البدایہ والنھایہ (٣/ ٢٨٧) میں۔

ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا، لیکن یہ پچھلی حدیث کی تصدیق کرتا ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نبی ﷺ نے ہمیں بدر میں رات کو تیار کیا۔[1]"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ کا طاری ہونا:

اور اس رات مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن و سکون کے طور پر نیند نے آلیا، چنانچہ سب سو گئے۔ وہ ایک پُر سکون رات تھی جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو اعتماد سے بھر دیا اور انہوں نے اپنی راحت کا حصہ حاصل کیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {...يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ}

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی "مسند" میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: بدر کے دن ہم میں کوئی گھڑ سوار نہ تھا سوائے مقداد کے، اور میں نے ہمیں دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک سو رہا تھا۔[2]

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: بے شک ابو طلحہ انصاری کہتے ہیں کہ: جب ہم بدر کے دن اپنی صفوں میں تھے تو ہمیں اونگھ نے آگھیرا، ابو طلحہ کہتے ہیں: میں ان لوگوں میں سے تھا جنہیں اونگھ نے

([1])امام ترمذی نے اسے جامعہ میں روایت کیا –کتاب الجھاد– باب صف بندی اور جنگ میں تیاری –حدیث نمبر (۱۷۷۲) – اور ابن الأثیر نے اسے جامع الأصول میں ذکر کیا –حدیث نمبر (۶۰۲۱)۔

([2])امام أحمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا –حدیث نمبر (۱۰۲۳) – اور ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا –کتاب الصلاۃ– باب نماز میں رونے کی اجازت –حدیث نمبر (۲۲۵۷)۔

آگھیرا تھا، جس کی وجہ سے میری تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر رہی تھی اور پھر اٹھاتا تھا پھر گرتی پھر اٹھاتا[1]۔

اور جہاں تک اس نیند کی کہانی ہے جو مسلمانوں پر معرکے سے پہلے طاری ہوئی، یہ ایک عجیب نفساتی کیفیت کی داستان ہے جو صرف اللہ کے حکم، اس کی قدرت اور تدبیر سے ہی واقع ہو سکتی ہے۔... مسلمانوں کو سخت خوف نے گھیر رکھا تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو کم تعداد میں دیکھ رہے تھے اور ایک ایسے خطرے کا سامنا کر رہے تھے جس کا حساب نہ کیا تھا اور جس کے لئے وہ مناسب تیاری نہیں کیے تھے۔... پھر اچانک وہ نیند اُن پر طاری ہوئی؛ اور جب وہ اس سے بیدار ہوئے تو سکون نے ان کی روحیں گھیر لیں، قلوں پر اطمینان طاری ہو گیا۔... میں نے جب ان آیات سے گزرتا اور اس نیند کے واقعات پڑھتا تو مجھے وہ ایک واقعے کی مانند محسوس ہوتے —— ایسا واقعہ جو واقعی ہوا، جس کا راز اللہ جانتا ہے اور جس کی خبر ہمیں پہنچتی ہے۔... اور پھر اچانک مجھے سخت گھبراہٹ میں مبتلا پایا جاتا، غروبِ آفتاب کے وقت مختصر لمحوں کے لیے اندر ایک دُکھلا ہوا تنگی اور مضطرب شبہ گزرتا ہے۔... پھر چند لمحوں کی تھوڑی سی آہستہ نیند مجھے گھیر لیتی ہے —— چند منٹ سے زیادہ نہیں۔... اور جب میں جاگتا ہوں تو ایسے نئے انسان کی مانند اٹھتا ہوں جو پہلے جیسا نہیں رہا: وہ روح پر سکون، دل مطمئن، اور ایک گہرا پُر سکون اعتماد میں غرق ہوتا ہے۔... یہ تبدیلی اچانک کیسے واقع ہوئی؟ میں نہیں جانتا! مگر اس کے بعد میں بدر

([1])امام أحمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا – حدیث نمبر (١٦٣٥٧) – اور ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا – کتاب صحابہ کے مناقب – باب ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ذکر کے ضمن میں – حدیث نمبر (٧١٨٠)۔

اور احد کی کہانیوں کو اپنے پورے وجود کے ساتھ محسوس کرتا ہوں، نہ کہ صرف اپنے عقل سے؛ میں انہیں زندہ ادراک محسوس کرتا ہوں، محض ایک تصور کے طور پر نہیں۔ ... بے شک یہ غشی اور وہ اطمینان اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے بدر کے دن بھیجا گئی ایک امدادی رزق اور تقویت تھی [1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا یہ (یعنی نیند) مؤمنین کے لیے سخت جنگ کے وقت ایک طبعی عادت (سہارا) بن گئی تھی، تاکہ اُن کے دل اللہ کی نصرت پر مطمئن اور پُر سکون رہیں۔ اور یہ اللہ کے فضل و رحمت اور اُس کی نعمتوں میں سے ہے جو اس نے اُن پر فرمائی [2]۔

رات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز:

رہی بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو آپ نے وہ پوری رات ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے ہوئے گزاری، اللہ سے آہ و زاری کر رہے تھے، رو رہے تھے، اور اپنے سجدے میں بکثرت "یا حي یا قیوم" کو صبح ہونے تک دوہرا رہے تھے، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: بدر والے دن ہم میں مقداد بن عمرو کے علاوہ کوئی گھوڑ سوار نہ تھا، اور سارے لوگ سو چکے تھے، سوائے

([1]) دیکھیے: ظلال القرآن میں (جلد ۳، صفحہ ۱٤٨٤)۔

([2]) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر میں (جلد ٤، صفحہ ۲۳)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ایک درخت کے نیچے صبح ہونے تک نماز پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے[1]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن صبح جب اٹھے تو آپ وہ پوری رات جاگے ہوئے تھے[2]۔

جمعہ کے دن کی فجر کی نماز، اور وہی یومُ الفُرقان تھا:

جب سنہ ۲ ہجری کے رمضان کی سترہویں تاریخ، جمعہ کے دن فجر طلوع ہوا، وہی "یوم الفرقان" تھا، جس دن دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے آواز دی: "نماز، اے اللہ کے بندو!" تو لوگ درختوں اور ڈھالوں (چھتری نما اوزار) کے نیچے سے نکل آئے ـــــ اور وہ بارش کی وجہ سے ان کے نیچے سایہ لیے ہوئے تھے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ نماز ادا کی، اور انہیں جہاد کی ترغیب دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً قریش کا لشکر اس سرخ پہاڑی کے دامن میں ہے"۔[3]

([1]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (۱۰۲۳) - اور اسے ابن حبان نے اپنے صحیح میں بھی روایت کیا ہے - کتاب الصلاۃ، باب: نماز میں انسان کے رونے کی اجازت - حدیث نمبر (۲۲۵۷)۔

([2]) اسے ابن حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب السیر، باب ذکر مایستحب للإمام إذا أراد موقعۃ للأعداء - حدیث نمبر (٤٧٥٩)۔

([3]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (٩٤٨) اور اس کا سند صحیح ہے۔

صفوں کی درستگی اور قتال کی کیفیت کے بارے میں آپ کی رہنمائی:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن صبح میں اپنے صحابہ کی صف بندی کی، اور یہ قریش کے وادی پر ٹھہرنے سے پہلے ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں موجود ایک تیر سے لوگوں کے صف کو درست کرنا شروع کیا، کسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آگے ہو جاؤ کسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیچھے ہو جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر سواد ابن غزیہ[1] رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، جو کہ بنی عدی بن نجار کے حلیف تھے وہ صف سے ذرا آگے کھڑا ہوئے تھے، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیٹ میں تیر سے کوچا اور کہا اے سواد تم سیدھے ہو جاؤ، تو سواد نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ نے مجھے تکلیف دی ہے اور آپ کو اللہ نے حق اور عدل کے ساتھ بھیجا ہے تو آپ مجھے قصاص دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطن شریف کو کھولا اور کہا قصاص لے لو تو انہوں نے آپ کو گلے سے لگایا اور آپ کے بدن مبارک کو بوسہ دیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سواد تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے ابھارا، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ دیکھ رہے ہیں ہمارے سامنے کیا ہے میں نے یہ چاہا کہ سب سے آخری میں میری چمڑی

([1])حافظ ابن حجر نے الفتح (٥/ ١٤٧) میں فرمایا: سواد میں سین مفتوح اور واو مخفف ہے، اور غزیۃ میں غین مفتوح اور یاء پر تشدید ہے، وزن میں عطیہ کے وزن پر۔

آپ کے چمڑے سے لگ جائے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خیر کی دعا کی[1]۔

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا اور کہا تم اس وقت تک قتال کرنا شروع نہ کرنا جب تک میں تمہیں اجازت نہ دے دوں)) چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں امام احمد نے اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ((اور مشرک لوگ آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی شخص کسی چیز کی جانب نہ بڑھے یہاں تک کہ میں اسے اجازت دے دوں)) [2]۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو قتال کی کیفیت کی رہنمائی فرمائیں، جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو اسید کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے ہماری صف بندی کرنے کے بعد بدر کے دن کہا جب وہ تم سے قریب ہوں[3] تو تم انہیں تیر سے مارو اور اپنے تیروں کو بچا کر رکھو[1])) [2]۔

([1]) سواد بن غزیۃ -رضي اللّٰہ عنہ- کی داستان ابن إسحاق نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے (۲/ ۲۳۸) اور اس کا سند حسن ہے۔ مزید دیکھیں: الإصابۃ (۳/ ۱۸۰) اور السلسلۃ الصحیحۃ (الألباني) - حدیث نمبر (۲۸۳۵)۔

([2]) امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الإمارۃ - باب شہید کے لیے جنت کا ثبوت - حدیث نمبر (۱۹۰۱) - اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (۱۲۳۹۸)۔

([3]) حافظ ابن حجر نے الفتح (٦/ ۱۸۹) میں فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دشمن آپ کے قریب آئیں، اور یہاں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ قریب آنے پر نیزہ بازی اور تلوار کے ساتھ لڑائی کرنا مناسب ہے... تو مراد یہ ہے کہ دور سے تیر اندازی اور لڑائی کو ملتوی کیا جائے

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صل وسلم نے فرمایا: ((جب وہ تم سے قریب ہو تو تم ان کو تیر سے مارو اور تم تلوار اس وقت تک نہ نکالو جب تک کہ وہ تمہارے پاس نہ آجائیں)) [3]۔

اور ابن اسحاق کی سیرت کے اندر ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((جب وہ لوگ تمہیں گھیر لیں تو تم انہیں تیر سے مار کر خود سے دور کرو)) [4]۔

بدر کی وادی میں قریش کے لشکر کا اترنا اور ان میں پھوٹ پڑنا:

رہی بات قریش کی تو وہ لوگ بدر کی پوری رات اپنے پڑاؤ گاہی میں گزاری دور کی جگہ میں، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹیلے سے بدر کی وادی کی طرف اترتے دیکھا تو کہا: ((اے اللہ یہ قریش کے لوگ ہیں ہیں جو اپنے فخر اور تکبر سے آگے بڑھ رہے ہیں، اور وہ تجھ سے دشمنی کرتے ہیں تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے

تاکہ دشمن قریب آئے؛ کیونکہ اگر آپ دور سے تیر چلائیں تو غالباً ہدف تک نہ پہنچے اور فائدہ کم ہو، اور اس کی طرف اشارہ بھی اس قول سے ہے: "واستبقوا نبلكم"۔

([1])حافظ ابن حجر نے الفتح (۸/ ۳۸) میں فرمایا: جو ظاہر ہوتا ہے کہ "واستبقوا نبلكم" کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ "ارموهم" سے متعلق نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ تیر اندازی کو اس وقت تک ملتوی رکھو جب تک دشمن قریب نہ آجائے؛ کیونکہ دور سے زیادہ تر تیر ہدف کو نہیں پہنچتے، اور جب وہ اس فاصلے پر آئیں جہاں زیادہ امکان ہو کہ تیر لگیں تو تب فائر کرو۔

([2])امام بخاری نے اسے صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الجهاد والسير - باب التحريض على الرمي- حدیث نمبر (۲۹۰۰) - اور کتاب المغازي میں بھی روایت کیا ہے- باب (۱۰) - حدیث نمبر (۳۹۸۵)۔

([3])ابوداؤد نے اسے اپنی سنن میں روایت کیا ہے - کتاب الجهاد - باب سلاح سيوف عند اللقاء- حدیث نمبر (۲٦٦٤) - اور اس کی سند ضعیف ہے۔

([4])دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۲/ ۲۳۷) اور البداية والنهاية (۳/ ۲۹۰)۔

اللہ میں تیرے اس فتح کا سوال کرتا ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اے اللہ تو انہیں صبح کے وقت ہلاک کر دے)) [1]۔

جب قریش کے لوگ مطمئن ہوئے تو انہوں نے عمیر بن وہب جمحی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد دیکھنے کے لئے آگے بھیجا، تاکہ وہ ان کی تعداد اور تیاری کو دیکھ کر آئے، تو عمیر نے لشکر کے گرد اپنے گھوڑے سے چکر لگایا، پھر ان کے پاس واپس چلے گیا اور کہا، تین سو لوگ ہیں اس سے کچھ زیادہ یا کم ہوں گے، بس مجھے مہلت دو میں دیکھوں کیا ان کے لیے کوئی چھپی ہوئی طاقت یا مدد ہے، چنانچہ وہ وادی میں نکلا اور دور تک چلے گیا مگر اس نے کچھ بھی نہ دیکھا پھر ان کی جانب واپس آ گیا، تو اس نے کہا میں نے کوئی بھی چیز نہیں پائی لیکن میں نے دیکھا اے قریش کے لوگوں کہ وہ سر پر کفن باندھ کر آئے ہیں، یثرب کی اونٹنیاں قتل کرنے والا زہر لادی ہوئی ہیں [2]، کیا تم انہیں نہ بولنے والا گونگا نہیں دیکھ رہے ہو، وہ اسے طرح سے مزا لے رہے جس طرح سے سانپ مزے لیتے ہیں، اللہ کی قسم میں نہیں دیکھتا کہ ان میں سے کوئی بھی قتل ہو گا یہاں تک کہ تم میں سے کسی نہ کسی کو قتل کرے گا، چنانچہ جب وہ تم سے اپنے عادت

([1])دیکھیے سیرت ابن ہشام جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 233۔

([2])اس سے مراد وہ اونٹنی یا چوپایا ہے جسے جاہلیت میں اسکے مالک کے قبر کے پاس باندھ دیا جاتا تھا اسے چارہ دیا جاتا اور نہ ہی پانی دیا جاتا یہاں تک کہ وہ مر جاتی اور وہ کہتے تھے کہ اس کا مالک اس پر قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، دیکھیے لسان العرب (499/1)۔

کے مطابق لوگوں کو ختم کر دیں گے تو اس کے بعد زندگی کا کیا فائدہ پہنچے گا، تو تم سوچو کیا کرنا ہے[1]۔

حکیم ابن حزام نے یہ بات سنی تو وہ لوگوں میں چکر لگاتے ہوئے عتبہ بن ربیعہ کے پاس گئے اور کہا: اے ابو الولید بے شک آپ قریش کے سردار اور اس کے بڑے آدمی ہو، تمہاری بات مانی جاتی ہے، کیا تم ایسی بھلائی چاہتے ہو جو ہمیشہ کے لئے ذکر کی جائے، انہوں نے کہا: کیا تم زندہ رہنے تک آج کے اس شرف کو حاصل کرنا پسند کرو گے؟

انہوں نے کہا کہ وہ کیا ہے اے حکیم؟ انہوں نے کہا: لوگوں کو لے کر لوٹ جاؤ، اور تم اپنے حلیف عمرو بن حضرمی[2] والا راستہ اپناؤ، یا انہوں نے کہا کہ تم محمد سے صرف حضرمی کے بیٹے کا خون طلب کرتے ہو، اور وہ تمہارا حلیف ہے، تو تم اس کی دیت اپنے ذمے لے لو اور لوگوں کو لے کر واپس چلے جاؤ، تو انہوں نے کہا میں ایسا کر رہا ہوں، تم اس بارے میں میرے ساتھ رہو بے شک وہ میرا حلیف ہے تو میرے اوپر ہی اس کی دیت ہے، اور وہ بھی جو اس کے مال سے مجھے ملے گا[3]۔

پھر عتبہ نے حکیم ابن حزام سے کہا: اب تم حنظلہ یہ کے بیٹے یعنی ابو جہل کے پاس جاؤ، اور کہو کہ میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ لوگوں کا معاملہ الجھ جائے گا، پھر عتبہ ابن ربیعہ لوگوں کے درمیان بات کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا اے میری قوم

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۲/ ۲۳٤)۔

([2]) عمرو بن الحضرمی: وہ پہلا شخص تھا جسے مسلمانوں نے قتل کیا، وہ عبداللہ بن جحش -رضی اللہ عنہ- کی سریۃ نخلۃ میں مارا گیا۔

([3]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۲/ ۲۳۴) اور الطبقات الکبریٰ ابن سعد (۲/ ۲۵٦)۔

کے لوگو میں کچھ لوگوں کو یہ دیکھ رہا ہوں وہ اپنے سر پر کفن باندھ کر آئے ہوئے ہیں اگر تم میں بھلائی ہو گی تو تم ان تک نہیں پہنچ سکو گے، میری قوم کے لوگو آج تم اسے میرے سر باندھ دو، اور کہو کہ عتبہ بن ربیعہ آج بزدل ہو گیا ہے، اور تم نے یہ بات جان لی ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ بزدل نہیں ہوں[1]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کو دیکھ کر پہلے پہل کہا: کیا اس قوم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو انہیں اچھائی کا حکم دے، ہو سکتا ہے لال اونٹ والا وہ شخص ہو اور وہ عتبہ بن ربیعہ تھے۔ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:... جب وہ لوگ ہم سے قریب آ گئے، اور ہم ان کے برابر میں صف بستہ ہو گئے، تو ان میں سے ایک شخص اپنے سرخ اونٹ پر اپنے قوم کے بیچ میں چل رہا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی حمزہ کو میرے پاس بلاؤ اور وہ ان میں مشرکین سے سب سے زیادہ قریب تھے، یہ سرخ اونٹ والا کون ہے، اور وہ ان سے کیا کہہ رہا ہے پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ان لوگوں میں کوئی ایسا نہیں جو انہیں بھلائی کا حکم دے ہو سکتا ہے یہ وہی لال اونٹ والا ہو، چنانچہ حمزہ آئے اور کہا وہ عتبہ ابن ربیعہ ہیں اور وہ لوگوں کو قتال سے منع کر رہا ہے[2]۔

([1]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (۹۴۸)، اور اس کا اسناد صحیح ہے۔

([2]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں نقل کی ہے، حدیث نمبر (۹۴۸)۔

جب ابو جہل نے عتبہ بن ربیعہ کو لوگوں کو قتال سے روکتے ہوئے سنا تو کہا: کیا یہ بات تم کہہ رہے ہو؟ اللہ کی قسم اگر تمہارے علاوہ کوئی اور یہ بات کہتا تو میں اسے چڑھ دوڑتا، تحقیق کہ تمھارا دل رعب سے بھرا ہوا ہے[1]۔

اور ابن اسحاق کے ا[1] سیرہ والی روایت میں ہے کہ ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم اس کا پھیپھڑا محمد اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر پھول گیا ہے، ہر گز نہیں اللہ کی قسم ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ اللہ رب العالمین ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیتا، اور عتبہ کی اس بات پر دھیان نہ دو، اور اس نے محمد اور ان کے ساتھیوں سے لڑائی کو بہت آسان سمجھا[2]، اور اس میں اس کا بیٹا بھی ہے، اسی وجہ سے یہ تم کو ڈرا رہا ہے[3]۔

تو عتبہ ابن ربیعہ نے ابو جہل سے کہا: اے پیلے پشت والے[4] کیا تو مجھے عار دے رہا ہے، عنقریب تو جان لے گا کہ ہم میں سے بزدل کون ہے[5]۔

ابو جہل (اللہ کی لعنت اس پر ہو) نے جلد بازی کی اور عامر حضرمی کو پیغام بھیجا —— جو عمرو حضرمی کا بھائی تھا جسے سرّیہ عبد اللہ بن جحشؓ میں قتل کیا گیا تھا۔ ابو جہل نے اس سے کہا: "یہ تمہارا حلیف (یعنی عتبہ) لوگوں کو واپس لوٹانا چاہتا ہے، حالانکہ تم نے

([1]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں نقل کی ہے، حدیث نمبر (۹۴۸)، اور اس کا سند صحیح ہے۔

([2]) لعنت اللہ نے مراد یہ تھی کہ مسلمانوں کے لیے یہ معرکہ اتنا آسان ہوگا جتنا کہ جزور (ایک مخصوص اونٹ) کھائی جاتی ہے۔

([3]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۲/ ۲۳۵).

([4]) یہ لفظ "یا مصفِّر استِہِ" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جو ایسے شخص کے لیے کہا جاتا ہے جو نعمتوں میں بڑھ چڑھ کر زندگی گزارتا ہو اور جس نے مصائب اور مشکلات کا تجربہ نہ کیا ہو۔ دیکھیں: النھایۃ (۳/ ۳٤).

([5]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر (۹٤۸) — اور اس کی سند صحیح ہے۔

اپنی آنکھوں سے اپنے بھائی کا خون ہوتے دیکھا ہے۔ لہٰذا کھڑے ہو جاؤ اور اپنی حمایت کا دعویٰ کرو اور اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ مانگو!" چنانچہ عامر کھڑا ہوا اور چلا چلا کر پکارنے لگا: "واعمراہ! واعمراہ!" (ہائے عمرو! ہائے عمرو!)۔ اس پر لوگ جوش میں آ گئے، غصہ بھڑک اٹھا، اور وہ سب اپنے شر پر مزید جم گئے۔ یوں عتبہؓ کی وہ رائے، جس پر وہ سب کو آمادہ کرنا چاہتے تھے، برباد ہو گئی[1]۔ اور اس طرح جلد بازی نے حکمت پر غالب آ لیا۔

قتال کی ابتدا اور معرکہ میں پہلا مقتول:

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اسود بن عبدالاسد مخزومی[2] نکلا، جو کہ بہت ہی بد اخلاق اور برا انسان تھا، اس نے کہا میں اللہ رب العالمین سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں ان کے حوض سے ضرور پیوں گا، یا اسے ڈھا دوں گا، یا اس کے لیے میں موت کو گلے لگا لوں گا، چنانچہ جب وہ نکلا تو اس کی طرف حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نکلے، جب دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی تو حمزہ نے اسے مارا اور آدھی پنڈلی سے اس کا پیر کاٹ دیا، جب کی وہ حوض تک نہیں پہنچ سکا، اور وہ اپنے پیٹھ کے بل گر گیا کیا اور اس کے پیروں سے خون بہ رہا تھا، پھر وہ حوض کی طرف بڑھا، یہاں تک کہ اس میں گر گیا وہ چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے قسم کو پورا کرے، لیکن حمزہ نے اسے دوسری مرتبہ مارا اور اسے قتل کر دیا جبکہ وہ حوض[3] کے اندر تھا، چنانچہ یہ اس معرکے میں قتل ہونے والا پہلا شخص تھا۔

([1]) سیرۃ ابن ہشام ملاحظہ کریں (۲/ ۲۳۵).

([2]) یہ شخص ابو سلمہ بن عبدالاسد –رضی اللہ عنہ– کا بھائی ہے، جو اُم سلمہ –رضی اللہ عنہا– کا شوہر تھا، اور اُم سلمہ بعد میں رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– سے نکاح کر گئیں۔

([3]) سیرۃ ابن ہشام ملاحظہ کریں (۲/ ۲۳۶).

اصل لڑائی کی شروعات:

پھر قریش کے تین بہترین گھوڑ سوار لڑائی کے مطالبہ کے لیے نکلے، جو کہ عتبہ بن ربیعہ اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید تھا، جب وہ لوگ سب سے آگے بڑھے تو انہوں نے لڑائی کے لیے اپنے مد مقابل طلب کیا، تو ان کی طرف انصار کے تین بہترین نوجوان نکلے جو کہ عوف اور معاذ بن حارث تھے جن کی والدہ عفراء[1] تھیں، اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اجمعین، تو انہوں نے کہا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم انصار کے لوگ ہیں، انہوں نے کہا: تم بہت اچھے اور برابر کے لوگ ہو مگر ہمیں تم سے نہیں لڑنا ہے، ہم تو اپنے چچیرے بھائیوں کو چاہ رہے ہیں، تو ان کے پکارنے والے نے آواز لگائی محمد، تم ہمارے لئے ہمارے قوم کے ہمارے برابر والے لوگوں کو لاؤ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو عبیدہ بن حارث اٹھو، حمزہ اٹھو، اے علی اٹھو، چنانچہ جب وہ کھڑے ہوئے اور ان سے قریب ہوئے تو انہوں نے کہا تم کون ہو[2] تو انہوں نے اپنے بارے میں انہیں بتایا اور کہا: ہاں تم ہمارے برابری کے اچھے لوگ ہو، اور پھر عبیدہ جو کہ مسلمانوں کی طرف سے بدر میں حاضر ہونے والے سب سے عمر دراز تھے عتبہ بن ربیعہ سے بھڑ گئے، اور حمزہ نے شیبہ بن ربیعہ کو دھر دبوچا، اور

([1])الحافظ نے الإصابۃ میں فرمایا (۸/ ۲٤۰): عفراء کی ایک خاص خصوصیت ہے جو دیگر میں نہیں پائی جاتی، اور وہ یہ کہ اس نے الحارث البکیر بن یالیل اللیثی سے شادی کی اور اس سے چار بچے ہوئے: إیاس، عاقل، خَالِد، اور عامر، اور یہ سب بدر کی جنگ میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح ان کی ماں کے دوسرے بچوں میں الحارث کے بیٹے بھی شامل ہیں: مُعَاذ، مُعَوذ، اور عوف۔ یوں یہ ترتیب یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایک صحابیہ تھی جس کے سات بچے تھے، اور یہ سب بدر کے موقع پر حضور –صلی اللہ علیہ وسلم– کے ساتھ شریک ہوئے۔

([2])الحافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں فرمایا (۳/ ۲۸۹): اور اس میں دلیل یہ ہے کہ وہ ابھی تک پوری طرح تیار نہیں تھے اور ان کے لیے یہ معلوم نہیں تھا کہ کون سا ہتھیار کیا ہے۔

علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ولید بن عتبہ [1] کو پکڑا، چنانچہ حمزہ اور علی نے اپنے مد مقابل لوگوں کو چھوڑا نہیں اور انہیں قتل کر دیا، رہی بات عبیدہ کہ تو ان کے اور ان کے ساتھی کے درمیان دو دو وار کا تبادلہ ہوا، اور ان دونوں نے اپنے ساتھی کو لہولہان کر دیا، پھر حمزہ اور علی عتبہ کے اوپر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا، اور عبیدہ کو اٹھا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے جبکہ ان کا پیر کٹ چکا تھا اور اس سے خون نکل رہا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہ رضی اللہ عنہ کے رخسار کو اپنے مبارک پاؤں پر رکھا اور عبیدہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ جان لیتے کہ میں ان کے اس قول کا زیادہ حقدار ہوں:

ونسلمه حتى نصرع دونه ونذهل عن ابنائنا والحلائل

([1])امام احمد نے اس جنگ کی کہانی اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٩٤٨) - اور ابن اسحاق نے سیرت میں (٢/ ٢٣٧) اور ابن سعد نے طبقات میں (٢/ ٢٥٧) میں روایت کی، اور اس کا سلسلہ صحیح ہے۔ لیکن ابو داود نے اپنی سنن میں - کتاب الجهاد - باب مبارزہ - حدیث نمبر (٢٦٦٥) کے تحت روایت کی کہ عبیدہ بن الحارث نے الولید بن عتبۃ سے، حمزہ نے عتبۃ سے، اور علیؓ نے شیبہ سے مقابلہ کیا۔

حافظ ابن حجر نے الفتح میں (٨/ ٢٧) کہا: ابو داود کی یہ روایت سب سے صحیح ہے، لیکن جو سیرت میں ہے کہ علیؓ نے الولید سے مقابلہ کیا وہ زیادہ مشہور اور موقع کے لحاظ سے موزوں ہے؛ کیونکہ عبیدہ اور شیبہ دونوں بزرگ تھے جیسے کہ عتبۃ اور حمزہ، جبکہ علیؓ اور الولید دونوں نوجوان تھے۔

اور الطبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کی کہ علیؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں اور حمزہ نے عبیدہ بن الحارث کی مدد کی علیؓ الولید بن عتبۃ کے مقابلے میں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیں ملامت نہیں کی"، جو ابو داود کی روایت سے مطابقت رکھتی ہے، اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

پھر وہ فوت ہو گئے گ اللہ رب العالمین انہیں راضی کرے[1]۔

اور انہیں چھ لوگوں کے بارے میں اللہ رب العالمین کا قول نازل ہوا:

((هذان خصمان اختصموا فی ربهم فالذین کفروا قطعت لهم ثیاب من نار یصب من فوق رؤوسهم الحمیم))[الحج: ۱۹].

ٔ شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت: ((هذان خصمان اختصموا فی ربهم))قریش کے چھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؛ علی، حمزہ، عبیدہ بن الحارث، شیبہ بن ربیعۃ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ[2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ((میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اللہ کے سامنے قیامت کے دن خصومت کے لئے اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھوں گا[3]، اور قیس بن عباد کہتے ہیں: اور انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ((هـــذان خصـــمان اختصـــموا فی

([1])امام الحاکم نے اسے المستدرک میں روایت کیا ہے- کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم- باب مناقب عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ- حدیث نمبر (٤٩١٤) اور اس کا سلسلہ صحیح ہے۔ نیز دیکھیں: سیرت ابن ہشام (۲/ ۲۳۷)، فتح الباری (۸/ ۲۷)، الطبقات الکبری (۱/ ۲۵۷)۔

([2])امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کیا- کتاب المغازی- باب قتل ابو جھل- حدیث نمبر (۳۹٦٦)، اور مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کیا- کتاب التفسیر- باب قولہ تعالی: {هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ}- حدیث نمبر (۳۰۳۳)۔

([3])مراد اس اولیت سے یہ ہے کہ اسے اس امت کے مجاہدین سے مخصوص کیا گیا، کیونکہ مذکورہ مبارزہ اسلام میں پہلی مبارزہ تھی۔

ربہم))، وہ کہتے ہیں: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے بدر والے دن مقابلہ آرائی کی تھی: حمزہ، علی، عبیدہ بن الحارث، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ ابن ربیعہ اور ولید بن عتبہ [1]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، مبارزے والی حدیث میں کئی ایک فوائد ہیں:

1-مبارزے کا جواز ان لوگوں کے بر خلاف جو اس کو ناپسند کرتے ہیں؛ جیسے حسن بصری، اور امام اوزاعی اور امام احمد اور اسحاق نے اس کے جواز کے لیے فوج کے کمانڈر کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے۔

2-مبارزہ کرنے والے شخص کا اپنے ساتھی کی مدد کرنے کا جواز۔

3-اور اس میں حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی ظاہری فضیلت ہے [2]۔

4-ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بدر کے دن مبارزہ کرنے والے چھ لوگوں کے نام میں غور کریں، تقدیر کو اس دن ان کے نام اور احوال کی مطابقت کس قدر منظور تھی، چنانچہ کفار کی طرف سے شیبہ، عتبہ اور ولید یہ تین نام کمزوری کے ہیں، چنانچہ ولید کو کمزوری کا پہلا حصہ اور شیبہ کو کمزوری کا آخری حصہ ملا، جیسے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ((الله الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوة وجعل من

([1])امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کیا-کتاب المغازی-باب قتل ابو جھل-حدیث نمبر(۳۹۶۵)۔

([2])دیکھیں: فتح الباری (۸/ ۲۷)۔

بعد قوة ضعفا وشيبة))[الروم: ٥٤]،اور عتبہ عتب سے ماخوذ ہے چنانچہ انکے نام اس بات پر دلیل تھے کہ ان پر پھٹکار لاحق ہو گی اور انہیں کمزوری کا سامنا ہو گا[1]۔

عام ہجوم اور جنگ کا بھڑکنا:

مشرکین کے لئے لیے اس مبارزہ کا خاتمہ بری شروعات ہوئی، انہوں نے اپنے تین اچھے گھڑ سواروں اور کمانڈروں کو بیک وقت کھو دیا، چنانچہ ان کا غصہ اور بڑھ گیا اور وہ مسلمانوں پر ایک شخص کی مانند ٹوٹ پڑے[2]۔

شھداء کا گرنا:

لوگ ایک دوسرے سے بھڑ گئے اور ایک دوسرے کے قریب ہو گئے، اور کافروں نے مسلمانوں پر سخت وار کیا اور جنگ بالکل گرم ہو گئی پس عمر بن الخ طاب کے غلام مہجع[3] کو ایک تیر آکر لگی اور وہ قتل ہو گئے چنانچہ وہ مسلمانوں کی طرف سے پہلے مقتول تھے[4]۔

پھر حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو جوان کی دیکھ بھال کرنے والوں میں سے تھے، جیسے کہ ہم نے ذکر کیا ہے وہ حوض سے پانی پی رہے تھے اسی وقت ایک انجان

([1])دیکھیں: زاد المعاد (٢/ ٣١٠)۔

([2])الرحیق المختوم، صفحہ ٢١٧۔

([3])الحافظ نے الإصابۃ (٦/ ١٨٢) میں فرمایا: ابن ہشام نے کہا: مہجع، مولی عمر بن خطاب، اسلام میں سب سے پہلے آنے والوں میں سے تھا، بدر میں شریک ہوا، اور وہیں شہید ہوا۔

([4])دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (٢/ ٢٣٩)۔

شخص کی طرف سے تیر آیا اور ان کے گلے میں لگ گیا اور وہ قتل کر دیئے گئے، چنانچہ وہ انصار میں سب سے پہلے مقبول تھے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بے شک حارثہ بن سراقہ کی والدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے حارثہ کے بارے میں بتائیں گے- وہ بدر میں قتل کیے گئے انہیں کسی انجان شخص کی طرف سے تیر آکر لگا تھا- اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور حال میں ہیں تو میں ان کے اوپر رونے میں محنت کروں گی[1]، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام حارثہ! جنت میں بہت سے درجے ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلی کو پہنچ گیا ہے[2]۔

اور بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حارثہ سے فرمایا: اے ام حارثہ! تمہارے لیے خوشخبری ہو کیا تم بوکھلا گئی ہو؟ کیا اللہ کے ہاں صرف ایک جنت ہے وہ تو بہت سے جنتیں ہیں اور وہ تو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام پر ہے[3]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں اور اس میں اہل بیت کی فضیلت پر عظیم تنبیہ ہے کیونکہ یہ شخص جو میدان جنگ میں نہیں تھے اور نہ ہی جنگ کی سختی میں وہ شریک

([1]) الحافظ نے الفتح (٦/ ١٠٨) میں فرمایا: اور یہ نوح کی حرمت سے پہلے کا واقعہ تھا، کیونکہ اس کی حرمت غزوۃ احد کے بعد ہوئی، اور یہ قصہ غزوۃ بدر کے بعد کا ہے۔

([2]) اسے البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا- کتاب الجهاد والسير- باب من أتاه سهم غرب فقتله- حدیث نمبر (٢٨٠٩)۔

([3]) اسے البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا- کتاب المغازی- باب فضل من شهد بدرا- حدیث نمبر (٣٩٨٢)۔

رہے بلکہ وہ تو دور سے دیکھنے والوں میں تھے اور انہیں کسی انجان شخص کا تیر آ کر لگا جبکہ وہ حوض سے پانی پی رہے تھے اس کے باوجود بھی انہیں اس موقف کی وجہ سے فردوس کا بلند ترین مقام ملا جو کہ جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور جنت کا سب سے درمیانی حصہ ہے جس سے جنت کی نہریں جاری ہوں گی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اللہ رب العالمین سے جنت کا سوال کرے تو وہ اسی فردوس کا سوال کرے[1] تو جب یہ ان کا حال ہے تو جو دشمن کے سامنے کھڑا رہا ہو اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جبکہ دشمن کی تعداد اور تیاری کے اعتبار سے ان کے تین گنا تھے[2]۔

پھر جب قتال نے اپنا رنگ پکڑ لیا تو ابو جہل لعنت اللہ علیہ نے کہا: اے اللہ جو ہم میں زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے اور جو ہمارے پاس ایسی چیز لے کر آیا ہے جس کو ہم نہیں جانتے تو تو صبح اسے ہلاک کر دے[3]، اللہ رب العالمین نے یہ فرمان نازل کیا

([1]) حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے – کتاب الجهاد والسير – باب درجات المجاهدين في سبيل الله – حدیث نمبر (۲۷۹۰) – ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین کے لیے تیار کیے ہیں، اور ہر درجے کے درمیان فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان فاصلے جتنا ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس کی دعا کرو، کیونکہ یہ جنت کا درمیانی اور بلند ترین حصہ ہے، اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے، اور اسی سے جنت کے نہریں پھوٹتی ہیں۔"

([2]) دیکھیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام کتاب البدایۃ والنھایۃ (۳/۳۴۸) میں۔

([3]) ابو جہل لعنت اللہ علیہ کی استفتاح کے بارے میں روایت کی گئی ہے: امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (۲۳۶۶۱)۔ النسائی نے اسے السنن الکبریٰ میں کتاب التفسیر – باب قولہ تعالی: {إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ} – حدیث نمبر (۱۱۱۳۷) میں بیان کیا ہے۔ الحاکم نے اسے المستدرک میں کتاب التفسیر – باب شأن نزول: {إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ} – حدیث نمبر (۳۳۱۷) میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

:((تستفتحوا فقد جاءكم الفتح واذا تنتهوا فهو خير لكم وان تعودوا نعد ولن تغني عنكم فئتكم شيئا ولو كثرت[1] وان الله مع المؤمنين))[الانفال:١٩]۔

اگر تم فتح طلب کرتے ہوئے اللہ رب العالمین سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان فتح کر دے اور جو سب سے زیادہ گمراہ جماعت اور سب سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے اسے ہلاک کردے تو اللہ رب العالمین نے تمہاری دعا کو قبول کرلی ہے اور تمہاری مدد کی تصدیق میں اللہ نے دائرے کو تمہارے اوپر بنادیا ہے، تحقیق کہ دائرہ دونوں فریقوں میں سے سب سے گمراہ اور قطع رحمی میں بڑھے ہوئے لوگوں پر آگیا ہے، اور تم نے جان لیا اگر تم چاہتے ہو کہ یہ جانو کہ دونوں میں سے کون گروہ زیادہ گمراہ اور زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے۔

اور اس حقیقت کی روشنی میں اور اس اشارے کے سائے میں، اللہ رب العالمین انہیں اپنے شرک اور کفر اور مسلمانوں سے جنگ کرنے اور اللہ اس کے رسول سے دشمنی سے سے روک رہا ہے[2]۔

([1]) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا (٣٣/٤): یعنی چاہے تم تمام لوگوں کو اکٹھا کرو جو تم اکٹھا کر سکتے ہو، پھر بھی جس کے ساتھ اللہ ہو وہ غالب نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ مؤمنوں کے ساتھ ہے، اور وہ نبی کا حزب اور مصطفوی لشکر ہیں۔

([2]) دیکھیں: ظلال القرآن (١٤٩١/٣)۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے دعا:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستگی کے بعد اپنے خیمے میں واپسی سے ہی اللہ رب العالمین سے اس مدد اور کامیابی کے لیے دعا کرتے رہے جس کا اللہ نے آپ سے وعدہ کیا تھا، آپ فرمارہے تھے: ((اے اللہ تو میرے لئے اپنا وعدہ پورا کر دے، اے اللہ میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدے کا حوالہ دیتا ہوں، اے اللہ کیا تو چاہتا ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے!، اللہ آج مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی[1]، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کے ساتھ دعا کرنے لگے اپنے دونوں ہاتھ کو قبلہ رخ پر پھیلائے ہوئے تھے[2]، یہاں تک کہ آپ کی چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی، تو آپ کے اوپر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ترس آئی[3] اور پیچھے سے وہ آپ سے گلے ملنے لگے اور آپ کے چادر کو آپ پر برابر کرنے لگے، اور کہہ رہے تھے اللہ کے رسول صلی اللہ

([1]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (۸/۱۵-۱۶): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس لیے کہی کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اگر اس وقت آپ اور آپ کے ساتھ لوگ ہلاک ہو جاتے، تو کوئی بھی شخص نہ ہوتا جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتا، اور مشرکین اپنی عبادت غیر اللہ کی کرتے رہتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شریعت کے تحت زمین پر عبادت نہ کی جاتی۔

([2]) النسائی نے اسے السنن الکبریٰ میں کتاب السیر — باب الصلاۃ عند اللقاء — حدیث نمبر (۸۵۷۴) میں روایت کیا ہے، اور الطبرانی نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا، جسے حافظ نے الفتح (۸/۱۵) میں حسن قرار دیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم نے کسی کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دن بدر میں اپنے رب سے زیادہ شدت اور خلوص کے ساتھ دعا کرتے نہیں سنا۔"

([3]) حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ (۳/۲۸۸) میں فرمایا: وہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نرم دل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتہائی شفقت رکھنے والے تھے۔

علیہ وسلم بس کریں[1]، آپ نے اپنے رب پر بہت الحاح وزاری کر لی بے شک وہ آپ کے لئے اپنے وعدے کو ضرور پورا کرے گا[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف نبی کی انابت اور بندے کی الحاح اور پریشان حال کی دعا کی مانند متوجہ تھے، آپ نے اس جماعت کے لئے واضح اور صریح کلمات میں شفاعت کی جو ہمیشہ رہنے والے روشن کلمات تھے، اور یہ اس امت کے لئے بہت بہترین تعریف تھی، اور اس کے اس مقصد اور ہدف کا بیان تھا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے، گویا عبودیت کی زندگی کا قیام مسلمانوں کی بقاء اور ان کے اس کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے، اور ان سے اگر ان کے اور عبادت کے درمیان کا رشتہ ختم ہو جائے اور دنیا میں اس کا رواج اور پھلنا پھولنا بند ہو جائے، تو ان کے اور زندگی کے درمیان کا راستہ بھی کٹ جائے گا اور اللہ رب العالمین پر ان کے لیے کوئی حق اور ذمہ نہ بچے گا، اور وہ باقی ساری امتوں کے مانند زندگی کے مچھروں کے تابع اور کائنات کی سنتوں کے تابع بن کر رہ جائیں گے، بلکہ ان کا جرم اور بھی زیادہ سخت ہو گا، ان کی قیمت

([1]) یہ روایت امام بخاری کی ہے۔ اور امام مسلم کی صحیح میں روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے نبی اللہ! آپ اپنے رب سے اس طرح مناجات کرتے ہیں۔" امام النووی نے فرمایا: "اسی طرح سے مسلم کے اکثر روایت کنندگان نے بیان کیا ہے، کچھ نے 'کذاک مناشدتک ربک' کو 'ذال' کے ساتھ اور کچھ نے 'کفاک مناشدتک ربک' 'ف' کے ساتھ بیان کیا ہے۔

([2]) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات اپنے رب سے دن بدر میں روایت کی گئی ہے: البخاری، صحیح، کتاب المغازی – باب قولہ تعالی: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ} – حدیث نمبر (۳۹۵۳) البخاری، کتاب الجهاد والسير – باب ما قيل في درع النبي – حدیث نمبر (۲۹۱۵) البخاری، کتاب التفسير – باب قولہ تعالی: {سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ} – حدیث نمبر (۴۸۷۵) مسلم، صحیح، کتاب الجهاد والسير – باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر – حدیث نمبر (۱۷۶۳) الإمام أحمد، مسندہ – حدیث نمبر (۲۰۸)، (۲۲۱)، (۳۰۴۲) النسائي، السنن الكبرى، کتاب السير – باب الصلاة عند الالتقاء – حدیث نمبر (۸۵۷۴) ابن إسحاق، السيرة (۲/۲۳۹)۔

دیگر امتوں سے کم ہو جائے گی، کیونکہ ان کی بقا اور زندگی کے لیے وہ شرط نہیں ہے جو ان کے لئے ہے، جیسے کہ اللہ رب العالمین نے خبر دی ہے: ((قل ما یعبؤ بکم ربی لولا دعاؤکم، فقد کذبتم فسوف یکون لزاما))، [الفرقان: ۷۷][1]۔

امام حاکم اور نسائی نے حسن سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تحریر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بدر کا دن تھا تو میں نے جنگ میں حصہ لیا پھر جلدی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھنے کے لیے آیا کہ آپ کیا کر رہے ہیں، تو میں نے آپ کو اس حالت میں پایا کہ آپ سجدہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: ((یا حی یا قیوم))اور آپ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ رہے تھے، پھر میں قتال کے لئے واپس چلا گیا اور میں آیا تو میں نے آپ کو سجدے کی حالت میں پایا، پھر میں قتال کے لیے چلے گیا، پھر واپس آیا تو میں نے آپ کو سجدہ کی حالت میں پایا آپ وہی کر رہے تھے، اور آپ وہی کہتے جا رہے تھے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے آپ کو فتح نصیب فرمائی[2]۔

اور اسی بارے میں اللہ رب العالمین کا یہ فرمان نازل ہوا: ((اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکه مردفین))۔

([1])اور دیکھیں: کتاب "إلی الإسلام من جدید" صفحہ ۱۴، از شیخ ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

([2])اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب الإمامة وصلاة الجماعة – باب تطویل الدعاء في سجود تلاوة القرآن – حدیث نمبر (۸۴۰)۔ اور النسائی نے السنن الکبری میں روایت کیا ہے – کتاب عمل الیوم واللیلة – باب الاستنصار عند اللقاء – حدیث نمبر (۱۰۳۷۲)۔ یہ بھی ابن الأثیر نے جامع الأصول (۱۹۰/۸) میں ذکر کیا ہے۔

فرشتوں کا نزول

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت سے دعا کے بعد، ذرا سی جھپکی لی پھر بیدار ہوئے اور کہا: ((اے ابو بکر خوش ہو جاؤ بے شک تمہارے پاس اللہ کی مدد آگئی یہ جبرئیل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام کو تھامے ہوئے اسے ہانک رہے ہیں، جس کے دانت غبار آلود ہیں))[1]۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((یہ جبرئیل ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں، ان پر جنگ کے سامان بھی موجود ہیں))[2]۔

اور پھر اللہ رب العالمین کی مدد آئی اور اس نے اپنے لشکر کو اتارا اور مسلمانوں کی اور اللہ کے رسول کی مدد فرمائی اور اللہ رب العالمین نے فرشتوں کے پاس یہ وحی کی: ((انی معکم فثبتوا الذین امنوا سألقی فی قلوب الذین کفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم کل بنان))[الأنفال: ١٢]۔

یہ بہت ہی ہولناک معاملہ ہے، اکتب المعادلة هنا. یہ فرشتوں کے لیے اس معرکے میں اللہ کی معیت ہے، اور اس میں مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ فرشتوں کی مشارکت ہے، یہی وہ معاملہ ہے جس کے اندر فرشتوں کی شرکت کی

---

(1) یہ روایت الأموي نے نقل کی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ (٣/٢٩٣) میں ذکر کیا ہے، اور یہ ابن إسحاق کی روایت ہے۔ اس کی سند حسن ہے، جیسا کہ الألبانی نے شیخ محمد الغزالی کی کتاب فقہ السیرۃ پر تبصرے میں فرمایا (صفحہ ٢٢٦)۔ اسے ابن إسحاق نے السیرۃ (٢/٢٣٩) میں بغیر سند کے بھی ذکر کیا ہے۔

(2) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب المغازي — باب شهود الملائكة بدرًا — حدیث نمبر (٣٩٩٥)۔

کیفیت اور ان کے ذریعہ قتل کئے گئے لوگوں اور ان کے قتل کی صفت بارے میں سوال میں ہمارے لئے مشغول ہونا درست اور جائز نہیں،،، بے شک اس موقف میں یہ بڑی حقیقت ہی وہ حقیقت ہے، بے شک زمین میں مسلمان جماعت کی اس دین سے متعلق حرکت ایک ہولناک معاملہ ہے، وہ معاملہ ہے جو اس معرکے میں فرشتوں کے ساتھ اللہ کی معیت اور اس مسلمان جماعت کے ساتھ فرشتوں کی شرکت کا مستحق ہے۔[1]

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے سے نکلے، اور آپ اپنی زرہ میں چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ((سيهزم الجمع ويولون الدبر* الساعه موعدهم والساعه ادهى وامر))[القمر: ٤٥-٤٦][2]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ((مجھ سے اور ابو بکر سے بدر کے دن کہا گیا کہ تم دونوں میں سے ایک کے ساتھ جبریل ہیں اور دوسرے کے ساتھ میکائل ہیں، اور عظیم فرشتہ اسرافیل جنگ کو دیکھ رہے ہیں یا کہا صف کو دیکھ رہے ہیں[3]۔

([1]) دیکھیں: في ظلال القرآن (٣/١٤٨٥)۔

([2]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب التفسیر – باب قولہ تعالی: {بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ} – حدیث نمبر (٤٨٧٧)، اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (٣٠٤٢)۔

([3]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (١٢٥٧)۔

اللہ تعالی نے مسلمانوں کی کتنے فرشتوں سے مدد کی؟

فرمان باری تعالی ہے:((ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلاثة آلاف من الملائكة منزلين، بلى ان تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هذا يمددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين وما جعله الله الا بشرى لكم ولتطمئن قلوبكم به وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم))[آل عمران: ۱۲۳-۱۲۶]»۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: مفسرین کا اس وعدے کے سلسلے میں اختلاف ہے، کیا یہ بدر کے دن تھا یا احد کے دن دو اقوال پر:

پہلا قول-یہی صحیح ہے-: یہ کہ فرمان باری تعالی:((إذ تقول للمؤمنين)) فرمان باری تعالی:((ولقد نصركم الله ببدر)) سے متعلق ہے، یہی حسن بصری اور عامر شعبی، ربیع بن انس وغیرہ سے مروی ہے، اور اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔

عباد بن منصور حسن سے روایت کرتے ہوئے فرمان باری تعالی:((اذا تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلاثة الاف من الملائكه)) کے بارے میں کہتے ہیں: "یہ بدر کا دن ہے"۔

اور ابن ابی حاتم نے شعبی تک صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ، مسلمانوں کو بدر کے دن یہ بات پہنچی کہ کرز بن جابر مشرکین کی مدد کر رہا ہے، تو اللہ رب العالمین

نے یہ آیت نازل فرمائی: ((اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثه الاف من الملائکه منزلین))۔

اور سعید کے واسطے سے قتادہ کے طریق سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالی نے پانچ ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد کی تھی۔

اور ربیع بن انس کے حوالے سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: اللہ تعالی نے بدر کے دن مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی پھر اضافہ کیا اور وہ تین ہزار ہو گئے پھر اضافہ کیا پس وہ پانچ ہزار ہو گئے۔

لہذا اگر کہا جائے کہ اس قول کے مطابق اس آیت اور فرمان باری تعالی: ((اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکه مردفین)) کے درمیان جمع کی صورت کیا ہو گی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر 1000 کی صراحت تین ہزار یا اس سے اوپر کی نفی نہیں کرتی، جیسا کہ فرمانِ باری تعالی ہے: ((مردفین))، جس کا معنٰی یہ ہے کہ ان کے علاوہ ان کے پیچھے ہیں یا ان کے مثل ان کے پیچھے اور آ رہے ہیں، یہ سیاق سورہ آل عمران کے سیاق کے مشابہ ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ بدر کے دن وہی ہوا جو معروف ہے ہے فرشتوں کا قتال کرنا بدر کے دن تھا، واللہ اعلم[1]۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، مصنف نے یعنی امام بخاری نے اشارہ کیا ہے، نزول کے اختلاف کے سلسلے میں تو انہوں نے فرمان باری تعالی: ((واذ غدوت

([1]) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (۱۱۲/۲)۔

من اهلـــــــك))[آل عمران: ۱۲۱]،غزوہ احد می ں نازل ہوئی،اسی طرح فرمانِباری تعالی: ((لـيس لـك من الامـر شیء))[آل عمران:۱۲۸]،اورانہوں نےیہ مذکر کیا کہانکے علاوہ آیتیں غزوہ بدر کے سلسلے میں نازل ہوئی اور یہی معتمد قول بھی ہے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کو قتال کے لیے تیار کرنا:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو قتال پر ابھارنے لگے اور انہیں جنت کی خوشخبری دینے لگے اور انہیں فرشتوں کے نزول کے ذریعے سے ہمت افزائی کرنے لگے،اور لوگ ابھی بھی اپنے صفوں میں کھڑے تھے انہوں نے دشمن پر حملہ نہیں بولا تھا،اور انہیں سکون اور اطمینان حاصل تھا،اور انہیں اونگھ بھی آئیں جو ان کے اطمینان،ثابت قدمی اور ایمان کی دلیل تھی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج جو بھی شخص ان سے قتال کرے گا اور وہ صبر کرتے ہوئے اجر کی امید رکھتے ہوئے قتل کر دیا جائے،آگے بڑھتے ہوئے ،پیچھے نہ ہوتے ہوئے تو اللہ رب العالمین اسے جنت میں داخل کریں گے[2]۔

([1])دیکھیں: فتح الباری (۱۱/۸)۔

([2])اسے ابن اسحاق نے السیرۃ(۲۳۹/۲) میں روایت کیا ہے،بغیر سند کے،لیکن اس کی تصدیق امام مسلم کی درج ذیل حدیث کرتی ہے۔

عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کا قصہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جنت کی طرف کھڑے ہو، جس کی کشادگی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے))، تو عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایسی جنت جس کی کشادگی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تو انہوں نے کہا: کیا ہی بہترین بات ہے[1]، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں ایسا کہنے پر کس چیز نے ابھارا؟ تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے امید ہے کی میں اس جنت کا حقدار ہو جاؤں، تو آپ صلی اللہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس کے حق دار ہو، چنانچہ انہوں نے اپنے جیب سے کچھ کھجوریں نکالیں اور انہیں کھانے لگے پھر کہا: اگر نے ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ بہت لمبی زندگی ہو جائے گی چنانچہ انہوں نے اسے پھینک دیا اور اپنی تلوار پکڑی پھر دشمنوں سے قتال کرتے رہے یہاں تک کہ شہید کر دیئے گئے[2]۔

([1]) بخ بخ: یہ ایک لفظ ہے جو تعریف یا کسی چیز پر رضامندی کے اظہار کے لیے کہا جاتا ہے اور مبالغہ کے لیے دہرایا جاتا ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (۱۰۱/۱)۔

([2]) عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ کی کہانی روایت کی گئی ہے: امام مسلم، صحیح، کتاب الإمارۃ – باب ثبوت الجنۃ للشھید – حدیث نمبر (۱۹۰۱) امام احمد، مسند – حدیث نمبر (۱۲۳۹۸)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں؛ عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے قصے میں بہت سے فوائد ہیں، جیسے: اسلام کی فتح کا صحابہ کرام میں موجود جذبہ، اور اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کی چاہت میں شہادت کی خواہش[1]۔

اور امام نووی کہتے ہیں: عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کے قصے میں کفار کے درمیان کود پڑنے اور شہادت کے لئے خود کو پیش کرنے کا جواز ملتا ہے، اور یہ جمہور علماء کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کو پتھر مارنا اور ان پر دھاوا بولنا:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیوں کو بھر کے پتھر اٹھایا اور کفار کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تمہارے چہرے خراب ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں پر ان پتھروں کو مارا، تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کی آنکھ میں وہ کنکریاں نہ بھر گئی ہوں، اور اسی سلسلے میں فرمان باری تعالی کا نزول ہوا: ((وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى))[الأنفال: ١٧][3]۔

([1]) دیکھیں: فتح الباری (٩٩/٨)۔

([2]) دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووي (٤١/١٣)۔

([3]) یہ روایت الطبرانی نے المعجم میں بیان کی ہے (٨٤/٦)، اور الھیثمي نے فرمایا: اس کی سند حسن ہے۔ دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (٢٤٠/٢)، اور زاد المعاد (١٦٣/٣)۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قتال میں شرکت:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس سے اس غزوے میں زبردست قتال کیا، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: تحقیق کہ بدر کے دن ہم نے دیکھا کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چھپ رہے تھے اور وہ دشمن کے مقابلے میں ہم سے زیادہ قریب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن سب سے زیادہ محنت کے ساتھ جنگ لڑنے والے تھے [1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند نے صحیح سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب جنگ شروع ہوئی بدر کے دن دن تو ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ڈھال بنا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخت تھے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں مشرکین سے کوئی بھی زیادہ قریب نہ ہو سکتا تھا نہ تھا[2]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اپنے ساتھیوں سے کہا:

([1])اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (٦٥٤)۔

([2])اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (١٠٤٢)۔

تم میں سے کوئی بھی شخص کسی چیز کی طرف آگے نہ بڑھی ہے یہاں تک کہ میں اس سے آگے رہوں [1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات شریف کے ساتھ اپنے بدن سے سخت قتال کیا، اسی طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی کیا جیسا کہ وہ دونوں دعا اور الحاح وزاری کے وقت ساتھ ہی میں بیٹھ کر محنت کر رہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے اور دونوں نے لوگوں کو قتال پر ابھارا اور اپنے بدن کے ساتھ دونوں شریف مقامات کے درمیان قتال کیا[2]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بہادری:

رہی بات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تو انہوں نے اس عظیم معرکے میں سخت محنت کے ساتھ قتال کیا، اور ان سے بہت سی بہادریاں ظاہر ہوئیں:

✓ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بہادری:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، زبیر کو تلوار کے تین گھاؤ لگے تھے، جن میں سے ایک ان کے کندھے میں تھی، وہ کہتے ہیں میں اس میں اپنی انگلیوں کو گھساتا تھا، وہ کہتے ہیں جن میں سے دو بدر کے دن لگے تھے اور ایک یرموک کے دن، اور وہ کہتے ہیں مجھ سے عبد الملک بن مروان

([1]) اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الإمارۃ – باب ثبوت الجنۃ للشہید – حدیث نمبر (۱۹۰۱)، اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (۱۲۳۹۸)۔

([2]) دیکھیں: البدایۃ والنہایۃ (۳/۲۹۵)۔

نے عبداللہ بن زبیر کے قتل کئے جانے کے وقت کہا، عروہ کیا تم زبیر کے تلوار کو جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں، کہا: اس میں کیا ہے، میں نے کہا اس میں ایک الگ سے ٹکڑا لگا ہوا ہے جو بدر کے دن لگایا گیا تھا، انہوں نے کہا تم نے صحیح کہا اس میں میں وہ کیا ہی خوب ٹکڑا ہے[1]۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بہادری

امام طبرانی نے حسن سند کے ساتھ عامر شعبی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں سعد بن ابی وقاص سے کہا گیا تمہاری دعاء کب قبول ہوئی، تو انہوں نے کہا بدر کے دن، میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تیر چلا رہا تھا تو میں تیر کو قوس کے درمیان میں رکھتا اور کہتا: اے اللہ تو ان کے قدموں کو ڈگمگا دے ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور ان کو شکست دے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اللہ سعد کی دعا قبول فرما[2]۔

([1])حافظ نے الفتح میں فرمایا (۳۰/۸): یہ ایک مشہور شعر کا آدھا مصرع ہے جو نابغہ الذبیانی کی مشہور نظم سے ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: "ولاعیب فیھم غیر أن سیوفھم... بھن فلول من قراع الکتائب" یہ مدح میں ذم کے ضمن میں ہے؛ کیونکہ تلوار کی فلّ (فل کا مطلب ہے کمی یا نقائص) ایک حسی کمی ہے، لیکن چونکہ یہ مالک کی قوت بازو کا ثبوت تھا، اس لیے اسے اس کی کمالات میں شامل کیا گیا۔ اس واقعے کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے –کتاب المغازي– باب قتل أبي جهل– حدیث نمبر (۳۹۷۳)۔

([2])اسے الھیثمي نے المجمع (۱۵۳/۹) میں ذکر کیا، اور فرمایا کہ الطبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

اور امام احمد نے اپنی کتاب فضائل صحابہ میں صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے سعد کو بدر کے دن گھوڑے پر سوار ہو کر اور پیدل قتال کرتے ہوئے دیکھا تھا[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بدر کے دن میرا بھائی عمیر قتل کر دیا گیا اور میں نے سعید بن عاص[2] کو قتل کیا اور اس کے تلوار کو لے لیا[3]۔

ابو عبیدہ بن الجراح کا ان کے والد کو قتل کرنے والا قصہ ثابت نہیں ہے:

امام حاکم اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ عبداللہ بن شوذب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ابو عبیدہ ابن الجراح کے والد بدر کے دن ابو عبیدہ کے سامنے آنے لگے اور ابو عبیدہ ان سے دور ہو جاتے تھے جب جراح نے ابو عبیدہ کو بار بار روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے انہیں قتل کر دیا، اسی بارے میں اللہ رب العالمین نے

([1]) یہ واقعہ امام احمد نے فضائل الصحابۃ میں بھی روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۱۳۱۹)۔

([2]) اس خبر میں سعید بن العاص ذکر ہوا ہے، لیکن یہ غلطی ہے۔ صحیح نام العاص بن سعید ہے۔ شیخ محمود شاکر نے اپنی طبع شدہ تفسیر الطبری میں (۱۳/۳۷۴) تصحیح کرتے ہوئے فرمایا: "جو اس خبر میں آیا ہے، یعنی سعید بن العاص، وہ غلط ہے، کیونکہ سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ الأموی بعد میں پیدا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض روح ہونے کے وقت اس کی عمر نو سال تھی، اور وہ کبھی مشرک نہیں ہوا۔ اس کے والد العاص بن سعید بدر کے دن کفار کے طور پر شہید ہوئے۔" حافظ نے الإصابۃ (۴/۶۰۳) میں عمیر بن أبي وقاص کی زندگی میں درست نام ذکر کیا ہے: العاص بن سعید بن العاص۔ یہ اختلاف اس بات پر ہے کہ جس نے اسے قتل کیا: کیا یہ علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ ابن الأثیر نے أسد الغابۃ (۲/۳۲۸) میں ذکر کیا، یا سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ، جیسا کہ المسند میں آیا ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے۔

([3]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۱۵۵۶)۔

ان کے اپنے والد کو قتل کرنے سے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ((لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الاخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا اباءهم او ابناءهم او اخوانهم او عشيرتهم اولئك كتب فى قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه[1] ويدخلهم جنات تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها رضى الله عنهم ورضوا عنه أولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون)) [المجادلة: ٢٢][2]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں: امام حاکم اور بیہقی نے منقطع سند کے ساتھ عبداللہ بن شوذب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں ابو عبیدہ ابن الجراح کے والد ابو عبیدہ کے سامنے بدر کے دن آنے لگے، ابو عبیدہ ان سے دور ہوتے اور جب وہ پیچھے ہو جاتے تو وہ پھر سامنے آتے تو ابو عبیدہ نے انہیں قتل کر دیا اور یہ معضل روایت ہے واقدی اس کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے اسلام سے پہلے ابو عبیدہ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا[3]۔

([1]) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا (۵۴/۸): یعنی جو شخص اس وصف سے مزین ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن سے محبت نہ کرے، چاہے وہ اس کا والد یا بھائی ہی کیوں نہ ہو، تو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔ یعنی اللہ نے اس کے لیے سعادت مقرر کی ہے، اور اس کے دل میں ایمان کو خوبصورتی کے ساتھ زینت دی ہے۔

([2]) اس واقعے کو الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے—کتاب معرفۃ الصحابۃ—باب حلیۃ أبي عبیدۃ بن الجراح—حدیث نمبر (۵۲۰۱)، اور الطبرانی نے بھی روایت کیا، جیسا کہ حافظ نے الإصابۃ (۴۶۲/۷) میں ذکر کیا ہے۔

([3]) التلخیص الحبیر (2900/6) اور حافظ ابن حجر فتح الباری (462/7) میں کہتے ہیں اور اس کے والد بدر والے دن کفر کی حالت میں قتل کیے گئے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی انہیں قتل کیا تھا اسے امام طبرانی وغیرہ نے عبداللہ ابن شوذب کے طریق سے مرسل طور پر روایت کیا ہے۔

حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بہادری:

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ایک روایت نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امیہ بن خلف نے کہا، میں اس کے اور اس کے بیٹے علی کے درمیان کھڑا ہو کر ان دونوں کے ہاتھ کو پکڑے ہوا تھا اے ابو عبد الالہ تم میں سے وہ شخص کون ہے جس کے سینے میں شتر مرغ کے پر سے نشان بنی ہوئی ہے، میں نے کہا: وہ حمزہ ابن عبدالمط لب ہیں، اس نے کہا وہی وہ شخص ہے جس نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا[1]۔

فرشتوں کی طرف سے کافروں کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کی ابتدا:

رہی بات فرشتوں کی تو وہ جنگ کے میدان میں اترے اور انہوں نے مشرکوں پر بہت سخت وار کیا، اور صحابہ کرام کے ساتھ مشرکوں کے قتل اور قیدی بنانے میں شریک ہوئے، اور فرشتوں نے غزوہ بدر کے علاوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے کسی اور غزوہ میں قتال کے لئے شرکت نہ کی، رہی بات احد کی تو اس میں اللہ کے رسول کی حمایت کے لئے نازل ہوئے تھے، اور غزوہ حنین میں کافروں کو ڈرانے کے لئے نازل ہوئے تھے۔

([1]) الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب الجھاد – باب شأن نزول آیۃ السکینۃ – حدیث نمبر (۲۵۹۴)، اور ابن إسحاق نے اسے السیرۃ (۲/۲۴۳) میں بغیر سند کے بھی ذکر کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور دن قتال میں شرکت نہ کی تھی تھی،اس کے علاوہ دیگر دنوں میں عدد اور مدد کے اعتبار سے شریک ہوتے تھے تھے کہ قتال نہیں کرتے تھے[1]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: مسلمانوں میں سے ایک شخص اس دن تیزی سے اپنے سامنے موجود ایک مشرک کا پیچھا کر رہا تھا، تو اس نے اپنے اوپر سے کوڑے اور گھوڑ سوار کی آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا حیزوم آگے بڑھو، چنانچہ انہوں نے مشرک کی طرف اپنے سامنے دیکھا تو وہ چت لیٹا ہوا تھا، تو اس نے اس کی جانب دیکھا، تو اس کے ناک پر اثر تھا، اور اس کے چہرے پر کوڑے کے مار کی طرح نشان لگا ہوا تھا، اور پورا کا پورا ہرا ہو گیا، تو انصاری شخص آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی خبر دی اور تو آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو وہ تیسرے آسمان سے مدد تھی[2]۔

اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے ابوامامہ بن سہل کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا: اے میرے بیٹے ہم نے بدر کے دن دیکھا، ہم میں سے ایک شخص مشرک کے سر کی جانب

([1])دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/۲۴۵)۔

([2])اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے—کتاب الجھاد والسیر—باب الإمداد بالملائکۃ یوم بدر—حدیث نمبر (۱۷۶۳)، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے—کتاب السیر—باب غزوۃ بدر—حدیث نمبر (۴۷۹۳)۔

اپنی تلوار سے اشارہ کرتا تو اس کا سر اس کے جسم سے جدا ہو کر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی نیچے آ جاتا[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابو داؤد مازنی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، جو کہ بدر میں شریک ہوئے تھے وہ کہتے ہیں: میں مشرکوں میں سے ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا کہ اسے ماروں تو میری تلوار اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا سر نیچے گر گیا تو میں نے سمجھ لیا کہ اسے میرے علاوہ کسی اور نے قتل کیا یا ہے[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:... انصار میں سے ایک پست قامت شخص[3] عباس بن عبد المطلب کو قیدی بنا کر لایا، تو عباس نے کہا: اے اللہ کے رسول بے شک اس نے اللہ کی قسم مجھے قیدی نہیں بنایا ہے، بلکہ مجھے ایک بڑے بال والے لوگوں میں سب سے خوبصورت شخص اس نے قیدی بنایا ہے، جو ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار تھا میں اسے ابھی تمہارے درمیان نہیں دیکھ رہا، تو انصاری نے کہا: اللہ کے رسول

([1]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب معرفۃ الصحابۃ – باب ذکر مناقب سھل بن حنیف – حدیث نمبر (۵۷۹۰)، انہوں نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے لیکن اسے بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا، اور الذہبی نے اس کی تصدیق کی۔

([2]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (۲۳۷۷۸)، اور ابن إسحاق نے اسے السیرۃ (۲۴۵/۲) میں بھی ذکر کیا ہے۔

([3]) یہ ابو الیَسَر ہے، یاء اور سین کے ساتھ، اس کا اصل نام کعب بن عمرو الخزرجي الأنصاری ہے۔ انہوں نے العقبۃ اور بدر میں شرکت کی اور العباس کو قید کیا۔ یہ اہل بدر میں آخری شخص تھے جو مدینہ میں وفات پا گئے، اور ان کی وفات – رضی اللہ عنہ – سنہ ۵۵ ہجری میں ہوئی۔ دیکھیں: الإصابۃ (۳۸۰/۷)۔

صلی اللہ علیہ وسلم اسے میں نے قیدی بنایا ہے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اللہ رب العالمین نے ایک فرشتے سے تمہاری مدد کی ہے)) [1]۔

اور مسند میں ایک دوسری روایت میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ہیں عباس ابن عبدالمط لب کو قیدی بنانے والا ابوالیسر بن عمرو تھا جس کا نام کعب بن عمرو تھا جو بنو سلمہ کا ایک شخص تھا، اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو یسر تم نے اسے کیسے قیدی بنایا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس کو قیدی بنانے میں میری ایک ایسے شخص نے مدد کی ہے جس کو میں نے پہلے اور بعد میں کبھی نہیں دیکھا وہ ایسا اور ایسا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اس کام پر ایک فرشتے نے تمہاری مدد کی ہے" [2]۔

امام حاکم اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں صحیح سند کے ساتھ ہشام کے حوالے سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: زبیر کے سر پر ایک پیلا رمال تھا جسے وہ بدر کے دن اپنے سر پر لپیٹے ہوئے تھے تو فرشتے بھی اپنے سر پر پیلا عمامہ باندھے ہوئے اترے جیسا کہ زبیر نے باندھا تھا [3]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں رفاعہ بن رافع کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان کے والد بدر میں شریک لوگوں میں سے تھے انہوں

([1]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۹۴۸)۔

([2]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۳۳۱۰)۔

([3]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے—کتاب معرفۃ الصحابۃ—باب أول غزوۃ في الإسلام بدر—حدیث نمبر (۵۶۰۸)، اور ابن سعد نے اسے اپنی کتاب طبقاتہ (۵۵/۳) میں بھی ذکر کیا ہے۔

نے کہا کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا تم بدر کے لوگوں کو کو اپنے میں کیسا شمار کرتے ہو؟، تو انہوں نے کہا: ہم انہیں افضل ترین مسلمان مانتے ہیں - یا اس طرح کوئی بات آپ نے ان سے کہی - تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اسی طرح سے فرشتوں میں سے بدر میں شریک ہونے والوں کا بھی مقام ہے[1]۔

ابلیس کا ایڑی کے بل کھسکنا[2]:

اور جب ابلیس نے مشرکوں کے ساتھ فرشتوں کا کارنامہ دیکھا تو فرار ہوا اور اپنے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا، وہ اس دن سراقہ بن مالک کی صورت میں آیا تھا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، تو حارث بن ہشام نے اسے سراقہ سمجھ کر رکنے کو کہا اور کہا اے سراقہ تم کہاں جارہے ہو؟ کیا تم نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہماری مدد کروگے؟ اور تم ہم سے دور نہ بھاگو گے، تو اس نے کہا: میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے! میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اللہ سخت عذاب والا ہے، پھر اس نے حارث کو ڈھکیل کر گرادیا اور بھاگ نکلا یہاں تک کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈال لیا۔

اور اسی موقع کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ((واذ زين لهم الشيطان اعمالهم وقال لا غالب لكم اليوم من الناس وان جار لكم فلما تراءت الفئتان نكص على عقبيه وقال اني بريء منكم اني اري مالا ترون اني اخاف الله والله شديد العقاب))۔

([1]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب المغازي – باب شهود الملائكة بدرًا – حدیث نمبر (۳۹۹۲)۔

([2]) دیکھیں: دلائل النبوة للبيهقي (۳/۷۹) اور سیرۃ ابن ہشام (۲/۲۷۴)۔

امام مالک نے مؤطا میں مرسل سند کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان کو یوم عرفہ سے زیادہ چھوٹا، ذلیل اور حقیر اور غصے والا کسی اور دن نہ دیکھا گیا وہ اس لیے کیوں کہ اس نے رحمت کے نزول اور بڑے بڑے گناہوں سے اللہ کی معافی کو دیکھا، سوائے بدر کے دن دیکھے جانے کے، کہا گیا اس نے بدر کے دن کیا دیکھا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نے جبریل کو فرشتوں کو صف بندی کراتے ہوئے دیکھا تھا"[1]۔

شرمناک سکشت:

اور اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ہجوم سے متعلق اپنا حکم صادر فرمایا اور کہا: سختی کے ساتھ حملہ کرو[2] تو صحابہ کرام نے سخت حملہ شروع کیا اور وہ صفوں کے درمیان گھس کر لڑائی کرنے لگے اور ان کی گردنیں کاٹنے لگے اور انہیں مزید پھرتی اور چستی آگئی جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑائی کے لباس کو پہنتے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم واضح طور پر اور تاکیدی انداز میں کہہ رہے

([1]) اسے امام مالک نے الموطا میں روایت کیا ہے—کتاب الحج—باب جامع الحج—حدیث نمبر (۲۴۵)، اور ابن الأثیر نے اسے جامع الأصول میں بھی ذکر کیا ہے—حدیث نمبر (۶۸۶۶)۔

([2]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/۲۴۰)۔

تھے: ((آج لشکر ہار جائے گا اور اپنا پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا)) [1]، اس دن مسلمانوں نے سخت قتال کیا اور ان کی فرشتوں نے مدد کی، اور مشرکوں کے صفوں میں ہار اور اضطراب کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں، اور وہ مسلمانوں کے حملے کے سامنے ڈھیر ہونے لگے، اور جنگ اپنے آخری مرحلے پر پہنچ گئی، اور مشرکوں کے لشکر کے لوگ واپس ہونے اور بھاگنے لگے، اور مسلمان ان کے سواریوں پر سوار ہو کر انہیں قیدی بنانے لگے اور قتل کرنے لگے یہاں تک کہ انہیں مکمل طور پر شکست دے دی [2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کے کچھ لوگوں کو قتل کرنے سے منع کرنا:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن قریش کے چند لوگوں کو قتل کرنے سے منع کرتے ہوئے کہا: ((میں نے بنو ہاشم اور ان کے علاوہ سے کچھ لوگوں کے بارے میں جان لیا ہے کہ انھیں نہیں مجبور کر کے لایا گیا ہے، وہ ہم سے لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے، چنانچے جب تم بنو ہاشم میں کسی سے ملاقات کرو تو اسے قتل نہ کرو، اور جو ابو البختری بن ہشام [3] امام سے ملاقات کرے وہ اسے قتل نہ کرے اور جو عباس بن

([1]) اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب المغازي – باب قول اللہ تعالیٰ: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ} – حدیث نمبر (۳۹۵۳)، اور امام بخاری نے اسے کتاب التفسیر – باب قولہ تعالیٰ: {سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ} – حدیث نمبر (۴۸۷۵) میں بھی ذکر کیا۔

([2]) دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ ۱۲۹۔

([3]) ابن إسحاق نے السیرۃ میں فرمایا (۲/۲۴۱): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو البختری کو قتل کرنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ لوگوں کو رسول اللہ سے دور رکھنے والا تھا جب وہ مکہ میں تھے، اور وہ انہیں تکلیف نہیں دیتا تھا، نہ ہی کسی چیز کی خبر پہنچاتا جو رسول اللہ کو ناپسند ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے قریش کی لکھی ہوئی صحیفہ جو بنی ہاشم اور بنی المطلب کے خلاف تھی، کو رد کیا تھا۔

عبدالمط ملب سے ملاقات کرے جو کہ اللہ کے رسول کے چچاہیں تو اسے قتل نہ کرے کیونکہ انہیں مجبور کر کے لایا گیا تھا[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بدر کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تم بنو عبدالمطلب میں سے جس کو قیدی بنانے کی طاقت پاؤ کیونکہ وہ مجبور نکلے تھے)) [2]۔

ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا موقف:

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا تو ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں اللہ کی قسم میں اگر ان کو پاؤں گا تو تلوار سے قتل کر دوں گا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات پہنچی تو آپ نے عمر بن خطاب سے کہا: اے ابو حفص کیا اللہ کے رسول کے چچا کے چہرے کو تلوار سے مارا جائے گا، عمر نے کہا: اللہ کی قسم یہ وہ پہلا دن تھا جس میں اللہ کے رسول نے مجھے ابو حفص کی کنیت سے پکارا تھا، پھر وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اجازت دیں میں تلوار سے گردن اڑادوں! اللہ کی قسم وہ منافق ہو گیا ہے۔

([1]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے—کتاب معرفۃ الصحابۃ—باب دعاء أبي حذيفة بالشهادة—حدیث نمبر (۵۰۴۲)، ابن إسحاق نے السیرۃ (۲/۲۴۰) میں بھی ذکر کیا، اور البیہقی نے دلائل النبوۃ (۳/۱۴۰) میں روایت کیا، اور اس کی سند حسن ہے۔

([2]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۶۷۶)۔

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اس دن جو بات کہی تھی اس کی وجہ سے امن وامان میں نہیں ہوں اور میں ابھی تک اس سے ڈرا ہوا ہوں، مگر یہ کہ شہادت اس کو مجھ سے ختم کر دے، چنانچہ وہ یمامہ کے دن شہید ہو کر کر چھپن سال کی عمر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت میں فوت ہوئے[1]۔

ابوالبختری بن ہشام کا قتل:

جن لوگوں کو قتل کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا ان میں سے ابوالبختری کے علاوہ کوئی قتل نہ کیا گیا، ان کا نام عاص ابن ہشام بن حارث تھا، ابن اسحاق نے اپنی سیرت نے ذکر کیا ہے: مجذر بن زیاد بلوی کی جنگ میں ابوالبختری سے ملاقات ہوئی، اور ان کے ساتھ ان کا ساتھی بھی تھا جو مکہ سے ان کے ساتھ نکلا تھا جسے جنادہ بن ملیحہ لیثی کہا جاتا تھا، مجذر نے ابوالبختری سے کہا: بے شک اللہ کے رسول نے تمہیں قتل کرنے سے منع کیا ہے اور کہا میرے ساتھی کو؟ مجذر نے کہا: نہیں اللہ کی قسم، تمہارے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صرف تمہیں نہ قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابوالبختری نے کہا: نہیں اللہ کی قسم میں اور وہ دونوں ساتھ میں مریں گے، تاکہ مکہ کی عورتیں یہ نہ کہیں کہ میں نے اپنے دوست کو زندگی کی لالچ میں اکیلا چھوڑ دیا تھا، ان دونوں نے قتال کیا، اور انہیں مجذر بن زیاد نے قتل کر دیا، پھر مجذر اللہ کے

([1]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب معرفۃ الصحابۃ – باب دعاء أبي حذيفة بالشهادة – حدیث نمبر (۵۰۴۲)، ابن إسحاق نے السیرۃ (۲/۲۴۰) میں بھی ذکر کیا، اور البیہقی نے دلائل النبوۃ (۳/۱۴۰) میں روایت کیا، اور اس کی سند حسن ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا؛اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بے شک میں نے اس سے یہ کوشش کی دوسرے قیدی بنا کر آپ کے پاس لاؤں تو اس نے انکار کیا اور مجھ سے لڑنے لگا تو میں نے اس سے لڑ کر کے اس کو قتل کر دیا[1]۔

سرکشوں کے قتل گاہ:

امیہ بن خلف لعنہ اللہ کی قتل گاہ:

یہ شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھنے والا تھا، اور جاہلیت میں یہی بلال رضی اللہ عنہ کو ستایا کرتا تھا، اس کے قتل کا قصہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح اور ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے یہاں پر میں ابن اسحاق کی سیرت میں موجود روایت ذکر کروں گا جس میں زیادہ تفصیل موجود ہے، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: امیہ بن خلف مکہ میں میرا دوست تھا، میرا نام عبد عمرو تھا چنانچہ میں نے قبول اسلام کے بعد اپنا نام عبدالرحمن رکھ لیا اب تک میں مکہ ہی میں تھا، جب ہم مکہ میں تھے اسی وقت وہ مجھے مخاطب کر کے کہتا: اے ابو عبد عمرو کیا تم اپنے ماں باپ کے رکھے ہوئے نام کو چھوڑ چکے ہو؟ تو میں کہتا: ہاں، تو وہ کہتا میں رحمن کو نہیں جانتا، تو تم میرے اور اپنے درمیان کوئی ایسا نام رکھ لو جس سے میں تمہیں مخاطب کیا کروں، رہی

([1])دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/۲۴۱) اور البدایۃ والنھایۃ (۳/۳۰۲)۔

بات تمہاری تو تم اپنے پہلے نام سے پکارے جانے پر جواب نہیں دیتے، اور رہی بات میری تو میں تمہیں ایسے نام سے نہیں پکاروں گا جس کو میں نہیں جانتا، تو میں نے کہا: اے ابو علی جو تم چاہو نام رکھ لو، تو اس نے کہا تم عبدالالہ ہو، میں نے کہا: ہاں، تو جب میں اس کے پاس سے گزرتا تو وہ کہتا: اے عبدالالہ تو میں اس کو جواب دیتا، اور اس کے ساتھ بات کرتا، تو جب بدر کا بدن آیا اور میں اس کے پاس سے گزرا اور وہ اپنے بیٹے علی بن امیہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا، وہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوا تھا، اور میرے پاس زرہیں تھیں، میں نے کسی کے پاس سے پایا تھا اور میں اسے اٹھایا ہوا تھا، جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا اے عبد عمرو، میں نے اس کو کوئی جواب نہ دیا تو اس نے کہا: اے عبدالالہ تو میں نے کہا: ہاں! تو اس نے کہا: کیا میرے بارے میں تمہارے پاس کچھ ہے، میں تمہارے لئے تمہارے پاس موجود ان تین زرہوں سے زیادہ بہتر ہوں، تو میں نے کہا: ہاں! چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ سے ان زرہوں کو پھینک دیا اور اس کے اور اس کے بیٹے کے ہاتھ کو پکڑ لیا، عبدالرحمن کہتے ہیں: پھر میں ان کے ساتھ چلنے لگا، اللہ کی قسم میں انہیں اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا، اسی وقت اسے بلال نے میرے ساتھ دیکھا، اور امیہ بلال کو مکہ میں اسلام کو چھوڑنے کے لئے خوب ستایا کرتا تھا، تو بلال نے کہا: کفر کا سرغنہ امیہ ابن خلف اگر آج وہ نجات پا گیا تو میں نہیں نجات پاؤں گا، میں نے کہا: اے بلال کیا تم میرے قیدی کو قتل کرو گے انہوں نے کہا: اگر یہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، پھر بلال انصار کے لوگوں میں بلند آواز سے پکارنے لگے، عبدالرحمن نے کہا: جب مجھے یہ خدشہ ہوا کہ وہ ہمیں آپکڑیں گے تو میں نے ان کے پاس ان کے بیٹے کو پیچھے چھوڑ دیا

تاکہ میں انہیں مشغول کر دوں تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا، پھر انہوں نے ہمارا پیچھا بھی کیا، اور اب یہ بھاری بھر کم جسم والا انسان تھا، چنانچہ جب انہوں نے ہمیں پالیا تو میں نے اس سے کہا بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھ گیا تو میں نے اسے بچانے کی کوشش کی مگر لوگوں نے اسے میرے نیچے سے تلوار ڈال کر قتل کر دیا، اور ان میں سے ایک شخص نے اپنی تلوار سے میرے پیر پر بھی مارا[1]۔

عبیدہ بن سعید بن العاص کا قتل:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، بدر کے دن میری ملاقات عبیدہ بن سعید بن عاص سے ہوئی، جو ہتھیاروں سے لیس تھا اس کی آنکھوں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہ آرہا تھا، اس کی کنیت ابو ذات کرش تھی تو اس نے کہا میں ابو ذات کرش ہوں، تو میں نے اس پر اپنی چھڑی اٹھائی[2]، اور اس کے آنکھ میں نے اسے دے مارا تو وہ مر گیا، ہشام کہتے ہیں: پھر مجھے بتایا گیا کہ زبیر نے کہا: میں نے اس کے اوپر اپنا پیر رکھا، تو میں نے اسے نکالنے کی کوشش کی، بہت مشقت کے بعد میں نے اسے نکالا جب کہ وہ آر پار ہو چکا تھا، اور وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مانگ لیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے دے دیا، چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اسے

([1]) امام بخاری نے صحیح میں امیہ بن خلف کے قتل کی کہانی روایت کی ہے – کتاب الوکالۃ – باب: إذا وکل المسلم حربیا في دار الحرب – حدیث نمبر (۲۳۰۱)، اور ابن إسحاق نے اسے السیرۃ (۲/۲۴۲) میں بھی ذکر کیا ہے۔

([2]) یہ ایک چھڑی ہے، جس کی لمبائی نصف نیزے کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتی ہے، اس میں نیزے کی طرح کا نوک نما حصہ ہوتا ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (۳/۲۷۸)۔

لے لیا، پھر ابو بکر نے اسے مانگا تو انہیں اسے دے دیا، جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے وہ چیز مانگی اور انہوں نے انہیں بھی دے دیں، جب عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے اسے لے لیا پھر عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے طلب کیا تو انہوں نے انہیں بھی اسے دے دیا، جب عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا یا تو وہ علی رضی اللہ عنہ کے خاندان کے پاس چلی گئی، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر نے اسے طلب کیا تو وہ ان کے شہادت تک ان کے پاس ہی تھی[1]۔

ابو جہل لعنہ اللہ کا قتل:

شیخان نے اپنی صحیحین میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں میں میں بدر کے دن صف میں کھڑا ہوا تھا، تو میں نے اپنے دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو میں انصار کے دو کمسن بچوں کے درمیان تھا، میں نے چاہا کہ میں بڑے لوگوں کے درمیان ہوتا[2]، ان میں سے ایک شخص نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا: چچا کیا تم ابو جہل کو جانتے ہو؟، میں نے کہا ہاں، میرے بھتیجے تم اس کا کیا کروگے، انہوں نے کہا مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں اسے دیکھ لوں لو تو

([1]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے–کتاب المغازي–باب(۱۲) – حدیث نمبر(۳۹۹۸)۔

([2]) یعنی دو مردوں کے درمیان، جو دو مردوں سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مضبوط ہوں جن کے درمیان تم پہلے تھے۔ دیکھیں: النھایۃ (۸۹/۳)۔

میرا سایہ اس کے سائے سے الگ نہ ہوگا یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایک مر جائے[1]، عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے اس کی اس بات سے خوب تعجب ہوا۔

وہ کہتے ہیں پھر دوسرے نے اسی کے مثل اشارہ کر کے مجھے کہا، تھوڑی ہی دیر ٹھہرا تھا کہ ابو جہل کو لوگوں کے درمیان گھومتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا: کیا تم دونوں دیکھ رہے ہو، یہ وہی تمہارا شکار ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے سوال کر رہے ہو، چنانچہ وہ دونوں جلدی سے آگے بڑھے اور اسے اپنی تلواروں سے مارا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا[2]، پھر وہ دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس کے بارے میں آپ کو خبر دی۔

اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم دونوں میں سے کس نے قتل کیا ہے۔

وہ دونوں کہنے لگے میں نے قتل کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنی تلوار کو پوچھ دیا ہے۔

ان دونوں نے کہا نہیں۔

([1])امام النووي نے شرح مسلم میں فرمایا (۱۲/۵۵): یعنی میں اسے چھوڑوں گا نہیں یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی فوت ہو جائے، اور جو مرے اس کی موت قریب تر ہو۔

([2])اور ایک روایت میں صحیح البخاری میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "انہوں نے اس پر ایسے حملہ کیا جیسے دو باز شیر کی طرح، یہاں تک کہ اسے مار دیا۔" حافظ ابن کثیر نے الفتح (۸/۴۰) میں فرمایا: باز شیر (الصقر) جنگلی پرندوں میں سے ہے، اور چار شکار کرنے والے پرندوں میں سے ایک ہے: باز شیر، باز، شاہین، اور عقاب۔ اس کی مثال دی گئی کیونکہ یہ اپنی شجاعت، بہادری، اور شکار پر حملہ کرنے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اور کیونکہ یہ جس چیز کو پکڑ لیتا ہے، اسے چھوڑتا نہیں یہاں تک کہ حاصل کر لے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو دیکھا اور فرمایا: تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے[1]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس موجو ساز و سامان کو معاذ بن عمرو بن جموح کو دیدیا، وہ دونوں نوجوان معاذ بن عفراء[2] اور معاذ بن عمرو بن الجموح تھے[3]۔

ابن اسحاق نے سیرت میں حسن سند کے ساتھ معاذ بن عمرو بن جموح کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے لوگوں کو سنا، ابو جہل لوگوں کی نگرانی میں تھا اور وہ کہہ رہے تھے، ابو جہل کے پاس کوئی نہیں جا سکتا، وہ کہتے ہیں جب میں نے یہ بات سنی تو میں نے اس کو اپنے ذہن میں رکھا اور اس کی طرف گیا، چنانچہ جب میں اس کے پاس پہنچ گیا تو میں نے اس پر وار کر دیا، میں نے اس کو ایک وار اس طرح کیا کہ اس

([1]) حافظ ابن کثیر نے الفتح (۲۵/۸) میں فرمایا: "یہ کہ دونوں نے اسے مار ڈالا" کا اظہار ظاہری طور پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متصادم ہے، جس میں فرمایا کہ انہوں نے اسے ایسے پایا جیسے وہ زخم زدہ ہو۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دونوں نے اسے اپنے دونوں تلواروں سے اتنی شدت سے مارا کہ اس کا حال مرنے والے کی طرح تھا، اور اس حالت میں ابن مسعود نے اس کی گردن پر ضرب دی۔ واللہ اعلم۔

([2]) حافظ ابن کثیر نے الفتح (۲۵/۸) میں مزید فرمایا: یہ واقعہ صحیح البخاری میں حدیث نمبر (۳۹۶۲) اور امام احمد کے مسند میں حدیث نمبر (۱۲۱۴۳) میں بھی روایت ہوا ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "ابن مسعود نے اسے پایا کہ اسے ابن عفراء نے مارا تھا۔" ابن اسحاق (۲۴۶/۲) کی روایت میں ابن عفراء کو معوذ کہا گیا ہے، جبکہ صحیح روایت میں یہ معاذ بن عفراء ہے، اور دونوں بھائی ہیں۔ اس سے یہ ممکن ہے کہ معاذ بن عفراء نے معاذ بن عمرو بن الجماح کے ساتھ اس پر حملہ کیا، اور بعد میں معوذ بن عفراء نے مارا، اور پھر ابن مسعود نے اس کی گردن کاٹ دی۔ اس طرح تمام اقوال جمع ہو جاتے ہیں۔

([3]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب فرض الخمس – باب: من لم یخمس الأسلاب – حدیث نمبر (۳۱۴۱)، اور اسے بخاری نے کتاب المغازي – باب (۱۰) – حدیث نمبر (۳۹۸۸) میں بھی ذکر کیا، امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الجهاد والسیر – باب: استحقاق القاتل سلب القتیل – حدیث نمبر (۱۷۵۲)، اور امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (۱۶۷۳)۔

سے اس کا قدم پنڈلی کے آدھے حصے سے کٹ گیا، وہ کہتے ہیں مجھے اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر مارا تو میرا ہاتھ گر گیا اور وہ میرے بغل کے چمڑے سے لٹک گیا، اور میں اس سے لڑائی نہ کر سکا، کیونکہ میں پورے دن لڑائی کرتا رہا تھا، اور میں اسے اپنے پیچھے گھسیٹتا رہا، چنانچہ جب اس سے مجھے تکلیف ہوئی تو میں نے اس پر اپنا قدم رکھا اور پھر اس کو کھینچ دیا یہاں تک کہ وہ نیچے ہو گیا[1]، پھر ابو جہل کے پاس جب کہ وہ زخمی حالت میں تھا معوذ بن عفراء کا گزر ہوا اور اس نے اسے مارا یہاں تک کہ اسے بٹھا دیا پھر اسے چھوڑ دیا ابھی اس میں جان باقی تھی، اور معوذ رضی اللہ عنہ لڑائی کرتے رہے یہاں تک شہید کر دیے گئے[2]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ابو جہل کو ختم کرنا:

اور جب جنگ ختم ہو گئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون جا کر دیکھے گا کہ ابو جہل کا کیا بنا؟[3]

تو لوگ اس کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے، عبداللہ بن مسعود نے اسے آخری سانس گنتے ہوئے پایا تو پہچان لیا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں جب اللہ

([1])امام الذہبی نے السیر (۲۵۱/۱) میں فرمایا: "یہ واقعی بہادری ہے، نہ کہ کسی تیر کے خراش سے جو دل کو پار کر دے اور طاقت کو ختم کر دے۔"

([2])اسے ابن اسحاق نے السیرۃ (۲۴۶/۲) میں روایت کیا ہے۔

([3])اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب المغازي – باب قتل أبي جهل – حدیث نمبر (۳۹۶۱)، (۳۹۶۲)، (۳۹۶۳)، اور باب (۱۲) – حدیث نمبر (۴۰۲۰)، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الجهاد والسير – باب قتل أبي جهل – حدیث نمبر (۱۸۰۰)۔

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے قتل کیے گئے لوگوں میں تلاش کیا جائے تو میں نے اسے آخری سانسیں گنتے ہوئے پایا اور میں اسے پہچان گیا، تو میں نے اس کے گردن پر اپنا پیر رکھا، وہ کہتے ہیں: اس نے مکہ میں مجھ پر قبضہ کر لیا تھا اور چمٹ گیا تھا تو اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور آپ نے ہتھیلی سے مجھے ڈھکیلا پھر میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے دشمن کیا اللہ رب العالمین نے تجھے ذلیل کیا؟

اس نے کہا: کس چیز سے اللہ نے مجھے ذلیل کیا، تم نے بہت ہی عمدہ شخص کو آج قتل کیا ہے، مجھے بتاؤ کہ آج کامیابی کس کو حاصل ہوئی، میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو،،، تو اس نے کہا: آج تو بہت سخت جگہ چڑھا ہے اے بکری کے چرواہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں نے اس کے سر کو کاٹ دیا پھر اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا واقعی ؟اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، میں نے کہا: ہاں، اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العالمین کی حمد وثنا بیان کی[1]۔

([1]) اسے ابن اسحاق نے السیرۃ (۲/۲۴۶) میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ضعیف سند کے ساتھ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: "بے شک جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل کے سر کی بشارت دی گئی تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی"[1]۔

معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا سوال کہ رب کس بات پر ہنستا ہے:

اور اس عظیم غزوہ میں معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالی کس بات پر ہنستا ہے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین اپنے بندے کے کس عمل پر ہنستا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بندے کا دشمن کی صف میں اپنا کھلا ہوا ہاتھ ڈالنے سے، وہ کہتے ہیں: پھر انہوں نے اس کے پاس موجود زرہ کو پھینکا اور قتال کیا یہاں تک کہ انہیں شہید کر دیا گیا[2]۔

دونوں گروہوں کے مقتول:

اور اس طرح کافروں کی شرمناک شکست اور مسلمانوں کی فتح کے ساتھ یہ جنگ اپنے اختتام کو پہنچی، مسلمانوں میں سے اس عظیم معرکے میں چودہ لوگ شہید ہوئے جن میں سے چھ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار میں سے۔

([1]) اسے ابن ماجہ نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے—کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها—باب ما جاء في الصلاة والسجدة عن الشكر—حدیث نمبر (۱۳۹۱)۔

([2]) اسے ابن أبي شيبہ نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۱۹۸۴۸)، اور اس کی سند حسن ہے۔

رہی بات مشرکوں کی تو انہیں بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا ان کے ستر لوگ قتل کئے گئے اور 70 لوگوں کو قیدی بنایا گیا جن میں سے بیشتر لوگ ان کے قائد اور لیڈران میں سے تھے[1]۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:۔۔۔ چنانچہ انہوں نے اس دن ستر لوگوں کو قتل کیا اور ستر لوگوں کو قیدی بنایا[2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں۔۔۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے بدر کے دن مشرکوں میں سے ایک سو چالیس لوگوں کو پکڑے تھے جن میں ستر قتل کئے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے[3]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: مقتولین کی تعداد کے سلسلے میں یہی درست بات ہے، اور اہل سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ پچاس مقتول تھے اس سے تھوڑے زیادہ یا کم رہے ہونگے۔ ابن اسحاق نے سیرت میں ان سب کو ذکر کیا ہے اور ان کی تعداد پچاس پہنتیس ہی ہے، اور واقدی نے تین یا چار کو زیادہ کیا ہے، اور بہت سے اہل مغازی نے یہ لکھا ہے کہ وہ چالیس سے زیادہ تھے، مگر مقتولین میں سے کچھ لوگوں کے نام کی معرفت سے یہ بات لازم نہیں آتا کہ صرف یہی لوگ قتل کئے گئے تھے، اور براء

([1]) دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ ۲۲۴۔

([2]) اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الجهاد والسير – باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر – حدیث نمبر (۱۷۶۳)۔

([3]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب المغازي – باب (۱۰) – حدیث نمبر (۳۹۸۶)۔

رضی اللہ عنہ کا قول کہ ان کی تعداد ستر تھی یہ ابن عباس اور دیگر لوگوں کے قول کے موافق ہے، اور اسی کی تخریج امام مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کی ہے، اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ((ولما اصابتكم مصيبة قد اصبتم مثليها))[آل عمران: ١٦٥]۔ اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے مخاطب اہل احد ہیں، اور ان کے دوگانے کو پانے سے مراد بدر کا دن ہے، اور اس اعتبار سے کہ احد کے دن مسلمانوں میں سے شہید کئے گئے لوگ ستر تھے، اور ابن ہشام نے اسی بات کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کے لئے کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے استدلال کیا ہے:

فاقام بالطعن المطعن منهم سبعون عتبة منهم و الاسود

یعنی عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس، اور اسود بن عبد الاسد بن ہلال مخزومی جنہیں حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ قتل کیا تھا۔

پھر ابن ہشام نے بدر میں قتل کیے گئے بہت سے لوگوں کا نام ذکر کیا ہے جو ان لوگوں کے علاوہ ہیں جن کو ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے[1]، چنانچہ ان کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہو گی اس لئے جو ہم نے کہا وہ بات مضبوط معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم[2]۔

([1]) دیکھیں: السیرۃ (٣٢١/٢)۔

([2]) دیکھیے: فتح الباري (٣٩/٨)۔

مشرکوں کا کنویں میں پھینکا جانا:

اور جب جنگ ختم ہو گئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سرداروں میں سے 24 لوگوں[1] کے بارے میں حکم دیا اور انہیں بدر کے گندے کنوؤں میں سے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا[2]۔

اور مسند کی ایک دوسری روایت میں حسن سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتی ہیں: ((رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے لوگوں کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں ایک کنویں میں پھینک دیا جائے تو وہ اس میں پھینک دیئے گئے سوائے امیہ بن خلف کے وہ اپنی زرہ میں پھول کر بھر گیا تھا تو لوگ اسے ہلانے کے لئے گئے مگر وہ بکھر گیا یا تو اسے وہیں چھوڑ دیا اور اس پر مٹی اور پتھر ڈال کر ڈھانک دیا گیا[3]۔

اور ایک دوسری روایت صحیح بخاری میں ہے مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا، جب اسے گھسیٹا گیا یعنی امیہ بن خلف کو تو اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے[4]۔

([1])حافظ ابن حجر نے فتح الباري (۳۲/۸) میں فرمایا: "گویا کنویں میں ڈالے گئے لوگ ان کے سردار تھے، پھر قریش کے کچھ دیگر افراد، اور باقی مقتولین کو مختلف جگہوں پر پھینکا گیا تھا"۔

([2])اس واقعہ کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے—کتاب المغازي، باب قتل أبي جهل، حدیث نمبر ۳۹۷۶۔ اور امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں —کتاب الجنة وصفة نعيمها، حدیث نمبر ۲۸۷۵ — روایت کیا ہے۔ اور امام احمد نے اسے مسند الإمام أحمد میں حدیث نمبر ۱۶۳۵۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

([3])اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۶۳۶۱ کے تحت نقل کیا ہے۔

([4])اور اس واقعہ کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن مسعود رضي الله عنه سے روایت کیا ہے —کتاب الجزية والموادعة، باب طرح جيف المشركين في البئر، حدیث نمبر ۳۱۸۵۔

علماء کہتے ہیں: اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کنویں میں ڈالنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ لوگ ان کی بدبو سے تکلیف نہ محسوس کریں، ورنہ حربی شخص کو دفن کرنا واجب نہیں ہے، اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کنویں میں صاف اور میٹھے پانی نہیں رہا ہوگا۔

ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کا موقف:

اور جب کافروں کو کنویں میں ڈال دیا گیا اور عتبہ بن ربیعہ ابو حذیفہ کے والد کو پتھر اور مٹی سے ڈھک دیا گیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حنیفہ کے چہرے پہ دیکھا تو وہ غمگیں تھے ان کا چہرہ مایوس ہوا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم اور رحم دل تو تھے آپ نے فرمایا: اے ابو حذیفہ کیا تمہیں اپنے والد کے بارے میں کچھ برا لگ رہا ہے تو اس نے کہا کہ نہیں اللہ کی قسم اے رسول اللہ صلی وسلم مجھے اللہ تعالی اور اس کے رسول کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے مگر مجھے اپنے والد سے رائے اور بردباری اور فضل معلوم تھی [1]، مجھے یہ امید تھی کہ یہ اس کی وجہ سے اسلام قبول کر لیں گے، مگر جب میں نے دیکھا کہ انہیں کیا ہوا، اور میں نے ان کے کفر پر موت کو یاد کیا بعد اس کے

([1]) عتبہ بن ربیعہ کے حلم و بردباری اور اس کے بالغ نظر ہونے کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے قریش کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں نہ پڑنے کی بھرپور کوشش سے نصیحت کی، مگر اس کی بات کسی نے نہ مانی۔ اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے —— جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا —— فرمایا تھا: "اگر قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو بھلائی کا حکم دینے والا ہو تو وہ سرخ اونٹ والے (یعنی عتبہ) ہی ہوں گے۔" اور یہی عتبہ بن ربیعہ وہ شخص ہے جس نے مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تھی، تو آپ ﷺ نے اسے سورۃ فصّلت سنائی۔ پھر وہ قریش کے پاس لوٹا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے یا کم از کم آپ ﷺ اور آپ کی دعوت کو چھوڑ دینے کی نصیحت کی۔ اور کہا کہ اگر آپ ﷺ عرب پر غالب آ گئے تو یہ قریش ہی کی عزّت و سربلندی ہوگی۔ —— اور یہ واقعہ مکی دور میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے، اسے وہاں ملاحظہ کریں۔ ——

کہ ان کے لیے کچھ اور امید کر رہا تھا تو اس سے مجھے غم لاحق ہوا، تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حذیفہ کے لیے خیر اور بھلائی کی دعا کی[1]۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کو کنویں میں آواز دے رہے تھے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے خاتمے کے بعد بدر کے مقام پر تین راتوں تک[2] ٹھہرے رہے، جب بدر کا تیسرا دن تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کو تیار کرنے کا حکم دیا تو اس پر کجاوہ کسی گئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے لگے اور آپ کے صحابہ نے آپ کی پیروی کی، اور انہوں نے کہا، کہ ہم یہی جان رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی حاجت کے لئے جا رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کنویں

([1])اس بات کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب: اخبار النبی ﷺ عن مناقب الصحابۃ، باب: ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا ذکر — حدیث نمبر (7088)۔ اور حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے — کتاب: معرفۃ الصحابۃ، باب: نبی کریم ﷺ کا مشرکین کے مردوں سے کلام فرمانا — حدیث نمبر (5045) — اور اس کی سند جید ہے۔ اسی طرح ابن اسحاق نے بھی اسے سیرت (۳۵۲/۲) میں روایت کیا ہے، لیکن بلا سند۔

([2])یہ رسولِ اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ جنگ ختم ہونے کے بعد میدانِ معرکہ میں تین راتیں قیام فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں — حدیث نمبر (3065) — اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں — حدیث نمبر (4776) — حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ جب کسی قوم پر غالب آتے تو پسند فرماتے کہ اُن کی زمین (یعنی میدانِ معرکہ) میں تین دن قیام کریں۔" اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: "تین راتیں"۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (297/6) میں فرمایا: "العَرصَة" (عَرصَة) — عین اور صاد کے کھلے ہونے کے ساتھ اور راء ساکن — اس جگہ کو کہتے ہیں جو کشادہ ہو اور جس میں کوئی عمارت نہ ہو، خواہ وہ کسی گھر کے پاس ہو یا کسی اور جگہ۔ اور مہلّب رحمہ اللہ کے قول کو حافظ نے فتح الباری (297/6) میں نقل کیا ہے کہ: اس قیام کی حکمت یہ تھی کہ سواریوں (یعنی اونٹوں) اور جانوں کو آرام مل سکے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت مناسب ہے جب دشمن یا کسی حملہ آور کے خطرے سے امن ہو۔ اور ابن الجوزی رحمہ اللہ نے — جیسا کہ حافظ نے نقل کیا — فرمایا: آپ ﷺ وہاں اس لیے ٹھہرتے تھے تاکہ غلبے اور کامیابی کا اثر واضح ہو جائے، گویا یوں فرما رہے ہوں: "اگر تم میں کسی میں کوئی طاقت باقی ہو تو ہمارے پاس واپس آ جائے (مقابلے کے لیے)"۔

کے کنارے کھڑے ہوئے، اور آپ نے ان کے اور ان کے باپ دادوں کے نام لے کر انہیں پکارا: اے فلاں بن فلاں، اے ابن فلاں، اور فلاں بن فلاں کیا تمہیں یہ بات پسند ہوتی کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی، تو ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ حق پالیا کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ حق پایا؟

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے جسموں سے بات کر رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم میری ان باتوں کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہوں۔

قتادہ کہتے ہیں اللہ رب العالمین نے انہیں زندہ کر دیا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو انہیں سنا دیا ان کے توبیخ کے طور پر ان کی ذلت اور عذاب اور حسرت وندامت کے طور پر[1]۔

اور امام مسلم کے یہاں صحیح میں اور امام احمد نے مسند میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اے ابو جہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے امیہ بن

([1])اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ـــ کتاب المغازی، باب: قتل ابو جہل، حدیث نمبر (3976) ـــ روایت کیا ہے۔ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ـــ کتاب الجنّۃ وصفۃ نعیمہا، باب: مردے کو روزانہ اس کا جنت یا جہنم کا مقام دکھایا جانا، حدیث نمبر (2873) ـــ میں اسے روایت کیا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اسے اپنے مسند، حدیث نمبر (16359) میں روایت فرمایا ہے۔

خلف[1] کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ حق پالیا میں نے تو اپنے رب کا وعدہ حق پایا، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کیا آپ ایسے لوگوں کو پکار رہے ہیں جو مردار ہو چکے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میری ان باتوں کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو مگر یہ کہ وہ جواب نہیں دے سکتے[2]۔

روایت میں ایک غلطی؛

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم[3] میں جن لوگوں کے پکارنے کا ذکر ہوا ہے ان کے درمیان ولید بن عقبہ کا بھی ذکر وارد ہے جو کہ غلط ہے، درست بات یہ ہے کہ وہ ولید بن عتبہ تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح مسلم کے تمام نسخوں میں وارد ہے کہ وہ ولید بن عقبہ قاف کے ساتھ ہے، جبکہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ غلط ہے اور

---

(1) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (33/8) میں فرمایا: جن افراد کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے بعض کے بارے میں نظر ہے، کیونکہ اُمیّہ بن خلف کو کنویں (قلیب) میں نہیں ڈالا گیا تھا؛ وہ بہت بھاری جسم کا تھا، پھر وہ پھول گیا، تو جب لوگوں نے اسے گھسیٹا تو اس کا جسم پھٹ گیا۔ لہٰذا انہوں نے اس پر پتھر اور مٹی ڈال دی تاکہ وہ ڈھک جائے۔ لیکن دونوں باتوں میں اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ وہ قریبِ قلیب تھا، لہٰذا جب مقتولین کو آواز دی گئی تو اسے بھی ان میں شامل کر کے (ان کے ساتھ) پکارا گیا۔

(2) یہ حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے — کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب: میت کے لیے جنت یا جہنم کے ٹھکانے کو پیش کیا جانا، حدیث نمبر 2874؛ اور اسے امام احمد نے اپنی مسند میں بھی روایت کیا ہے، حدیث نمبر 12020۔

(3) نیز یہ روایت صحیح مسلم — کتاب الجہاد والسّیر، باب: نبی ﷺ کو مشرکین اور منافقین سے جو تکلیفیں پہنچیں، حدیث نمبر 1794 میں موجود ہے۔

اس کا درست یہ ہے کہ وہ تا کے ساتھ ولید بن عتبہ ہیں جیسا کہ امام مسلم نے ابو بکر ابن ابی شیبہ کی روایت میں اس کے بعد ذکر کیا ہے[1]۔

اور امام بخاری اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کرتے ہیں فرمان باری تعالی: ((الذین بدلوا نعمه الله کفرا)) کے بارے میں کہا: اللہ کی قسم یہ کفار قریش ہیں، عمرو بن دینار کہتے ہیں: یہ کفار قریش ہیں، اور اللہ کی نعمت محمد ہیں، ((واحلوا قومهم دار البوار))[ابراہیم: 28]۔ وہ کہتے ہیں: یعنی جہنم بدر کے دن[2]۔

اور اس عظیم جنگ کے خاتمہ اور قیدیوں کو پکڑنے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا آپ قافلے کو لازم پکڑیں، اس پہلے کچھ بھی نہیں ہے، تو عباس نے آپ کو پکارا کہ یہ ان کے لیے درست نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں؟ تو عباس نے کہا: کیوں کہ اللہ تعالی نے آپ کو صرف دو میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا اور اللہ نے آپ کو اپنا وعدہ دے دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے سچ کہا"[3]۔

([1]) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: شرح صحیح مسلم از امام نووی (129/12)۔

([2]) اسے صحیح بخاری میں روایت کیا گیا ہے — کتاب المغازی، باب: قتلِ ابو جہل، حدیث نمبر 3977۔

([3]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر 2022۔ حافظ ابن کثیر نے اسے اپنی تفسیر (16/4) میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: اس کی سند جید ہے، اور علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی روایت کو حاکم نے مستدرک میں — کتاب التفسیر، باب: تقسیمِ غنائم کی صورت — حدیث نمبر 3314 کے تحت صحیح قرار دیا۔ اور امام ترمذی نے اسے اپنی جامع میں — کتاب التفسیر، باب: ومن سورۃ الأنفال — حدیث نمبر 3335 میں روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شکست کی خبر شہر مکہ میں پہونچنا اور ابو لہب کی موت:

مشرک لوگ بدر کے میدان سے بہت ہی بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے ،اور وہ وادیوں اور گھاٹیوں میں یہاں وہاں بکھر گئے ،اور سبھی ڈر اور خوف کے مارے مکہ کے جانب متوجہ ہوئے ،ان سب کو یہ معلوم نہ تھا کہ شرم اور حیا کے مارے وہ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے ![1]۔

اور قریش کے اس شکست کی خبر لے کر مکہ میں سب سے پہلے حیـ سمان بن عبداللہ خزاعی داخل ہوا، اور پھر لوگوں نے کہا: تمہارے پیچھے کیا حال ہے اس نے کہا: عتبہ بن ربیعہ ،شیبہ بن ربیعہ ،ابوالحکم بن ہشام ،امیہ ابن خلف ،زمعہ بن اسود اور نبیہ اور منبہ ابن حجاج ،ابوالبخـ تری ابن ہشام قتل کر دیئے گئے ،جب اس نے قریش کے بڑے بڑے لوگوں کا نام لینا شروع کیا تو صفوان بن امیہ نے کہا: جو کہ حجر میں بیٹھا ہوا تھا، اللہ کی قسم اگر اس کو عقل ہے تو اس سے میرے بارے میں پوچھوں تو لوگوں نے کہا صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟

تو اس نے کہا: وہ دیکھو وہ تو حجر میں بیٹھا ہوا ہے ،اور اللہ کی قسم میں نے اس کے بھائی اور والد کو قتل کئے جاتے وقت دیکھا ہے[2]۔

([1]) دیکھیے: الرحیق المختوم، صفحہ 255۔

([2]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 2، صفحہ 257)۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن اسحاق نے سیرت میں ضعیف سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں عباس بن عبد المطلب کا غلام تھا، اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا تو عباس اسلام لے آئے، اور ام فضل بھی مسلمان ہو گئی[1]، اور میں بھی اسلام لے آیا اور عباس اپنی قوم کے لوگوں سے خوف کھاتے تھے، اور انہیں یہ ناپسند تھا کہ وہ ان سب کی مخالفت کریں، اور وہ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، اور وہ بہت زیادہ مال والے تھے ان کا مال ان کی قوم میں بٹا ہوا تھا، اور ابو لہب بدر سے پیچھے رہ گیا تھا، تو اس نے اپنی جگہ عاص ابن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا تھا۔۔۔ چنانچہ جب اسے قریش کے بدر میں شکست کی خبر پہنچی اچھی تو اللہ رب العالمین نے اسے ذلیل و خوار کر دیا، اور ہم نے اپنے آپ میں غلبہ اور قوت پایا اور میں ضعیف شخص تھا تھا، اور میں پیالے بنایا کرتا تھا جسے زمزم کے کمرے میں تراشتا تھا، اللہ کی قسم میں وہاں بیٹھ کر اپنے پیالے بنا رہا تھا اور میرے پاس ام فضل بھی بیٹھی ہوئی تھیں، اور ہمیں خبر سن کر بہت خوشی ہوئی تھی اسی وقت ابو لہب اپنے دونوں پیروں کو گھسیٹتے ہوئے برائی کے ساتھ آیا یہاں تک کہ دروازے کے ایک کنارے بیٹھ گیا اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی وہ بیٹھا ہوا تھا کہ لوگوں نے کہا: دیکھو

([1]) میں نے کہا: صحیح یہ ہے کہ ابو رافع نے اسلام قبول اس عرصے میں نہیں کیا، بلکہ ہجرت کے بعد مدینہ میں۔ کیونکہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، حدیث نمبر 2758، کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ نے کہا: "قریش نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام داخل ہو گیا اور میں نے کہا: 'یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم، میں کبھی بھی ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں عہد کو نہیں توڑتا، نہ ہی پیغام پہنچانے والوں کو روکوں گا؛ لیکن واپس جاؤ، اور اگر تمہارے دل میں جو کچھ ہے وہی ہے، تو واپس آؤ۔'" پھر میں واپس گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اسلام قبول کیا۔

ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب آ چکے ہیں، ابو لہب نے کہا: تو ہمارے پاس آؤ تیرے پاس اصل خبر ہے، چنانچہ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور لوگ کھڑے ہوئے تھے، اس نے کہا اے میرے بھتیجے بتاؤ لوگوں کا معاملہ کیسا رہا؟

اس نے کہا اللہ کی قسم ہم جیسے ہی ان لوگوں سے ملے تو گویا ہم نے اپنے کندھوں کو ان کے حوالے کر دیا وہ جیسا چاہے رہے تھے ہمیں قتل کر رہے تھے اور اللہ کے قسم اس کے باوجود میں لوگوں کو ملامت نہیں کرتا، ہماری ملاقات سفید پوش لوگوں سے ہوئی جو بہت ہی خوبصورت گھوڑوں پر آسمان و زمین کے درمیان تھے، اللہ کی قسم ان کے سامنے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

ابو رافع کہتے ہیں: پھر میں نے حجرے کے کونے کو اپنے ہاتھ سے اٹھایا پھر میں نے کہا وہ اللہ کی قسم فرشتے تھے، وہ کہتے ہیں ابو لہب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس سے میرے چہرے پر ایک زبردست مار مارا، تو میں اس سے بھڑ گیا اور وہ مجھ پر چڑھ بیٹھا اور مجھے زمین پر لٹا دیا اور پھر وہ مجھ پر اپنا پیر رکھ کر بیٹھا اور مارنے لگا اور میں کمزور آدمی تھا تو ام الفضل اس کمرے کے ایک ستون کی طرف گئیں اور اسے لیا اور پھر اور اس کے ذریعے سے اسے دے مارا، جس سے اس کے سر میں بہت زیادہ زخم لگا، اور اس نے ابو لہب سے کہا :اس کا سردار اس کے پاس نہیں ہے تو اسے کمزور سمجھ کر مار رہے ہو۔

تو ابو لہب ذلیل و خوار ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا، اور اللہ کی قسم وہ اس کے بعد سات راتیں ہی زندہ رہا یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے اسے پھوڑے والی بیماری عطا کر دیں اور اس نے اسے قتل کر دیا۔

ابو رافع کہتے ہیں: تحقیق کہ اس کے دونوں بیٹوں نے دو یا تین رات تک اسے چھوڑے رکھا اور دفن نہ کیا یہاں تک کہ اس سے بدبو آنے لگی، تو قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے والد تمہارے گھر میں پڑے بدبو مار رہے ہیں، ان دونوں نے کہا کہ ہم اس بیماری سے ڈر رہے ہیں، اور قریش کے لوگ اس بیماری سے اسی طرح سے بچا کرتے تھے جیسے طاعون سے بچتے تھے، تو اس شخص نے کہا چلو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں تو اللہ کی قسم انہوں نے اسے دور سے ہی پانی پھینک کر نہلایا، پھر اسے اٹھا کر لے گئے اور اسے مکہ کے کے اوپری حصے سے ایک دیوار کی طرف پھینک دیا، اور پھر اس پر پتھر ڈال دیئے[1]۔

اور اس طرح سے بدر کے میدان میں حاصل زبردست شکست کی خبر مکہ والوں کو ہوئی، اور اس کا ان پر بہت برا اثر پڑا، یہاں تک کہ انہیں اپنے مقتولوں پر نوحہ کرنے سے بھی منع کر دیا، تاکہ مسلمان پر غلبہ نہ پائیں[2]۔

([1]) ابو رافع کی ابو لہب کے ساتھ کہانی روایت کی گئی ہے: امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23864 میں، الحاکم نے المستدرک میں کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب ذکر اسلام عباس رضی اللہ عنہ میں حدیث نمبر 5454 میں، اور ابن اسحاق نے سیرۃ میں (جلد 2، صفحہ 258) میں بیان کی ہے۔

([2]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 2، صفحہ 259)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس وقت ان کے زندہ لوگوں کو اس طرح عذاب دیا جانا اللہ رب العالمین کے عذاب کا مکمل ہونا تھا، وہ یہ کہ انہوں نے اپنے مقتولوں پر نوحہ کرنا بھی چھوڑ دیا، کیوں کہ میت پر رونے سے غمگیں شخص کا دل نرم پڑتا ہے[1]۔

اور موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں منقول ہے وہ کہتے ہیں: جب مکہ والوں کے پاس یہ خبر پہنچی اور انہوں نے اس کی تاکید کی تو مکہ کی عورتوں نے اپنے بالوں کو کٹوانے لیا اور ان کے بہت سے گھوڑے اور سواریوں کے کوچ کاٹ دیے گئے[2]۔

اسود ابن عبد المطلب کا ایک مزاحیہ واقعہ:

اور ایک مزاحیہ واقعہ یہ ہے کہ بدر کے دن اسود بن عبد المطلب کے تین بیٹے قتل کیے گئے، اور وہ ان کے لیے رونا پسند کرتے تھے وہ اندھے شخص تھے وہ اسی حالت میں تھے کہ انہوں نے رات میں ایک رونے والے کی آواز سنی تو انہوں نے اپنا غلام بھیجا اور کہا دیکھو کیا رونے کی اجازت مل گئی ہے کیا قریش کے لوگ اپنے مقتولوں پر رو رہے ہیں تاکہ میں بھی اپنے بیٹے ابو حکیمہ کے لیے رو سکوں کیوں کہ میرا اندرونی حصہ جل چکا ہے، تو غلام واپس آیا اور کہا: یہ ایک عورت رو رہی ہے اپنے اونٹ کی وجہ سے جو غائب ہو گیا ہے تو اسود اپنے آپ کو کنٹرول نہ کر سکا اور کہنے لگا:

([1]) دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (جلد 3، صفحہ 328)۔

([2]) دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (جلد 3، صفحہ 327)۔

اتبكي ان يضل لها بعير ويمنعها من النوم السهود

فلا تبكي على بكر ولكن علي بدر تقاصرت الجدود

وبكى ان بكيت على عقيل وبكى حارثا اسد الاسود

وبكيهم ولا تسمي جميعاومالابي حكيمه من نديد

الا قد ساد بعدهم رجالولولا يوم بدر لم يسودوا[1]

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے اختتام کے تین دن بعد تک بدر کے مقام پر ٹھہرے رہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس ہوگئے اور آپ کے ساتھ مشرکوں کے قیدی تھے، جن میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے، اور آپ اپنے ساتھ مشرکوں سے حاصل ہوئے مال غنیمت کو بھی لئے ہوئے تھے اور اس کا نگراں عبداللہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا[2]۔

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 2، صفحہ 259)؛ البدایۃ والنھایۃ (جلد 3، صفحہ 328)۔

([2]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 2، صفحہ 254)۔

اموال غنیمت کا معاملہ:

اور بدر کے مقام سے مسلمانوں کے رخصتی سے پہلے ان کے درمیان مال غنیمت سے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا کیونکہ ان دنوں اس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور ان کے درمیان اختلاف زیادہ بڑھ گیا یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے سورہ انفال کا نزول فرمایا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے انفال کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا: ہم اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی جب ہم مال غنیمت کے سلسلے میں اختلاف کر رہے تھے، اور اس کے سلسلے میں ہمارے اخلاق برے ہو گئے تھے تو اللہ رب العالمین نے اسے ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا، اور اس نے اسے اپنے رسول کے حوالے کر دیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برابر مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا[1]۔

([1])امام احمد نے اپنی مسند میں اسے روایت کیا ہے - حدیث نمبر (٢٢٧٤٧) - اور ابن اسحاق نے اسے السیرہ میں نقل کیا ہے (٢/ ٢٥٣) - اور حافظ نے اس کے اسناد کو الفتح میں حسن قرار دیا ہے (٦/ ٣١٩)۔ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں کہا (٣/ ٣٢١): اور ابو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے غنائم بدر کو لوگوں میں برابر تقسیم کیا، اور اسے خمس نہیں کیا، پھر اس کے بعد آیت الخمس نازل ہوئی اور پہلے کو نسخ کر دیا، اور والبی نے یہ ابن عباس سے روایت کی ہے اور یہی قول مجاہد، عکرمہ اور السدی کا ہے، اور اس میں غور و فکر ہے، واللہ اعلم۔ کیونکہ آیات کے سیاق وسباق میں، آیت الخمس سے پہلے اور بعد کی سب کچھ غزوۃ بدر میں ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب ایک وقت میں نازل ہوئی، کوئی علیحدہ علیحدہ تاخیر نہیں تھی جو کچھ کو کچھ پر نسخ کرے، پھر صحیحین میں - البخاری (٣٠٩١) - اور مسلم (١٩٧٩) سے علی بن ابی طالب - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے کہ انہوں

بدر کے مال غنیمت کے سلسلے میں اختلاف کا سبب:

اور بدر کے غنیمت سے متعلق اختلاف کا سبب وہ تھا جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم اور ابن اسحاق نے حسن سند کے ساتھ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور میں بدر میں آپ کے ساتھ شریک ہوا، تو لوگ ایک دوسرے سے بھڑے اور اللہ رب العالمین نے دشمن کو شکست دے دی، ایک گروہ ان کے پیچھے چلی جو انہیں شکست دیتے اور قتل کرتے اور ایک گروہ لشکر پر تھے جو اسے جمع کر رہے تھے اور اکٹھا کر رہے تھے اور ایک جماعت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے ہوئے تھی تاکہ دشمنوں کو آپ کی طرف آنے کا موقع نہ ملے، یہاں تک کہ جب رات ہو گئی اور سبھی لوگ ایک دوسرے کے پاس واپس آئے تو جن لوگوں نے ان مالوں کو جمع کیا تھا انہوں نے کہا ہم نے اسے جمع کیا ہم نے اسے اکٹھا کیا ہے لہذا اس میں سے کسی کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، اور جو لوگ دشمن کے پیچھے نکلے تھے انہوں نے کہا کہ تم اس کے ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو، ہم نے دشمنوں کو بھگایا انھیں شکست دی ہے، اور جن لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر رکھا تھا انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس کے حقدار نہیں ہوں ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرا تھا اور ہمیں یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں دشمن

نے کہا: شارقیہ کی کہانی میں جو حمزہ نے اسنمتیں چنی تھیں: ان میں سے ایک خمس میں سے تھی دن بدر کے دن، جو صریحاً ابو عبید کے دعوے کے خلاف ہے کہ بدر کی غنائم خمس نہیں کی گئیں، بلکہ خمس کی گئیں جیسا کہ البخاری اور ابن جریر وغیرہ نے کہا، اور یہ صحیح اور غالب قول ہے، واللہ اعلم۔

حافظ نے الفتح میں کہا (۸/ ۵۱): جمہور علماء کا قول ہے کہ آیت الخمس غزوۃ بدر کی کہانی میں نازل ہوئی۔

آپ تک پہنچ نہ سکے اور ہم آپ کو چھوڑ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہو جائیں اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی: ((یسالونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول اتقوا الله واصلحوا ذات بینکم))[الانفال: 1] [1]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابو داود نے سنن میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا: ((جس نے یہ کام کیا اس کے لئے غنیمت کا اتنا حصہ ہوگا))، تو نوجوان آگے بڑھ گئے اور بزرگ لوگ جھنڈا تھامے رہے، جب اللہ رب العالمین نے انہیں فتح نصیب کی تو بزرگوں نے کہا کہ ہم تمہارے لیے مددگار تھے اور اگر تمہیں شکست ہوتی تو تم ہمارے پاس آتے تو تم ہمیں چھوڑ کر خود اکیلے مال غنیمت نہ لو، نوجوانوں نے انکار کیا اور کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہمیں دیا ہے: اس وقت اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((یسالونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول....))فرمان باری تعالی: ((کما اخرجك ربك من بیتك بالحق وان فریقا من المؤمنین لکارهون))تک [الانفال: 1-5] [2]۔

([1])اور یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٢٧٦٢) - اور ابن اسحاق نے اسے السیرہ میں نقل کیا ہے (٢/ ٢٥٣) - اور الحاکم نے اسے المستدرک میں روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا - کتاب التفسیر - باب: غنائم کی تقسیم کی صورت - حدیث نمبر (٣٣١٢)۔

([2])اور یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الصلح - باب: اور آپس میں اصلاح کرو - حدیث نمبر (٥٠٩٣) - اور ابو داؤد نے اسے اپنی سنن میں روایت کیا - کتاب الجهاد - باب: نفل کے بارے میں - حدیث نمبر (٢٧٣٧) - اور ابن الاثیر نے اسے جامع الأصول میں نقل کیا (٨/ ٢٠٦)۔

ایک دوسرا سبب:

اور انفال کی آیت کے نزول کے سلسلے میں ایک دوسرا سبب بھی وارد ہے، وہ یہ کہ امام احمد نے اپنی مسند میں میں حسن لغ یرہٖ سند کے ساتھ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بدر کے دن میرا بھائی عمیر قتل کر دیا گیا، اور میں نے سعد بن عاص[1] کو قتل کیا اور اسکا تلوار لے لیا جسے ذوالکتیبہ کہا جاتا تھا، تو میں اسے لے کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ((اسے لے کر جاؤ اور مال غنیمت میں ڈال دو))[2]۔

انہوں نے کہا: پھر میں واپس ہوا اور مجھے میرے بھائی کے قتل اور میرے حاصل کئے ہوئے مال کو واپس لینے کی وجہ سے کتنا غم لاحق تھا جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، انہوں نے کہا میں تھوڑی دیر دور ہی چلا تھا اسی وقت سورہ انفال نازل ہوئی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا جاؤ تم اپنی تلوار کو لے لو۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے حسن سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالی نے آج مجھے مشرکوں سے نجات دے دی

([1])ان کا قول -رضی اللہ عنہ-: سعید بن العاص وَہم ہے، اور صحیح یہ ہے کہ العاص بن سعید ہے، اور ہم نے یہ بات پہلے بیان کی تھی۔

([2])اور یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (١٥٥٦) - اور اس کا اصل صحیح مسلم میں بھی ہے - کتاب الجهاد والسير - باب الأنفال - حدیث نمبر (١٧٤٨) (٣٤)۔

ہے تو آپ مجھے یہ تلوار عطا کر دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے فرمایا: ((یہ تلوار نہ میری ہے اور نہ تمہاری ہے اسے رکھ دو))، وہ کہتے ہیں میں نے رکھ دیا پھر واپس ہو گیا، میں نے کہا ہو سکتا ہے اس تلوار کو آج کسی ایسے شخص کو دے دیا جائے جس نے میری طرح سے محنت نہ کی ہو، انہوں نے کہا پھر میرے پیچھے سے ایک شخص مجھے بلانے لگا[1] تو میں نے کہا ہو سکتا ہے میرے بارے میں کچھ نازل ہوئی ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے مجھ سے یہ تلوار مانگی تھی اور وہ میری نہ تھی، اور بیشک اب یہ مجھے عطا کی گئی ہے تو اب یہ تم لے لو))۔ وہ کہتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی: ((یسالونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول))[الأنفال: ١][2]۔

اور ان احادیث کا ظاہر یہی ہے اس میں جو بھی چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ سبھی اس آیت کے نزول[3] کے اسباب ہیں، اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے کیونکہ سبھی نے اس بات کی خبر دی جس کو اس نے دیکھا یا اس کے ساتھ اس غزوے میں پیش آیا، اور جیسا کہ معلوم ہے اسباب کئی ایک ہو سکتے ہیں))۔

([1]) ترمذی کی جامعہ میں روایت کے مطابق، انہوں نے کہا: پھر رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - میرے پاس آئے۔

([2]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (1538) - اور ترمذی نے اپنی جامعہ میں روایت کی ہے - کتاب التفسیر - باب: اور سورۃ الأنفال سے متعلق - حدیث نمبر (3079) - اور ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اس کا اصل صحیح مسلم میں بھی ہے - کتاب الجهاد والسیر - باب الأنفال - حدیث نمبر (1748) (34)۔

([3]) یہ آیت سورۃ الأنفال کی آیت (1) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ}۔

مال غنیمت کی تقسیم:

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف لوٹتے ہوئے، راستے میں صفراء نامی مقام پر پہنچے، تو آپ نے وہیں پر مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کو تقسیم کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکال لیا، اور باقی مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں عذر کے سبب نہ شریک ہونے والے صحابہ کو بھی حصہ دیا، انہی لوگوں میں سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اپنی بیوی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ کی تیمارداری کر رہے تھے[1]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بدر کے دن مہاجروں کے لیے سو حصے لگائے گئے[2]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بدر کے مال غنیمت میں سے میرے حصے میں ایک بوڑھی اونٹنی

([1]) یہ روایت امام البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے – کتاب الخمس – باب: "جب امام کسی کام کے لیے رسول بھیجے" – رقم حدیث 3130۔

([2]) یہ حدیث امام البخاري نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے – کتاب المغازی – باب (12) – رقم حدیث 4027۔

آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خمس میں سے بھی مجھے ایک بوڑھی اونٹنی دی تھیں[1]۔

اور امام احمد اور ابو داؤد نے ضعیف کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن مجھے مال غنیمت کے طور پر ابو جہل کی تلوار دی تھی[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص حصہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت میں سے اپنے لئے کوئی غلام یا لونڈی یا گھوڑا یا تلوار یا اس طرح کی چیز خاص کر لیا کرتے تھے، جیسا کہ اس کی صراحت محمد بن سیرین، عامر شعبی نے کی ہے اور اس پر ان کی بہت سے علماء نے پیروی کی ہے[3]۔

([1]) یہ حدیث امام البخاري نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے–کتاب الخمس–باب فرض الخمس–رقم حدیث 3091، اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے–کتاب الأشربۃ–باب تحریم الخمر–رقم حدیث 1979۔

([2]) یہ حدیث امام أحمد نے اپنے مسند میں نقل کی ہے–رقم الحدیث 4246 –اور امام أبو داود نے اپنی سنن میں نقل کی ہے–کتاب الجهاد –باب: من أجاز علی جریح مُثخَن یُنفل من سلبہ–رقم الحدیث 2722۔

([3]) دیکھیں: تفسیر بن کثیر (۴/ ۶۱)۔

چنانچہ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابو داود نے صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہے صفیہ [1] رضی اللہ تعالی عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص حصے میں سے تھیں [2]۔

اور امام احمد اپنی مسند میں اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ ابو العلاء بن شخیر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں میں مطرف کے ساتھ اونٹ کے بازار میں تھا، تو آپ کے پاس ایک دیہاتی آیا جس کے پاس چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا یا ایک تھیلی تھی، تو اس نے کہا کون پڑھنا جانتا ہے یا تم میں کوئی پڑھنے والا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، تو میں نے اسے اس سے لیا اور اس میں لکھا ہوا تھا: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے یہ محمد اللہ کے رسول کی طرف سے بنوں زہیر بن اقیش ء کل قبیلے کے ایک محلے کی طرف ہے: یہ کہ اگر وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، مشرکوں سے الگ ہوں اور اپنے مال غنیمت میں سے خمس اور نبی کے حصے اور خاص حصے کا اقرار کریں تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے امان کے ساتھ امن وامان پانے والے ہیں [3]۔

([1])صفیہ بنت حیّی بن اخطب، اُم المؤمنین، ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں، شریفہ، عاقلہ، ذات حسب وجمال ودین وحلم ووقار، رضی اللہ عنہا، اور وفات ان کی سن ۵۰ ہجری میں ہوئی۔ دیکھیں: سیر أعلام النبلاء (۲/ ۲۳۱)۔

([2])ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا – کتاب السیر – باب ذکر ما خص اللہ جل وعلا صفیہ – رقم الحدیث ۴۸۲۲ – اور ابو داود نے اپنی سنن میں نقل کیا – کتاب الخراج – باب ما جاء في سهم الصفي – رقم الحدیث ۲۹۹۴۔

([3])امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا – رقم الحدیث ۲۰۷۳۷ – اور نسائی نے اسے اپنی السنن الکبری – کتاب قسم الخمس – باب (۱) – رقم الحدیث ۴۴۳۲ میں بھی روایت کیا۔

مال غنیمت میں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ غزوہ بدر میں وہی تھا جو امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ نے حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اپنا ذوالفقار نامی تلوار لیا۔[1]

پھر بعد میں یہ تلوار علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ نے حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال ابوجہل کے اونٹ کو ہدی کے جانور کے طور پر دیا تھا[3]، وہ اونٹ جس کو بدر میں لیا گیا تھا اس کے سر میں چاندی کا ایک کڑا تھا، تاکہ اس کے ذریعے سے مشرکوں کو غصہ دلائیں[4]۔

([1])امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا – رقم الحدیث ۲۴۴۵ – اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا – کتاب الجهاد – باب السلاح – رقم الحدیث ۲۸۰۸۔

([2])دیکھیں: زاد المعاد (۳/ ۹۳)۔

([3])السَّلَب: وہ ہے جو جنگ میں کسی قِرنَے (فریق) میں سے کوئی دوسرا قِرنَہ حاصل کرے، چاہے وہ مال ہو، ہتھیار، لباس، سواری یا دیگر چیزیں۔ دیکھیں: النهاية (۲/ ۳۴۸)۔

([4])یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے – حدیث نمبر (۲۳۶۲) – اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، کتاب المناسک، باب الهدي من الإناث والذكور میں روایت کی ہے – حدیث نمبر (۳۱۰۰)۔

اس امت کے لئے مال غنیمت کا خاص طور پر حلال ہونا

شیخان نے اپنی صحیحین میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں - یہ لفظ ابن حبان کے ہیں- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بے شک اللہ تعالی نے ہمیں مال غنیمت کھلایا ہے ہم پر رحم کرتے ہوئے اور ہماری کمزوری کی وجہ سے جو اللہ تعالی جانتا ہے تخفیف کے طور پر))[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس امت کے حق میں غنیمت کے حلال ہونے کی خصوصیت کا بیان ہے، اور اس کی ابتدا غزوہ بدر سے ہوئی تھی، اور اسی میں اللہ کے اس فرمان کا نزول ہوا: ((فكلوا من ما غنمتم حلالا طيبا))[الأنفال: ٦٩]۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے لیے غنیمت کو حلال کیا، اور یہ صحیح حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے بھی ثابت ہے، لیکن سیرت میں یہ وارد ہے کہ سب سے پہلے غنیمت کا پانچواں حصہ نکالا گیا وہ اس سریہ کی مال غنیمت سے تھا جس میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نکلے تھے، اور یہ غزوہ بدر سے دو مہینے پہلے پیش آیا تھا، اور ان کے درمیان جمع اس روایت سے

---

(1) یہ روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے- کتاب فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ: «أحلت لكم الغنائم» - حدیث نمبر (۳۱۲۴)، اور مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے- کتاب الجهاد والسير، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة- حدیث نمبر (۱۷۴۷)، اور ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں روایت کی ہے- کتاب السير، باب ذكر تحليل الله الغنائم لأمة المصطفى ﷺ - حدیث نمبر (۴۸۰۷)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے- حدیث نمبر (۱۰۷۱)، اور امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر (۸۲۰۰)۔

مروی ہے جس کو ابن سعد نے طبقات[1] میں ذکر کیا ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ مال غنیمت کی تقسیم کو موخر کیا تھا یہاں تک کہ آپ بدر سے واپس آئے اور اسے بھی بدر کی مال غنیمت کے ساتھ تقسیم کیا[2]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مال غنیمت تم سے پہلے لوگوں کے لئے حلال نہ تھی، آسمان سے آگ کا نزول ہوتا تھا اور وہ آگ اسے جلا کر ختم کر دیتی تھی))، پھر جب بدر کا دن تھا تو لوگوں نے غنیمت کے سلسلے میں جلد بازی کی تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ((لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا))[الانفال:٦٨-٦٩][3]۔

نضر بن حارث اور عقبہ ابن ابی معیط کا قتل:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف اپنے راستے کو مکمل کیا، چنانچہ جب آپ صفر نامی جگہ پہنچے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری، از ابن سعد (جلد 1، صفحہ 254).

([2]) دیکھیے: فتح الباری (6/ 349)۔

([3]) حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب السیر، باب ذکر الوقت الذي أنزل الله آية الأنفال، رقم حدیث 4806، اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے، رقم حدیث 7433، اور الطحاوي نے شرح مشکل الآثار میں بھی روایت کیا ہے، رقم حدیث 3310۔

نے نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا جو کہ بدر کے دن مشرکوں کا جھنڈا اٹھانے والا تھا، اور وہ قریش کے بڑے مجرموں میں سے تھا، اور وہ اسلام کے خلاف لوگوں میں سب سے زیادہ سازش کرنے والا تھا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف پہنچایا کرتا تھا تو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کو مار کر اسے ہلاک کر دیا[1]۔

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عرق ظبیہ نامی مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن ثابت بن ابی اقلح کو حکم دیا کہ وہ عقبہ بن ابی معیط کی گردن مار دیں، اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ دشمنی ظاہر کرنے والا تھا، اور اسی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی تھی جب کہ آپ سجدہ کر رہے تھے[2]، اور وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کی حالت میں میں آپ کے گردن پر پیر رکھنے والا بھی تھا[3]۔

([1])دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۲۵۵) - البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۳۲۴)۔

([2])یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الوضوء، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر...، رقم حدیث ۲۴۰؛ اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الجهاد والسير، باب ما لقي النبي - صلى اللہ علیہ وسلم - من أذى المشركين والمنافقين، رقم حدیث ۱۷۹۴۔ اس کا ذکر ہم نے مکی دور میں بھی کیا ہے، لہذا اسے ملاحظہ کریں۔

([3])البخاری نے صحیح میں روایت کی ہے - کتاب فضائل الأنصار، باب ما لقي النبي - صلى اللہ علیہ وسلم - وأصحابه من المشركين، رقم حدیث ۳۸۵۶، اور یہ بھی مکی دور میں بیان ہوا۔

عقبہ نے کہا: اے محمد میرے بچوں کا ذمہ دار کون ہو گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہنم"[1]۔

عقبہ کا کہنا: بچوں کا کون ہو گا، اس کا مطلب یہ کہ بچوں کی کفالت اور ان کی تربیت کون کرے گا، گویا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نرمی کی درخواست کر رہا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا آگ طبی کہتے ہیں: اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت: یہ کہ آگ ضائع اور برباد ہونے سے عبارت ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ: جواب میں حکیمانہ اسلوب موجود ہے، یعنی تیرے لیے آگ ہے اور بچوں کے معاملے کو چھوڑ دے بے شک ان کی کفالت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دونوں آدمی نظر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط اللہ رب العالمین کے بندوں میں سب سے بدترین لوگ تھے، اور ان کا کفر و عناد اور بغض و حسد بہت زیادہ تھا، اور یہ اسلام اور مسلمانوں کی بہت زیادہ ہے ہجو بیان کیا کرتے تھے اللہ کی ان پر لعنت ہو، اور یقیناً اللہ ان کو ملعون قرار دیا[3]۔

([1]) مقتل عقبۃ بن أبي معیط: الطحاوي نے شرح مشکل الآثار میں روایت کیا، رقم حدیث ۴۵۱۴؛ اور أبو داود نے اپنی سنن میں روایت کی۔ کتاب الجهاد، باب في قتل الأسیر صبرًا، رقم حدیث ۲۶۸۶؛ الحاکم نے المستدرک میں روایت کی، کتاب الجهاد، باب اختیار أحوط الأمرین في أمر، رقم حدیث ۲۶۱۸؛ اور ابن إسحاق نے اپنی سیرت میں بھی ذکر کیا (۳/ ۳۲۴) — اس کا اسناد صحیح ہے۔

([2]) دیکھیں: معالم السنن للخطابي (۳/ ۹۵)۔

([3]) دیکھیں: البدایۃ والنهایۃ (۳/ ۳۲۴)۔

اہل مدینہ کو فتح کی خوشخبری:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے عطا کردہ تائید اور فتح کے ساتھ واپس ہوئے، اللہ کی مدد سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں، اور آپ کے ساتھ قیدی بھی تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کے خلاف اپنی فتح اور کامیابی کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ کی جانب لوگوں کو بھیجا تھا پہلے عبداللہ بن رواحہ اور دوسرے زید بن حارثہ تھے۔

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ابوامامہ بن سہل کے حوالے سے ان کے والد سے ایک روایت نقل کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے فارغ ہوئے تو آپ نے مدینہ والوں کی طرف دو خوشخبری دینے والا بھیجا، زید بن حارثہ کو نچلے حصے والوں کی طرف بھیجا اور عبداللہ بن رواحہ کو اونچے حصہ والوں کی طرف بھیجا، جو لوگوں کو اللہ کی طرف سے اپنے نبی کو عطا کردہ فتح کی خوشخبری سنا رہے تھے، چنانچے زید ابن حارثہ کی ملاقات اپنے بیٹے اسامہ سے ہوئی جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ کو دفن کیا جا چکا تھا، تو ان سے کہا گیا: وہ دیکھو وہ تمہارے والد آ گئے، اسامہ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس گیا وہ لوگوں کے پاس کھڑے تھے، اور کہہ رہے تھے: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام

نبیہ اور منبہ بن حجاج اور امیہ بن خلف کو قتل کر دیا گیا تو میں نے کہا: اے میرے والد یہ سچی بات ہے، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے میرے بیٹے[1]۔

اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں صحیح سند کے ساتھ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: پھر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عصباء پر سوار ہو کر خوشخبری لے کر آئے، اسامہ کہتے ہیں: میں نے دشمن کی ڈراؤنی آواز سنی، تو میں باہر نکلا، تو دیکھا کہ زید بشارت لے کر آئے ہیں، چنانچہ میں نے ان کی تصدیق نہ کی یہاں تک کہ میں نے قیدیوں کو دیکھ لیا[2]۔

رہی بات عبداللہ بن رواحہ کی تو وہ مدینہ کے بلندی والے حصے کے لوگوں کو اپنی سواری پر سوار ہو کر آواز دینے لگائیں انصار کے لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی اور مشرکوں کے قتل ہونے اور ان کے قیدی بنائے جانے پر خوش ہو جاؤ، ربیعہ کے دونوں بیٹے حجاج کے دونوں بیٹے، ابو جہل، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف قتل کر دیے گئے، سہیل بن عمرو کو قیدی بنا لیا گیا، عاصم ابن عدی کہتے ہیں: چنانچہ میں کھڑا ہوا اور ان کی جانب نکلا اور میں نے کہا: اے ابن رواحہ کیا یہ سچ بات ہے؟

([1]) یہ روایت الحاکم، المستدرک میں نکلتی ہے - کتاب: معرفۃ الصحابۃ - باب: کان زید بن حارثۃ أحبّ القوم إلی رسول اللہ ﷺ - رقم الحدیث (5012)۔ اور ابن إسحاق، السیرۃ (۲/ ۲۵۴) میں بھی موجود ہے

([2]) یہ روایت البیہقي، دلائل النبوۃ (۳/ ۱۳۰) میں اور ابن سعد، الطبقات (۱/ ۲۵۸) میں بھی وارد ہے۔

انہوں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم، اور کل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کو باندھ کر لے کر آئیں گے، اور پھر انہوں نے مدینہ کے بلندی والے حصے (عالیہ) پر موجود انصار کے گھروں کا ایک ایک کر کے چکر لگایا، اور بچے ان کے ساتھ ساتھ کہہ رہے تھے ابو جہل فاسق کو قتل کر دیا گیا یہاں تک کہ وہ بنو امیہ بن زید کے پاس پہنچ گئے[1]۔

حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

فما نخشى بحول الله قوما	وان كثروا وأجمعت الزحوف
اذا ما البوا جمعا علينا	كفانا حدهم رب رؤوف
سمونا يوم بدر بالعوالى	سراعا ما تضعضعنا الحتوف
فلم تر عصبه فى الناس انكى	لمن عادو اذا لقحت كشوف
ولكنا توكلنا وقلنا	مآثرنا ومعقلنا السيوف

([1]) دیکھیں: البداية والنهاية (۳/ ۳۲۳) اور دلائل النبوة للبيهقي (۳/ ۱۳۲)۔

لقيناهم بها لما سمونا ونحن عصابه وهم الوف[1]

فتح پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارکباد:

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم روحانامی مقام پر پہنچے، تو مسلمانوں کے سردار آپ سے ملے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ فتح پر مبارکباد پیش کی، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے آپ کو فتح نصیب کی اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں، اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے میرا پیچھے رہنا صرف اسی وجہ سے کیوں کہ مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ دشمنوں سے ملاقات کریں گے، میں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ ایک قافلہ ہے، اور اگر مجھے پتہ ہوتا کہ وہ دشمن ہیں تو میں پیچھے کبھی نہیں رہتا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: تم سچ کہتے ہو۔[2]

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ نبویہ میں اللہ کی تائید اور فتح کے ساتھ داخل ہوئے، اب مدینہ کے اندر اور باہر کے تمام دشمن آپ سے خوف کھانے لگے، اور مدینہ میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اسی وقت عبداللہ بن ابی ابن

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۳/ ۲۶)۔

([2]) دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۳۲۳)؛ دلائل النبوۃ للبیھقي (۳/ ۱۳۳).

سلول اور اس کے ساتھی بھی ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو گئے اور کفر کو چھپائے رکھا۔

قیدیوں کا معاملہ:

رہی بات قیدیوں کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا، اور کہا تھا: ان سے بھلائی کا معاملہ اپنانا[1]۔

چنانچہ صحابہ اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے۔

ابو عزیز مصعب بن عمیر کے بھائی کہتے ہیں جو کہ قیدی تھے: میں انصار کے کچھ لوگوں کے ساتھ تھا، جب انصار کے لوگ اپنے دوپہر یا شام کا کھانا نکالتے تو مجھے خصوصی طور پر روٹی دیا کرتے اور خود کھجور کھایا کرتے تھے، کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہمارے بارے میں وصیت کی تھی، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی شخص کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہوتا تو وہ ہمیں دے دیتا، وہ کہتے ہیں پھر مجھے حیا آتی اور میں ان میں سے ہی کسی کو واپس کر دیتا، تو وہ پھر اسے مجھے واپس دے دیتا اور چھوتا نہیں تھا[2]۔

([1]) یہ روایت الطبراني نے الصغیر والکبیر میں بیان کی، جیسا کہ المجمع (٦/ ٨٦) میں ہے، اور الھیثمي نے کہا: اس کا اسناد حسن ہے۔

([2]) یہ روایت الطبراني نے الصغیر والکبیر میں بیان کی، جیسا کہ المجمع (٦/ ٨٦) میں ہے، اور الھیثمي نے کہا: اس کا اسناد حسن ہے۔ نیز ابن إسحاق نے اسے السیرۃ (٢/ ٢٥٦) میں ذکر کیا۔

سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہ کا موقف:

سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہ خوف زدہ ہوئیں جب انہوں نے سہیل بن عمرو کے ہاتھوں کو رسی سے ان کے گردن تک باندھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: اے ابو یزید کیا تم نے اپنے ہاتھوں کو انہیں دے دیا کیا تم عزت کے ساتھ نہیں مر گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اے سودہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بھڑکا رہی ہو))۔

انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جب سے میں نے ابو یزید کو ان کے گردن کی طرف ان کے ہاتھ کو رسی سے بندھا ہوا دیکھا ہے، میں خود کو قابو میں نہ رکھ سکیں[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیوں سے متعلق اپنے صحابہ سے مشورہ:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کے سلسلے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے لگے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:.... جب لوگوں نے

([1]) یہ روایت الحاکم نے المستدرک - کتاب المغازي والسرايا - باب مشاورة الرسول - صلى اللہ علیہ وسلم - أصحابه في أسارى بدر - رقم الحديث (۴۳۶۱) میں بیان کی، اور کہا: یہ صحیح ہے شرط مسلم کے مطابق لیکن مسلم نے اسے نہیں نقل کیا، اور الذهبي نے اس کی توثیق کی۔ نیز ابو داود نے اسے سننہ - کتاب الجهاد - باب في الأسير يوثق - رقم الحديث (۲۶۸۰) میں ذکر کیا، اور ابن الأثير نے اسے جامع الأصول - رقم الحديث (۶۰۴۰) میں بیان کیا، اور اس کا اسناد حسن ہے۔

قیدیوں کو باندھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر اور عمر سے کہا تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہو؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے چچیرے بھائی ہیں خاندان کے لوگ ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں تاکہ کافروں کے خلاف اس سے ہمارے لئے طاقت ملے، ہو سکتا ہے اللہ رب العالمین اسلام کی طرف ہدایت دے دیں۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب تمہارا کیا خیال ہے؟

تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ابو بکر کا خیال ہے وہ میرا خیال نہیں ہے، میرا تو خیال یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دے اور ہم ان کی گردنیں اڑا دیں، چنانچہ آپ آپ علی کے حوالے عقیل کو کر دیں وہ ان کی گردن اڑا دی اور فلاں کو - عمر کے رشتہ دار - میرے حوالے کر دیں میں اس کی گردن اڑا دوں، تاکہ اللہ رب العالمین جان لے کہ مشرکوں کے لیے ہمارے دل میں کوئی محبت نہیں ہے، اور یہ تو ان کے سردار ان کے پیشوا اور ان کے کمانڈر ہیں۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر کی بات کی جانب جھکے اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی بات کو ناپسند کیا اور ان سے فدیہ لے لیا۔

عمر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: دوسرے دن صبح میں آیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کو بیٹھ کر روتے ہوئے پایا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے بتائیں کس چیز سے آپ اور آپ کے ساتھی رو رہے ہیں، اگر مجھے بھی رونا آیا تو میں بھی روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ دونوں کے رونے کے سبب رونے کی کوشش کروں گا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس وجہ سے رو رہا ہوں جو کل تمہارے ساتھیوں نے فدیہ لینے کی بابت مجھے مشورہ دیا تھا، تحقیق کہ مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے زیادہ قریب مجھے دکھایا گیا، آپ نے قریب موجود ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اور اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الاخرة والله عزيز حكيم لولا كتاب من الله سبق[1] لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم، فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا واتقوا الله ان الله غفور رحيم))[الأنفال: ٦٧-٦٩][2]۔

([1]) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۴/ ۹۰) میں فرمایا: یہاں مراد اس کتاب سے ہے جس میں اس امت کے لیے غنائم کا احلال بیان ہوا۔ یہ روایت انہوں نے ابو ہریرہ، ابن مسعود، سعید بن جبیر، عطاء، الحسن البصري، قتادہ اور الاعمش سے مروی بتائی ہے، اور یہ ابن جریر کا اختیار ہے، رحمہ اللہ تعالی۔ اس قول کی دلیل کے طور پر وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو البخاري (رقم الحدیث ۳۳۵) اور مسلم (رقم الحدیث ۵۲۱) نے صحیحین میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو کسی نبی کو مجھ سے پہلے نہیں ملتیں: مجھ پر ایک مہینے کے فاصلے کے خوف کے ذریعے مدد فرمائی گئی، زمین مجھے مسجد اور طہارت کے لیے بنائی گئی، غنائم میرے لیے حلال کی گئیں جو کسی سے پہلے نہیں کی گئیں، مجھے شفاعت دی گئی، اور نبی خاص طور پر اپنے قوم کے لیے بھیجے جاتے تھے جبکہ مجھے سب انسانوں کے لیے بھیجا گیا۔"

([2]) رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کے ساتھ غزوۃ بدر کے اسیران کے معاملے میں مشاورت کی روایات درج ذیل مصادر میں آئی ہیں:

اور حاکم کے یہاں حسن سند کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر سے کہا: ((قریب تھا کہ تمہاری مخالفت کی وجہ سے ہمیں آزمائش آپہونچے))[1]۔

ابن قیم رحمہ اللہ کی ابو بکر کی رائے کو ترجیح

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: لوگوں نے اس بارے میں گفتگو کی کہ دونوں رائے میں زیادہ درست کونسی رائے ہے ؟ ابو بکر کی رائے یا عمر کی رائے؟ تو ایک جماعت نے عمر رضی اللہ عنہ کا قول راجح قرار دیا ہے اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے اور دوسری گروہ کے لوگوں نے ابو بکر کی رائے کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ وہ حکم یوں ہی برقرار رہا اور اللہ رب العالمین کے سابقہ کتاب کی موافقت بھی ابھی اسی کے ذریعے سے ہوئی اور اللہ رب العالمین نے اسے ان کے لئے حلال قرار دیا، اور اور غضب پر غالب ہونے والی رحمت[2] کی موافقت بھی اس سے لازم آئی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

الإمام مسلم، صحیح مسلم - کتاب الجهاد والسیر - باب الإمداد بالملائکة فی غزوة بدر، رقم الحدیث: ۱۷۶۳۔ الإمام أحمد، مسنده - رقم الحدیث: ۲۰۸، ۱۳۵۵۵۔ ابن حبان، صحیحه - کتاب السیر - باب غزوة بدر، رقم الحدیث: ۴۷۹۳۔ الحاکم، المستدرک - کتاب التفسیر - باب شأن نزول قوله تعالی: {مَاكَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى}، رقم الحدیث: ۳۳۲۳۔ الطحاوي، شرح مشکل الآثار - رقم الحدیث: ۳۳۰۹۔

([1]) یہ حدیث الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، ضمن کتاب التفسیر، باب شأن نزول قوله تعالی: {مَاكَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى}، رقم الحدیث 3323۔

([2]) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (7554) اور مسلم نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (2751) اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (7299)، (8958) پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کی ہے کہ: " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالی نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ایک کتاب لکھا اور اسمیں لکھا کہ میری

اس بارے میں ان کی ابراہیم اور عیسی علیہ السلام سے تشبیہ دی اور عمر کی تشبیہ نوح اور موسی علیہ السلام سے دی[1]، اور اس عظیم خیر کا حصول ہوا جو ان میں سے بیشتر قیدیوں کے اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوا، اور اسی طرح سے ان کے پشت سے بہت سے مسلمان پیدا ہوئے، اور اس فدیہ کو لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو قوت بھی حاصل ہوئی۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ابتدا میں ابو بکر کی موافقت کے سبب بھی، اور اخیر میں ابو بکر کے لئے اللہ تعالی کی موافقت بھی ہوئی کیوں کہ انہیں کی رائے پر وہ معاملہ برقرار رہا، اور صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر کے کمال پر بھی کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ اللہ کا حکم اخیر میں کس بات پر برقرار رہا اور انہوں نے رحمت کے پہلو کو سزا کے پہلو پر غالب رکھا۔

لوگوں نے کہا: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا، اس کے ذریعہ سے دنیا چاہنے والوں پر عذاب کے نزول سے رحمت کے سبب تھا، اور ابو بکر کی وہ خواہش ہرگز نہ تھی،

رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے"، اور ایک روایت میں ہے کہ:" میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی ہے تو وہ اللہ کے پاس عرش کے اوپر لکھا ہوا ہے"۔

([1]) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف سند کے ساتھ حدیث نمبر (3632) پر ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"بے شک اپ کی مثال اے ابو بکر ابراہیم کی مثال کی طرح ہے انہوں نے کہا تھا:"فمن تبعني فإنه مني ومن عصاني فإنك غفور رحيم"(ابراهيم: 36) اور اے ابو بکر تمہاری مثال عیسی کی طرح ہے انہوں نے کہا تھا:"إن تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم"(المائدة: 118) اور اے عمر تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی طرح ہے انہوں نے کہا تھا:"رب لا تذر على الأرض من الكافرين ديارا"(نوح: 26) اور اے عمر تمہاری مثال موسی علیہ السلام کی طرح انہوں نے کہا تھا:"واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الأليم"(یونس:88)۔

اگرچہ بعض صحابہ کو اس کی خواہش رہی ہو تو فتنہ عام ہوتا ہے اور جو چاہنے والے ہیں خصوصی طور پر ان پر وہ عذاب نازل نہیں ہوتا، جیسے کہ پوری لشکر حنین کے دن ان میں سے ایک کے یہ کہنے کی وجہ سے شکست خوردہ ہوئی کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے، اور ان میں سے بعض کے اپنی کثرت سے عجب کے شکار ہونے کے سبب، اس وجہ سے آزمائش اور فتنے کے طور پر پورے لشکر کو شکست کا سامنا کرنا پڑا پھر کامیابی اور نصرت پر معاملہ برقرار ہوا، واللہ اعلم[1]۔

فدیہ کے حکم کا منسوخ ہونا اور اس کا امام کے سپرد کیا جانا:

ابتدائے اسلام میں فدیہ لینا جائز تھا سر اس کے بعد قتل کرنے یا فدیہ لینے یا احسان کرنے کا اختیار امام کو دے دیا گیا عورتوں اور بچوں کے علاوہ ، کیونکہ ان کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اگر وہ جنگ لڑنے والے نہ ہوں[2] اللہ تعالی کا فرمان ہے: ((فـــاذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما من بعد واما فداء حتى تضع الحرب اوزارها))[محمد: ٤]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قیدیوں کے سلسلے میں جمہور علماء کے نزدیک یہی حکم ثابت ہے کی امام ان کے بارے میں اختیار دیا گیا ہے چاہے تو قتل کر دے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے ساتھ کیا اور چاہے تو مال لے کر فدیا لے

([1]) دیکھیے: زاد المعاد (۱۰۱/۳)۔

([2]) دیکھیے: المغنی از ابن قدامہ (372/8) ۔

لے جیسا کہ بدر کے قیدیوں، اور مسلمانوں میں سے قید کیے گئے لوگوں کے ساتھ کیا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی اور اس کی بیٹی کے بارے میں کیا جو دونوں بنو سلمہ بن اکوع کے قیدیوں میں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا اور مشرکوں کے پاس موجود مسلمانوں[1] کو ان کے بدلے میں لے لیا اور اگر چاہے تو قیدی کو غلام بنالے۔[2]

اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس بارے میں ہمارے نزدیک درست بات یہ ہے کہ آیت: ((فاما من بعد واما فداء)) محکم ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ ناسخ اور منسوخ کی صفت ہم نے اپنی کتاب میں کئی جگہ پر واضح کیا ہے، وہ یہ کہ جب ایک حالت میں دونوں حکموں کا جمع درست نہ ہو، یا کوئی ایسی حجت قائم ہو کہ دونوں میں سے ایک کسی کے لیے ناسخ ہے، اور اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ احسان کرنے فدیہ لینے اور قتل کرنے کا اختیار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد امت کے معاملے کا باگ ڈور تھامنے والے کو دیا گیا ہو، اگرچہ اس آیت میں قتال کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ ان کے قتل کی اجازت دوسری آیت میں دی گئی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ((فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم))[التوبۃ: ٥]۔ بلکہ یہ اسی طرح سے ہے کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح

([1]) جاریۃ اور اس کی بیٹی کا واقعہ روایت کیا گیا ہے: امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب النفل وفداء مسلمانوں بالأساری - حدیث نمبر (1755).

([2]) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (جلد ٤، صفحہ ٩١).

سے جنگ میں اپنے ہاتھ لگے قیدیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ آپ بعض کو قتل کرتے بعض سے فدیہ لیتے اور بعض پر احسان کرتے، جیسا کہ بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ کیا تھا جسے قیدی بنا کر لایا گیا تھا، اور بنو قریظہ [1] کے لوگوں کو قتل کر دیا تھا حالانکہ وہ سعد بن معاذ کے حکم پر اتر چکے تھے، اور وہ آپ کے پاس سلامتی کے ساتھ تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فدیہ لینے اور ان پر احسان کرنے پر بھی قادر تھے، اور آپ نے بدر میں قیدی بنائے گئے کچھ مشرکوں کی جماعت سے فدیہ بھی لیا، اور آپ نے ثمامہ بن اثال حنفی پر احسان کیا جب کہ وہ آپ کے ہاتھ میں قیدی کے طور پر آئے تھے [2]، اور جنگ کرنے والوں کے سلسلے میں آپ کی سیرت میں میں یہی برابر ثابت رہا جب سے اللہ رب العالمین نے ان سے لڑنے کی اجازت دی تھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ان کے بارے میں آپ کا یہی طریقہ کار تھا [3]۔

([1]) رسول اللہ ﷺ کے بنی قریظۃ کے قتل کی حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ کتاب المغازی۔ باب: مرجع النبي ﷺ من الأحزاب۔ رقم الحدیث (4121) و(4122)۔ اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ کتاب الجهاد والسير۔ باب: جواز قتال من نقض العهد۔ رقم الحدیث (1768)۔

([2]) رسول اللہ ﷺ کا ثمامۃ بن اثال پر احسان کرنے سے متعلق حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ کتاب المغازي۔ باب: وفد بني حنيفة وحديث ثمامة بن أثال۔ رقم الحدیث (4372)۔ اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ کتاب الجهاد والسير۔ باب: ربط الأسير وحبسه۔ رقم الحدیث (1764)۔

([3]) مزید دیکھیں: کلام امام ابن جریر الطبری در تفسیرہ جامع البیان (جلد 11، صفحہ 307)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: بعد اس کے انہوں نے قیدیوں کے بارے میں علماء کے تمام اقوال ذکر کیے کہا: تو وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جمہور کے قول کو ترجیح دی جائے، بے شک یہ امام کے رائے پر منحصر ہے[1]۔

قیدیوں کا فدیہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کا فدیہ ان کے مال کے مطابق لگایا، جس کے پاس فدیہ دینے کی استطاعت نہ تھی اور وہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فدیہ بنایا کہ وہ انصار کے اولاد کو لکھنا اور پڑھنا سیکھائے، اور جب وہ ہوشیار ہو جائیں تو وہ ان کے لیے فدیہ ثابت ہوں گے، اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس مال نہیں تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے ان پر احسان کرتے ہوئے بغیر فدیہ لیے انہیں آزاد کر دیا۔

ابو نعیم نے دلائل میں حسن سند کے ساتھ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بدر کا دن تھا تو 70 لوگ قیدی بنائے گئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کا فدیہ چالیس اوقیہ قرار دیا[2]۔

([1]) دیکھیے: فتح الباری (جلد 6، صفحہ 262)۔

([2]) اسے أبو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا (جلد 2، صفحہ 477) —اور اس کے سند کو الحافظ نے الفتح میں حسن قرار دیا (جلد 8، صفحہ 58)۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے: کہتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں میں سے کچھ لوگوں کے پاس فدیہ دینے کے لیے کچھ نہ تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ قرار دیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھائیں[1]۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا پڑھنا سکھانے کو فدیہ کے طور پر اس وقت قبول کرنا جبکہ آپ کو مال کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس سے ہمیں اسلام کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، کیوں کہ اس کی نظر میں علم اور معرفت کا کیا مقام ہے اور وہ کس طرح سے جہالت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اس دین کے لیے جس کتاب میں سب سے پہلی وحی یہ نازل ہوئی: ((اقرا باسم ربك الذى خلق خلق الانسان من علق اقرا وربك الاكرم الذى علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم))[العلق: ١-٥]۔

اور پھر اس میں قرآن و سنت کے نصوص مشہور ہوئے علم کی ترغیب علماء کے مقام کی وضاحت کے سلسلے میں، اور اس عظیم عمل کے ذریعے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے شخص مانے جائیں گے جنہوں نے جہالت کو ختم کرنے اور پڑھائی لکھائی کی نشر واشاعت کی بنیاد رکھی، اس سلسلے میں پہلا قدم اسلام کا ہے[2]۔

([1]) اسے امام أحمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر 2216۔

([2]) ملاحظہ کریں: السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة (جلد 2، صفحات 164–165)۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کچھ لوگوں سے فدیہ لیے بغیر ان پر احسان کیا:

جن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کرتے ہوئے بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیا، انہی میں سے: مطلب بن حنطب، صیفی ابن ابی رفاعہ بھی تھے، رہی بات ابو عزہ جمحی کی تو وہ فقیر تھے ان کے پاس کی بیٹیاں تھیں، تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ نے میرے مال کے بارے میں جان لیا اور یہ کہ میں حاجت مند اور اہل و عیال والا شخص ہوں، آپ مجھ پر احسان کر دیجیے چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان کیا اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ آپ سے قتال نہ کریں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے، اور نہ ہی آپ کے خلاف کبھی بھی تکثیر کریں گے، چنانچے اس نے آپ کے لئے کسی بھی وعدے کو پورا نہ کیا، اور مشرکوں نے اس کے عقل کے ساتھ کھلواڑ کیا وہ ان کی جانب واپس ہو گیا اور پھر دوبارہ احد والے دن قیدی بنا دیا گیا، تو اس نے کہا: اے محمد آپ مجھ پر احسان کیجئے، اور اس نے اپنی فقیری اور اہل و عیال کا تذکرہ کیا تو نبی پاک صلی وسلم نے فرمایا: ((میں تمہیں مکہ جا کر اپنے رخسار کو پوچھنے کے لئے نہ چھوڑوں گا، تم یہ کہتے پھرو گے کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ مذاق کا

شکار بنایا، ایک مومن ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا[1]، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور احد والے دن اسے قتل کر دیا گیا[2]۔

قیدیوں میں سے سب سے پہلے فدیہ کس نے دیا:

بدر کے قیدیوں میں سے سب سے پہلے ابو وداعہ حارث بن ضبیرہ سہمی کا فدیہ لیا گیا، اس کے بیٹے مطلب نے اس کا فدیہ ادا کیا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: بے شک مکہ میں اس کا ہوشیار[3] تاجر مالدار بیٹا ہے، اور گویا وہ تمہارے پاس اپنے والد کی آزادی طلب کرنے آیا ہوا ہے)) تو ایسا ہی ہوا اور جب قریش نے کہا: اور تم اپنے قیدیوں کا فدیہ دینے میں جلد بازی نہ کرو جب تک کہ محمد تمہیں اس کے سلسلے میں سختی نہ کرے، اور اس کے ساتھی تمہارے ساتھ سختی نہ کریں، تو مطلب بن ابو وداعہ نے کہا: تم نے سچ کہا، جلدی نہ کرو اور وہ رات میں جلدی سے نکلا اور مدینہ آ گیا، اور اپنے والد کو چار ہزار درہم دے کر آزاد کروالیا، اور اسے لے کر مکہ واپس ہو گیا[4]۔

([1])لفظ "لایلدغ المؤمن من جُحر مرتین" کی روایت: البخاری، صحیحہ، کتاب الأدب، باب: لایلدغ المؤمن من جُحر مرتین، رقم الحدیث: 6133۔ مسلم، صحیحہ، کتاب الزہد والرقائق، باب: لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین، رقم الحدیث: 2998۔ الإمام أحمد، مسند، رقم الحدیث: 5964۔

([2])أبی عزّۃ الجمحی کی کہانی کے لیے دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 3، صفحہ 69) البدایۃ والنھایۃ (جلد 3، صفحہ 313)

([3])اور اس میں وہ حدیث بھی شامل ہے جو امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے – حدیث نمبر 17123 – ضعیف سند کے ساتھ، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: "چالاک وہ ہے جو اپنی نفس پر قابو پائے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے۔"

([4])یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے – حدیث نمبر 23864 – ضعیف سند کے ساتھ۔ نیز ملاحظہ ہو: البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۳۲۸) اور سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۲٦۰)۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ فدیہ دے کر آزاد ہونے والا پہلا قیدی تھا[1]۔

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کا فدیہ:

قیدیوں میں سے سہیل بن عمرو بھی تھے، جو کہ بہت ہی ماہر خطیب بھی تھے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اجازت دیں میں سہیل بن عمرو کے دونوں جبڑے اکھاڑ دوں جن سے یہ اپنی زبان دراز کرتا ہے، تاکہ وہ کبھی بھی کسی جگہ آپ کے خلاف خطبہ دینے کیلئے کھڑا نہ ہو سکے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے ان کی بات نہ مانی اور کہا: ((ہو سکتا ہے ان کا ایک مقام ہو تو ان کی برائی نہ بیان کرو)) [2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو مقام سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ملا وہ یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ مکہ میں تھے، اور عرب میں سے جنہیں مرتد ہونا تھا وہ مرتد ہو گئے، اور مدینہ وغیرہ میں نفاق کا دور دورہ ہوا، تو مکہ میں کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطاب کیا اور انہیں دین حنیف پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی[3]۔

([1])مزید ملاحظہ ہو: البداية والنهاية (٣/ ٣٢٨)۔

([2])دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٢٦٠) – البداية والنهاية (٣/ ٣٢٩) – الإصابة (٣/ ١٧٨)۔

([3])دیکھیں: البداية والنهاية (٣/ ٣٢٩)۔

اور جس نے سہیل بن عمرو کا فدیہ دے کر انہیں آزاد کرایا تھا وہ مکرز بن حفص بن اخیف تھا[1]۔

ابوالعاص ابن الربیع کا فدیہ:

اور قیدیوں میں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد زینب بنت رسول کے شوہر ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور وہ اب تک شرک کی حالت پر تھے، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا کہتے ہیں: ((جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کی فدیہ بھیجے تو اللہ کے رسول کی بیٹی زینب نے بھی ابوالعاص بن ربیع کی فدیہ کے طور پر مال بھیجا تھا، اس میں انہوں نے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک ہار بھی بھیجا تھا، جو انہوں نے اپنی بیٹی کو دے کر ابوالعاص ابن الربیع کے ساتھ رخصتی کے وقت بھیجا تھا، وہ کہتی ہیں: جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو آپ پر اس کے سبب بہت زیادہ رقت طاری ہوئی، اور کہا اگر تم چاہو تو اس کے لئے اس کے قیدی کو آزاد کر دو اور اس کا مال لوٹا دو تو ایسا ضرور کرو، تو لوگوں نے کہا: ہاں! اے اللہ کے رسول صلی

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۲٦۰) – البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۳۲۹)۔

اللہ علیہ وسلم چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور ان کا مال ان کو واپس کر دیا[1]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص بن ربیع سے ایک عہد وپیمان لیا تھا کہ وہ آپ کی طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب کو واپس بھیج دیں، کیونکہ وہ ابوالعاص بن ربیع کی بیوی تھیں، اور وہ مکہ ہی میں رہ گئی تھی انہوں نے ہجرت نہ کیا تھا۔

امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور حاکم نے جید سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم جب مدینہ آئے، تو ان کی بیٹی مکہ سے بنو کنانہ کے ساتھ نکلیں، وہ لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے نکلے اور وہ پیٹ سے تھی کہ ہبار بن اسود نے انہیں پالیا، تو وہ لگاتار اپنے برچھی سے ان کے اونٹ کو مارتا رہا یہاں تک کہ انہیں گرادیا، اور اس کی وجہ سے ان کے پیٹ کا بچہ مر گیا اور خون بہہ پڑا، اور انہیں لے کر چلا، اس کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو امیہ میں لڑائی شروع ہو گئی، بنو امیہ نے کہا ہم اس کے تم سے زیادہ حقدار ہیں وہ اپنے چچیرے بھائی ابو العاص بن ربیع بن عبد شمس کے عقد میں تھیں، چنانچہ وہ ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ کے پاس رہیں اور ہند اس سے کہا کرتی تھیں یہ تمہارے والد کے سبب ہوا، اللہ کے رسول

([1])اس حدیث کو امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (٢٦٣٦٢)؛ اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں - حدیث نمبر (٤٧٠٨)؛ اور ابو داؤد نے سنن میں - کتاب الجهاد، باب: "في فداء الأسير بالمال"، حدیث نمبر (٢٦٩٢)۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم کیوں نہیں جا کر زینب[1] کو لے کر آتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: تو تم میری انگوٹھی لو اور یہ انہیں دیدینا۔ چنانچہ زید رضی اللہ تعالی عنہ چلے اور وہ اپنے اونٹ کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے رہے اور انہوں نے اپنے اونٹ کو چھوڑا یہاں تک کہ ایک چرواہے کے پاس گئے اور اس سے کہا: تم کس کے چرواہے ہو تو اس نے کہا ابو العاص بن الربیع کا، اس نے کہا یہ بکریاں کس کی ہیں اس نے کہا: زینب بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ مگ تو وہ اس کے ساتھ کچھ دیر تک چلے پھر اسے کہا کیا اگر میں تمہیں کچھ چیز دوں جو تم انہیں دے دو اور کسی سے نہ کہوں تو ایسا کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں، چنانچہ انہوں نے اس کو وہ انگوٹھی دے دیں اور چرواہا چلا گیا اور اپنی بکریوں کو داخل کیا اور انہیں انگوٹھے دیا تو وہ پہچان گئیں، تو انہوں نے کہا یہ انگوٹھی تمہیں کس نے دی ہے اس نے کہا ایک شخص نے انہوں نے کہا تم نے انہیں کہا چھوڑا ہے، انہوں نے کہا کہ فلاں فلاں جگہ، چنانچہ وہ پر سکون ہوئیں جب رات ہوئی تو ان کی طرف نکل گئیں، تو زید نے ان سے کہا: میرے سامنے بیٹھ جاؤ تو انہوں نے کہا نہیں تم پہلے سوار ہو چنانچہ وہ سوار ہوئے اور وہ ان کے پیچھے سوار ہو گئی یہاں تک کہ نبی

([1])امام الطحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار (۱/ ۱۳۵) میں فرمایا: ہم نے غور کیا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے زید کو زینب کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت زید رسول اللہ ﷺ کے تبنی شدہ بیٹے تھے، اس لیے لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہ حالت اس وقت تک جاری رہی جب تک اللہ تعالی نے اس تبنی کے حکم کو منسوخ نہ کر دیا اور زید کو بنوت (پدری تعلق) سے نکال دیا۔ لہٰذا، جو حکم رسول اللہ ﷺ نے زید کو زینب کے بارے میں دیا اور جس میں ہر ایک کو اپنے ساتھی کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دی گئی، وہ پہلے کے حکم کے مطابق تھا، کیونکہ زید اس وقت زینب کا "بھائی" تھا۔ اس لیے زینب کے لیے یہ محرم تھا، مگر زید کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اس کے ساتھ سفر کرے، بالکل ویسے ہی جیسے حقیقی بھائی کسی بہن کے ساتھ سفر کر سکتا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم پاس آگئیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے یہ میری سب سے افضل بیٹی[1] ہیں جنہوں نے میری وجہ سے پریشانیوں کا سامنا کیا[2]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے شوہر ابو العاص بن ربیع کی تعریف کیا کرتے تھے، اور کہتے تھے: ((انہوں نے مجھ سے گفتگو کی تو سچ بولا اور مجھ سے وعدہ کیا تو پورا کیا)) [3]۔

ہبار بن اسود کا معاملہ:

رہی بات ہبار بن اسود کی جس نے زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو مارا تھا جس سے وہ گر پڑی تھی، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ جو اسے پائے وہ اس کو آگ سے جلادے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

([1]) الحافظ نے الفتح (٧/ ٤٧٧) میں فرمایا: جہاں تک طحاوی اور دیگر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ زید بن حارثہ کے ساتھ زینب بنت رسول اللہ ﷺ مکہ سے آئی، اور آخر میں کہا: "یہ میری سب سے افضل بیٹی ہے جو مجھ میں نصیب ہوئی"، اس کا جواب بعض علما نے یہ دیا کہ یہ واقعہ پہلے کا تھا، یعنی یہ اس وقت کا واقعہ تھا جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وہ بلند مرتبہ اور کمال حاصل نہیں تھا۔ اللہ تعالی نے فاطمہ کو ایسی سنّتی اور کامل خصوصیات عطا کیں جو اس امت کی کسی بھی اور عورت کو کبھی نصیب نہیں ہوئیں، واللہ اعلم۔

([2]) طحاوی رَحِمَہُ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (١٤٢) - اور الحاکم نے المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم میں روایت کی - باب: زید بن حارثۃ کا مکہ سے زینب کو لانے جانا - حدیث نمبر (٦٩١٩)۔ الحافظ نے اسے الفتح (٧/ ٤٨١) میں ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کا سلسلہ سند صحیح اور مضبوط ہے۔

([3]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: کتاب الفضائل، باب ذکر أصھار النبي صلی اللہ علیہ وسلم: منھم أبو العاص بن الربیع - حدیث نمبر (٣٧٢٩)۔ اور اسی حدیث کو کتاب الشروط، باب الشروط في المھر میں بھی ذکر کیا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل فاطمۃ - حدیث نمبر (٢٤٤٩) (٩٥)۔ الطحاوی نے بھی اسے شرح مشکل الآثار میں روایت کیا - حدیث نمبر (٤٩٨٧)۔

کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور کہا اگر تم فلاں اور فلاں کو پانا تو اسے آگ سے جلا دینا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جب ہم نکلنا چاہ رہے تھے: ((میں نے تمہیں فلاں اور فلاں کو جلانے کا حکم دیا تھا، آگ سے اللہ کے علاوہ کوئی عذاب نہیں دے سکتا تو اگر تم انہیں پاؤ تو قتل کر دینا)) [1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: ((ابو داود کے یہاں ایک روایت میں صحیح سند کے ساتھ نبی صلی وسلم کا یہ فرمان ہے: ((اگر تم فلاں کو پانا تو اسے آگ سے جلا دینا)) [2]، اسی طرح مفرد کے ساتھ وارد ہے، تو گویا ہبار ابن اسود کا ذکر بنیادی طور پر تھا اور دوسرے لوگوں کا ذکر ان کے تابع تھا[3]۔

اور سعید بن منصور نے ابن عیینہ کے حوالے سے ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے کہ ہبار بن اسود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب کو تکلیف پہنچائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور کہا اگر تم اس کو پاؤ تو لکڑیوں کے گٹھر کے درمیان رکھ کر اس پہ آگ جلا دینا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بے شک میں اللہ تعالی

([1]) اسے البخاري نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب الجهاد والسير - باب: لا يعذب بعذاب اللہ - حدیث نمبر (٣٠١٦).
([2]) اسے ابو داود نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے - کتاب الجهاد - باب: في كراهية حرق العدو بالنار - حدیث نمبر (٢٦٧٣).
([3]) دیکھیں: فتح الباري (٦/ ٢٥٨).۔

سے حیا محسوس کرتا ہوں کہ کسی کے لیے اللہ کے عذاب سے عذاب دینا مناسب نہیں ہے))[1]۔

چنانچہ اس لشکر کو ہبار بن اسود نہ ملے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خون کو ہدر قرار دیا، پھر بھی انہیں کسی نے نہ پایا، پھر وہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا، اور معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک انہوں نے زندگی گزاری[2]۔

عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا فدیہ:

عباس ابن عبد المط لب رضی اللہ عنہ قیدیوں کے درمیان تھے، انہیں ابو یسر ابن عمرو خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

اور عباس رضی اللہ عنہ لمبی قامت کے آدمی تھے[3]، جب انہیں مدینہ میں قیدی بنا کر لایا گیا تو انصار کے لوگوں نے ان کو پہنانے کے لئے کپڑا تلاش کیا مگر کوئی کپڑا ان کے لائق نہیں ملا، سوائے عبد اللہ بن ابی سلول منافق کے کپڑے کے، تو انہوں نے انہیں اسی کا کپڑا پہنا دیا، اور یہ وہی قمیص تھی جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

([1]) الحافظ نے اسے فتح الباري میں ذکر کیا ہے (٦/ ٥٥٩) - اور اس پر خاموش رہے - اور دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٢٦٨).

([2]) دیکھیں: فتح الباري (٦/ ٢٥٩).

([3]) امام الذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں (٢/ ٧٩) عباس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں لکھا: وہ مردوں میں سب سے لمبا تھا، اور شکل و صورت میں بہترین، باوقار، اور آواز میں بلند و واضح، ساتھ ہی علم و حلم میں بھرپور اور عظمت و جلال والا تھا۔

نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کی وفات کے بعد اسے دفن کیا تھا، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب بدر کا دن تھا تو قیدیوں کو لایا گیا اور انہیں کے ساتھ عباس کو بھی لایا گیا، ان پر کوئی کپڑا نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے کوئی کپڑا تلاش کیا، تو انہیں عبداللہ بن ابی ابن سلول کا کپڑا ملا جو انہیں مناسب ہوتا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا کپڑا نہیں پہنا دیا، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا وہ کپڑا جو لوگوں نے پہنایا تھا نکال دیا[1]۔

رہی بات عباس رضی اللہ عنہ کے فدیہ کی تو امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس سے فرمایا: اے عباس تم اپنا اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عدم کا فدیہ دے دو))۔ جو کہ بنو حارث ابن فہر کا ایک شخص تھا، وہ کہتے ہیں: انہوں نے انکار کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول میں مسلمان تھا[2] لیکن قوم کے لوگوں نے مجھے مجبور

([1]) الحافظ نے فتح الباري میں کہا (٦/ ٢٥٢): یعنی یہ بات عبداللہ بن أبي بن سلول کے لیے ہے جب اسے دفن کیا گیا۔ اور یہ حدیث البخاری نے اپنے صحیح میں ذکر کی ہے۔ کتاب الجهاد والسير۔ باب: "قیدیوں کے لیے کپڑے"۔ رقم حدیث (٣٠٠٨)۔

([2]) الحافظ نے فتح الباري میں کہا (٣/ ٥٨٤) (٧/ ٤٤٢): العباس -رضي اللہ عنہ- کے اسلام کے وقت میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے، اور نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- نے مسلمانوں کے مفاد کے لیے انہیں اس موقع پر رہنے کی اجازت دی۔ ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات (٤/ ٣٢٣) میں ابن عباس کے روایت سے یہ ذکر کیا ہے، اور اس کی سند میں کلبي ہے جو متروک ہے۔ اس کے مقابلے میں کہا گیا کہ العباس بدر میں قیدی ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی جان فدی کی۔ ابو رافع -رضي اللہ عنہ- کے بدر کی کہانی میں قول: "اسلام ہمارے اہل بیت میں داخل ہو گیا"، یہ العباس کے اس وقت اسلام لانے کا ثبوت نہیں، کیونکہ وہ بدر کے دن

کر کے اپنے ساتھ لایا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی تمہارے اسلام کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں اگر جو دعویٰ کرے وہ سچ ہے تو اللہ رب العالمین اس کے بدلے تمہیں بدلہ دے گا، رہی بات تمہارے ظاہری معاملے کی تو ہمارے پاس ہے تو تم اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لئے فدیہ دو، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیس اوقیہ [1] سونا لیا ہوا تھا، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم اسے میرے فدیہ میں حساب کر لو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں وہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ نے تمہارے ذریعے ہمیں دیا ہے، عباس نے کہا کہ تب میرے پاس اس کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مال کیا ہے جو تم نے مکہ میں رکھا ہوا ہے نکلتے وقت، ام الفضل بنت حارث [2] کے پاس اور تمہارے پاس تم دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے، اور تم نے کہا: اگر میں اپنے اس سفر میں مر گیا تو فضل کا اتنا ہوگا اور قثم کو اتنا ہوگا اور عبد اللہ کو اتنا ہوگا، انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم

قیدی تھے، اپنی جان اور اپنے بھتیجے عقیل کو فدی کیا تھا۔ اور چونکہ وہ فتح سے پہلے ہجرت نہیں کر چکے تھے، عمر۔ رضي اللہ عنہ۔ نے انہیں اہلِ شوری میں شامل نہیں کیا، حالانکہ وہ ان کے فضل اور معرفت سے واقف تھے۔ مشہور قول یہ ہے کہ وہ خیبر کے فتوحات سے پہلے مسلمان ہوئے، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو انس۔ رضي اللہ عنہ۔ سے روایت ہے، جس میں الحجاج بن علاط کی کہانی بیان ہوئی ہے۔ میرا کہنا ہے: الحجاج بن علاط کی کہانی غزوۃ خیبر کے حالات میں آگے آئے گی، ان شاء اللہ۔

(1) الأوقیۃ: چالیس درہم۔ دیکھیں: النھایۃ (۱/ ۸۱)۔

(2) أم الفَضْل: وہ العباس۔ رضي اللہ عنہ۔ کی زوجہ ہیں، اور ان کا نام لبابۃ بنت الحارث الھلالیۃ ہے۔ وہ مسلمان ہو چکی تھیں، اور وہ میمونۃ، زوج رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی بہن تھیں۔ دیکھیں: الإصابۃ (۸/ ٤٤٩)۔

جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، یہ بات لوگوں میں سے میرے اور اس کے علاوہ کسی نے نہیں جانا تھا، اور میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[1]۔

اور ابو نعیم نے دلائل میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب بدر کا دن تھا تو 70 لوگوں کو قیدی بنایا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کا فدیہ 40 اوقیہ سونا بنایا، اور اپنے چچا عباس کا فدیہ سو اوقیہ بنایا، اور عاقل کا اسی[2]۔

عباس سے انصار کا موقف:

اور انصار کے کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، کہ ان کا فدیہ چھوڑ دیا جائے تو نبی صلی اللہ وسلم نے انہیں اجازت نہ دی، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ انصار سے کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور کہا، آپ ہمیں اجازت دے اور ہم اپنے بھانجے[3] عباس کا فدیہ

([1]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں نقل کی ہے - حدیث نمبر (٣٣١٠) - اور الحاکم نے المستدرک میں، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب ذکر فداء العباس یوم بدر میں، حدیث نمبر (٥٤٦٠) - اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں بھی نقل کی ہے (٢/ ٤٠٩)۔

([2]) ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں بھی روایت کی ہے (٢/ ٤٧٧) - اور الحافظ نے اسے فتح الباري میں ذکر کیا ہے (٨/ ٥٨) اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

([3]) ان کا قول: "ابن اختنا عباس": الحافظ نے فتح میں فرمایا (٨/ ٥٧) (٥/ ٤٧٤): یعنی عبد المطلب کا بیٹا۔ اور أم العباس (عباس کی والدہ) انصار میں سے نہیں تھیں، بلکہ ان کی دادی أم عبد المطلب انصار سے تھیں۔ اس لیے انہوں نے عباس کی دادی کو انصار کی بہن کہا، اور

چھوڑ دیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم تم انسے ایک درہم بھی نہیں چھوڑوں گے[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اور حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس کا فدیہ معاف نہیں کیا کیوں کہ آپ کو یہ خدشہ تھا کہ یہ آپ کے لیے ایک عیب بن جائے گا، کیونکہ وہ آپ کے چچا تھے نہ کہ صرف وہ عورتوں کی طرف سے ان کے رشتہ دار تھے، اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قریبی شخص کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کے دوسرے قریبی رشتے دار کو تکلیف ہو، اور اگرچہ باطن میں جو تکلیف دے رہا ہے وہ ناپسند کرتا ہو، انصار کی طرف سے ان کے فدیہ کو معاف کرنے کرنے کی پیشکش کو چھوڑنا ایسا کام کرنے والے کے لیے تادیب کے طور پر ہے[2]۔

ایک آیت کا نزول

پھر اللہ رب العالمین نے اپنا یہ فرمان نازل کیا: ((یا ایها النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری یعلم الله فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم ویغفر لکم والله غفور رحیم))[الانفال: ۷۰]۔

عباس کو ان کا بیٹا کہا۔ دادی کا نام سلمی بنت عمرو بن زید بن النجار تھا، جو بنی الخزرج سے تھیں۔ یہ بات فہمی اور ادبی نزاکت کی دلیل ہے کہ رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ان کے جواب سے اجتناب فرمایا تاکہ دین میں کسی قسم کی محاباتی رویہ نہ پیدا ہو۔

(1) یہ حدیث بخاری نے صحیح میں نقل کی ہے۔ کتاب المغازي۔ باب (۱۲) - حدیث نمبر (٤٠١٨)۔

(2) دیکھیں: فتح الباري (۸/ ٥٨)۔

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو اللہ رب العالمین نے مجھے ان بیس اوقیہ کے بدلے میں اسلام کی حالت میں 20 غلام دیے، ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں مال تھا جس کا وہ مالک تھا اور تجارت کرتا تھا، اس کے ساتھ مجھے اللہ رب العالمین سے مغفرت کی امید بھی تھی[1]۔

اور ابن نعیم کے یہاں دلائل میں حسن سند کے ساتھ ایک روایت میں ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے اس کا دوگنا لے لیتے پس اللہ رب العالمین نے مجھے اس سے بہتر عطا کیا ہے[2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مسجد میں پھیلا دو، اور وہ مال اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کے پاس لائے جانے والے مالوں میں سب سے زیادہ تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نماز کے لیے نکلے اور آپ اس کی جانب متوجہ نہ ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی تو آئے اور اس کے پاس بیٹھے، تو آپ جس کو بھی دیکھتے اس کو اس میں سے دیتے، اسی وقت عباس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول مجھے بھی دے دیجئے، کیوں کہ

---

(1) یہ حدیث الحاکم نے المستدرک میں نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا۔ کتاب: معرفۃ الصحابۃ۔ باب: ذکر فداء العباس یوم بدر۔ حدیث نمبر: ٥٤٦٠۔ اور اس کا اسناد حسن ہے۔

(2) یہ حدیث أبو نعیم نے دلائل النبوۃ (٢/ ٤٧٧) میں بھی روایت کی ہے۔

میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: لے لو، انہوں نے اپنے کپڑے میں بھرا پھر اسے اٹھانے لگے مگر نہ اٹھا سکے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ بعض لوگوں کو حکم دے میری مدد کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، انہوں نے کہا: تو آپ میرے اوپر اسے لاد دیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تو انہوں نے اس میں سے کچھ حصہ نیچے رکھا پھر اٹھانے لگے، تو کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ان میں سے کچھ لوگوں کو حکم دیجیے کہ اسے اٹھائیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے کہا آپ ہی اٹھا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، چنانچہ انہوں نے اس میں سے کچھ حصہ نیچے رکھا پھر اس کو اٹھایا اور اپنے پیٹھ پر رکھا پھر چل پڑے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم برابر ان پر نظر رکھے رہے یہاں تک کہ وہ ہم سے چھپ گئے ان کی لالچ پر تعجب کرتے ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھے جب تک وہاں کوئی درہم بچا ہو[1]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کا بیان، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے چاہے وہ زیادہ ہو یا تھوڑا۔

([1]) یہ حدیث البخاري نے صحیح البخاري میں نقل کی- کتاب: الصلاۃ- باب: القسمۃ وتعلیق القِنْو في المسجد- حدیث نمبر: ٤٢١۔

2-اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ مصلحتوں والے مال ان کے مستحقین تک پہنچادے اور اس میں تاخیر نہ کریں۔

3-اور اس میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ مال فے میں سے قرابت داروں کا حصہ صرف ان میں سے فقیروں کے لئے خاص نہیں ہے کیونکہ عباس مال داروں میں سے تھے۔

4-اور اس سے اس بات کا بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ جس کا نفع عام ہو اس کو مسجد میں رکھا جاسکتا ہے، جیسے پیاسے کے پینے کے لئے پانی، واللہ اعلم[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا عباس کا احترام:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چچا عباس کا احترام کیا کرتے تھے، چنانچہ امام احمد اپنی مسند میں اور ابن حبان اپنی صحیح میں حسن کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نخاسین نامی بازار کی جگہ پر ایک لشکر کو تیار کر رہے تھے، اسی وقت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ آئے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عباس تمہارے نبی کے چچا

---

(1) دیکھیں: فتح الباري (٢/ ٧٩) اور (٦/ ٤٠٥)۔

ہیں، قریش کے لوگوں میں سب سے زیادہ سخی اور ان میں سب سے زیادہ رشتے اور ناطے کو جوڑنے والے ہیں[1]۔

عباس رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام:

اور عباس بن عبد المط لب رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کیا کرتے تھے، اور آپ کے حکم کی تعظیم کرتے تھے، چنانچہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں صحیح سند کے ساتھ ابو رزیق عقیلی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: "آپ بڑے ہیں یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟"۔

تو انہوں نے کہا: وہ مجھ سے بڑے ہیں اور میں ان سے پہلے پیدا ہوا تھا[2]۔

جبیر بن مطعم کے دل میں اسلام کی دستک:

جبیر بن مط عم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے تاکہ وہ اپنے قیدیوں کو چھڑا سکیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ مغرب کی نماز میں پہنچے جب کہ آپ سورہ طور کی تلاوت فرما رہے تھے، تو یہیں ان کے دل میں سب سے پہلے اسلام داخل ہوا، چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں جبیر بن مط عم رضی اللہ عنہ

---

(1) یہ حدیث امام احمد نے مسند میں نقل کی - حدیث نمبر: ١٦١٠ - اور ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں نقل کی، کتاب: إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب الصحابۃ - باب: مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کی سخاوت اور صلہ رحمی کی وصف - حدیث نمبر: ٧٠٥٢۔

(2) اس کی تخریج ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حدیث نمبر (2681) پر کی ہے۔

کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بدر کے قیدیوں کے آزاد کرانے کے لئے آیا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کو نماز مغرب پڑھاتے ہوئے سورہ طور کی تلاوت سنیں آپ پڑھ رہے تھے:((والطور وکتاب مسطور))[الطور: ۱-۲][1]۔

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سنی، چنانچہ جب آپ اس آیت پر پہنچے:((ام خلقوا من غیر شیء ام هم الخالقون، ام خلق السماوات والارض بل لا یوقنون،عندهم خزائن ربك ام هم المصیطرون،[الطور:۳۵-۳۶]،انہوں نے کہاکہ قریب تھاکہ میرادل اڑ جائے[2]۔

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے، زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ پہلا موقع تھاجب میرے دل میں ایمان اترا[3]۔

جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پس جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، میں نے آپ سے بدر کے قیدیوں سے متعلق گفتگو کی تو آپ صلی اللہ

---

(1) یہ حدیث البخاري نے صحیح البخاري میں نقل کی - کتاب: الجهاد والسیر - باب: فداء المشرکین - حدیث نمبر: ۳۰۵۰، اور مسلم نے صحیح مسلم میں نقل کی - کتاب: الصلاۃ - باب: صبح کی نماز میں تلاوت - حدیث نمبر: ٤٦٣۔

(2) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب: التفسیر — باب: سورۃ الطور — حدیث نمبر ( )۔

(3) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب: المغازي — باب (۱۲) — حدیث نمبر (٤٠٢٣)۔

علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے، اور پھر ان کے بارے میں مجھ سے بات کرتے تو میں انہیں چھوڑ دیتا، یعنی بدر کے قیدیوں کو[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: آپ صلی اللہ وسلم کے اس بات کا سبب یہ تھا، کیونکہ مطعم بن عدی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف سے واپسی کے وقت پناہ دی تھی، اور وہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جن لوگوں نے بنو ہاشم اور ان کے ساتھ موجود مسلمانوں گھاٹی میں قید کئے جانے پر ان کے خلاف قریش کا لکھا گیا صحیفہ چاک کیا تھا[2]۔

اور مطعم بن عدی جبیر کے والد غزوہ بدر سے سات مہینے پہلے اپنے کفر کے حالات پر فوت ہو گئے تھے[3]۔

اور جبیر بن مطعم حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہوئے اور یہ بھی کہا گیا کہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے[4]۔

([1])اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب: المغازي — باب (١٢) — حدیث نمبر (٤٠٢٤)، اور کتاب: فرض الخمس — باب: نبی ﷺ کا مالِ غنیمت میں سے قیدیوں پر بغیر خمس نکالے احسان کرنا — حدیث نمبر (٣١٣٩)، اور اسے امام احمد نے اپنی مسند میں — حدیث نمبر (١٦٧٣٣) — روایت کیا ہے۔"

([2])دیکھئے: فتح الباري (٨/ ٦٠).

([3])دیکھئے: أُسد الغابة (١/ ٣١٠).

([4])دیکھئے: الإصابة (١/ ٥١٧) — أُسد الغابة (١/ ٣١٠)."

عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

قریش میں ان کا بہت بڑا مقام اور مرتبہ تھا، یہ صفوان بن امیہ کے چچیرے بھائی تھے، مشرکوں کے ساتھ کفر کی حالت میں بدر میں شریک تھے، اور انہوں نے ہی لوگوں کے درمیان بدر کے دن لڑائی کی بنیاد ڈالی تھی، اور وہ مشرکوں کے ہیرو اور ان کے شیطانوں میں سے ایک تھے، جب بدر کے دن مشرکوں کو شکست ہوئی، تو عمیر نجات پانے والوں میں سے تھے اور ان کا بیٹا وہب بن عمیر اس دن قیدی بنا لیا گیا تھا چنانچہ اہل بدر کی شکست کے کچھ دنوں کے بعد ایک دن وہ صفوان بن امیہ کے ساتھ حجر یعنی حجر اسماعیل میں بیٹھا اور ان لوگوں نے کنواں والوں اور ان کی تکلیفوں کا تذکرہ کیا، صفوان نے کہا: اللہ کی قسم ان کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں رہی، تو عمیر نے کہا اللہ کی قسم تم سچ کہتے ہو، اللہ کی قسم اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا جس کے پورا کرنے کی طاقت بھی مجھے نہیں اور میرے بعد میرے اہل وعیال کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور محمد کے پاس جا کر اسے قتل کر دیتا، بے شک ان کے یہاں میرا ایک بہت ضروری کام ہے، میرا کا بیٹا ان کے یہاں قید ہے، تو صفوان نے اسے غنیمت جانتے ہوئے کہا: تمہارا قرض میرے ذمہ ہے، میں اسے تمہاری طرف سے پورا کروں گا، اور تمہارے بچے میرے بچے ہیں، جب تک رہیں گے میں ان کا سہارا رہوں گا، جو میرے پاس ہوگا وہ ان کا بھی ہوگا، تو عمیر نے اس سے کہا تم میرے اور اپنی بات کو خفیہ رکھنا، اس نے کہا میں ایسا ہی کروں گا، پھر عمیر نے اپنی تلوار لی، اور اسے تیز کیا اور اس میں زہر لگایا گیا۔ پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے، تو جب عمر بن الخطاب رضی اللہ

عنہ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر بدر کے دن سے متعلق بات کر رہے تھے اور اس کا تذکرہ کر رہے تھے جو اللہ رب العالمین نے ان پر انعام کیا اور جو ان کے دشمنوں کو اللہ رب العالمین نے شکست دی اسی وقت عمر رضی اللہ عنہ نے عمیر بن وہب کو مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹنی کو بٹھاتے ہوئے تلوار لٹکائے آئے دیکھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کتا اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے، اللہ کی قسم یہ کسی برائی کی نیت سے ہی آیا ہے، اور یہی وہ شخص تھا جس نے ہمارے درمیان بدر کے دن چھ گڑا لگایا تھا اور ہماری تعداد دشمنوں کو بتایا تھا، پھر عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور فرمایا اے اللہ کے نبی: یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وہب تلواریں لٹکائے ہوئے آگیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ، عمر آگے بڑھے اور اس کی گردن میں موجود اس کی تلوار لٹکانے کی تھیلی کو پکڑ لیا اور اسے اسی کے ساتھ گھسیٹنے لگے اور اپنے ساتھ موجود انصاری لوگوں سے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں اس سے ہوشیار رہنا کیونکہ اس میں امانت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، پھر اسے لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور عمر اسے گردن میں موجود اس کے تلوار لٹکانے والی علی چیز سے اسے پکڑے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر اسے چھوڑ دو! اے عمیر تم مجھ سے قریب آؤ! تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوا، پھر کہا: تمہارا صبح بہت اچھا ہو، یہ جاہلیت کے لوگوں کا آپس میں تحیہ تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمیر تحقیق

کی اللہ رب العالمین نے تمہارے اس تحیہ سے بہتر تحیہ دے کر ہماری عزت کی ہے، یعنی سلام جو کہ اہل جنت کا تحیہ ہے۔ تو اس نے کہا: اللہ کی قسم اے محمد تم بھی ابھی تک یہی سلام پیش کیا کرتے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمیر تم کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا میں اس قیدی کے لئے آیا ہوں جو تمہارے پاس ہے تم اس کے سلسلے میں اچھا سلوک کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے گردن میں یہ تلوار کیسی ہے اس نے کہا: اللہ اسے برا بنائے کتنا ہی برا تلوار ہے کیا اس نے ہمیں کوئی فائدہ پہنچایا؟

تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے سچ بتاؤ تم کیوں آئے تھے؟، تو اس نے کہا: میں صرف اسی کے لئے آیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ تم اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے تھے، اور تم نے قریش کے کنواں میں ڈالے ہوئے لوگوں لوگوں کا تذکرہ کیا پھر تم نے کہا اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا اور میرے پاس بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں یہاں سے جاتا اور محمد کو قتل کر دیتا تو صفوان ابن امیہ نے تمہارے قرض اور بچوں کی ذمہ داری لے لی تاکہ تم مجھے قتل کرو، اور اللہ تمہارے اور اس کے درمیان حائل ہے۔

عمیر بن وہب نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں، اے اللہ کے رسول ہم آپ کی ان باتوں کی تکذیب کیا کرتے تھے جو آپ آسمان سے لے کر ہمارے پاس آتے تھے، اور جو آپ پر وحی نازل ہوا کرتی، اور یہ بات تو میرے اور صفوان

کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اللہ کی قسم میں نے یہ جان لیا کہ تمہیں اس کی خبر دینے والا اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس اللہ کی تعریف ہے جس نے مجھے اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی، اور میں آپ کے پاس آیا، پھر انہوں نے حق کا کلمہ پڑھا لا اور جب اللہ نے انہیں ہدایت دی تو مسلمان بہت خوش ہوئے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تم اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو، اسے قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو اس کے لئے چھوڑ دو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

پھر عمیر نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کیا کرتا تھا، اس کے دین پر عمل کرنے والوں کو سخت تکلیف دیتا تھا، مجھے یہ پسند ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں اور مکہ جاؤں اور انہیں اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی طرف بلاؤں، ہو سکتا ہے اللہ رب العالمین انہیں دایت دے یا میں ان کے دین کے سلسلے میں انہیں اسی طرح اذیت دوں جیسے کہ تمہارے ساتھی اپنے دین پر عمل کرنے کی وجہ سے اذیت کا شکار ہوئے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی اور وہ مکہ پہنچ گئے، صفوان ابن امیہ عمیر کے نکلنے وقت کہہ رہا تھا تم اس خبر کے لئے خوش ہو جاؤ جو کچھ دنوں میں تمہارے پاس آئے گی، جس کی وجہ سے تم بدر کا واقعہ بھول جاؤ گے، اور صفوان مسافروں سے اس کے بارے میں پوچھا کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک مسافر آیا اور اس نے عمیر بن وہب کے اسلام لانے کی خبر

دی، تو صفوان نے یہ قسم کھائی کہ وہ عمیر سے کبھی بات نہ کرے گا، اور نہ ہی کبھی بھی اس کے ساتھ کوئی بھلائی کرے گا۔

جب عمیر مکہ آئے اور وہاں پر قیام کیا تو اسلام کی جانب دعوت دینے لگے، اور جو ان کی مخالفت کرتا اسے وہ سخت اذیت دیتے، چنانچہ ان کے ذریعے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے[1]۔

میں کہتا ہوں: ان قیدیوں میں سے بہت سے لوگ مختلف مواقع پر مسلمان ہوئے فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد۔

([1])"عمیر بن وہبؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ابن إسحاق نے السّیرۃ (٢/ ٢٧٢) میں صحیح مرسَل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے الإصابۃ (٤/ ٦٠) میں فرمایا: موسی بن عقبۃ نے المغازي میں ابن شہاب سے مرسَلًا یہ واقعہ ذکر کیا ہے، اور عمیر بن وہبؓ کی قصہ دوسری سند سے مُتَّصل (موصول) بھی آیا ہے جسے ابن مندۃ نے روایت کیا ہے۔"

بدر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فتحیابی پر نجاشی کی خوشی:

اور جب نجاشی کو بدر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فتحیابی کی خبر پہنچی تو وہ بہت زیادہ خوش ہوا، چنانچہ بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے کی نجاشی نے ایک دن جعفر ابن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے پاس ایک شخص کو بھیجا پھر وہ لوگ اس کے پاس گئے وہ ایک گھر میں بیٹھا ہوا تھا اس پر پھٹا پرانا کپڑا تھا وہ مٹی پر بیٹھا ہوا تھا جعفر کہتے ہیں: جب ہم نے اسے اس حالت پر دیکھا تو ہمیں اس پر ترس آئی جب اس نے ہمارے چہروں پہ دیکھا تو کہا میں تمہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہوں جس سے تم خوش ہو جاؤ گے، تمہارے یہاں سے مجھے میرا ایک جاسوس یہ خبر لایا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو فتح دی ہے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا ہے اور فلاں اور فلاں شخص کو قیدی بنا لیا گیا اور فلاں فلاں شخص کو قتل کر دیا گیا ہے ان کے درمیان ایک وادی میں جنگ ہوئی جسے بدر کہا جاتا ہے، وہاں پر اراک کے بہت سے درخت ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں، میں ضمرہ قبیلے کے ایک شخص کے پاس جو کہ میرا سردار تھا اس کا اونٹ وہاں پہ چرایا کرتا تھا، تو جعفر نے کہا تمہیں کیا ہوا ہے تم بغیر کچھ بچھائے مٹی پر اس طرح بیٹھے ہوئے پھٹا پرانا کپڑا پہنے ہوئے ہیں، تو اس نے کہا ہم عیسی علیہ السلام پر نازل شدہ تعلیمات میں پاتے ہیں کی بندوں کو چاہیے کہ وہ نعمت کی تجدید کے وقت اللہ کے لیے تواضع اور خاکساری اختیار کریں، اللہ رب العالمین نے میرے لیے اپنے نبی کی فتحیابی کی

نعمت کو عطا کیا تو میں نے اللہ کے لئے تواضع اور انکساری اختیار کی[1]۔

غزوہ بدر کبریٰ میں شریک ہونے والے لوگوں کی فضیلت:

غزوہ بدر کبریٰ میں شریک ہونے والوں کی فضیلت میں بہت سے احادیث مروی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں معاذ بن رفاعۃ بن رافع زرقی سے وہ اپنے والد کے حوالے سے نقل کیا ہے ان کے والد بدر میں شریک تھے وہ کہتے ہیں کہ: جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا تم اپنے درمیان اہل بدر کو کیسا شمار کرتے ہو؟، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل مسلمان یا اس طرح سے کوئی اور بات کہی، تو جبریل علیہ السلام نے کہا: اسی طرح سے فرشتوں میں سے بدر میں شریک ہونے والوں کا بھی معاملہ ہے[2]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ رافع بن خدیج کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام یا کوئی فرشتہ آیا اور پوچھا بدر میں شریک لوگ تمہارے درمیان کیا مقام رکھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہمارے پاس

([1]) دیکھیے: دلائل النبوۃ للبیہقی (134/3)، سبل الھدی والرشاد (68/4)، البدایۃ والنھایۃ (326/3)."

([2]) اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کتاب المغازی، باب: ملائکہ کا بدر میں حاضر ہونا۔ حدیث نمبر 3992۔

سب سے بہتر لوگوں میں سے ہیں، تو فرشتے نے کہا: اسی طرح سے فرشتوں میں سے اس میں شریک لوگوں کا حال ہمارے نزدیک ہے[1]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کے اس قصے میں جس میں ان کا اہل مکہ کے پاس فتح مکہ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پلاننگ کو بتانے کے بارے میں خط بھیجنے کا تذکرہ ہے، ۔۔۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے اللہ اس کے رسول اور مومنوں کی خیانت کی ہے، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن کاٹ دوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ اہل بدر میں سے نہیں ہیں، شاید اللہ رب العالمین نے اہل بدر کو دیکھا اور کہا: تم جو چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی ہے یا میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

اور امام مسلم کی صحیح میں موجود ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ بدر میں شریک تھے اور تمہیں کیا پتہ کہ اللہ نے اہل بدر کو دیکھا اور

([1]) اسے ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کتاب: نبی کریم ﷺ کی صحابہ کے مناقب کے بارے میں خبریں، باب: اس بیان کا ذکر کہ اہل بدر صحابہ میں سب سے افضل ہیں - حدیث نمبر 7224۔ اور اسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں بھی روایت کیا ہے۔ حدیث نمبر 15820۔

کہا: تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اہل بدر کے لیے ایسی عظیم بشارت ہے جو کسی اور کے لئے نہیں[2]۔

ایک حدیث کا اشکال:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "تم جو چاہو کرو"، یہ کچھ لوگوں پر مشکل ہو گیا ہے کیوں کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ جواز کے لئے ہے، جو کہ شریعت کے عقد کے مخالف ہے، امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے کہا: میرے لئے اس خطاب سے عزت اور تکریم کا پہلو نظر آیا، جو اس بات کا ضامن ہے کہ ان کے لیے ایسی حالت حاصل ہوئی کہ اس کی وجہ سے ان کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے، وہ اس بات کے اہل ہو گئے کہ ان کے لئے آئندہ کے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں، اور کسی چیز کی صلاحیت ہونے سے اس کا واقع ہونا لازم نہیں آتا، اور اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ہر اس شخص کے بارے میں ظاہر کر دیا جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خبر دی ہو، کیونکہ وہ جنت والے اعمال دنیا کے آخری لمحات تک کرتے رہے، اور اگر ان میں

([1]) اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب المغازی، باب: بدر میں حاضر ہونے والوں کی فضیلت - حدیث نمبر 3983۔ اور اسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے - کتاب فضائل الصحابۃ، باب: اہلِ بدر رضی اللہ عنہم کی فضیلت - حدیث نمبر 2494۔ اور اسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے- حدیث نمبر 600، 7940۔

([2]) فتح الباری (37/8) میں دیکھیں۔

سے کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو بھی جاتی تو وہ جلدی سے توبہ کر لیتا اور سیدھے راستے کو اپنا لیتا، اور یہ بات ان کی سیرتوں سے باخبر شخص حتمی طور پر جانتا ہے[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر والوں کے سلسلے میں یہ کہنا کہ: اللہ تعالی نے ان سے کہا" تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے"، اس سے مراد کے سلسلے میں راجح یہی ہے کی ان سے گناہ صادر ہوں گے، جیسا کہ مسطح رضی اللہ عنہ سے واقع ہوا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں واقعہ افک کے سلسلے میں اور جیسا کہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالی عنہ نے شراب پی لیا تھا، فرمان باری تعالی: ((لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا))[المائدۃ: ۹۳]، کی تاویل کرتے ہوئے تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے کہا تم نے غلط تاویل کی چنانچہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان پر حد نافذ کیا[2]۔ مگر وہ مغفرت کے ساتھ ساتھ مقرون ہے دوسروں پر ان کی فضیلت کی وجہ سے اس عظیم جنگ بدر میں شرکت کے سبب[3]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے: حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک غلام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی شکایت کرنے کے لیے آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاطب ضرور جہنم میں

([1]) فتح الباری (37/8) اور (626/9) میں دیکھیں۔

([2]) الاصابۃ (324/5) ملاحظہ کریں - اور سیر أعلام النبلاء (161/1) بھی دیکھیں۔

([3]) فتح الباری (422/9) میں دیکھیں۔

داخل ہوگا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جھوٹ کہتا ہے وہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے[1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بدر میں شریک لوگوں کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں انہیں ان کے بعد والوں پر فضیلت دونگا[2]۔

اور امام بزار نے اپنی مسلم نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا: "مجھے امید ہے[3] کہ بدر میں شہید کوئی بھی شخص جہنم میں داخل نہ ہوگا اگر اللہ نے چاہا))[4]۔

اور ہم نے حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر کیا ہے جبکہ وہ قتل کیے گئے جو کہ دیکھنے والوں میں سے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ سے

([1])اسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کتاب فضائل الصحابۃ، باب: اہلِ بدر رضی اللہ عنہم کی فضیلت۔ حدیث نمبر 2495۔ اور اسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ حدیث نمبر 14484، 27042۔

([2])اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کتاب المغازی، باب (12)، حدیث نمبر 4022۔

([3])حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (37/8) میں فرمایا: "علماء نے کہا ہے کہ ترجی (تردّد یا احتمال کے لہجے کا اسلوب) اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کے کلام میں واقع ہوتا ہے۔"

([4])اسے حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنھایۃ (349/3) میں ذکر کیا ہے، اور فرمایا: "اس حدیث کو صرف بزار نے منفرد طور پر روایت کیا ہے، اور انہوں نے (صحیحین کے مصنفین) اسے روایت نہیں کیا، اور یہ حدیث صحیح کی شرط پر ہے —— واللہ اعلم۔"

کہا تھا: ((اے حارثہ کی والدہ بے شک جنت میں بہت سے درجات ہیں اور بے شک تمہارا بیٹا فردوس اعلی میں ہے)) [1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث پر تعلیق چڑھاتے ہوئے لکھا ہے، اس میں اہل بدر کی فضیلت پر تنبیہ ہے، کیونکہ یہ جنگ کے میدان میں شریک نہ تھے اور نہ ہی انہیں جنگ کے آگ کا سامنا ہوا، وہ تو دور سے دیکھنے والوں میں سے تھے، اور انہیں ایک انجان شخص کا تیر اکر لگا جب یہ حوض سے پانی پی رہے تھے، اس کے باوجود بھی انہیں جنت کا بلند اور متوسط درجہ فردوس حاصل ہوا جس سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں، شارع علیہ السلام نے اپنی امت کو جنت کا سوال کرتے وقت اسی کو مانگنے کا حکم دیا ہے، اور جب یہ ان کا حال ہے تو ان کا کیا مقام ہوگا جو دشمن کے سامنے کھڑے تھے جن کی تعداد تیاری اور تعداد میں ان کے تین گنا تھے [2]۔

غزوہ بدر کے سلسلے میں قرآن کا کونسا حصہ نازل ہوا:

اور اس عظیم معرکہ کے موضوع کے گرد پوری انفال نازل ہوئی، امام بخاری نے اپنی صحیح میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:

([1]) اس حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

([2]) حافظ ابن کثیرؒ کا کلام البدایۃ والنھایۃ (348/3) میں ملاحظہ ہو۔

میں نے عباس رضی اللہ عنہما سے کہا سورہ انفال؟ تو انہوں نے کہا یہ بدر کے سلسلے میں نازل ہوئی[1]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب بدر کا معاملہ مکمل ہوا تو اللہ رب العالمین نے اس کے سلسلے میں قرآن مجید کی سورہ انفال پوری پوری نازل فرمائی[2]۔

([1]) اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کتاب التفسیر، باب سورۃ الأنفال، حدیث نمبر 4645۔

([2]) سیرۃ ابن ہشام (278/2) ملاحظہ ہو۔

غزوہ بدر اور احد کے درمیان کے واقعات

رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

ان کی وفات اس وقت ہوئی جب زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہما بدر میں مسلمانوں کی فتحیابی کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے، چنانچہ امام حاکم نے مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے ابو امامہ بن سہل کے حوالے سے ان کے والد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے فارغ ہوئے تو آپ نے اہل مدینہ کی جانب سے خوشخبری دینے والوں کو بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو مدینہ کے نیچے والے حصے کی جانب بھیجا اور عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ کے بلند علاقہ کی طرف بھیجا کہ وہ ان کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ فتح کی خوشخبری دیں، تو زید بن حارثہ کی ملاقات اپنے بیٹے اسامہ سے ہوئی جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ کو دفن کیا جا چکا تھا[1]۔

رقیہ رضی اللہ تعالی بیمار تھیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ان کے شوہر عثمان بن عفان کو چھوڑا تھا، اسی لیے وہ بدر میں اپنی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ کی دیکھ بھال کے سبب شریک نہ ہوئے تھے۔

([1])اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔ کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب: "کان زید بن حارثۃ أحب القوم إلی رسول اللہ ﷺ"، حدیث نمبر 5012۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ بدر سے پیچھے رہ گئے تھے کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی آپ کی بیوی تھیں جو کہ بیماری تھیں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا: ((بیشک تمہارے لئے بدر میں شریک شخص کی طرح اجر بھی ہو گا اس کا حصہ بھی ملے گا))[1]۔

(1) اسے البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کتاب الخمس، باب: "إذا بعث الإمام رسولًا في حاجة"، حدیث نمبر 3130۔

مسلمانوں کے لئے پہلی عید فطر[1]

شیخ صفی الرحمن مبارک پوری کہتے ہیں: بہترین موقعوں اور خوبصورت اتفاق میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں پہلی عید وہ تھی جو سوال سنہ دو ہجری میں غزوہ بدر میں حاصل ہونے والی بڑی کامیابی کے فوراً بعد پڑی، تو یہ عید کتنی خوبصورت تھی جس کو اللہ رب العالمین نے مسلمانوں کو فتح و سربلندی کے ساتھ عطا کیا، اور اس نماز کا کتنا خوبصورت منظر تھا جب مسلمانوں نے اپنے گھروں سے نکل کر نماز عید ادا کی، وہ اپنی آواز کو تکبیر، تہلیل اور تحمید کے ساتھ بلند کر رہے تھے، اور ان کے دلوں میں اللہ کی طرف رغبت جوش مار رہی تھی، اور نعمت کے حصول کے بعد اللہ کی رحمت اور رضامندی کے طلب کا جذبہ بڑھا ہوا تھا، اور اللہ نے انہیں فتح و کامیابی سے ہمکنار کیا تھا اور اللہ نے اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ((واذکروا اذانتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم لعلکم تشکرون))[الأنفال: ٢٦][2]۔

مدینہ والوں کے لیے دو دن تھے جن میں وہ کھیلا کودا کرتے تھے، چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو فرمایا: "بے شک اللہ تعالی نے تمہارے

---

(1) حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر (۱۰۶۹/۳) میں کہتے ہیں: یہ بات میں نے کسی حدیث میں نہیں دیکھی ہے لیکن سیرت میں مشہور یہ ہے کہ پہلی عید جو مشروع ہوئی وہ عید الفطر تھی جو کہ ہجرت کے دوسرے سال میں منائی گئی۔

(2) اور دیکھیں شیخ صفی الرحمن المبارکفوری کا قول الرحیق المختوم، صفحہ 231۔

لئے ان دونوں کے بدلے میں ان سے بہتر دن عطا کیے ہیں: فطر کا دن اور قربانی کا دن"، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاویہ نے شرح مشکل الآثار میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو جاہلیت میں ان کے لیے دو دن سے جن میں وہ کھیلا کودا کرتے تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بے شک اللہ تعالی نے ان دونوں کے بدلے میں تمہیں بہتر دن عطا کئے کیے ہیں: فطر کا دن اور قربانی کا دن[1]۔

عید میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل:

اور عید الفطر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ طاق عدد میں تین کھجور کھا کر نماز کے لئے نکلتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فطر والے دن کھجور کھائے بغیر صبح نہیں کرتے تھے اور آپ کو کھجوروں کو طاق تعداد میں کھایا کرتے تھے[2]۔

([1])امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے–حدیث نمبر (12006) –اور الطحاوی نے اسے شرح مشکل الآثار میں روایت کیا ہے –حدیث نمبر (1488)۔

([2])امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے–کتاب العیدین –باب: ''روزِ عید الفطر کھانے کے لیے قبل خروج'' –حدیث نمبر (953)۔

اور ابن حبان کی روایت میں حسن سند کے ساتھ حارث بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فطر کے دن تین، پانچ، یا سات کو کھجوریں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے[1]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے خوبصورت کپڑا پہنا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوڑا تھا جسے آپ عیدین اور جمعہ کے لئے پہنا کرتے تھے[2]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن نکلتے تھے اور آپ کے سامنے نے ایک چھڑی لے کر جائی جاتی تھی، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ پہونچتے تو وہ چھڑی آپ کے سامنے نصب کر دی جاتی تاکہ آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں، کیونکہ یہ گاہ اس وقت کھلا میدان تھا، وہاں پر کوئی دیوار یا عمارت نہیں تھی، اور وہ نیزہ آپ کا سترہ ہوا کرتا تھا[3]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کے لیے نکلتے تھے اور آپ کے سامنے ایک

([1]) ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے—کتاب الصلاۃ—باب العیدین —حدیث نمبر (2814)۔

([2]) ملاحظہ کریں: زاد المعاد (۱/ ۴۲۵)۔

([3]) ملاحظہ کریں: زاد المعاد (۱/ ۴۲۶)۔

چھڑی لے کر جائی جاتی تھی اور اسے عید گاہ میں آپ کے سامنے نصب کر دیا جاتا تھا، اور پھر آپ اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل لیا کرتے تھے، چنانچہ آپ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے آتے تھے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل لیا کرتے تھے[2]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدین کی نماز کے لیے نکلتے تو آپ دوسرے راستے سے واپس آتے تھے[3]۔

راستہ تبدیل کرنے کی حکمت:

راستہ تبدیل کرنے میں حکمت یہ تھی تاکہ آپ دونوں راستے والوں کو سلام کر سکیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے تاکہ آپ کی برکت دونوں راستے کے لوگوں کو حاصل ہو

([1])امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب العیدین – باب: ''روزِ عید امام کے سامنے العَنزۃ یا نیزہ لے جانا'' – حدیث نمبر (973)۔

([2])امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب العیدین – باب: ''جو شخص عید سے واپس آتے وقت راستہ بدل دے'' – حدیث نمبر (986)۔

([3])اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الصلاۃ – باب العیدین – حدیث نمبر (2815) – اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے – کتاب إقامۃ الصلاۃ – باب: ''روزِ عید نماز کے لیے کسی راستے سے جانا اور واپس کسی اور راستے سے آنا'' – حدیث نمبر (1301)۔

سکے،اور یہ بھی کہا گیا ہے تاکہ کہ ان دونوں راستوں میں جو حاجت مند ہوں ان کی حاجت کو آپ پورا کر سکیں،اور یہ بھی کہا گیا ہے :تاکہ آپ اسلام کے شعائر کو تمام راستوں اور گلیوں میں ظاہر کر سکیں،اور یہ بھی کہا گیا ہے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی قوت سے اور اسلام کے شعائر کے قیام سے منافقوں کو غصہ آئے،اور یہ بھی کہا گیا ہے تاکہ زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ گواہی دے، کیونکہ مسجد اور عید گاہ کی طرف جانے والے کے ایک قدم کے بدلے اس کے درجات بلند کیے جاتے ہیں اور دوسرے قدم پر اس کے گناہ مٹائے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے گھر واپس آجائے اور یہ بھی کہا گیا ہے جو کہ زیادہ صحیح بھی ہے کہ اس میں یہ ساری حکمتیں موجود ہے اور ان کے علاوہ اور بھی حکمتیں ہیں جن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے[1]۔

([1])ملاحظہ کریں: زاد المعاد(۱/ ۴۳۲)۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا سے علی رضی اللہ عنہ کا نکاح

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے پہلے سال نکاح کیا اور ہجرت کے دوسرے سال بدر کے فورا بعد ہی رخصتی کی، اور مہینے کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے ہو سکتا ہے کہ شوال رہا ہو، کیونکہ غزوہ بدر رمضان میں تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذوالحجہ میں[1]۔

اور اس بات پر دلیل کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا فاطمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رخصتی کرنا غزوہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے وہ حدیث جس کی تخریج شیخان نے اپنی صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کی ہے وہ کہتے ہیں: غزوہ بدر کی مال غنیمت میں سے میرے حصے میں ایک بوڑھی اونٹنی آئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس میں سے ایک بوڑھی اونٹنی مجھے دی تھی، پھر جب میں نے فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصتی کرنی چاہیے تو میں نے بنو قینقاع کے ایک سنار سے وعدہ کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم اذخر[2] کا پودا لے کر آئیں، میرا ارادہ تھا کہ میں سناروں سے اسے بیچوں اور اس سے آپ نے شادی کا ولیمہ کر سکوں[3]۔

([1]) ملاحظہ کریں: فتح الباری (٦/ ٣١٩)۔

([2]) اذخر (ہمزہ کے ساتھ اور کسر کے ساتھ): یہ خوشبو دار گھاس یا جڑی بوٹی ہے جس سے گھروں کی چھتیں لکڑی کے اوپر ڈھکی جاتی ہیں۔ ملاحظہ کریں: النھایۃ (١/ ٣٦).

([3]) یہ روایت بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب الخمس - باب فرض الخمس - حدیث نمبر (٣٠٩١) - اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب الأشربۃ - باب تحریم الخمر - حدیث نمبر (١٩٧٩).

اور علی رضی اللہ عنہ کیلئے فاطمہ رضی اللہ عنہ کی رخصتی کے وقت فاطمہ کی عمر 18 سال تھی[1] اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی[2]۔

ان کے نکاح کا پیغام اور ان کا مہر:

اور علی بن ابی طالب سے پہلے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہ کو نکاح کا پیغام ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی دیا تھا مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے چھوٹے عمر کی وجہ سے واپس کر دیا تھا، چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور نسائی نے سنن کبریٰ میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ بریدہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ((ابو بکر اور عمر نے فاطمہ کو نکاح کا پیغام دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ابھی چھوٹی ہے، تو علی رضی اللہ انہوں نے نکاح کا پیغام دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا))[3]۔

امام سندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ عمر میں برابری یا قربت کی رعایت کرنا، محبت اور الفت کے زیادہ قریب ہے، اور کبھی کبھار

([1]) ملاحظہ کریں: الإصابة (٨/ ٢٦٤) - الطبقات الكبرى لابن سعد (٨/ ٢٥٣).

([2]) ملاحظہ کریں: البداية والنهاية (٦/ ٧٢٥).

([3]) یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب إخبارہ - صلی اللہ علیہ وسلم - عن مناقب الصحابة - باب ذكر الإخبار عما قاله المصطفى لأبي بكر وعمر عند خطبتهما فاطمة ابنته - حدیث نمبر (٦٩٤٨) - اور النسائي نے بھی اپنی السنن الکبری میں نقل کی ہے - کتاب النكاح - باب تزويج المرأة مثلها من الرجال في السن - حدیث نمبر (٥٣١٠).

اس کا خیال نہ کر کے اس سے بلند مرتبے کی رعایت بھی کی جاسکتی ہے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہوا تھا[1]۔

اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ ابن بریدہ کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں انصار کے کچھ لوگوں نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: آپ کے پاس فاطمہ ہیں[2] تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے سلام کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن ابی طالب تم کیوں آئے ہو؟ تو انہوں نے کہا: تو انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول کی بیٹی فاطمہ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا خیر مقدم ہے اور آپ نے اس سے زیادہ بات نہ کہی، تو علی رضی اللہ تعالی عنہ انصار کے اس جماعت کے پاس گئے جو کہ ان کا انتظار کر رہے تھے، تو انہوں نے کہا کیا ہوا، انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا لیکن آپ نے مجھ سے کہا ہے تمہارا خیر مقدم ہے، تو انہوں نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمہارے لئے ان دونوں میں سے ایک ہی کافی ہے چاہے وہ اپنی بیٹی کو تمہیں دیں یا تمہیں خیر مقدم کہیں[3]۔

([1]) دیکھیں: حاشیہ النسائي (٥/ ١٥٤)۔

([2]) البزار کی روایت میں ہے: انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر تم فاطمہ کی شادی کے لیے خطبہ کرتے۔

([3]) یہ روایت الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں نقل کی ہے۔ حدیث نمبر (٥٩٤٧)۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور نسائی نے سنن کبریٰ میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگوں تو میں نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے تو کیسے پھر میں نے آپ کے رشتے داری اور آپ سے قربت کا خیال کیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام دے دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے کہا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا تلواروں کو توڑنے والا حطمی[1] درع کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: وہ میرے پاس ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے وہ دے دو، حضرت علی کہتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے دے دیا[2]۔

اور ابو یعلی کی مسند میں ایک روایت صحیح سند کے ساتھ ہے وہ کہتے ہیں[3]: علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک درع بیچیں اور اپنے کچھ سامان بیچے جس سے چار سو اسی درہم

([1])الحُطَمِيّة: وہ چیز جو تلواریں توڑ دیتی ہے، یعنی انہیں شکستہ کر دیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ بھاری اور چوڑی چیز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ عبد القَیس کے ایک قبیلے کے بطن سے منسوب ہے جنہیں حُطَمَۃ بن محارب کہا جاتا تھا، جو ہتھیار بنانے کا کام کرتے تھے، اور یہ سب سے زیادہ موزوں قول معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیں: النہایۃ (۱/ ۳۸۷).

([2])اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ کتاب إخبارہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عن مناقب الصحابۃ۔ باب ذکر ما أعطی علي۔ رضي اللہ عنہ۔ في صَدَاق فاطمۃ۔ حدیث نمبر (٦٩٤٥)۔ اور اسے النسائي نے السنن الکبری میں بھی نقل کیا ہے۔ کتاب النکاح۔ باب تحلۃ الخلوۃ وتقدیم العطیۃ قبل البناء۔ حدیث نمبر (٥٥٤١)۔ اور امام احمد نے بھی اپنے مسند میں اسے نقل کیا ہے۔ حدیث نمبر (٦٠٣)۔

([3])یہ راوی حدیث علباء بن احمر ہیں۔

تک پہنچ گئے، وہ کہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اس کا دو تہائی خوشبو میں اور ایک تہائی کپڑے میں لگائیں[1]۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ساز وسامان:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ساز و سامان دیا، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں قوی سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر، ایک مٹکا، چمڑے کا ایک تکیہ دیا جس میں اذخر بھرا ہوا تھا))۔ [2]

شادی کا ولیمہ[3]:

اور جب علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فاطمہ کے ساتھ رخصتی کرنی چاہی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا اے علی: شادی کے لیے ولیمہ ضروری

([1])اس کی تخریج ابویعلی نے اپنی مسند میں حدیث نمبر(353)پر کی ہے۔

([2])اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر(643)اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں کتاب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب الصحابۃ باب ذکر وصف ما جھزت بہ فاطمۃ حدیث نمبر(6947)پر کی ہے۔

([3])ولیمہ: وہ کھانا جو شادی کے مناسبت سے بنایا جاتا ہے، دیکھئے: النھایۃ(196/5)۔

ہے، تو سعد نے کہا: میرے ذمہ ایک دنبہ ہے، اور انصار کے لوگوں نے ان کی خاطر مکئی کے کئی صاع[1] جمع کیے[2]۔

جب رخصتی کی رات تھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ((تم کچھ نہ کرنا یہاں تک کہ مجھ سے ملاقات کرنا)) تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا کیا اور اس سے وضو کیا پھر اسے علی رضی اللہ عنہ پر انڈیل دیا، پھر فرمایا: ((اے اللہ تو ان دونوں میں برکت دے ان دونوں پر برکت دے اور ان کے نسلوں میں برکت عطا فرما)) [3]۔

ان کی اولاد:

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے علی بن ابی طالب سب کے یہاں حسن ، حسین،، محسن، امی کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہم اجمعین کی ولادت ہوئی۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب حسن کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حرب رکھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فرمایا: مجھے میرے بیٹے

([1]) صاع: اہل مدینہ کے پیمائش کا ایک آلہ تھا، دیکھئے: لسان العرب (7/ 442)۔

([2]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں نقل کیا ہے - حدیث نمبر (٢٣٠٣٥) - اور انہوں نے اپنی کتاب فضائل الصحابۃ میں بھی نقل کیا ہے - حدیث نمبر (١١٧٨) - اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں نقل کیا ہے - حدیث نمبر (٥٩٤٧)، اور اس کا سلسلہ سند حسن ہے۔

([3]) الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بھی اسے نقل کیا ہے - حدیث نمبر (٥٩٤٧)، اور اس کا سند حسن ہے

کو دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں: میں نے کہا حرب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس کا نام حسن ہے، پھر جب حسین کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حرب رکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور کہا مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟، وہ کہتے ہیں میں نے کہا: حرب، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ حسین ہے، پھر جب میرے یہاں تیسرے بچے کی ولادت ہوئی تو میں نے: ان کا نام حرب رکھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فرمایا: مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے ان کا نام کیا رکھا ہے؟، وہ کہتے ہیں، میں نے کہا: حرب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ محسن ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نے ان کا نام ہارون کے بیٹوں کی طرح رکھا ہے، شبر شبیر اور مشبر [1]۔

اور حسن اور حسین نام رکھنے کی وجہ کے سلسلے میں ایک اور سبب وارد ہے، وہ یہ کہ امام احمد نے اپنی مسند میں میں حسن سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب حسن کی ولادت ہوئی تو انہوں نے ان کا نام حمزہ رکھا، پھر جب حسین کی ولادت ہوئی تو ان کا نام اپنے چچا جعفر کے نام پر رکھا، وہ کہتے ہیں پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور کہا، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ

([1])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر (٧٦٩) - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے- کتاب اخبارہ- صلی اللہ علیہ وسلم - صحابہ کرام کی فضیلت کے بارے میں - باب حسن اور حسین کا ذکر - حدیث نمبر (٦٩٥٨)۔ اور اسے حافظ ابن حجر نے الاصابہ (١٩٢/٦) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

میں ان دونوں کے نام بدل دوں، میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، چنانچہ آپ نے ان کا نام حسن اور حسین رکھا[1]۔

حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کا عقیقہ ایک ایک مینڈھا ذبح کر کے ان کی ولادت کے ساتویں دن کیا، چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے حسن سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کا عقیقہ[2] ان کی ولادت کے ساتویں دن کیا اور ان کا نام رکھا اور حکم دیا کہ ان کے سر سے بال کو اتارا جائے[3]۔

([1])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۱۳۷۰)۔

([2])عَقِیقَۃ: وہ قربانی ہے جو نوزائیدہ کے لیے ذبح کی جاتی ہے۔ عَقّ کا اصل مطلب ہے کٹائی اور چیرنا۔ کہا گیا ہے کہ قربانی کو عَقِیقَۃ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی حلق کاٹ کر ذبح کیا جاتا ہے۔ دیکھیں: النھایہ (۳/ ۲۵۰)۔

([3])ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الأطعمۃ - باب العقیقۃ - حدیث نمبر (۵۳۱۱) - اور الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے - کتاب الذبائح - باب عق النبي صلى الله عليه وسلم - الحسن اور حسین کے ساتویں دن کے بارے میں - حدیث نمبر (۷۶۶۲)۔

اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کی جانب سے ایک ایک مینڈھا ذبح کر کے ان کا عقیقہ کیا[1]۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا مقام اور ان کی فضیلت:

رہی بات حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی:

تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا کے بیٹے، اور آپ کے پھول، اور اللہ کی مخلوقات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے ہیں[2]، ان کی ولادت 15 رمضان کو ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعبان 3 ہجری میں ہوئی[3]، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب مبارک سے ان کو گھٹی دی[4]، اور ان کا نام حسن رکھا، یہ اپنے والدین کے سب سے بڑے بیٹے تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت

([1])ابوداود نے سنن میں روایت کی ہے - کتاب الضحایا - باب في العقيقة - حدیث نمبر (٢٨٤١) - اور امام احمد نے اپنی مسند میں بريدة بن الحُصيب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٣٠٠١) اور اس کا سلسلہ سند مضبوط ہے - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے - حدیث نمبر (٥٣٠٩) اور اس کا سلسلہ صحیح ہے۔

([2])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب المناقب - باب مناقب الحسن والحسين رضی اللہ عنہما - حدیث نمبر (٣٧٥٢) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ کون تھا؟ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی مشابہ نہیں تھا۔

([3])دیکھیں: فتح الباری (٧/ ٤٦٤) - سیر أعلام النبلاء (٣/ ٢٤٦)۔

([4])الحافظ نے الفتح میں کہا (١١/ ٥): التحنيک: کسی چیز کو چبانا اور بچے کے منہ میں ڈالنا، تاکہ اس کا منہ مضبوط ہو اور وہ کھانے کی عادت ڈالے۔ یہ بچے کے لیے اسی مقصد سے کیا جاتا ہے کہ وہ کھانے کی مشق کرے اور اس پر مضبوط ہو جائے۔

محبت کرتے تھے اور بسا اوقات انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کو بھی چاٹا ہے[1]، اور انہیں گلے لگایا ہے انہیں بہلایا ہے، اور کبھی کبھار وہ آتے جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدے کی حالت میں ہوتے، تو وہ آپ کے پیٹھ مبارک پر سوار ہو جاتے اور آپ انہیں اسی حالت پر رہنے دیتے، ان کی وجہ سے اپنے سجدے کو لمبا کیا کرتے[2]، کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے کر منبر پر کھڑے ہوتے، حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اسی وقت حسن اور حسین کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو آپ منبر سے ان کی طرف آئے اور انہیں گود لیا اور اپنے ساتھ اٹھا کر منبر پر دوبارہ کھڑے ہوئے، اور کہا اللہ تعالی نے سچ کہا ہے: ((انما اموالکم و اولادکم فتنہ))[الانفال:۲۸]، میں نے ان دونوں کو لڑکھڑا کر چلتے ہوئے دیکھا تو میں اپنے آپ کو قابو نہیں کر سکا یہاں تک کہ ان کی جانب اتر کر گیا[3]۔

([1])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر(١٦٨٤٨) - اور اس کا سلسلہ سند صحیح ہے۔

([2])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر(١٦٠٣٣) - اور النسائی نے السنن الکبری میں روایت کی ہے- کتاب الصلاۃ- باب: کیا ایک سجدہ دوسری سجدے سے طویل ہو سکتی ہے؟- حدیث نمبر(٧٣١) - اور اس کا سلسلہ سند صحیح ہے۔

([3])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر (٢٢٩٩٥) - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے- کتاب الفرائض- باب ذوی الأرحام- حدیث نمبر(٦٠٣٩) - اور اس کا سلسلہ سند مضبوط ہے۔

امام ذہبی حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: آپ امام ،سردار، خوبصورت، عقل والے ، سخی، تعریف کئے گئے، اچھے، دیندار، پرہیزگار ،باوقار،بلند مقام والے شخص تھے[1]۔

اور امام بخاری اور مسلم اور احمد اپنی مسند میں اور لفظ انہی کا ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنوقینقاع کے بازار کی طرف میرے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے نکلے،اور آپ نے وہاں کا چکر لگایا، پھر واپس آئے اور مسجد میں لیٹ گئے،اور فرمایا: چھوٹا بچہ کہاں ہے ؟میرے پاس چھوٹے بچے کو بلاؤ، حسن رضی اللہ عنہ آئے اور تیزی سے کود کر آپ کے گود میں آ گئے اور انہوں نے اپنا منہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں ڈال دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو ان سے محبت کر اور جو ان سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر آپ نے ایسا تین مرتبہ فرمایا[2]۔

([1])دیکھیں: سیر أعلام النبلاء(۳/ ۲۵۳)۔

([2])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے -کتاب البیوع- باب ماذُكِرَ في الأسواق- حدیث نمبر (۲۱۲۲) - اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے -کتاب فضائل الصحابۃ- باب فضائل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما- حدیث نمبر (۲٤۲۱) (۵۷) - اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے-حدیث نمبر (۱۰۸۹۱)۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور فضائل صحابہ میں صحیح سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر حسن بن علی کو اٹھائے ہوئے دیکھا، اور ان کا تھوک آپ پر بہہ رہا تھا[1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اسے درمیان حسن آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ رب العالمین اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کریں گے[2]۔

اس حدیث میں ان دونوں گروہوں سے مراد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جماعت اور معاویہ بن ابو سفیان کی جماعت ہے کیونکہ جب علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا اور حسن بن علی کی خلافت کیلئے بیعت کی گئی تو انہوں نے معاویہ ابن ابی سفیان کے لئے تنازل کر لیا، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا معاویہ کے لیے تنازل کرنے کا واقعہ ربیع الاول سنہ 41 ہجری کا ہے، اور اس سال کو عام الجماعت کا نام دیا گیا، کیونکہ اس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں مسلمانوں کا کلمہ جمع ہو گیا تھا۔

([1])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۹۷۷۹) - اور فضائل الصحابۃ میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۱۳۷۰)۔

([2])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الصلح - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "میرا یہ بیٹا سَرِّدار ہو گا" - حدیث نمبر (۲۷۰٤) - اور کتاب الفتن میں روایت کی ہے - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی سے فرمایا: "میرا یہ بیٹا واقعی سَرِّدار ہو گا" - حدیث نمبر (۷۱۰۹)۔

ابن عماد شذرات ذہب میں سنہ 41 کے واقعات کے ضمن میں ماہ ربیع الاول کے واقعات میں لکھتے ہیں: امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ اپنے لشکر کے ساتھ شام کی جانب چلے، اس لشکر کے اگلے حصے میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلے اور وہ انبار[1] نامی مقام کے کنارے پر اکٹھے ہوئے، اللہ تعالی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو توفیق دی اور انہوں نے مسلمانوں کے خون کو محفوظ کر لیا، اور حکمرانی کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھوڑ دیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں ثابت ہے، اس وقت حدیث نبوی سچ ثابت ہوئی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ((بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور اللہ رب العالمین اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے)) [2]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1-اس حدیث میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

2-اس حدیث میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی منقبت بھی مذکور ہے، کیونکہ انہوں نے بادشاہت کو چھوڑ دیا جس کی وجہ قلت ذلت یا کوئی علت نہیں بلکہ اللہ کے پاس موجود اجر وثواب کی رغبت تھی کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے خون

([1])الأنبار: یہ ایک شہر ہے عراق میں، جو بغداد کے مغرب میں فرات کے کنارے واقع ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان (١/ ٢٠٦)۔
([2])دیکھیں: شذرات الذهب از ابن العماد الحنبلي (١/ ٢٢٨)۔

کو بہنے سے بچانے کو اختیار کیا، چنانچہ انہوں نے دین کا معاملہ اور امت کی مصلحت کی رعایت کی۔

3-اور اس میں خوارج پر رہے جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی تکفیر کی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں گروہوں کے لیے اس بات پر گواہی ہے کہ وہ دونوں مسلمان ہیں۔

4-اور اس میں لوگوں کے درمیان اصلاح کی فضیلت کا بیان ہے خاص طور پر جب مسلمانوں کے خون بہنے سے روکنا ہو۔

5-اور اس میں فاضل شخص کی موجودگی میں مفضول شخص کا خلافت کے حاصل کرنے کا بیان ہے، حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ نے خلافت کو حاصل کیا جبکہ سعد بن ابی وقاص بن سعید بن زید مع حیات تھے وہ دونوں ہی بدری صحابی ہیں۔

6-اور اس میں خلیفہ کے تنازل اختیار کرنے کے جواز کا بھی بیان ہے جب وہ ایسا کرنا مسلمانوں کی بھلائی کا سبب تصور کرے۔

7-اس میں یہ بھی ہے کہ دینی اور دنیاوی عہدوں سے مال کے ذریعے چھٹکارا پانا ممکن ہے۔

8-اور اس میں اس بات کا بیان ہے کی سرداری افضل کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ قوم پر وہ رئیس ہوتا ہے اور سید کی جمع سادۃ آتی ہے، اور وہ سؤدد سے مشتق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سواد سے مشتق ہے، کیونکہ وہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کا سردار ہوتا ہے۔

9-اور اس میں نواسے پر بیٹے کے لفظ کے اطلاق کے جواز کا بھی بیان ہے[1]۔

حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا مقام اور ان کی فضیلت:

رہی بات حسین رضی اللہ عنہ کی تو وہ شعبان سنہ چار ہجری میں پیدا ہوئے۔[2]

اور یہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے سینے سے نیچے سے لے کر نیچے تک، چنانچہ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور فضائل میں صحیح سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: حسن لوگوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم سے سب سے زیادہ زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے سینے سے سر تک اور حسین لوگوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے نیچے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے[3]۔

([1])دیکھیے: فتح الباری (571/۱۴)۔

([2])مرجع سابق (۴۶۵/۷)، سیر أعلام النبلاء (۲۸۰/۳)۔۔

([3])ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب إخبارہ - صلی اللہ علیہ وسلم - صحابہ کرام کی فضیلت کے بارے میں - حدیث نمبر (٦٩٧٤) - اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٧٧٤) - اور امام احمد نے فضائل الصحابۃ میں بھی روایت کی ہے - حدیث نمبر (١٣٦٦)۔

اور طیالسی کے یہاں ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں حسن بن علی لوگوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے ناف تک سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے تھے اور حسین اس سے نیچے کے اعضاء میں لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھنے والے تھے[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں[2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن ابی نعم کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں ابن عمر کے لئے گواہ تھا، جب ان سے ایک شخص نے مچھر کے خون کے بارے میں سوال کیا تو ابن عمر نے کہا تم کہاں سے ہو، تو اس نے کہا کہ عراق سے، ابن عمر نے کہا اس کو دیکھو یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں سوال کرتا ہے، حالانکہ ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی وسلم کے بیٹے کو قتل کیا، اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا: ((وہ دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں))[3]۔

([1])اس کی تخریج امام طیالسی نے اپنی مسند میں حدیث نمبر(132)پر کی ہے۔

([2])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر(١٠٩٩٩) - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے- کتاب إخبارہ -صلی اللہ علیہ وسلم- صحابہ کرام کی فضیلت کے بارے میں- باب: بیان کہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسے جنت میں جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے- حدیث نمبر(٦٩٥٩)۔

([3])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے- کتاب فضائل الصحابۃ- باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما- حدیث نمبر(٣٧٥٣) - اور کتاب الأدب - باب: بچے پر رحم، اسے بوسہ دینا اور اسے گلے لگانا - حدیث نمبر (٥٩٩٤) - اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر(٥٥٦٨)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، ابن عمر نے یہ بات اہل عراق کے چھوٹی چیزوں کے سلسلے میں سوال پر اہتمام اور بڑی چیز سے لاپرواہی پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہی ہے[1]۔

حسین بن علی رضی اللہ عنہن کا قتل:

حسین بن علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن دس محرم کو سنہ اکسٹھ ہجری میں شہید کئے گئے، اس وقت ان کی عمر اٹھاون سال تھی[2]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور فضائل صحابہ میں حسن سند کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حسین میرے پاس تھے اسی وقت رونے لگے تو میں نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو جبریل نے کہا اے محمد اس سے محبت کرتے ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

انہوں نے کہا: بے شک آپ کی امت اسے قتل کر دے گی، اگر آپ چاہیں تو میں اس زمین کی مٹی آپ کو دیکھادوں جہاں انہیں قتل کیا جائے گا[3]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر مضبوط سند کے ساتھ عمار ابن ابی عمار کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے دوپہر کے وقت نبی صلی

([1])دیکھیں: فتح الباری (۷/ ٤٦٩)۔

([2])دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (۸/ ٥٩٦)۔

([3])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٦٥٢٤) - اور فضائل الصحابۃ میں بھی روایت کی ہے - حدیث نمبر (١٣٩١)۔

اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ کے ساتھ ایک شیشی تھی اس میں خون تھا جسے آپ چن رہے تھے یا اس میں کچھ تلاش کر رہے تھے، وہ کہتے ہیں، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون میں میں اسے صبح سے اب تک اسے تلاش ہی کر رہا ہوں))، عمار کہتے ہیں: میں نے اس دن آپ سے یہ بات یاد کر لی تو ہم نے پایا کہ اس دن انہیں قتل کر دیا گیا[1]۔

محسن بن علی رضی اللہ عنہ کا مقام:

رہی بات محسن کی تو ان کی وفات بچپن میں ہی ہو گئی تھی، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اخبار سے متعلق اہل علم کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ محسن بن علی بن ابی طالب کی وفات بچپن ہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی[2]۔

ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کا مقام:

رہی بات ام کلثوم کی تو ان کی ولادت سنہ 6 ہجری کے حدود میں ہوئی اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا مگر آپ سے کوئی بھی چیز روایت نہ کی[3]، ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا، اور ان کے ذریعے سے زید کی ولادت ہوئی، اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے ان کے بعد اپنے چچا جعفر کے بیٹوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا، پہلے عون بن جعفر

([1])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر (٢١٦٥)۔

([2])دیکھیں: فتح الباری (٣/ ٥٠٢)۔

([3])دیکھیں: سیر أعلام النبلاء (٣/ ٥٠٠)۔

سے نکاح کیاان کی وفات ہو گئی توان کے بھائی محمد بن جعفر نے نکاح کیا،ان کی وفات ہو گئی توان کے بھائی عبداللہ بن جعفر نے نکاح کیااوران ہی کے پاس ان کی وفات ہوئی[1]۔

امام حاکم نے مستدرک میں شواہد کے ساتھ حسن سند کے ذریعے علی ابن الحسین کے حوالے سے نقل کیاہے وہ کہتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی بن ابی طالب کوام کلثوم کے بارے میں نکاح کاپیغام دیا،اور کہاان کا نکاح اس سے کر دو،تو علی رضی اللہ انہوں نے کہا:ان کا نکاح اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر سے کرناچاہتاہوں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہاان کا نکاح مجھ سے کر دو،اللہ کی قسم کوئی بھی شخص ان کے معاملے پر مجھ سے زیادہ گھات لگانے والا نہیں ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر دیا، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ مہاجرین کے پاس آیااور کہا کیاتم میری شادی نہ کراؤگے ؟لوگوں نے کہا:اے امیر المومنین کس کے ساتھ ؟انہوں نے کہا:ام کلثوم بنت علی کے ساتھ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ کی بیٹی ہیں،کیونکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھاہر نسب اور ثواب قیامت کے دن کٹ جائے گا سوائے اس نسب اور سبب کے جو میرے واسطے سے ہو۔تو میں نے یہ چاہاکہ میرے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک نسب اور سبب ہو جائے[2]۔

زینب بنت علی رضی اللہ عنہما کا مقام:

اور رہی بات زینب رضی اللہ عنہا کی،توان کی ولادت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوئی، جو کی بہت ہی عقلمند، ہوشیار اور درست رائے والی خاتون تھیں،ان کے والد علی

([1])دیکھیں:البدایۃ والنھایۃ(٥/ ٣٠٦)۔

([2])اس کی تخریج امام حاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے۔کتاب معرفۃ الصحابۃ۔باب: عمر کاام کلثوم سے نکاح اور اس کی وجہ۔حدیث نمبر (٤٧٣٨) ۔ اور دیکھیں: السلسلة الصحيحة للألباني رحمہ اللہ ۔ حدیث نمبر (٢٠٣٦)۔اور یہ کہہ کر ختم کیاہے کہ مجموعی طور پر یہ حدیث ان طرق کے اکٹھے ہونے کی کی وجہ سے صحیح ہے،واللہ اعلم۔

رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح اپنے بھائی جعفر کے بیٹے عبد اللہ سے کیا، چنانچہ ان کے ذریعے سے ان کے یہاں علی، عون اکبر، عباس، محمد، ام کلثوم کی ولادت ہوئی، جو کہ اپنے بھائی حسین کے ساتھ تھی جب انہیں قتل کیا گیا، اور انہیں دمشق اٹھا کر لے جایا گیا، اور یہ اپنے شوہر عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس فوت ہوئیں[1]۔

اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی:

علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی اور سے نکاح نہ کیا، اور جب علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تھا تو فاطمہ رضی اللہ عنہ ناراض ہوئیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی شکایت کرنے آئیں، چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا آپ کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنے بیٹیوں کے لیے ناراض نہ ہوں گے یہ دیکھو علی ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت پڑھتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: میں نے ابو العاص بن الربیع سے اپنی بیٹے کی نکاح کی تو انہوں نے مجھ سے بات کی اور اسے سچ کہا[2] اور فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اور میں میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ اس کی کوئی

([1]) دیکھیں: الإصابة (٨/ ١٦٦) - أسد الغابة (٥/ ٣٠٠) - البداية والنهاية (٥/ ٣٠٦)۔

([2]) ابن الاثیر نے جامع الأصول میں کہا (١١/ ٥٠٤): جس کا ذکر وعدہ اور وفا کے طور پر ہوا ہے، وہ ابو العاص بن الربیع ہیں، جو زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے۔ وہ غزوۃ بدر الکبری میں قیدی بن گئے تھے، تو زینب نے انہیں مکہ سے آزاد کروا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہچانا کیونکہ جو چیز زینب نے ساتھ لائی تھی وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گلے کی زینت تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ شفقت ظاہر کی اور اپنے قیدی کو مسلمانوں سے آزاد کروا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص بن الربیع سے شرط رکھی کہ جب وہ مکہ پہنچے تو زینب کو بھی ان کے پاس بھیجیں، اور ابو العاص رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

سو کن ہو اللہ کی قسم ایک شخص کے پاس اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی جمع نہیں ہو سکتیں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہشام ابن مغیرہ کے بیٹوں نے اجازت طلب کی تھی وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی ابن ابی طالب سے کر دیں تو میں اجازت نہیں دی، پھر اجازت نہیں دی پھر اجازت نہیں دی سوائے اس کے کہ علی ابن ابی طالب چاہیں تو میری بیٹی کو طلاق دیں اور ان کی بیٹیوں سے نکاح کر لیں، کیونکہ وہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے مجھے اس چیز سے پریشانی ہو گی جس سے اس کو پریشانی ہو گی اور مجھے وہ چیز شک میں ڈالے گی جو اسے شک میں ڈالے گی۔

اور ایک لفظ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ اسے اس کے دین میں فتنے میں پڑنا پڑے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد شمس سے[1] اپنے ایک داماد کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ رشتے کی تعریف کی اور کہا: بے شک انہوں نے مجھ سے بات کی اور اسے سچ کیا مجھ سے وعدہ کیا یا تو اسے پورا کیا اور میں کسی حلال کو حرام

([1]) یہ ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ ہیں، جو زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے۔

نہیں کرتا نہ کسی حلال کو حرام کرتا[1]، لیکن اللہ کی قسم اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، تو علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام چھوڑ دیا[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے ناراضگی کا سبب:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ کسی ایسے کام کے ذریعے کسی کو مخاطب کرتے جس سے آپ پر عیب لگایا جائے، اور شاید آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کے لئے مبالغہ کرتے ہوئے اعلانیہ طور پر پھٹکار لگائی، اور یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے کوئی اور موجود نہ تھیں، انہیں اپنی والدہ کے بعد اپنے بھائیوں کا غم تھا، اسی وجہ سے ان پر غیرت کے داخل کرنے سے ان کا غم اور بڑھ جاتا[3]۔

([1])الحافظ نے الفتح میں کہا (۱۰/ ٤١٢): یعنی اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا موجود نہ ہوتیں تو یہ ان کے لیے جائز تھا۔ لیکن دونوں کا ملاپ ایسا ہونا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف دہ ہو کیونکہ فاطمہ کو تکلیف پہنچے، وہ جائز نہیں۔ اور جو مجھے ظاہر ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا جا سکتا ہے کہ ان کی بیٹیوں پر دوبارہ شادی نہیں ہوتی، اور ممکن ہے کہ یہ خاص طور پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے مخصوص ہو۔

([2])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب فرض الخمس - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درع، عصا اور تلوار کے ذکر کے بارے میں - حدیث نمبر (۳۱۱۰) - اور کتاب فضائل الصحابۃ - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں کا ذکر - حدیث نمبر (۳۷۲۹) - اور کتاب ا لنکاح - باب: مرد کی بیٹی کے لیے حسد اور انصاف میں قربانی دینے کا ذکر - حدیث نمبر (۵۲۳۰) - اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب فضائل الصحابۃ - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل - حدیث نمبر (٢٤٤٩) - اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۱۸۹۱۳)۔

([3])دیکھیں: فتح الباری (۷/ ٤٥٣)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیٹی فاطمہ سے محبت:

اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اخلاق اور بات چیت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتیں ، آپ ان کے پاس جاتے انہیں بوسہ دیتے اور انہیں مرحبا کہتے، چنانچہ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: میں نے بات چیت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فاطمہ سے زیادہ مشابہت رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور جب وہ آپ کے پاس آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہوتے ان کو بوسہ دیتے اور ان کو خوش آمدید کہتے اور ان کے ہاتھ کو پکڑتے اور انہیں اپنے بیٹھنے کی جگہ بٹھاتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے گھر جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑے ہوتیں آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کے ہاتھ کو پکڑتیں[1]۔

امام ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اخلاق، سکون اور وقار اور ہیئت میں میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فاطمہ سے زیادہ ان کے بیٹھنے اور کھڑے ہونے میں کسی اور کو آپ سے مشابہت رکھنے والا نہ دیکھا[2]۔

([1])ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے- کتاب إخبارہ- صلی اللہ علیہ وسلم- صحابہ کرام کی فضیلت کے بارے میں- باب: مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خبر کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کے اہل خانہ میں سب سے پہلے ان کے پیچھے آئیں- حدیث نمبر (٦٩٥٣)۔

([2])ابوداود نے سنن میں روایت کی ہے- کتاب الأدب- باب: قیام (کھڑے ہونے) کے بارے میں جو آیا- حدیث نمبر (٥٢١٧) - اور النسائی نے السنن الکبری میں روایت کی ہے- کتاب المناقب- باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل- حدیث نمبر (٨٣١١)۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتے ہوئے آئیں تو ان کا چلنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی طرح تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میری بیٹی خوش آمدید پھر آپ نے انہیں اپنے دائیں جانب یا بائیں جانب بٹھالیا[1]۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل:

شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے فاطمہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوں کہ تم جنت کی عورتوں یا مومنہ عورتوں کی سردار بنو[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور کہا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی سب سے بہترین خاتون خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں[3]۔

([1])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب المناقب - باب: اسلام میں نبوت کی علامات - حدیث نمبر (٣٦٢٣) - اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب فضائل الصحابۃ - باب: فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل - حدیث نمبر (٢٤٥٠)۔

([2])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب المناقب - باب: اسلام میں نبوت کی علامات - حدیث نمبر (٣٦٢٤) - اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب فضائل الصحابۃ - باب: فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل - حدیث نمبر (٢٤٥٠)۔

([3])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٦٦٨) - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب إخبارہ - صلی اللہ علیہ وسلم - صحابہ کرام کی فضیلت کے بارے میں - باب: بیان کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جنت کی بہترین خواتین میں سے ہیں - حدیث نمبر (٧٠١٠)۔

ایک مضبوط استدلال:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہ کے ان کے زمانے اور ان کے بعد کی عورتوں پر مقدم ہونے کی سلسلے میں سب سے مضبوط دلیل یہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مذکور ہے: ((وہ مریم علیہ السلام کے علاوہ وہ تمام عورتوں کی سردار ہیں))، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی دوسری بیٹیوں کے علاوہ انہیں مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے، کیونکہ وہ سبھی آپ کی زندگی میں فوت ہوگئی تھیں، اور سب آپ کے صحیفے میں ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کی زندگی میں ہوئی تھی، آپ ان کے صحیفے میں ہوئے، اور میں ایسا استنباط کرتے ہوئے کہا کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے صریح نص پائی: ابو جعفر الطبری سورہ آل عمران کی تفسیر میں فاطمہ بنت حسین بن علی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی دادی فاطمہ نے کہا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے پاس آئے، اس وقت میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی تو آپ نے مجھ سے چپکے سے گفتگو کی تو میں رونے لگی، پھر آپ نے مجھ سے چپکے سے دوسری بار گفتگو کی تو میں ہنس پڑی، عائشہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا: میں نے جان لیا! کیا میں تمہیں اللہ کے رسول کے راز کو بتاؤں گی؟، تو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا اور میں نے ان سے بتایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چپکے سے گفتگو کی۔۔۔ پھر انہوں نے آپ کو جبریل کے قرآن کا دو مرتبہ دورہ کرانے والی حدیث کو ذکر کیا، اور یہ فرمایا: مجھے لگتا ہے اس سال میری وفات ہوگی، اور پوری دنیا کی عورتوں میں کسی کو بھی اتنی تکلیف لاحق نہ ہوئی جیسے تمہیں لاحق ہوئی، تو تم ان میں سے کسی سے کم

صبر کرنے والی نہ ہونا، تو میں نے رو دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جنت کی عورتوں کی مریم کے علاوہ سب کی سردار ہو گی، تو مجھے ہنسی آگئی[1]۔

میں کہتا (قائل ابن حجر ہیں): حدیث کی اصل صحیح نہیں ہے اس اضافے کے علاوہ[2]، اور حافظ ابن کثیر کہتے ہیں اسی لیے ان کا اجر بہت زیادہ رہا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تکلیف انہیں لاحق ہوئی[3]۔

احادیث کے درمیان کوئی تعارض نہیں:

میں کہتا ہوں: فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیٹی زینب سے اس قول کے منافی نہیں ہے، جو اس حدیث میں وارد ہے جسے امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور حاکم نے جید سند کے ساتھ نقل کیا ہے: یہ میری سب سے بہتر بیٹی ہیں، انہیں میری وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑا[4]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: رہی بات اس حدیث کی جسے امام طحاوی وغیرہ نے نقل کیا ہے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے، زید بن حارثہ کے زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ

([1])امام ابن جریر الطبری نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے (٣/ ٢٦٣) - اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (١٤٦)۔

([2])دیکھیں: فتح الباری (٧/ ٤٧٧)۔

([3])دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (٦/ ٧٢٥)۔

([4])الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (١٤٢) - اور الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے - کتاب معرفۃ الصحابۃ - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مکہ سے مدینہ - حدیث نمبر (٦٩١٩) - اور الحافظ نے اسے فتح میں ذکر کیا ہے (٧/ ٤٨١) اور اس کا سلسلہ سند مضبوط کیا۔

وسلم کو مکہ سے لانے والی حدیث میں آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میری سب سے بہترین بیٹی ہیں ان کو میری وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

تو اس کے سلسلے میں بعض ائمہ نے اس کے ثابت ہونے کو مان کر یہ جواب دیا ہے کہ یہ بات آپ کی پہلے کہی گئی تھی، پھر اللہ تعالی نے فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ایسے احوال اور کمالات عطا کیے آئے جس میں اس امت کی کوئی بھی خاتون مطلق طور پر ان کی برابری نہیں کر سکی۔ واللہ اعلم[1]۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

فاطمہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے بعد رات میں فوت ہوئیں، جب ان کی عمر ستائیس یا چھبیس سال تھی۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں، چنانچہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں رات میں دفن کیا[2]۔

مدینہ میں نفاق اور منافقوں کا ظہور

مکہ میں نفاق نہ تھا کیونکہ وہاں پر مسلمان کمزور تھے، اور جو بھی اسلام میں داخل ہوتا اسے سخت خطرات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اسلام وہی قبول کرتا جس کا ارادہ بالکل سچا ہوتا اور اس کا

([1]) دیکھیں: فتح الباری (۷/ ۴۷۷)۔

([2]) امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب المغازی - باب: غزوۃ خیبر - حدیث نمبر (۴۲۴۰) - اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "ہم جو چھوڑ جائیں وہ وراثت نہیں بلکہ صدقہ ہے" - حدیث نمبر (۱۷۵۹)۔

ایمان مضبوط ہوتا، اور جو اپنی زندگی اور مستقبل کو داؤ پر لگانے کا جذبہ رکھتا، چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے وہاں پر سکونت اختیار کی، اور غزوہ بدر میں کفار قریش کو شرمناک شکست ہوئی، تو نفاق کا ظہور ہوا، اور لوگ ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہونے لگے اور اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے حقد چالبازی رکھتے ہوئے کفر کو چھپانے لگے، اور منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی بن سلول تھا، جس کے قوم کے لوگوں نے اس کے لئے تاج بنوار کھا تھا تاکہ اللہ کے رسول کے مدینہ آمد سے پہلے اسے اپنا بادشاہ بنالیں جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے[1]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسامہ بن زید کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے: جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کی اور وہاں پر کفار قریش کے سرداروں کو اللہ نے آپ کے ذریعے قتل کیا، تو ابن ابی بن سلول اور اس کے ساتھ موجود بت پرست مشرکوں نے کہا: یہ معاملہ تو غالب آچکا ہے تو تم اسلام پر اللہ کے رسول سے بیعت کرو اور اسلام قبول کر لو[2]۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں: ((ان المنافقين يخادعون الله[3] وهو خادعهم واذا قاموا الى الصلاة قاموا كسالى، يراؤون الناس ولا يذكرون الله الا قليلا، مذبذبين بين ذلك لا الى هولاء ولا الى هولاء ومن يضلل الله فلن تجد له سبيلا)) [النساء: ١٤٢]۔

([1]) دیکھیں: شیخ ابوالحسن ندوی کا اس موضوع پر کلام ان کی کتاب السیرۃ النبویۃ میں۔ صفحہ ٢٠٠۔

([2]) امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب التفسیر۔ باب: {وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا}۔ حدیث نمبر (٤٥٦٦)۔

([3]) الحافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا (٢/ ٤٣٧): بلا شبہ اللہ تعالی کسی سے نہیں دھوکہ کھاتا، کیونکہ وہ دلوں اور نیتوں کا عالم ہے۔ لیکن منافقین اپنی جہالت، کم علمی اور عقل کی کمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا معاملہ لوگوں کے سامنے جیسا ظاہر ہوتا ہے ویسا ہی اللہ کے ہاں بھی ہے، اور ان کا خیال ہے کہ یہ ان کے لیے فائدہ مند ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن وہ اللہ

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ((منافق کی مثال دو ریوڑوں والی بکری کی طرح ہے، کبھی یہاں جاتی ہے کبھی وہ آجاتی ہے)) [1]۔

شیخ ابوالحسن ندوی کہتے ہیں: ہر اس شخص نے اسلام سے دشمنی کی جس کے دل میں بیماری اور سرداری کی لالچ تھی، اور اس دین کو بڑھتے دیکھ کر اس کے لیے زمین تنگ ہوگئی تھی، جس نے اس کے بنے بنائے کو بگاڑ کر رکھ دیا، اور مدینہ میں ایسی شان پیدا ہوئی جو اس کے موافق نہ تھی، اور مہاجرین اور انصار کو ایک امت قرار دیا، اور ان کے دلوں کے درمیان الفت پیدا کر دی، جنہوں نے اللہ کے رسول کے لیے اپنی جان کو قربان کر دیا، اور آپ کی محبت کو اپنے والدین بیٹوں اور بیویوں پر بھی مقدم کیا، چنانچہ ان منافقوں کے دل حسد اور غصے سے بھر گئے، اور وہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے، اور اس کو نقصان پہچانے کے گھات میں رہنے لگے، اور معاملے کو الٹنے لگے، اور مدینہ میں ایک دشمن طاقت بن گئی جو کہ اسلامی معاشرے میں موجود تھی، اور مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ وہ ان سے ہمیشہ ہوشیار رہیں، کیونکہ ان کا خطرہ اسلام اور مسلمانوں پر کھلے دشمنوں سے زیادہ تھا، اور یہاں سے ہی ان کے ذکر میں قرآن کی آیتیں بھری ہوئی ہیں، اور ان کے پردوں کو چاک کرنے میں، اور ان کا اسلام کے ساتھ اور اسلام کا ان کے ساتھ ایک الگ معاملہ ہوا [2]۔

کے سامنے قسمیں کھائیں گے: کہ وہ راستبازی اور صواب پر تھے، اور انہیں لگتا ہے کہ یہ ان کے لیے فائدہ مند ہوگا، اللہ تعالی نے فرمایا (سورۃ المجادلہ، آیت ۱۸): {يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ}۔

([1]) امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب صفات المنافقین و أحکامھم۔ حدیث نمبر (۲۷۸٤)۔

([2]) دیکھیں: شیخ ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ تعالی کی کتاب السیرۃ النبویۃ۔ صفحہ ۲۰۱۔

غزوہ بنو قینقاع

غزوہ بنو قینقاع سنہ دو ہجری[1] ماہ شوال میں سنیچر کے دن پیش آئی، بنو قینقاع یہودیوں میں سب سے بہادر تھے، اور ان کا پیشہ سونار کا تھا، ان کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک معاہدہ تھا، جیسا کہ ہم مدینہ کے تمام لوگوں کے لیے لکھے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفوں کے باب میں بیان کیا ہے، چنانچہ جب بدر کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے سرکشی اور حسد ظاہر کی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا عہد وپیمان توڑ دیا۔

ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں شواہد کے ذریعے حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بدر کے دن شکست دی اور مدینہ آئے تو یہودیوں کو بنو قینقاع کے بازار میں جمع کیا اور کہا کہ اے یہود کے لوگو! تم اسلام لے آؤ قبل اس کے کہ تمہیں بھی اسی طرح سے شکست کا سامنا ہو جیسے قریش کے لوگوں کو ہوا ہے تو انہوں نے کہا: اے محمد تمہیں اس بات سے دھوکا نہ رہے کہ تم نے قریش کے کچھ لوگوں کو شکست دی ہے جو کہ نہ تجربہ کار تھے اگر تم ہم سے قتال کروگے تو معلوم ہوگا کہ ہم بہت مضبوط ہیں اور تمہاری ملاقات ہماری طرح کے لوگوں سے نہیں ہوئی ہے تو اللہ رب العالمین نے انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ((قل للذين كفروا ستغلبون وتحشرون الى جهنم وبئس المهاد قد كان لكم ايه فى فئتين التقتا فئة تقاتل فى سبيل

([1]) دیکھیں: فتح الباری (۸/ ۷۱) - الطبقات الکبری از ابن سعد (۲/ ۲۶۳) - سیرۃ ابن ہشام (۳/ ۵٤) - البدایۃ والنہایۃ (۳/ ۳۷٦)۔

الله واخرى كافرة يرونهم مثليهم راى العين والله يؤيد بنصره من يشاء ان فى ذلك لعبرة لاولى الابصار))[آل عمران: ١٢-١٣][1]۔

بنوقینقاع کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا جواب یہ جنگ کے لئے کھلا ہوا اعلان تھا اور بنوقینقاع کے یہودیوں کو بڑی جرات ملی اور وہ ہر تھوڑی دیر پر مدینہ میں قلق واضطراب کی فضا ہموار کرتے، چنانچہ ابن اسحاق نے سیرت میں ضعیف سند کے ساتھ ابو عون کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں عرب کی ایک خاتون اپنے سامان کو لے کر آئی اور اسے بنوقینقاع کے بازار میں بیچا اور ایک سونار کے پاس جا کر بیٹھیں چنانچہ وہ لوگ یہ چاہنے لگے کہ وہ اپنا چہرہ کھولے مگر اس نے انکار کیا تو سونار نے اس کے کپڑے کے ایک کنارے کو اس کے پیٹھ سے غفلت کی صورت میں باندھ دیا چنانچہ جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کی ستر ظاہر ہو گئی، اور لوگ اس پر ہنسنے لگے اور اس نے آواز لگائی، مسلمانوں میں سے ایک شخص آیا اور اس نے اس سنار کو قتل کر دیا وہ سونار یہودی تھا تو یہودیوں نے بھی مسلمان کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا اور اسے قتل کر دیا، اور مسلمان شخص کے گھر والوں نے مسلمانوں سے یہودیوں کے خلاف مدد مانگی مسلمانوں کو غصہ آگیا اور ان کے اور بنوقینقاع کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی[2]۔

([1]) یہ حدیث ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے (٣/ ٥٣) - اور ابو داود نے اپنی سنن میں روایت کی ہے - کتاب الخراج والإمارة والفيء - باب: یہود کو مدینہ سے نکالنے کا طریقہ - حدیث نمبر (٣٠٠١) - اور الحافظ نے اسے فتح میں ذکر کیا ہے (٨/ ٧١) اور اس کا سلسلہ سند حسن ہے۔

([2]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (٣/ ٥٤) - البداية والنهاية (٤/ ٣٧٦)۔

بنوقینقاع کا محاصرہ اور ان کی جلاوطنی:

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بنوقینقاع کے یہودیوں نے عدل و مساوات کو توڑ دیا ہے اور وہ بدامنی بڑھ چڑھ کر پھیلا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب گئے اور مدینہ پر ابولبابہ بشیر ابن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا وہ جھنڈا سفید تھا۔

چنانچہ جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو وہ اپنے پہلو میں پناہ گزیں ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ سخت طریقے سے کیا، اور یہ محاصرہ ذوالقعدۃ کا چاند نظر آنے تک پندرہ راتوں تک جاری رہا، یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اتر آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں حکم دیا تو انہیں باندھ دیا گیا [1]۔

اس وقت عبداللہ بن ابی بن سلول کھڑا ہوا اور اپنا منافقانہ کردار ادا کیا، اور اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اصرار کیا کہ آپ انہیں معاف کر دیں اور اس نے کہا: اے محمد آپ ہمارے دوستوں کے سلسلے میں حسن سلوک کریں، اور بنوقینقاع کے لوگ خزرج قبیلے کے حلیف تھے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہیں دیا تو اس نے پھر کہا: اے محمد میرے دوستوں کے سلسلے میں حسن سلوک سے کام لیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنا ہاتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی درع کے جیب میں ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: مجھے چھوڑ دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، پھر آپ نے کہا: تیری بربادی ہو تو مجھے چھوڑ دے تو اس نے

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری از ابن سعد (٢/ ٢٦٤) - البدایۃ والنہایۃ (٤/ ٣٧٧)۔

کہا نہیں اللہ کی قسم میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ میرے دوستوں کے سلسلے میں حسن سلوک نہ کریں ہے ان میں چار سو نہتے اور تین سو ہتھیاروں والے ہیں جنہوں نے مجھے ہر دشمن سے بچایا ہے، کیا آپ ایک ہی دن ان سب کو ختم کر دیں گے اللہ کی قسم مجھے غلبے کا خدشہ ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ تیرے لیے ہیں[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ انہیں ان کے بچوں اور عورتوں سمیت مدینہ سے جلاوطن کر دیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین دن کی مہلت دی اور ان کے نکالنے کی ذمہ داری عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سونپی۔

عبادہ رضی اللہ عنہ نے میں نے ان کے سفر اور جلاوطنی پر زور دیا تو انہوں نے مہلت طلب کی تو ان سے عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: دن کا ایک گھنٹہ بھی نہیں، تمہارے پاس تین دن ہے اس سے زیادہ کی مہلت نہ ہو گی یہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور اگر میں ہوتا تو تمہیں اتنی بھی مہلت نہیں دیتا جب تین دن گزر گئے تو وہ ان کے پیچھے نکلے یہاں تک کہ وہ شام کی جانب نکل گئے اور وہ ذباب پہاڑی[2] کے پیچھے چلے گئے، پھر وہ واپس آ گئے۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں بنو نظیر اور قریظہ کے یہودیوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور قریظہ پر احسان کرتے ہوئے باقی رکھا یہاں تک کی قریظہ کے لوگوں نے سرکشی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آدمیوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں مال و جائیداد کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے سارے

([1]) یہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں روایت کیا ہے (۳/ ٥٤) اور اس کا سند مرسل اور صحیح ہے۔

([2]) یہ مدینہ میں ایک پہاڑی ہے، دیکھئے: النھایۃ (141/2)۔

یہودیوں کو بنو قینقاع جو کہ عبداللہ بن سلام کی قوم کے لوگ تھے اور بنو حارثہ کے یہودی اور مدینہ کے سارے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا[1]۔

اور مسلمانوں نے ان کے سارے مال غنیمت کے طور پر لے لیے اور ان کے پاس کوئی زمین اور کھیتی باڑی نہ تھی وہ تو سونار تھے، اور انہیں ان کی قلعوں میں سناری کے ساز و سامان اور بہت سے ہتھیار ملے تو وہ ساری چیزیں اللہ کے رسول کے لیے خمس کو نکالنے کے بعد صحابہ کے درمیان تقسیم کر دی گئی، اور ان کے مال کو لینے کی ذمہ داری محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی[2]۔

([1])امام البخاری نے روایت کی ہے - کتاب المغازی - باب: بنی النضیر کے بارے میں حدیث - حدیث نمبر (٤٠٢٨) - اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الجهاد والسیر - باب: حجاز سے یہود کو نکالنے کے بارے میں - حدیث نمبر (١٧٦٦)۔

([2])بنی قینقاع کی غزوۃ کی تفصیلات دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (٣/ ٥٣ - ٥٥) - البدایۃ والنھایۃ (٤/ ٣٧٦) - فتح الباری (٨/ ٧١) - الطبقات الکبری از ابن سعد (٢/ ٢٦٣ - ٢٦٤) - شرح المواھب (٢/ ٣٤٩)۔

غزوہ سویق[1]

ہجرت کے دوسرے سال سے ذوالحجہ کے پانچویں دن غزوہ سویق پیش آیا[2]۔

جب ابو سفیان مکہ واپس گیا اور قریش کے ہارے ہوئے لوگ بدر سے واپس ہوئے تو ابو سفیان نے یہ نذر مانی کی وہ جنابت سے اس وقت تک غسل نہ کریں گے[3] یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ نہ کرلیں، اور اپنے ساتھیوں کا بدلہ نہ لے لیں۔

چنانچہ وہ قریش کے 200 لوگوں کے ساتھ نکلے تاکہ اپنی قسم کو پورا کریں اور وہ رات کے وقت مدینہ کے اطراف میں پہنچ گئے اور بنو نظیر کے پاس پناہ لی، تو وہ حیی بن اخطب کے پاس آئے اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، چنانچہ وہ وہاں سے سلام بن مستحم کے پاس گئے جو کہ بنو نضیر کا اپنے زمانے میں سردار تھا، اور ان کے خزانوں کا مالک تھا تو اس کے پاس اجازت طلب کی تو اس نے اجازت دے دی اور اس کی مہمان نوازی کی اور اسے شراب پلایا اور اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں سنائیں، پھر ابو سفیان اس رات کے بعد اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور قریش کے کچھ لوگوں کو بھیجا اور وہ مدینہ کے اطراف میں ایک

([1])السویق: یہ گندم یا جو ہے جو پہلے بھنا جاتا ہے اور پھر پیسا جاتا ہے، اور اسے پانی، مکھن یا شہد کے ساتھ ملا کر کھایا جاتا ہے۔ دیکھیں: شرح المواهب (٢/ ٣٥٣) - لسان العرب (٦/ ٤٣٨)۔

([2])دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (٣/ ٥٠) - الطبقات الكبرى لابن سعد (٢/ ٢٦٤) - شرح المواهب (٢/ ٣٥٣)۔

([3])امام السہیلی نے الروض الأُنف میں فرمایا (٣/ ٢٢١): اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کی غسل کی روایت جاہلیت میں بھی رائج تھی، اور یہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے دین کا باقی حصہ تھی، جیسے حج اور نکاح ان میں باقی تھے۔ اسی لیے اسے جنابت کہا گیا کیونکہ وہ اس حالت میں بیت الحرام اور قربانی کے مقامات کے قریب نہیں ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے قرآن میں اس لفظ کا مطلب واضح ہو گیا، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا (سورۃ المائدۃ، آیت ٦): {وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا}۔ لہٰذا بڑے غسل کا نام پہلے ہی معروف تھا اور اسے وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ برخلاف وضو کے، جو اسلام سے پہلے معروف نہیں تھا، اللہ تعالی نے اسے واضح کیا: (سورۃ المائدۃ، آیت ٦): {فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ}۔

جگہ گئے، جسے عریض[1] کہا جاتا تھا، اور ان سے انہوں نے وہاں پر کھجوروں کے بہت سے درختوں کو جلا دیا اور وہاں انہیں انصار کا ایک شخص اور کھیتی باڑی میں اس کا ایک ساتھی ملا تو انہیں قتل کر دیا اور پھر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا

یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کو پہنچی اور آپ ان کے پیچھے انہیں پکڑنے کے لیے مہاجرین اور انصار میں سے دو سو لوگوں کے ساتھ نکلے اور مدینہ پر ابو لبابہ بشیر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا، ابو سفیان اور ان کے ساتھی اپنے زاد راہ کی تھیلیاں پھینک کر اپنا بوجھ ہلکا کرنے لگے، یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرقرہ کدر[2] نامی جگہ پر پہنچے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آ گئے اور ابو سفیان اور اس کے ساتھی آگے نکل گئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متعلق پانچ دن غائب رہے، مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آنے کے بعد کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ ہمارے لئے غزوہ ہو گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

---

(1) العُرَيْضُ: عین کی فتح کے ساتھ مصغر لفظ ہے؛ یہ مدینہ میں ایک وادی ہے جس میں اس کے لوگوں کے لیے اموال رکھی جاتی تھیں۔ دیکھیں: النہایۃ (۳/ ۱۹۳)۔

(2) الكُدر: بنی سلیم کا پانی، اور الكُدْر کی اصل: ایک پرندہ ہے جس کے رنگ کدرت کے ہیں، اس جگہ یا پانی کو اس نام سے پکارا گیا۔ دیکھیں: لسان العرب (٤/ ٤٣) - الروض الأنف (٣/ ٢٢٠)۔

ابن ہشام کہتے ہیں: اس کا کا نام غزوہ صلی اسلئے پڑا کیونکہ ان لوگوں نے اپنا ستو والا زادہ را کثیر تعداد میں پھینکا تھا اور ان سے مسلمانوں کو بہت سارا ستو ملا تھا[1]۔

(1)اس غزو کی تفصیلات دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۳/ ۵۰ - ۵۱) - الطبقات الکبری از ابن سعد (۲/ ۲٦٤) - اور ابن کثیر کی البدایۃ والنھایۃ میں (۳/ ۳٦٦): یہ السویق کی غزو دراصل "قرقرۃ الکدر" کی غزوہ ہی ہے۔

مسلمانوں کا سب سے پہلا عید الاضحی

ابن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس ہوئے اسی وقت عید الاضحی کا دن آیا، یہ مسلمانوں کے لیے پہلا عید الاضحیٰ تھا، چنانچہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے استطاعت رکھنے والوں نے ذوالحجہ کے دسویں دن قربانی کی، اور لوگوں کو لے کر عید گاہ کی طرف نکلے اور آپ نے نماز پڑھائی، یہ پہلا عید الاضحیٰ تھا جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ مدینہ میں عید گاہ جا کر نماز ادا کی، آپ نے اس میں اپنے ہاتھ سے دو یا ایک بکرا ذبح کیا[1]۔

قربانی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

رہی بات قربانی میں اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کے طریقے کی تو آپ قربانی کو نہیں چھوڑتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور انہیں نماز عید کے بعد ذبح کرتے تھے، آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا تو وہ قربانی نہیں ہے وہ صرف اسی طرح ہے جو انسان اپنے اہل خانہ کو پیش کرتا ہے[2]، اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کار بھی دلالت کرتی ہے۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں اور امام احمد نے یہ لفظ انہی کا ہے انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دھاری دار، سینگ والے

([1]) دیکھیں: تاریخ الطبری (۲/ ٤٩)۔

([2]) امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الأضاحی - باب: نماز کے بعد قربانی کرنے کے بارے میں - حدیث نمبر (٥٥٦٠) - اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الأضاحی - باب: قربانی کا وقت - حدیث نمبر (١٩٦١)۔

مینڈھوں کی قربانی[1] دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کہتے اور تکبیر پکارتے تھے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا آپ نے انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اس وقت آپ اپنے قدم مبارک کو ان کے گردن پر رکھے ہوئے تھے[2]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1-قربانی کرنے والے کا اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے۔

2-اور اس میں ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنے کی مشروعیت کا بیان ہے۔

3-اور اس میں بسم اللہ کے ساتھ تکبیر کہنے کے استحباب کا بیان ہے۔

4-اور اس میں آدمی کا جانور کو ذبح کرتے وقت جانور کے گردن پر اپنا پیر رکھنے کے استحباب کا بیان ہے، اور ان کا اتفاق ہے کہ جانور کو بائیں پہلو پر لٹانا چاہیے اور داہنے جانب اپنا پیر رکھے تاکہ داہنے ہاتھ میں چاقو پکڑ کر بائیں ہاتھ سے اس کا سر پکڑ کر ذبح کرنے میں آسانی ہو[3]۔

([1])الحافظ نے فتح الباری میں کہا (١١/ ١١٥): گویا اسے "أضحية" کہا جانا اس وقت کے نام سے مشتق ہے جس وقت اس کی شریعت مقرر ہوئی۔

([2])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الأضاحی - باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی دو سینگ والے بکروں سے - حدیث نمبر (٥٥٥٣) - اور باب: قربانی اپنے ہاتھ سے کرنے کا - حدیث نمبر (٥٥٥٨) - اور باب: قربانی کے وقت تکبیر - حدیث نمبر (٥٥٦٥)۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الأضاحی - باب: قربانی کی سفارش - حدیث نمبر (١٩٦٦)۔ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (١١٩٦٠)۔

([3])دیکھیں: فتح الباری (١١/ ١٢٥ - ١٣٤)۔

عیدالاضحیٰ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جو قربانی کرنا چاہے اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن[1] شروع ہو جائیں تو وہ اپنے بال اور چمڑا کو نہ چھوئے اس بات سے ممانعت صحیح مسلم کی حدیث میں ثابت ہے[2]۔

اور قربانی کو اختیار کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ خوبصورت اور اچھا بکرا اختیار کرتے اور جو عیوب سے پاک ہوتا۔[3]

([1]) أیام عشر سے مراد: ذی الحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔

([2]) امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب الأضاحی۔ باب: منع کیا گیا ہے کہ جو شخص عشر ذی الحجہ میں قربانی کے لیے داخل ہو، وہ اپنے بال یا ناخن سے کچھ نہ لے۔ حدیث نمبر (۱۹۷۷)۔

([3]) دیکھیں: زاد المعاد (۲/ ۲۹۳)۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات

ہجرت کے دوسرے سال ذی الحجہ کے مہینے میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی[1]، جو کہ مہاجروں کے سرداروں اور اللہ کے متقی دوستوں میں سے تھے، جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی[2]۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ابتدائی دنوں میں ہی اسلام قبول کیا، ابن اسحاق کہتے ہیں: عثمان ابن مظ عون 13 لوگوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے، انہوں نے اپنے بیٹے سائب کے ساتھ حبشہ کی جانب پہلی بار مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہجرت کی تھی، چنانچہ انہیں یہ بات پہنچی کہ قریش لوگ مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ واپس آ گئے۔[3]

پھر انہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی بدر میں شریک ہوئے، اور وہ عبادت میں لوگوں میں سب سے زیادہ محنت کرنے والے تھے، دن کو روزہ رکھتے رات کو قیام کرتے، جائز چیزوں سے بچتے، عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے رہبانیت اور شہوت کو ختم کرنے کے لئے خصی بننے کی اجازت طلب کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔

([1])دیکھیں: فتح الباری (۱۰/ ۱٤۸) - الطبقات الکبری از ابن سعد (۳/ ۲۱۲)۔

([2])دیکھیں: سیر أعلام النبلاء (۱/ ۱٥٤)۔

([3])دیکھیں: أسد الغابۃ (۳/ ۲۲٥)۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ((رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی رہبانیت کے طلب کو ٹھکرادیا اگر آپ ان کو اجازت دیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے))[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: انہیں خصی ہونے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ نے نسل کو بڑھانے کا ارادہ کیا تھا تاکہ کافروں سے جہاد چلتا رہے، ورنہ اگر آپ اجازت دے دیتے تو سبھی یہ کام کرتے اور پھر نسل ختم ہو جاتی اور مسلمانوں کی تعداد کم ہوتی اور کافر زیادہ ہو جاتے، اور یہ بعثت محمدیہ کے مقصد کے خلاف ہے[2]۔

ضعیف حدیث:

امام احمد اور ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد انہیں وہ بوسہ دیا یہاں تک کہ میں نے آپ کے آنسوؤں کو ان کے چہرے پر بہتے ہوئے دیکھا[3]۔

([1])امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب النکاح - باب: التبتل اور خصاء سے متعلق جو مکروہ ہے - حدیث نمبر (۵۰۷۳) - اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب النکاح - باب: نکاح کی سفارش ان لوگوں کے لیے جن کی نفس اس کی طرف مائل ہو - حدیث نمبر (۱۴۰۲)۔

([2])دیکھیں: فتح الباری (۱۰/ ۱۴۸)۔

([3])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۲۴۱۶۵) - اور ترمذی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے - کتاب الجنائز - باب: میت کو بوسہ دینے کے بارے میں - حدیث نمبر (۱۰۱۰) - اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے - کتاب الجنائز - باب: میت کو بوسہ دینے کے بارے میں - حدیث نمبر (۱۴۵۶)۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

ابوداؤد نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کے جنازے کو نکالا گیا اور انہیں دفن کیا گیا، اس وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک پتھر لائے، چنانچہ وہ نہیں اٹھا سکا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جانب گئے اور اپنے بازوؤں کو کھولا، کثیر کہتے ہیں، مطلب نے کہا: اس شخص نے مجھ سے کہا جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ مجھے بتایا، وہ کہتے ہیں گویا میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں کی سفیدی کو ان سے کپڑا اٹھاتے وقت دیکھ رہا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھایا اور آپ نے اسے ان کے سر کے پاس رکھا: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کے ذریعے سے اپنے بھائی کی قبر پہچانوں گا، اور میرے گھر والوں میں سے جس کی وفات ہوگئی اسے یہاں دفن کروں گا[1]۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بہتا ہوا چشمہ:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ام علاء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے خواب میں عثمان کا ایک بہتا ہوا چشمہ دیکھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی

([1]) ابوداود نے اپنی سنن میں روایت کی ہے - کتاب الجنائز - باب: مردوں کو قبر میں جمع کرنے اور قبر کو نشان لگانے کے بارے میں - حدیث نمبر (۳۲۰۶) - اور ابن ماجہ نے مختصر طور پر اپنی سنن میں روایت کی ہے - کتاب الجنائز - باب: قبر میں نشان کے بارے میں - حدیث نمبر (۱۵۶۱)۔

اور میں نے اس کا تذکرہ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ان کا عمل ہے جو ان کے لئے جاری ہے[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ "یہ ان کا عمل ہے جو ان کے لئے جاری ہے"، کہا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل تھا جس کا ثواب ان کے لیے جاری ہے، جیسے صدقہ وغیرہ، اور تحقیق کہ عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ مالدار لوگوں میں سے تھے، تو ان کے لیے یہ بڑی بات نہیں کی انہوں نے کوئی صدقہ کیا ہو جس کا اجر ان کے موت کے بعد بھی جاری ہو، چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن لغیرہ سند کے ساتھ ابو بردہ بن ابو موسی اشعری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں عثمان بن مظعون کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس گئیں، تو انہوں نے انہیں بری حالت میں دیکھا، تو ان سے کہا تمہیں کیا ہوا ہے قریش میں تمہارے شوہر سے زیادہ کوئی مالدار نہیں ہے، تو انہوں نے کہا ان سے ہمارا کیا وہ تو رات بھر قیام کرتے ہیں دن میں روزہ رکھتے ہیں[2]۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے عمل سے مراد اللہ کے دشمنوں سے جہاد میں ان کا مرابطہ ہے کیونکہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے ان کا عمل جاری رہے گا، جیسا کہ سنن میں صحیح سند کے ساتھ فضالہ بن عبید کے حوالے سے ثابت ہے، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں: ((ہر میت کا عمل اس کی موت پر ختم کر دیا جاتا

([1]) امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب التعبیر - باب: خواب میں جاری آنکھ کے بارے میں - حدیث نمبر (۷۰۱۸)۔

([2]) ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۳۱٦)۔

ہے سوائے اس کے جو اللہ کے راستے میں مرابطے کی حالت میں فوت ہوا ہو، اس کا عمل قیامت کے دن تک بڑھتا رہتا ہے، اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ ہوتا ہے[1]۔

اور مسلم کے یہاں صحیح میں اور نسائی میں سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی ایک شاہد بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اور رات کا رباط ایک ماہ کے صیام و قیام سے بہتر ہے اور وہ فوت ہو جائے تو اس کے لئے اس کا وہ عمل جاری رہتا ہے جو وہ کیا کرتا تھا، اور اس کا رزق بھی اس کو دیا جاتا ہے، اور قبر کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے[2]۔

تو عثمان بن مظ ـعون رضی اللہ عنہ کی حالت کو اس پر محمول کر لیا جائے اور پھر جڑ سے یہ اشکال ختم ہو جائے گا[3]۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی تدفین:

آپ رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن کیا گیا، یہ مہاجرین میں سے بقیع میں دفن ہونے والے سب سے پہلے شخص تھے[4]۔

([1])ابو داود نے اپنی سنن میں روایت کی ہے - کتاب الجهاد - باب: ربط (سرحدی محاذ پر قیام) کی فضیلت - حدیث نمبر (٢٥٠٠) - اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب السیر - باب: موت کے بعد اعمال کے منقطع ہونے اور ربط کرنے والے کے عمل کے باقی رہنے کے بارے میں - حدیث نمبر (٤٦٢٤) - اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٣٩٥١)۔

([2])اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الإمارة - باب: اللہ کی راہ میں ربط (سرحدی محاذ پر قیام) کی فضیلت - حدیث نمبر (١٩١٣) - اور النسائی نے اپنی السنن الکبری میں روایت کی ہے - کتاب الجهاد - باب: ربط کرنے والے کی فضیلت - حدیث نمبر (٤٣٦١)۔

([3])دیکھیں: فتح الباری (١٤/ ٤٤٦)۔

([4])دیکھیں: أسد الغابة (٣/ ٢٢٦) - الإصابة (٤/ ٣٨٢)۔

ہجرت کا تیسرا سال

غزوہ بنو سلیم یا قرقرہ کدر

اور ہجرت کے تیسرے سال محرم کے درمیان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوسو صحابہ کے ساتھ نکلے، جب آپ کو یہ خبر ملی کہ بنو سلیم اور غطفان کے کچھ لوگ بنو سلیم کے قرقرہ کدر نامی چشمہ پر اکٹھا ہوئے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ یا ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اس کا جھنڈا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب نکلے یہاں تک کہ قرقرہ کدر نامی چشمہ پر پہنچ گئے اور وہاں آپ نے تین راتوں تک قیام کیا، مگر بنو سلیم اور غطفان کی طرف سے کوئی بھی وہاں نہ ملا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک جماعت کو وادی کے اوپری حصے کی طرف بھیجا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کے اندر ان کا استقبال کیا لوگوں نے کچھ چرواہوں کو دیکھا جن میں یسار نامی ایک لڑکا بھی تھا تو اس سے لوگوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا مجھے ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے میں صرف پانچ دن پر یہاں آتا ہوں، اور یہ پیاس کا دن ہے اور لوگ پانی کی طرف گئے ہیں اور ہم ان چوپایوں کے ساتھ اکیلے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے اور وہاں کچھ چوپائے ملے، ان کے ساتھ آپ مدینہ واپس آ گئے، اور چوپایوں کی تعداد پانچ سو اونٹ تھی، آپ نے اس میں سے اپنا خمس نکالا اور اس کے پانچ حصوں میں سے چار حصہ مسلمانوں پر تقسیم کر دیا، ان میں سے ہر شخص کو دو دو اونٹ ملے، اور یسار نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئے تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کی وجہ سے 15 راتوں تک غائب رہے[1]۔

(1) دیکھیے: سیرت ابن ہشام (49/3)، الطبقات الکبری از ابن سعد (264/2)۔

غزوہ ذی امر یا رغطفان

اور سنہ تین ہجری[1] کے ماہ محرم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم 450 لوگوں کے ساتھ نکلے اور یہ غزوہ احد سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں نکلنے والا سب سے بڑا فوجی لشکر تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاسوسوں سے یہ خبر ملی کہ بنو ثعلبہ بن محارب میں سے غط فان قبیلے کے کچھ لوگ نجد میں ذی امر نامی جگہ پر اکٹھا ہوئے ہیں، جو مدینہ کے گرد دھاوا بولنا چاہتے ہیں، چنانچہ جب انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کی خبر سنی تو پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ نکلے۔

دعثور بن حارث کا قصہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکلے یہاں تک کہ ایک چشمے کے پاس پہنچے جسے ذو امر کہا جاتا تھا، تو آپ نے وہاں پڑاؤ ڈالا، اور وہاں پر خوب تیز بارش ہوئی، جس کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے تر ہو گئے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور اپنے کپڑے کو سوکھنے کے لیے پھیلا دیا، اور وہ جگہ مشرکوں کو نظر آ رہی تھی اور مسلمان اپنے معاملات میں مشغول ہو گئے، تو مشرکوں نے دعثور بن حارث نامی اپنے ایک بہادر شخص کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے بھیجا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا احساس اس وقت ہوا جب وہ تلوار کے ساتھ آپ کے سر پر کھڑا تھا، اس نے کہا: اے محمد تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور جبرئیل علیہ السلام نے اس کے سینے میں

([1]) یہ وہی ہے جو ابن اسحاق نے سیرۃ میں ذکر کیا (۳/ ۵۲) - اور ابن سعد نے اپنی الطبقات میں (۲/ ۲٦٦) بیان کیا: کہ ان کا ﷺ خروج (نکلنا) ہجرت کے تیسرے سال کے ربیع الاول کے بارہویں دن ہوا۔

دھکا دیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور اس سے کہا: تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ تو اس نے کہا: کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں آپ کے خلاف کبھی بھی کسی لشکر کا حصہ نہ بنوں گا۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی تلوار دے دی، جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا، تو لوگوں نے کہا: تیری بربادی ہو کیا ہوا، اس نے کہا: میں نے ایک لمبے شخص کو دیکھا جس نے میرے سینے میں دھکا دیا تو میں اپنے پیٹھ کے بل گر پڑا، تو میں نے جان لیا کہ وہ فرشتہ ہے اور میں نے گواہی دی کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ کی قسم میں اس کے خلاف کسی لشکر کا حصہ نہیں بنوں گا، چنانچہ وہ اپنی قوم کو اسلام کی جانب دعوت دینے لگا، اور اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ((یا ایہا الذین امنوا اذکروا نعمہ اللہ علیکم اذ ہم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیہم فکف ایدیہم عنکم واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون))[المائدۃ: ۔

دعثور کے قصے سے مشابہ ایک دوسرا قصہ:

میں کہتا ہوں: صحیحین[2] میں دعثور بن حارث کے قصے سے مشابہ ایک قصہ وارد ہے لیکن وہ اہل سیر اور مغازی کے سیاق سے بالکل مختلف ہے، اور وہ اس غزوہ کے علاوہ میں ہے، اور اس

([1]) یہ خبر سیرۃ ابن ہشام میں موجود ہے (۳/ ۵۲) - اور الطبقات الکبری لابن سعد میں (۲/ ۲٦٦) - البدایۃ والنہایۃ (٤/ ۳۷۵) - دلائل النبوۃ للبیہقي (۳/ ١٦٧)۔

([2]) صحیح البخاری میں روایت ہے - کتاب المغازی - باب: غزوۃ ذات الرقاع - حدیث نمبر (٤١٣٥) - اور مسلم کی صحیح میں روایت ہے - کتاب الفضائل - باب: نبی ﷺ کا اللہ تعالی پر توکل اور لوگوں سے اللہ کی حفاظت - حدیث نمبر (٨٤٣)۔

کے نام کے علاوہ ہے بلکہ اس کا نام غورث بن حارث ہے اور وہ مسلمان نہ ہوا تھا اس کا ذکر غزوہ ذات الرقاع میں ان شاء اللہ آئے گا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل میں لکھتے ہیں: اور غزوہ ذات الرقاع کے ضمن میں اس کے مشابہ ایک اور قصہ آئے گا، تو شاید وہ دونوں دو قصے ہوں، واللہ اعلم[1]۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر یہ قصہ محفوظ ہے تو یہ قطعی طور پر اس کے علاوہ ہے، کیونکہ وہ آدمی اس کا نام غورث بن حارثہ ہے اور وہ مسلمان نہ ہوا تھا بلکہ وہ اپنے ہی دین پر چلتا رہا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال نہ کرنے سے متعلق کوئی وعدہ نہیں کیا تھا، واللہ اعلم[2]۔

([1]) دیکھیے: دلائل نبوت از بیہقی (169/3)۔

([2]) دیکھیے: البدایہ والنہایہ (375/4)۔

کعب بن اشرف کا قتل

کعب بن اشرف یہودیوں میں سب سے زیادہ اللہ کے رسول اور آپ کے صحابہ سے دشمنی رکھنے والا تھا،اس کے والد بنو نبہان کے قبیلہ طے سے عربی تھے،اس نے جاہلیت میں خون کیا تھا،اس لیے اس نے مدینہ آکر بنو نضیر سے حلف کر لیا تھا،اور ان میں اس کا مقام بلند ہوا تھا،اور اس نے عقیلہ بنت ابو حقیق سے نکاح کیا تھا،تو اس سے ان کے یہاں کعب کی ولادت ہوئی،اور یہ لمبے جسم والا تھا،اچھی شعر و شاعری کرنے والا تھا،حجاز کے یہودیوں میں یہ اپنے زیادہ مال کی وجہ سے سردار بنا،جانچے یہ یہودی علماء کو خوب تحفے دیا کرتا تھااور ان سے صلہ رحمی کرتا،اس کا قلعہ مدینہ کے جنوب مشرق میں بنو نضیر کے دیار کے پیچھے واقع تھا[1]۔

اور اس کی عداوت کا عالم یہ تھا کہ جب اسے بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کے سرداروں کے قتل کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کیا یہ سچ ہے؟ یہ تو عرب کے بلند مقام لوگ اور لوگوں کے بادشاہ ہیں،اللہ کی قسم اگر محمد نے ان کو شکست دے دی تو زمین کا اندرونی حصہ میرے لئے اس کے اوپری حصے سے بہتر ہے۔

چنانچے جب اسے یقینی خبر ملی تو اللہ کا دشمن اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی ہجو بیان کرنے لگا اور ان کے دشمنوں کی تعریف کرنے لگا اور مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے لگا،اور اس نے اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ کی وہ قریش کے پاس سوار ہو کر گیا اور بدر میں ان کے قتل کیے گئے لوگوں پر رویا اور انہیں مسلمانوں سے قتال پر ابھارا،چنانچہ وہ مکہ میں مطلب بن ابی وداعہ کے پاس ٹھہرا تو اس

([1])دیکھیں: فتح الباری (۸/ ۷۷) - الطبقات الکبری لابن سعد (۲/ ۲٦٥) - سیرۃ ابن ہشام (۳/ ۵۸) - شرح المواھب (۲/ ۳٦۸)۔

نے ان کی خوب خاطر داری کی، اور یہ خوب اشعار پڑھنے لگا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے لگا۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب کعب بن اشرف مکہ پہنچا تو لوگ اس کے پاس آئے اور کہا: ہم پانی پلانے والے (اصحاب سقایہ) [1] اور کھانے کعبہ کے متولی ہیں، اور تم مدینہ والوں کے سردار ہو، تو کیا ہم بہتر ہیں یا یہ اپنی قوم سے کٹا ہوا بے اولاد جو یہ دعوی کر رہا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے۔

تو اس نے کہا: تم اس سے بہتر ہو، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ((ان شانئك هو الابتر))[الموثر: ٣] [2]، اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: ((الم ترالى الذين اوتوانصيبامن الكتابيؤمنون بالجبت والطاغوت ويقولون للذين كفرواهؤلاءاهدى من الذين امنوا سبيلا))[النساء: ٥١] [3]۔

پھر کعب بن اشرف اسی حالت پر مدینہ واپس آگیا، اور وہ اپنے اشعار میں نے صحابہ کی خواتین کے بارے میں غزلیں کہنے لگا، اور انہیں آپ نے لمبی زبان سے سخت ایذاء رسانی کرنے لگا۔

([1]) السِّقَايَة: یہ وہ ہے جس کے ذریعے قریش حاجیوں کو پانی میں بھیگی ہوئی کشمش (الزبیب المنبوز) پلایا کرتے تھے۔ دیکھیں: النھایۃ (٢/ ٣٤٢)۔

([2]) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالی نے اپنی تفسیر میں فرمایا (٨/ ٥٠٥): یہ کافروں نے اپنی جہالت کی وجہ سے سوچا کہ اگر نبی ﷺ کے بچے فوت ہو جائیں تو ان کا ذکر ختم ہو جائے گا، مگر بعید ہے اور ہر گز نہیں، بلکہ اللہ نے ان کا ذکر حاضرین کی محافل میں باقی رکھا اور ان کا شریعت بندوں کی گردنوں پر واجب فرمائی، جو ہمیشہ قائم رہے گی، قیامت اور دوبارہ اٹھائے جانے تک۔ اللہ کی صلیٰت اور سلام ہمیشہ ان پر ہو، قیامت کے دن تک۔

([3]) یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب التاریخ - باب: مشرکوں کے نام بتانے کا ذکر، نبی ﷺ نے صنیبیر اور المنبتر کہا - حدیث نمبر (٦٥٧٢) - اور البراز نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٢٩٣)۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا (٨/ ٥٠٤): اس کا سند صحیح ہے۔

اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف کے لئے کون ہے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے؟ تو اس کام کے لیے محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، ابو نائلہ سلکان بن سلامہ جو کہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے، حارث بن اوس اور ابو عبس بن جبر تیار ہوئے، اس گروپ کے لیڈر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اور شیخین کے یہاں صحیحین کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہا: کعب بن اشرف کے لئے کون ہے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے، تو محمد بن مسلمہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ایک بات کہوں[1]، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو، چنانچہ محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس گئے، اور اس سے اللہ کے رسول کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص ہم سے صدقہ مانگ رہا ہے اور اس نے ہمیں پریشان کر دیا ہے اور میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ میں تم سے کچھ ادھار لے سکوں، اس نے کہا: اللہ کی قسم تم اور بھی بور ہو گے۔

([1]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (۸/ ۷۸): گویا انہوں نے اجازت مانگی کہ وہ کوئی ایسا عمل کریں جس سے چالاکی اختیار کی جائے، اور اسی وجہ سے بخاری نے اپنی صحیح میں اس پر باب بنایا: "جنگ میں جھوٹ"۔ اور ابن سعد کے الطبقات کے سیاق وسباق سے (۲/ ۲٦٥) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کہانی میں انہوں نے اجازت لی تاکہ اس کی شکایت کریں اور اس کے رائی پر اعتراض کریں۔

تم محمد بن مسلمہ نے کہا: ہم تو اب اس کا اعتبار کر چکے ہیں، تو ہم نہیں چاہتے کی ہم اسے ابھی سے چھوڑ دیں بغیر یہ دیکھے کہ اس کا معاملہ کیا ہوتا ہے، اور ہم چاہ رہے ہیں کہ تو ہمیں ایک یا دو وسق[1] اناج ادھار دے دے۔

کعب نے کہا ٹھیک ہے: ہمارے پاس کچھ گروی رکھو۔

محمد بن مسلمہ نے کہا: تم کیا چیز چاہتے ہو؟

کعب نے کہا: تم اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی رکھ دو۔

محمد بن مسلمہ نے کہا: ہم اپنی بیویاں تمہارے پاس اس کیسے گروی رکھیں تم تو پورے عرب میں سب سے خوبصورت شخص ہو؟

آپ نے کہا: تو میرے پاس اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔

محمد بن مسلمہ نے کہا: ہم تمہارے پاس اپنے بچوں کو کیسے گروی رکھیں کیونکہ اس کی وجہ سے انہیں لوگ برا بھلا کہیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ ایک یا دو وسق اناج کے بدلے گروی رکھے گئے تھے، اور یہ ہمارے لئے عار کی بات ہو گی، ایسا کرتے ہیں کہ ہم تمہارے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ دیتے ہیں۔

بہر حال محمد بن مسلمہ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے ہتھیار اس کے پاس لا کر رکھیں گے۔

([1]) الوَسْق: واو پر فتح اور سین پر سکون کے ساتھ، یعنی ساٹھ صاع۔ دیکھیں: النہایۃ (٥/ ١٦١)۔

اور ابو نائلہ نے بھی اسی طرح سے کیا، جیسا محمد بن مسلمہ نے کیا تھا، چنانچہ وہ کعب کے پاس آئے تو دیر تک اپنے اشعار اس کے پاس پڑھتے رہے، پھر اس سے کہا: اے ابن اشرف میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں بس تو یہ بات کسی کو نہ بتانا، راوی کہتے ہیں: کعب نے کہا: ٹھیک ہے۔

ابو نائلہ نے کہا: اس آدمی یعنی اللہ کے رسول صلی وسلم کا آنا مصیبت ہے، عربوں نے ہم سے دشمنی کر لیا اور ہمیں ایک تیر سے مارا، اور ہمارے راستے کو کاٹ دیا یہاں تک کہ ہمارے بچے ضائع ہو گئے اور ہمارے جانوں کو مشقت لاحق ہوئی، اور ہم اور ہمارے گھر والے سخت پریشانی کا شکار ہوئے۔

پھر ابو نائلہ نے کہا: ہاں میرے کچھ ساتھی میری ہی طرح خیال رکھتے ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ میں ان سب کو تمہارے پاس لے کر آؤں اگر تم ان سے کچھ فروخت کرو اور ان کے ساتھ احسان کرو۔

اور اس طرح محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ اپنے ارادے کے مطابق اس گفتگو میں کامیاب ہوئے، چنانچہ ان کے ساتھ ہتھیار اور ساتھیوں کو دیکھ کر اس گفتگو کے سبب کعب کو کوئی شک نہ ہوتا

۔

اور سنہ تین ہجری ماہ ربیع الاول کی 14 ویں رات کو چاندنی رات میں یہ جماعت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھا ہوئی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بقیع الغرقد تک چلے، پھر انہیں یہ کہتے ہوئے رہنمائی کی کہ تم اللہ کا نام لے کر جاؤ! ،اے اللہ! ان کی مدد فرما، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس آ گئے اور نماز پڑھ کر اللہ رب العالمین سے دعا کرنے لگے آگے۔

اور یہ لوگ گئے یہاں تک کہ کعب بن اشرف کے قلعہ کے پاس پہنچے، تو ابو نائلہ نے اسے آواز دی تاکہ وہ ان کے پاس آئیں تو اس کی بیوی نے اس سے کہا: -اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی -تم اس وقت کہاں نکل رہے ہو؟

اس نے کہا: یہ تو میرا بھائی محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک ابو نائلہ ہے اس نے کہا میں ایسی آواز سن رہی ہو گویا اس سے خون ٹپک رہا ہے۔

اس نے کہا: وہ تو میرا بھائی محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک ابو نائلہ ہے اور کریم شخص اگر رات میں مار کھانے (طعنہ) کی طرف بلایا جائے وہ جاتا ہے پھر وہ ان کی طرف نکلا، وہ بہت زیادہ خوشبو لگایا ہوا تھا جس سے اس کے سر سے خوشبو آرہی تھی۔

ابو نائلہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جب وہ میرے پاس آئے گا تو میں اس کا بال پکڑ کر اسے سونگھوں گا، جب تم دیکھنا کہ میں نے اس کا سر اچھے سے پکڑ لیا ہے، تو تم اس کو مار دینا۔

جب کعب بن اشرف ان کے پاس آیا، تو اس نے لوگوں کے ساتھ کچھ دیر تک باتیں کی، اور انہوں نے بھی اس کے ساتھ بات کی، پھر ابو نائلہ نے اس سے کہا: بن اشرف کیا تم شعب عجوز تک ہمارے ساتھ چلوگے ہم باقی رات گفتگو کرتے ہیں؟

اس نے کہا: اگر تم چاہو، چنانچہ وہ سب چلتے ہوئے نکلے ابو نائلہ نے راستے میں کہا، آج کی طرح خوشبو میں نے کبھی نہیں دیکھی.

کعب نے کہا: میرے پاس عرب کی سب سے خوشبو دار خاتون ہے، ابو نائلہ نے کہا: کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں تمہارے سر کا خوشبو سونگھوں؟ اس نے کہا: ہاں پھر انہوں نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور اسے سونگھا۔

پھر تھوڑی دیر چلتے رہے، ابو نائلہ نے کہا: کیا میں پھر سے آپ کا سر سونگھ لوں، کعب نے کہا: ہاں، پھر انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ مطمئن ہو گیا، پھر تھوڑی دیر چلتے رہے پھر ابو نائلہ نے کہا کیا میں پھر سے تمہارا سر سونگھ لو کعب نے کہا: ہاں چنانچہ انہوں نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ داخل کیا پھر جب مضبوطی سے پکڑ لیا، تو ابو نائلہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اللہ کے دشمن کو قتل کر دو، چنانچہ ان کے تلوار اس پر ٹوٹ پڑے مگر پھر بھی اس کا کچھ نہیں ہوا، تو محمد بن مسلمہ نے کدال لیا، اور اسے اس کے پیٹ پر رکھ دیا، اور اسے کھینچا یہاں تک کہ پیٹ کے نچلے حصے تک پہونچ گیا، پھر اللہ کا دشمن قتل کر دیا گیا، اس وقت اس نے ایسی چیخ ماری کی اس کے گرد کے سارے لوگ خوفزدہ ہو گئے، کوئی بھی قلعہ ایسا نہیں بچا تھا جس پر روشنی نہ لگی ہو۔

اور یہ جماعت واپس ہوئی وابس ہوئی اور حارث بن اوس کو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کی تلوار کا کنارہ لگا تھا جس سے وہ زخمی ہو گئے تھے اور اس سے خون نکل پڑا تھا، جب یہ لوگ حرہ عریض پہونچے تو لوگوں نے دیکھا کہ حارث ان کے ساتھ نہیں ہیں تو انہوں نے تھوڑا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ ان کا پیچھا کرتے کرتے ان کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے ان کو اٹھایا یہاں تک کہ بقیع غرقد کے پاس پہنچے تو انہوں نے تکبیر کہی جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تو آپ نے جان لیا کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا ہے تو آپ نے بھی تکبیر کہی یہاں تک کہ جب وہ اللہ کے رسول کے پاس پہنچے اور وہ رات کا آخری وقت چل رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ چہرے کامیاب ہو گئے، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم اور آپ کا چہرہ بھی، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل پر اللہ کی تعریف کی اور حارث کے زخم پر آپ نے اپنا لعاب لگایا جس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گئے[1]۔

([1]) کعب بن الاشرف کے قتل کی کہانی روایت کی ہے: بخاری نے اپنی صحیح میں - کتاب المغازي - باب: قتل کعب بن الأشرف - حدیث نمبر (٤٠٣٧) مسلم نے اپنی صحیح میں - کتاب الجهاد والسير - باب: قتل کعب بن الأشرف طاغوت يهود - حدیث نمبر (١٨٠١) ابو داود

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کعب ابن اشرف کے قصے میں بہت سے فوائد ہیں:

1-اگر عام دعوت پہنچ چکی ہو تو مشرک کو بغیر دعوت دیئے قتل کرنا جائز ہے۔

2-اور اس میں اس بات کا جواز موجود ہے جس کی جنگ میں ضرورت پیش آئے، اگرچہ اس کا کہنے والا اس کا حقیقی معنی مراد نہ لے۔

3-اور اس میں کعب بن اشرف کی بیوی کے مضبوط سمجھ اور اس کے بات کی سچائی اور اس کے: آواز سے خون ٹپک رہی ہے کہنے میں بلاغت پر دلالت ہے[1]۔

اور جب یہودیوں نے اپنے سرکش کعب بن اشرف کے قتل کی خبر سنی، تو ان کے سرکش دلوں میں رعب بھر گیا، انہوں نے جان لیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ محسوس کریں گے کہ ہم سے کھلواڑ کرنے اور اضطراب بھڑکانے اور عہد وپیمان کا احترام نہ کرنے والوں کے لئے نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو آپ طاقت کے استعمال سے بھی جھجک محسوس نہیں کریں گے، چنانچہ انہوں نے اپنے سرکش کے قتل پر کوئی حرکت نہ کی بلکہ انہوں نے سکون اور اطمینان کو

نے اپنی سنن میں - کتاب الجهاد - باب: دشمن پر اچانک حملہ - حدیث نمبر (٢٧٦٨) ابن سعد نے اپنی الطبقات میں (٢/ ٢٦٥) ابن کثیر نے البداية والنهاية میں (٤/ ٣٧٩) ابن اسحاق نے السیرة میں (٣/ ٥٧) اور البیہقی نے دلائل النبوة میں (٣/ ١٨٧)۔

([1])دیکھیں: فتح الباری (٨/ ٨٠)

لازم پکڑا اور انہوں نے ظاہر کیا کہ وہ عہد وپیمان کو پورا کرنے والے ہیں اور وہ پر سکون رہے، اور ازدہ ے جلدی سے اپنے سوراخوں میں چھپ گئے[1]۔

(1) دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ ۲٤٥۔

قردہ کی جانب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا سریہ

غزوہ احد سے پہلے مسلمانوں کی طرف سے کی گئی یہ سب سے آخری اور سب سے کامیاب سریہ تھی، جو سنہ 3 ہجری سال ماہ جمادی الآخرہ میں پیش آئی۔

اور اس کا سبب یہ تھا کہ غزوہ بدر کے بعد قریش کے لوگ شام جانے کے لیے غزوہ بدر سے پہلے والے عام راستہ کو چلنے سے ڈر گئے، تو انہوں نے کہا۔ جبکہ گرمی میں شام کی جانب ان کے کے سفر کا موسم قریب آچکا تھا۔ محمد نے ہمارے تجارت کو خراب کر دیا ہے وہ ہمارے راستے میں ہے تو ہم نہیں جانتے کون سا راستہ چلیں، صفوان بن امیہ نے کہا: اگر ہم مکہ میں رہیں گے تو ہم اپنی بچی پونجی کو بھی کھالیں گے اور پھر ہمارے پاس کچھ نہ بچے گا مکہ میں ہماری زندگی تجارت پر منحصر ہے۔

اسود بن عبد المط ملب نے کہا: میں تمہیں ایک ایسے شخص کی طرف رہنمائی کروں گا، جو تمہیں نجد کا راستہ لے کر جائے گا، یہ راستہ نجد سے شام لے کر جانے کے لیے بہت ہی لمبا راستہ ہے جو کی مدینہ سے مشرق کی طرف اس سے کافی دوری سے گزرتا ہے قریش کے لوگ اس راستے کو بالکل ہی نہیں جانتے تھے۔ صفوان بن امیہ نے کہا: یہ آدمی یعنی رہنمائی کرنے والا کون ہے؟

اس نے کہا: بنوں بکر بن وائل کا فرات بن حیان چنانچہ ان لوگوں نے اسے بلایا اور انہوں نے راستہ بتانے کے لئے اسے اجرت پر رکھا اور پھر قریش کا قافلہ نکلا جس میں بہت سامال تھا، اس میں تیس ہزار درہم کے برابر بہت سارا چاندی تھا جس کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو سفیان بن حرب کر رہا تھا چنانچہ انہیں لے کر فرات بن حیان ذات عرق سے عراق کے راستے لے کر نکل گیا۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلے کی خبر پہنچی، وہ اس طرح کہ نعیم بن مسعود[1] مدینہ آئے، وہ اپنی قوم والوں کے دین پر ہی تھے، وہ کنانہ ابن ابوالحقیق کے یہاں بنو نضیر میں قیام پذیر ہوئے تو اس نے ان کے ساتھ خوب شراب پیا اس وقت ان کے پاس سلیط بن نعمان بھی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے اور ان دنوں شراب حرام نہ ہوئی تھی، تو جب شراب نے نعیم پر اثر کیا تو اس نے اس قافلے کے بارے میں پوری تفصیل بیان کر دی، اسی وقت سلیط جلدی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور آپ کو ان کے معاملے سے متعلق خبر دی۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نکلنا:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سو سواروں کے ساتھ قریش کے قافلوں کو روکنے کے لیے بھیجا، چنانچہ نجد کے قردہ نامی ایک چشمے کے پاس ان کی ملاقات ان لوگوں سے ہوئی، اور انہوں نے ان پر مکمل طور سے قبضہ کر لیا، اور صفوان بن امیہ اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کے پاس موجود پہرہ داروں کے پاس بغیر کسی مقابلہ کے راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔

قافلے کی رہنمائی کرنے والے کا قید کیا جانا اور اس کا قبول اسلام:

اور مسلمانوں نے قافلے کے رہنما فرات بن حیان کو قید کر لیا اور اسے اور قافلے کو لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور اسے لے کر انصار کے ایک حلقے سے گزرے، تو فرات نے کہا: میں مسلمان ہوں، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کہنا ہے

([1]) نعیم بن مسعود -رضی اللہ عنہ- نے یوم الخندق میں اسلام قبول کیا، اور اس کا اسلام بہت اچھا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے یوم الخندق میں بنی قریظہ، غطفان اور قریش کے درمیان اختلاف پیدا کیا۔

کہ میں مسلمان ہوں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم میں سے کچھ لوگ ہیں جن کو میں ان کے ایمان کے حوالے کرتا ہوں انہیں میں سے فرات بن حیان بھی ہیں[1]۔

اور جب فرات رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کا اسلام اچھا رہا انہوں نے دین کی تعلیم حاصل کی، اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر غزوات میں شریک ہوتے رہے یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی وسلم فوت ہوگئے پھر وہ مکہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ کے مال غنیمت کو خمس نکالنے کے بعد اس میں شریک لوگوں پر تقسیم کر دیا[2]۔

یہ ایک سخت سانحہ اور بڑی مصیبت تھی جو بدر کے بعد قریش پر آئی۔ اس سے قریش سخت پریشانی میں مبتلا ہوگئے، ان کا غم اور فکر بڑھ گیا، اور ان کے سامنے صرف دو راستے باقی رہ گئے: یا تو وہ اپنی گھمنڈ اور تکبر کو چھوڑ کر مسلمانوں سے صلح وامن کا راستہ اختیار کریں، یا پھر ایک بڑی جنگ کے لیے تیار ہوں تاکہ اپنی پرانی عزت وشان واپس حاصل کر سکیں، اور مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیں تاکہ انہیں کہیں بھی اثر واختیار باقی نہ رہے۔ مکہ والوں نے دوسرا راستہ چنا، بدلے پر اصرار

([1]) یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (١٨٩٦٥) - اور ابو داود نے اپنی سنن میں - کتاب الجهاد - باب: ذمی جاسوس کے بارے میں - حدیث نمبر (٢٦٥٢) - اور الحاکم نے المستدرک میں - کتاب الجهاد - باب: جب وہ گھر پر اتریں تو فرق ڈالنے سے منع کیا گیا - حدیث نمبر (٢٥٨٨)۔ اس کی سند صحیح ہے۔

([2]) اس سریہ کی خبر دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (٣/ ٥٦) - الطبقات الکبری لابن سعد (٢/ ٢٦٧) - البدایۃ والنھایۃ (٤/ ٣٧٨) - شرح المواھب (٢/ ٣٨٤)۔

بڑھادیا، مسلمانوں سے مقابلے کی پوری تیاری شروع کردی، اوران پر حملے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ یوں یہ تمام حالات اور واقعات آئندہ ہونے والی جنگ اُحد کے لیے مضبوط تمہید بن گئے۔[1]

([1])دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ ۲۴۷۔

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ام کلثوم بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی

اور ہجرت کے تیسرے سال ماہ ربیع الاول میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کیا یا جو کہ کنواری تھیں[1]، ان سے عثمان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی[2]۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کی بہن رقیہ سے نکاح کیا تھا، وہ غزوہ بدر سے پہلے بیمار ہو گئی تھیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر کے لئے جانے کے وقت ان کے پاس رہنے کا حکم دیا تھا، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بدر کے دن فتح اور کامیابی کی خوشخبری دینے والا مدینہ آیا اس وقت ان کی وفات ہو چکی تھی، جیسا کہ ہم نے گذشتہ سطور میں بیان کیا ہے چنانچہ جب رقیہ کی وفات ہو گئی تو آپ نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم سے ان کا نکاح کر دیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں سے تھا، اور میں آپ کی بعثت پر ایمان لایا، اور دونوں ہجرتیں کیں، اور مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاہرت بھی حاصل ہوئی، اور میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی

([1]) وہ رضی اللہ عنہا عتبہ بن ابی لہب کے پاس تھیں، جب سورۃ المسد نازل ہوئی تو ان کے والد نے حکم دیا کہ انہیں طلاق دے، تو انہوں نے طلاق دے دی، اور ابھی اس کے ساتھ دخل نہیں ہوا۔ دیکھیں: أسد الغابۃ (٥/ ٤٨٦)۔

([2]) دیکھیں: سیر أعلام النبلاء (٢/ ٢٥٢) - الإصابۃ (٨/ ٤٦٠) - أسد الغابۃ (٥/ ٤٨٦)۔

اللہ کی قسم میں نے کبھی آپ کی نافرمانی نہ کی، اور نہ ہی میں نے کبھی آپ کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دی[1]۔

اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ نہیں جانا چاہتا کہ اس نے کسی نبی کی دو بیٹیوں سے نکاح کیا ہو۔

([1])اس کے تخریج امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب الفضائل ، باب مناقب عثمان بن عفان حدیث نمبر(3696)اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر(480)اور امام طحاوی نے اپنے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر(4750)پر کی ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے شادی

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ سے شعبان سنہ 3 ہجری[1] میں نکاح کیا، جب انہوں نے اپنے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی عدت مکمل کی، جن کی جنگ بدر کے بعد وفات ہو گئی تھی۔

امام بخاری اور ابن حبان نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں: جب حفصہ بنت عمر کے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی کا انتقال ہوا جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ساتھیوں میں سے تھے جو بدر میں شریک تھے، اور ان کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری ملاقات عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور میں نے ان سے حفصہ کے ساتھ نکاح کی پیشکش کی اور کہا اگر تم چاہو تو میں حفصہ کی شادی تم سے کر دوں، تو انہوں نے کہا: میں اس بارے میں سوچوں گا، وہ کہتے ہیں پھر میں اس کے بعد کچھ دن تک ٹھہرا رہا، پھر ان کی ملاقات مجھ سے ہوئی، تو میں نے کہا ابھی میں نکاح نہیں کرنا چاہتا، عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری ملاقات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے ان سے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح حفصہ سے کر دوں، وہ کہتے ہیں: تو انہوں نے میرا کوئی جواب نہ دیا، مجھے ان پر عثمان سے زیادہ غصہ آیا[2]، پھر میں کچھ دنوں تک ٹھہرا رہا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں مجھے نکاح کا پیغام دیا، اور میں نے ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، پھر مجھ

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری ابن سعد (۸/ ۲۸۵) - سیر أعلام النبلاء (۲/ ۲۲۷) - أسد الغابۃ (۵/ ۲۵۰)۔

([2]) حافظ نے فتح الباری میں فرمایا (۱۰/ ۲۲۲): یعنی ابو بکر پر جو غصہ تھا وہ عثمان پر میرے غصے سے زیادہ شدید تھا، اور اس کی دو وجوہات ہیں: ۱) ان کے درمیان جو مضبوط محبت تھی؛ ۲) کیونکہ عثمان نے پہلے اس کا جواب دیا اور پھر اس سے معذرت کی، جبکہ ابو بکر نے اس پر دوبارہ جواب نہیں دیا۔

سے ابو بکر ملے اور انہوں نے کہا شاید تم مجھے حفصہ کے نکاح کی پیشکش کرتے ہوئے مجھ سے ناراض ہوئے تھے کیونکہ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ہاں۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تمہیں کوئی جواب سے اس چیز نے روکا تھا کیونکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا، اور میں اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کے راز کو فاش کرنے والا نہیں ہوں، اگر آپ چھوڑ دیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا[1]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

1-اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر یہ عذر (یعنی رسولِ اکرم ﷺ کا حفصہ کا ذکر فرمانا) نہ ہوتا، تو ابو بکرؓ اُس کا رشتہ قبول کر لیتے۔ اس سے ابو بکرؓ کا عذر واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کیوں عثمانؓ کی طرح یہ نہیں کہا کہ: "مجھے یہ رائے ہوئی ہے کہ میں نکاح نہ کروں"۔

2-اور اس میں راز کو چھپانے کی فضیلت کا بیان ہے، اگر صاحب راز خود اسے ظاہر کر دے تو سننے والے پر اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

3- اس میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ آدمی کو اپنے بھائی پر ناراضی اور گلہ کرنے کا حق ہے، اور پھر اس سے معذرت بھی کر سکتا ہے، کیونکہ انسانی طبیعتیں اسی پر پیدا کی گئی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ ابو بکرؓ کے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ یہ ہو کہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو

([1]) یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے- کتاب النکاح- باب «انسان اپنی بیٹی یا بہن کو نیک لوگوں کے سامنے پیش کرے» -حدیث نمبر (۵۱۲۲)۔ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی نقل کی ہے- کتاب النکاح- باب «کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ جس لڑکی کو نکاح کے لیے چاہتا ہے، اس کا ذکر اپنے بھائیوں کے سامنے کرے» -حدیث نمبر (٤٠٣٩).

یہ خیال ہو جائے کہ وہ حفصہؓ سے نکاح نہیں کریں گے، تو عمرؓ کے دل میں رنج و شکستگی پیدا ہو جائے۔ اور غالب گمان ہے کہ ابو بکرؓ کو نبی ﷺ کے حفصہؓ سے نکاح کا ارادہ معلوم ہونا، یا تو اس وجہ سے تھا کہ نبی ﷺ نے اس معاملے میں ان سے مشورہ فرمایا تھا، یا اس لیے کہ نبی ﷺ ان سے کوئی بھی بات پوشیدہ نہیں رکھتے تھے جس کا وہ ارادہ فرماتے تھے"۔

4-اور اس میں انسان کا اپنے بیٹی اور موجود دیگر خواتین سے نکاح کا ایسے لوگوں سے پیش کرنے کا جواز بھی موجود ہے جن کی اچھائی اور صلاحیت کا اسے یقین ہو، کیونکہ اس میں اس بچی کے لیے خیر اور بھلائی پوشیدہ ہے اور اس سلسلے میں حیا اور شرم نہیں کرنی چاہیے۔

5-اور اس میں اس بات کا بیان ہے کی شادی شدہ شخص پر بھی انسان کا اپنی ولایت والی بچیوں کے نکاح کی پیشکش کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس وقت ابو بکر شادی شدہ تھے[1]۔

([1])دیکھیں: فتح الباری (جلد ۱۰، صفحہ ۲۲۲)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حفصہ کو طلاق اور ان سے رجوع کرنا:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کو طلاق دیا پھر رجوع کر لیا، جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ وسلم نے اللہ کو طلاق دیا پھر ان سے رجوع کر لیا[1]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بخاری کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ حفصہ کے پاس گئے جبکہ وہ رو رہی تھیں، تو انہوں نے کہا: تم کیوں رو رہی ہو؟ شاید اللہ کے رسول صلی اللہ نے تمہیں طلاق دے دیا ہے، اگر انہوں نے آپ کو طلاق دیا ہے اور پھر انہوں نے میری وجہ سے آپ سے رجوع کر لیا، تو اللہ کی قسم اگر انہوں نے تم کو طلاق دیا ہے تو میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گا[2]۔

حفصہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختصر بات:

حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبد اللہ بن عمر سے 6 سال بڑی تھیں، اور ان کی وفات سنہ 41 میں ماہ شعبان کے اندر حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے معاویہ کے ہاتھ پر جماعت والے سال بیعت کرنے کے وقت ہوئی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں میں 45 ہجری میں

([1]) اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب النکاح - باب الرجعۃ - حدیث نمبر (٤٢٧٥)۔ اور الطحاوی نے اپنی شرح مشکل الآثار میں بھی نقل کیا ہے - حدیث نمبر (٤٦١١)۔

([2]) اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب النکاح - باب الرجعۃ - حدیث نمبر (٤٢٧٦)، اور الطحاوی نے اپنی شرح مشکل الآثار میں بھی نقل کیا ہے - حدیث نمبر (٤٦١٣)۔

معاویہ بن ابو سفیان کی خلافت میں ہوئی، نماز جنازہ مروان بن حکم نے پڑھائی جو کہ ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے، اور ان کے تدفین بقیع میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترسٹھ سال تھی[1]۔

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد ۸، صفحہ ۲۸۷)، سیر أعلام النبلاء (جلد ۲، صفحہ ۲۲۹)، أسد الغابۃ (جلد ۵، صفحہ ۲۵۱)۔

زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے تیسرے سال ماہ رمضان میں بنو عامر بن صعصعہ سے زینب بنت خزیمہ ہلالیہ سے نکاح کیا۔

انہیں ام المساکین کے نام سے جانا جاتا تھا، کیونکہ وہ مسکینوں کو بہت زیادہ کھانا کھلایا کرتی تھیں اور ان کو صدقات عطا کرتی تھیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی میمونہ کی ماں شریک بہن تھی۔

اور یہ طفیل بن حارث کی بیوی تھیں، انہوں نے ان کو طلاق دے دیا تھا، پھر ان سے عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب نے نکاح کیا تھا جو کہ بدر کے دن شہید کر دیے گئے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عبد اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں تو انہیں احد کے دین شہید کر دیا گیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکاح کا پیغام دیا اور انہوں نے اپنا معاملہ آپ سلم کے سپرد کر دیا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا، چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھوڑی ہی مدت دو یا تین مہینے رہیں یہاں تک کہ سنہ چار ہجری میں ماہ ربیع الآخر کے آخری دنوں میں وہ فوت ہو گئیں، ان کی وفات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہوئی اس وقت ان کی عمر تیس یا اس کے آس پاس تھی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نماز جنازہ پڑھایا اور انہیں بقیع میں دفن کیا[1]۔

([1]) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی تفصیلات کے لیے دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد ۸، صفحہ ۳۰۳)، أسد الغابۃ (جلد ۵، صفحہ ۲۹۷)، الإصابۃ (جلد ۸، صفحہ ۱۵۷)، سیر أعلام النبلاء (جلد ۲، صفحہ ۲۱۸)۔

غزوہ احد ابتداء تا انتہاء

غزوہ اُحد[1]

غزوۂ اُحد صرف میدانِ جنگ کی لڑائی نہ تھی، بلکہ یہ ایک ضمیر کی جنگ بھی تھی۔ یہ ایسی لڑائی تھی جس کا میدان بہت وسیع تھا، کیونکہ اس میں تلواروں کا میدان تو بس ایک پہلو تھا، جبکہ اصل میدان انسانی نفس کا تھا—انسان کے خیالات، جذبات، خواہشات، لالچ، شہوات، محرکات اور رکاوٹیں سب اس میں شامل تھیں۔ اور اس موقع پر قرآن اس انسانی نفس کا علاج کر رہا تھا—نہایت باریک بینی، گہرائی، اثر انگیزی اور جامعیت کے ساتھ، جس طرح مجاہد اپنے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں، اسی طرح قرآن نفسِ انسانی کے باطن میں لڑ رہا تھا[2]۔

اس کا وقت:

غزوہ احد ہجرت کے تیسرے سال شوال کے درمیانی حصے میں سنیچر کے دن ہوئی[3]۔

([1])امام السھیلی نے الرّوض الأُنُف میں فرمایا(جلد ۳، صفحہ ۲٤۰): اُحد وہ پہاڑ ہے جو مدینہ کے قریب واقع ہے، اس نام سے اس لیے موسوم ہوا کہ یہ ایک الگ اور الگ پہاڑ ہے، جو وہاں کے دیگر پہاڑوں سے منقطع ہے۔ اُحد کے فضائل کے بارے میں احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، جن میں سے ایک حدیث بخاری شریف میں رقم ٤۰۸۳ اور مسلم شریف میں رقم ۱۳۹۳ میں وارد ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اُحد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہمیں محبت کرتا ہے اور ہم بھی اسے محبت کرتے ہیں۔" امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا(جلد ۹، صفحہ ۱۳۸): کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے باشندے ہمیں محبت کرتے ہیں اور ہم بھی انہیں محبت کرتے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ ظاہری معنی پر لیا جائے، یعنی پہاڑ بذات خود ہم سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ نے اس میں ایک تمیز رکھا ہے۔

([2])دیکھیں: ظلال القرآن، سید قطب، جلد ۱، صفحہ ٤۵۷۔

([3])حافظ ابن کثیر نے الفتح میں فرمایا(جلد ۸، صفحہ ۸۸): یہ مشہور واقعہ اُحد کی جنگ شوال کے مہینے میں سن تین ہجری میں پیش آیا، اس بات پر تمام علماء متفق ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ جنگ اُحد دن کے وقت ہوئی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، سورۃ آل عمران، آیت ۱۲۱ میں: {وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ} یعنی: "جب آپ صبح اپنے اہل خانہ سے نکلے اور مؤمنوں کو لڑائی کے

اس کا سبب:

جب قریش بدر سے مکہ لوٹے تو انہیں ایک ایسا بڑا صدمہ پہنچا کہ وہ پہلے کبھی اس کی مثال نہیں دیکھے تھے —— اپنے بڑے سرداروں اور سرکردگان کے قتل سے۔ انہوں نے اتفاق کیا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک مکمل اور وسیع الحرب (جامع جنگ) کریں گے، تاکہ اپنا غصہ ٹھنڈا کریں اور اپنی گھٹن شدہ کینہ و بغض کا بدلہ نکالیں۔ اور اسی تیاری و عزم نے انہیں اس عظیم معرکے یعنی جنگ اُحد میں کودنے کے لیے پوری طرح متحرک کر دیا۔

اور عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب، عبداللہ بن ابی ربیعہ، قریش کے سرداروں میں سب سے زیادہ اس معرکہ کی تیاری میں حرکت کرنے والے اور جذبہ رکھنے والے تھے۔

اور انہوں نے اس کے لیے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ انہوں نے اس قافلے کو روکا جسے لے کر ابوسفیان جان بچ نکلے تھے جو معرکہ بدر کا سبب بنا تھا، اور انہوں نے ان لوگوں سے جن کا اس میں مال تھا کہا کہ بے شک محمد نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے اور تمہارے سرداروں کو قتل کیا ہے تو تم اس مال کے ذریعے سے اس سے لڑنے پر ہماری مدد کرو ہو سکتا ہے ہم ان سے اپنا بدلہ حاصل کر لیں تو انہوں نے ان کی بات مان لیں اور اس طرح ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کی مالیت اکٹھا ہو گئی[1]۔

لیے جگہیں دے رہے تھے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔" حافظ ابن کثیر نے الفتح میں مزید فرمایا (جلد ۸، صفحہ ۹۰): اللہ تعالیٰ کا لفظ {غَدَوْتَ} سے مراد یہ ہے کہ آپ دن کے اوائل میں نکلے۔

([1]) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ٦٨) - البدایۃ والنھایۃ (جلد ٤، صفحہ ٣٨٤) - الطبقات الکبری لابن سعد (جلد ۲، صفحہ ٢٦٧) - دلائل النبوۃ للبیھقي (جلد ۳، صفحہ ٢٢٤)۔

قریش کا عرب کے لوگوں کو جمع کرنا اور حمزہ کے قتل پر ابھارنا:

اور قریش کے لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے تیار ہوئے اور انہوں نے عرب کے کچھ لوگوں کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے بھیجا اور اس کے لیے انہوں نے مختلف طریقوں سے بھڑکانا شروع کیا۔

اور ابو عزہ جمحی[1] نے ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تو صفوان بن امیہ اس کے پاس گئے، اور اس سے کہا: اے ابو عزہ تم ایک شاعر آدمی ہو، تم اپنی زبان سے ہماری مدد کرو اور ہمارے ساتھ نکلو، مگر اس نے انکار کیا اور کہا بدر کے دن محمد نے مجھ پر احسان کیا ہے اور میں نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کے خلاف میں کسی دشمن کی مدد نہ کروں گا، اور میں ان کے لیے اپنے وعدے کو پورا کروں گا، تو اس سے صفوان نے کہا: تم ہمارے ساتھ چلو اور میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر تم واپس آئے تو میں تمہیں بے نیاز کر دوں گا، اور اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھوں گا، اور ہر پریشانی اور آسانی میں وہ سب شریک ہوں گی۔

تو ابو عزّۃ، مسافع بن عبد مناف اور ہُبَیرہ بن أبی وَھب نکلے، اور اپنی شاعری کے ذریعے بنی کنانہ اور اہلِ تہامہ کو جوش و ولولہ دلانے لگے، انہیں رسولِ اکرم ﷺ سے جنگ پر آمادہ کرنے لگے، اور لوگوں کو نبی ﷺ کے خلاف لڑائی کی ترغیب دینے لگے۔[2]

([1]) یہ شخص غزوہ بدر الکبری میں قیدی ہوا اور رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس پر احسان فرمایا، اسے بغیر فدیہ کے آزاد کیا، لیکن اس سے عہد لیا کہ وہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے خلاف لڑائی نہ کرے۔

([2]) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ٦٩) - الطبقات الکبری لابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲٦۸) - البدایۃ والنھایۃ (جلد ٤، صفحہ ۳۸٤) - الروض الأُنُف (جلد ۳، صفحہ ۲٤۱)۔

جبیر بن مطعم اور حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل:

اور جبیر بن مطعم نے اپنے ایک حبشی غلام کو بلایا جسے وحشی کہا جاتا تھا جو کہ نیزہ بازی میں مہارت رکھتا تھا اور بہت کم ہی اس کا نیزہ چوکتا تھا تو اس سے کہا: تم لوگوں کے ساتھ نکلو، اگر تم نے محمد کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دیا تو تم آزاد ہو[1]، اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ کو بدر کے دن قتل کیا تھا۔

مشرکین کی فوج کی تیاری اور ان کا روانہ ہونا:

قریش اپنے حلیف قبائل، احابیش [2] (یعنی وہ قبائل جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک تھے) اور قبیلہ کنانہ و تہامہ کے عربوں کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے جمع کرنے میں لگے رہے۔ ان کے ساتھ ابو عامر فاسق بھی آملا — جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہؓ کا والد تھا — اور وہ اپنے پچاس آدمیوں کے ساتھ اپنی قوم میں سے شریک ہوا۔ یوں قریش کی کل فوج تین ہزار (۳۰۰۰) جنگجوؤں پر مشتمل ہو گئی، جن میں سات سو زرہ پوش (یعنی لوہے کے بکتر پہنے ہوئے) تھے، ان کے پاس دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ بھی تھے۔

قریش کے سرداروں نے یہ سوچا کہ وہ اپنے ساتھ عورتوں کو بھی لے کر جائیں تاکہ آدمیوں کو جنگ کے لئے آمادہ کرنے میں مدد ملے، اور تاکہ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں چنانچہ ابو سفیان اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کو لے کر نکلا، اور عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیوی ام حکیم بنت حارث بن

([1]) یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے - کتاب المغازی - باب قتل حمزہ بن عبد المطلب - رضي اللہ عنہ - رقم الحدیث (٤٠٧٢) - اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - رقم الحدیث (١٦٠٧٧)۔

([2]) الاحابیش: یہ قبائل القارۃ کے زندہ لوگ ہیں، جو بنی لیث کے ساتھ شامل ہوئے تاکہ قریش کے خلاف لڑائی کریں۔ التحبّش: اجتماع کرنا۔ کچھ نے کہا کہ انہوں نے قریش کے ساتھ جبل کے نیچے تحالف کیا، جسے حبشي کہا جاتا تھا، اسی وجہ سے انہیں الاحابیش کہا گیا۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد ۱، صفحہ ۳۱۹)۔

ہشام کو لے کر نکلا، اور طلحہ بن ابو طلحہ اپنی بیوی سلامہ بنت سعد کو اپنے ساتھ لے کر نکلے، اور صفوان بن امیہ اپنی بیوی برزہ بنت مسعود ثقفیہ کو لے کر نکلا، اور عمرو بن عاص اپنی بیوی ریطہ بنت منبہ بن حجاج کو لے کر نکلا چنانچہ اس جنگ میں نکلنے والی عورتوں کی تعداد پندرہ تھی، ان کے ساتھ ڈھول اور شراب بھی تھے، جو بدر کے اپنے مقتولوں پر رو رہی تھیں اور مردوں کو لڑنے اور نہ ہارنے اور راہ فرار نہ اختیار کرنے پر ابھار رہی تھیں۔

اور عمومی قیادت ابو سفیان بن حرب کے پاس تھی، اور گھڑ سواروں کی قیادت خالد بن ولید کے پاس تھی، ان کا تعاون عکرمہ بن ابی جہل کر رہے تھے، رہی بات جھنڈے کی تو وہ بنو عبدالدار کے پاس تھا[1]۔

عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی خبریں بھیجنا:

جب قریش کی فوج مکہ سے نکلی، تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ (جو اس وقت مکہ میں تھے) نے رسول اللہ ﷺ کو ایک فوری خط بھیجا، جس میں قریش کی فوج کی تمام تفصیلات درج تھیں۔ انہوں نے یہ خط بنی غفار کے ایک شخص کے حوالے کیا، جسے انہوں نے کرایے پر مقرر کیا تھا، اور اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ تین دن کے اندر مدینہ پہنچ کر یہ خط رسول اللہ ﷺ تک پہنچائے۔ چنانچہ وہ شخص وعدے کے مطابق پہنچا اور خط رسول اللہ ﷺ کو مسجدِ قباء میں دے دیا۔ پھر حضرت اُبی بن کعبؓ نے وہ خط پڑھ کر سنایا، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے راز میں رکھنے (یعنی کسی کو خبر نہ دینے) کا حکم دیا۔[2]

([1]) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ۷۰) - الطبقات الکبریٰ (جلد ۲، صفحہ ۲٦۸) - دلائل النبوۃ للبیہقی (جلد ۳، صفحہ ۲۲۵) - البدایۃ والنہایۃ (جلد ٤، صفحہ ۳۸۵)۔

([2]) دیکھیں: الطبقات لابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲٦۸)۔

"حضرت عباس بن عبد المط لبؓ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی خبریں لکھ کر بھیجا کرتے تھے، اور مسلمان مکہ میں ان کے ذریعے تقویت (حوصلہ اور مدد) حاصل کرتے تھے۔"[1]۔

اور امام ذہبی نے فرمایا ہے: عباس -رضی اللہ عنہ- ہمیشہ نبی ﷺ کے لیے رحم دل اور محبت رکھنے والے تھے، اور اذیتوں کے باوجود صبر کرتے تھے، حالانکہ وہ ابھی ایمان نہیں تھے۔ جب انہیں شب عقبہ میں خبر ہوئی، تو وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ رات کو کھڑے ہوئے، اور ستر لوگوں سے اس کی ضمانت لی۔ پھر وہ اپنے قبیلے کے ساتھ بدر کے لیے روانہ ہوئے، مجبور ہو کر، اور وہاں گرفتار ہوئے۔ اس نے ان کے سامنے ظاہر کیا کہ وہ ایمان لے آئے ہیں[2]، پھر مکہ واپس لوٹے، اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ وہاں کیوں ٹھہرے[3]۔

پھر رسول ﷺ جلدی سے مدینہ واپس لوٹے، اور اپنے تمام صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- سے مشورہ کرنے لگے[4]۔

([1]) دیکھیں: الاستیعاب از ابن عبد البر (جلد ۲، صفحہ ۳۵۹)۔

([2]) ذہبی نے السیر میں فرمایا (جلد ۲، صفحہ ۹۹): "اور اگر یہ معاملہ پیش آتا — یعنی وہ پہلے سے مسلمان ہوتا — تو بدر کے دن العباس سے فدیہ طلب نہ کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اسلام بدر کے بعد ہوا۔" قَالَ الحَافِظُ فِي الفتح (جلد ۳، صفحہ ۵۸۴): "اور مشہور ہے کہ العباس نے خیبر کے فتح سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو انیس نے حاجاج بن علاط کی کہانی میں بیان کی ہے۔" میں کہتا ہوں: حاجاج بن علاط کی کہانی غزوۃ خیبر میں ذکر ہو گی، ان شاء اللہ۔

([3]) دیکھیں سیر أعلام النبلاء (جلد ۲، صفحہ ۹۶)۔ میں کہتا ہوں: جہاں تک یہ بات ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے العباس -رضي اللہ عنہ- کو مکہ میں قیام کا حکم دیا تاکہ مشرکوں کی خبر بھیجی جائے، یہ سب روایات ضعیف ہیں اور ثابت نہیں ہوتیں۔ دیکھیں سیر أعلام النبلاء (جلد ۲، صفحہ ۹۹)۔

([4]) دیکھیں: الطبقات الکبری از ابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲۶۸)۔

مدینہ کی نگرانی:

اور اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی نگرانی کا حکم دے دیا، اور اس میں ایمر جنسی کا اعلان کیا، اس حدشے کی کہیں انہیں غفلت کی حالت میں پکڑ نہ لیا جائے، اور انصار کے کچھ لوگ جن میں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ بھی تھے اللہ کے رسول کی نگرانی کرنے لگے، چنانچہ وہ لوگ جمعہ کی رات آپ کے دروازے پر سوئے رہے، اور صبح ہونے تک ان کے پاس ہتھیار موجود رہے[1]۔

مشرکوں کے لشکر کا مدینہ پہنچنا:

قریش اور ان کے ساتھ موجود لوگ مدینہ کی جانب اپنا راستہ طے کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ سے قریب ہو گئے، انہوں نے وادی عتیق کو اپنایا، پھر اس سے داہنے جانب مڑ گئے، یہاں تک کہ جب جبل احد کے قریب جا کر انہوں نے وادی قناۃ[2] کے اندر وادی کے ایک کنارے مدینہ کے مقابل میں پڑاؤ ڈالا، وہ لوگ شوال کی پانچ راتیں گزرتے جمعرات کی شب وہاں پہنچے تھے۔

اور قریش اور ان کے آنے کی خبر لوگوں کے درمیان عام ہو گئی تھی، یہاں تک کہ جب وہ ذوالحلیفہ پر ٹھہرے تو یہودی اور منافق لوگ فتنہ سازی میں جٹ گئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو جاسوس فضالہ کے دو بیٹے انس اور مونس کو جمعرات کی رات شوال کی پانچ راتیں گزرتے بھیجا، اور وہ لوگ ان کی خبر اللہ کے رسول صلی وسلم کے پاس لائے، اور انہوں نے اپنے اونٹ اور گھوڑوں کو مسلمانوں کے کھیت میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ انہوں نے اسے چر کر بالکل

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری از ابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲۶۸)۔

([2]) قناۃ: یہ مدینہ کے ایک وادی کا نام ہے، جس میں کھیت، مال اور فصلیں ہیں۔ دیکھیں البدایۃ والنھایۃ (جلد ۴، صفحہ ۱۰۳)۔

صاف کر دیا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حباب بن منذر کو ان کے پاس بھیجا۔ تو وہ ان کے پاس گئے اور انہیں شمار کیا اور ان کی پوری خبر لے کر آئے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور صحابہ سے مشورہ:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مدینہ پہونچنے کی خبر کی تصدیق کر لی تو آپ نے صحابہ کے ساتھ ایک مشاورتی میٹنگ قائم کی، اور انہیں جمعہ کے رات دیکھی ہوئی اپنے خواب سے باخبر کیا، اور کہا: میں نے اللہ کی قسم بھلائی دیکھی ہے[2]، میں نے دیکھا ہے ایک گائے ذبح کی جارہی ہے، اور میں نے اپنی تلوار کی دھار کو ٹوٹا ہوا دیکھا ہے، اور میں نے دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط درع میں داخل کیا ہے۔

جب آپ نے ان سے اپنا خواب بیان کیا تو لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس خواب کی کیا تاویل کی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہی بات گائے کی تو میرے کچھ صحابہ قتل کئے جائیں گے، اور رہی بات میرے تلوار کی دھار ٹوٹنے کی تو میرے گھر کا کوئی شخص قتل کیا جائے گا، اور میں نے مضبوط قلعے کی تاویل مدینہ سے کی ہے[3]۔

اور امام احمد کی روایت میں حسن سند کے ساتھ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی ذوالفقار نامی تلوار میں ٹوٹنے کے

([1]) تفصیلات کے لیے دیکھیں: الطبقات الکبری از ابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲۶۸) – دلائل النبوۃ از البیہقي (جلد ۳، صفحہ ۲۲۵) – سیرۃ ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ۷۳)۔

([2]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (جلد ۷، صفحہ ۱۲۸): یہ خوابوں میں سے ہے جیسا کہ عیاض اور دیگر نے قطعی قرار دیا ہے۔ یہاں رفع میں اسے مبتداء اور خبر کے طور پر لیا گیا ہے، اور اس میں ایک محذوف ہے جس کا تقدیر یوں ہے: «اور اللہ نے نیکی فرمائی»۔

([3]) یہ روایت البیہقي نے دلائل النبوۃ میں بیان کی ہے (جلد ۳، صفحہ ۲۰۷) اور اس کا اسناد حسن ہے۔ مزید دیکھیں: سیرت ابن ھشام (جلد ۳، صفحہ ۷۰) اور الطبقات الکبری لابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲۶۸)۔

نشان دیکھا ہے تو میں نے اس کی تاویل تم میں سے کچھ لوگوں کے قتل سے کی ہے، اور میں نے ایک مینڈھے پر خود کو سوار دیکھا تو میں نے اس کی تاویل لشکر کے مینڈھے سے کی، اور میں نے یہ دیکھا کہ میں مضبوط قلعے میں ہوں، تو میں نے اس کی تاویل مدینہ سے کی[1]۔

اور شیخین کے یہاں صحیحین کی روایت میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے خواب میں دیکھا کہ میں ایک تلوار ہلا رہا ہوں پھر اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا، تو یہ وہی تھا جو احد کے دن مسلمانوں کو پہنچا، پھر میں نے دوسری مرتبہ ہلایا تو وہ پہلے سے اچھا ہو گیا، تو یہ وہ تھا جو اللہ رب العالمین نے مومنوں کو فتح دیا اور ان کو اکٹھا کیا[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اپنی رائے دی اور کہا: تم مدینہ ہی میں ٹھہرو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو ٹیلوں پر رکھ دو، اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان سے گلیوں میں لڑائی کریں گے[3]۔

اور امام نسائی کی سنن کبری میں اور احمد کی مسند میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے اللہ کے رسول نے فرمایا: تو اگر تم ان سے گلیوں میں قتال کرو اور دیواروں کے اوپر سے عورتیں ان پر پتھر برسائیں[1]۔

([1]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (۲۴۴۵)۔

([2]) یہ حدیث البخاری نے صحیح میں بیان کی ہے - کتاب المغازي، باب: "من قتل من المسلمين يوم أحد"، حدیث نمبر (۴۰۸۱)؛ اور مسلم نے بھی بیان کی ہے - کتاب الرؤیا، باب: "رؤيا النبي ﷺ"، حدیث نمبر (۲۲۷۲)۔

([3]) یہ خبر ابن سعد کی کتاب الطبقات الکبری (جلد ۲، صفحہ ۲۶۸) اور البیھقي کی کتاب دلائل النبوۃ (جلد ۳، صفحہ ۲۰۷) میں بھی مذکور ہے۔

اور مدینہ ان دنوں عمارتوں سے گھیر دی گئی تھی اور وہ قلعے کے مانند ہو گئی تھی۔

اور مسند میں دوسری روایت میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: اگر ہم مدینہ میں ٹھہرے رہیں، اور وہ لوگ ہمارے پاس آئے تو ہم ان سے قتال کریں گے [2]۔

اور مہاجرین اور انصار میں سے بڑے لوگوں کی بھی رائے یہی تھی، اور عبداللہ بن ابی بن سلول منافق نے بھی اس پر موافقت ظاہر کی تھی، اور وہ اس مجلس میں خزرج قبیلے کے ایک سردار کے طور پر حاضر ہوا تھا۔

شیخ صفی الرحمن مبارکپوری کہتے ہیں: اور ابن سلون کے اس رائے کی موافقت سے یہ بات ظاہر ہے کہ وہ فوجی نقطہ نظر سے صحیح موقف کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ اس لیے تھی تاکہ وہ جنگ سے دور رہ سکے، اور اس کے بارے میں کسی کو پتہ بھی نہ چلے، اور اللہ تعالی نے یہ چاہا کہ وہ اور اس کے ساتھی ذلیل ہوں [3] واللہ اعلم۔

نوجوان صحابہ کی رائے:

لیکن صحابہ میں سے اکثریت کی رائے یہ تھی کہ دشمن کی جانب نکل کر جایا جائے، خاص طور سے وہ لوگ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم جاہلیت میں کوئی بھی مدینہ میں داخل نہ ہو سکا تھا تو اسلام کی حالت میں کوئی ہم پر

([1]) یہ حدیث النسائی نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ، کتاب التعبیر، باب الورع، حدیث نمبر (۷۶۰۰) میں روایت کی ہے، اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں حدیث نمبر (۱۴۷۸۷) کے طور پر روایت کیا ہے۔

([2]) امام احمد نے اسے اپنے مسند میں بھی روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۱۴۷۸۷)۔

([3]) دیکھیے: الرحیق المختوم صفحہ نمبر 251 ۔

کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ آپ ہمیں لے کر دشمنوں کی طرف چلیں تاکہ ان کو یہ نہ لگے کہ ہم بزدل اور ضعیف ہو گئے ہیں[1]۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق کی رائے:

اس وقت منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مدینہ میں رہیں گے ان کی جانب نہ نکلیں اللہ کی قسم جب بھی اپنے دشمن کی جانب نکلے ہیں ہم نے منہ کی کھائی ہے، اور جب یہاں ہمارے پاس کوئی آیا ہے تو ہم نے اس کو شکست دی ہے تو اے اللہ کے رسول آپ ان کی بات پر دھیان نہ دیں، اگر وہ رکتے ہیں تو بہت ہی بری جگہ رکتے ہیں، اور اگر وہ داخل ہوتے ہیں تو لوگ ان کا سامنا کر کے ان سے قتال کریں گے، اور عورتیں اور بچے اوپر سے ان پر پتھر پھینکیں گے، اگر وہ واپس چلے جاتے ہیں تو وہ جس طرح آئے ہیں اسی طرح خائب و خاسر ہو کر لوٹیں گے[2]۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: اور بہت سے لوگوں نے دشمن کی جانب نکلنے پر ہی اصرار کیا، اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اور رائے کو سن کر اکتفا نہ کیا، اور اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے تو وہی ہوتا لیکن قضا اور قدر غالب آ گیا، اور بیشتر لوگ جن لوگوں نے آپ کو نکلنے کا مشورہ دیا تھا وہ ایسے تھے جنہوں نے بدر میں شرکت نہ کی تھی، انہوں نے اصحاب بدر کی فضیلت کو جانا تھا[3]۔

([1]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (۱۴۷۸۷)، اور اس کا اسناد صحیح ہے۔ نیز ابن اسحاق نے اسے السیرہ (۷۱/۳) میں بغیر اسناد کے بیان کیا ہے۔

([2]) دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (۳۸۷/۴) اور سیرت ابن ہشام (۷۱/۳)۔

([3]) دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (۳۸۷/۴)۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بیشتر لوگ دشمن کی جانب نکلنے کی ہی خواہش رکھتے ہیں اور انہوں نے آپ کی بات سن کر ایسا نہ کیا تو آپ نے فرمایا: جیسا تمہیں صحیح لگے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نکلنے کے لیے تیاری:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور انہیں نصیحت کرتے ہوئے محنت اور مشقت کا حکم دیا کیا اور انہیں یہ خبر دی کہ کامیابی صبر کے ساتھ ملے گی اور انھیں دشمن کی طرف نکلنے کے لیے تیار ہونے کا حکم فرمایا، تو لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عصر کی نماز پڑھائی جبکہ لوگوں کی بھیڑ لگ گئی تھی اور عوالی کے لوگ بھی آ گئے تھے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے۔

اور لوگ آپ کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے تو سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نکلنے کے لئے مجبور کر دیا ہے حالانکہ وہ اللہ رب العالمین کے ارادے کو زیادہ جانتے ہیں اور آپ پر ہی آسمان سے وحی کا نزول ہوتا ہے تو تم معاملہ آپ کے سپرد کر دو، تو سبھی لوگ اپنے کیے پر شرمندہ ہوئے۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور اپنے اپنے جنگ کپڑے پہن لیے تھے اور اور ڈبل درع پہن رکھا تھا[1]، اور تلوار لٹکائے ہوئے تھے، جب لوگوں نے آپ صلی اللہ

([1]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، اور اس کا اسناد صحیح ہے جیسا کہ شرط مسلم کے مطابق ہے، حدیث نمبر (۱۴۷۸۷)۔

علیہ وسلم کو دیکھا تو کھڑے ہوئے اور معذرت پیش کی، اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی ہم نکلنے پر آپ کو مجبور کرنا چاہتے تھے، چنانچہ آپ کو جو بھلا معلوم ہو وہ کریں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی نبی اپنے جنگی لباس کو پہن لے تو اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اسے اتارے یہاں تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کرے[2]۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے لوگوں میں دشمن کی جانب نکلنے کا اعلان کیا اور یہ کہا کہ قتال کرنے تک واپس نہ آئیں گے۔

جھنڈے کا باندھنا اور مسلمانوں کا احد کی جانب نکلنا:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈوں کو باندھا، ایک جھنڈا اوس کا تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک جھنڈا خزرج کا تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا، اور ایک جھنڈا مہاجروں کا تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا، اور مدینہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو باقی لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کیا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کے ساتھ نکلے، اور دونوں سعد؛ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلے، وہ دونوں درع پہنے ہوئے تھے، اور حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بغیر کوئی جنگی لباس پہنے ہوئے نکلے تھے۔

([1])اس کی تخریج امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں کتاب الجهاد باب في لبس الدروع حدیث نمبر(2590) پر کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور ترمذی نے اپنی جامع میں کتاب الجهاد باب ماجاء في الدرع حدیث نمبر(1787) پر کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

([2])اس حدیث کو امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب الاعتصام، باب قول اللہ تعالیٰ: {وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ} میں معلقا روایت کیا ہے۔ اسے امام احمد نے اپنے مسند میں موصولا روایت کیا ہے—حدیث نمبر(۱۴۷۸۷) اور (۱۵۷۲۲)۔ اور اس کا اسناد صحیح ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لشکر کا معائنہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچے جسے شیخین[1] کہا جاتا تھا پھر وہاں پر پڑاؤ ڈالا اور آپ نے اپنے لشکر کا معائنہ کیا، اور ان میں جو چھوٹے تھے انہیں لوٹا دیا، جن لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن لوٹایا تھا ان میں: عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ ابن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، عمرو بن حزم، اسید بن ظہیر، عرابہ بن اوس اور ابو سعید خدری شامل تھے۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں احد کے دن دیکھا، وہ اس دن 14 سال کے تھے تو آپ نے انہیں اجازت نہ دی، اور آپ نے انہیں خندق کے دن دیکھا وہ ان دنوں 15 سال کے تھے تو آپ نے انہیں اجازت دے دی[2]۔

رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب کو اجازت:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع بن خدیج اور سمرۃ بن جندب کو ان کی چھوٹی عمر کے باوجود اجازت دے دی وہ اس لیے کیوں کہ رافع بن خدیج تیر اندازی میں ماہر تھے تو آپ نے انہیں اجازت دے دی، تو سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا میں رافع سے زیادہ قوی ہوں اور

([1]) منطقۃ الشیخین: یہ مدینہ میں ایک مقام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے لیے نکلنے والی رات قیام فرمایا تھا، اور یہی وہ جگہ تھی جہاں لوگ جمع ہوتے تھے۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیں: النہایہ (۲/ ۴۶۲)۔

([2]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب المغازی، باب: غزوہ خندق، رقم حدیث (۴۰۹۷)، اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب الإمارۃ، باب: بیان من البلوغ، رقم حدیث (۱۸۶۸)، اور امام احمد نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، رقم حدیث (۴۶۶۱)۔

میں انہیں پچھاڑ سکتا ہوں، تو جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے ان دونوں کو اپنے سامنے کشتی لڑنے کو کہا تو ان دونوں نے کشتی لڑی پھر سمرہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا تو آپ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔

اور شیخین نامی جگہ پر ہی شام ہو گئی، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی، اور وہیں پر آپ نے رات گزاری، اور آپ نے پچاس لوگوں کو لشکر کے قیام گاہ کی پہرہ داری کے لیے مقرر کیا جو اس کے گرد چکر لگاتے رہے، اور ان کے سردار محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے، اور اللہ کے رسول اللہ علیہ وسلم سو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرے داری کی ذمہ داری ذکوان بن عبد قیس نے لی، اور وہ آپ سے الگ نہ ہوئے[1]۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کا منافقوں کے ساتھ واپسی:

فجر کے طلوع سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے وقت چلنے لگے، اس وقت اوحثہ مہ حارثی رضی اللہ عنہ آپ کو راستہ دکھا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پہنچے جسے شوظ کہا جاتا تھا، جو مدینہ اور احد کے درمیان تھا، اس وقت فجر کا وقت ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھائی۔

اور اسی وقت عبداللہ بن ابی بن سلول اسی جگہ سے اکیلا ہو گیا، اور اس کے ساتھ منافقوں میں سے تین سو لوگ بھی تھے یعنی لشکر کا ایک تہائی حصہ، وہ-اللہ کی اس پر لعنت ہو- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہہ رہا تھا: انہوں نے میری نافرمانی کی اور ناتجربہ کار بچوں کی بات مان لیں، مجھے

([1]) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (۲/ ۷۴) اور الطبقات الکبری لابن سعد (۲/ ۲۶۸)۔

نہیں پتہ ہم اپنے آپ کو یہاں کیوں قتل کرنے جارہے ہیں، اے لوگو! واپس ہو چلو، چنانچہ اہل نفاق اور شک میں سے اس کی بات ماننے والے واپس ہوگئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سات سولوگوں کے ساتھ باقی رہے[1]۔

پھر جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا کیا اور ان سے کہا: اے میری قوم کے لوگو میں تمہیں اللہ کا حوالہ دیتا ہوں تم اپنے قوم اور نبی کو دشمنوں کے آمد کے بعد رسوانہ کرو، توانہوں نے کہا: اگر ہمیں پتا ہوتا کہ تم لڑائی کروگے تو ہم تمہیں ان کے حوالے نہ کرتے ہیں ہمیں تو یہ معلوم ہے کہ وہاں کوئی قتال نہ ہوگی، جب انہوں نے بات نہ مانی اور واپسی پر اڑے رہے ہے تو انہوں نے ان سے کہا: اللہ تعالی تمہیں دور کرے، اے اللہ کے دشمنوں! اللہ رب العالمین اپنے نبی کو تم سے بے نیاز کردے گا۔

اور انہیں منافقوں کے بارے میں اس فرمان باری تعالی کا نزول ہوا: ((وما اصابكم يوم التقى الجمعان فبإذن الله وليعلم المؤمنين، وليعلم الذين نافقوا وقيل لهم تعالوا قاتلوا في سبيل الله أو ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لاتبعناكم هم للكفر يومئذ اقرب منهم للايمان يقولون بأفواههم ما ليس في قلوبهم والله اعلم بما يكتمون))۔[ال عمران:166-167]۔

---

(1) البیہقی نے دلائل النبوۃ (۳/ ۲۲۰) میں کہا: یہ مشہور ہے اہل غزوات میں کہ وہ سات سو سپاہیوں کے ساتھ تھے۔ ابن القیم نے زاد المعاد (۳/ ۱۷۴) میں غلط فہمی کے طور پر کہا: ان سات سو افراد میں پچاس گھڑ سوار بھی تھے۔ حافظ نے الفتح (۸/ ۹۳) میں اس کی وضاحت کی کہ یہ واضح غلطی ہے، اور موسیٰ بن عقبۃ نے تصدیق کی کہ اُحد میں ان کے ساتھ گھوڑے نہیں تھے۔ یہ بات الواقدی کے یہاں بھی آئی، اور ابن سعد نے الطبقات الکبری (۲/ ۲۶۹) میں ذکر کیا کہ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ایک گھوڑا اور ابو بردہ کا ایک گھوڑا تھا۔

یہ فرمان بھی نازل ہوا:((ما كان الله ليذر المؤمنين على ما انتم عليه حتى يميز الخبيث من الطيب))[ال عمران: ۱۷۹]۔

مجاہد بن جبر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: اللہ نے احد کے دن منافقوں سے مومنوں کو الگ کر دیا[1]۔

چنانچہ جب ابن سلول اور اس کے ساتھی الگ ہو گئے تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے کہا: ہم ان سے قتال کریں گے اور ایک جماعت نے کہا: ہم ان سے قتال نہ کریں گے، تو اللہ رب العالمین کا یہ فرمان نازل ہوا:((فما لكم في المنافقين فئتين والله اركسهم بما كسبوا[2]))[النساء:۸۸][3]۔

حافظ ابن حجر اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں؛ اس کے سبب نزول میں یہی صحیح بات ہے[4]۔

بنو سلمہ اور بنو حارثہ کا منافقین سے تاثر:

اور جب ابن سلول اور اس کے ساتھی واپس ہو گئے، تو بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگوں نے بھی واپسی کا ارادہ کیا، مگر اللہ تعالی نے انہیں محفوظ کر لیا اور ان کو ثابت قدمی عطا کی، اور یہ دونوں اللہ

([1]) ملاحظہ کریں: تفسیر ابن کثیر (۲/ ۱۷۳) اور دلائل النبوۃ للبیہقي (۳/ ۲۲۳)۔

([2]) قَالَ الحَافِظُ ابن کثیر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فی تفسیرہ (۲/ ۳۷۱): یعنی ان کی نافرمانی اور رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- کی مخالفت اور باطل کی پیروی کی وجہ سے۔

([3]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے -کتاب المغازی- باب غزوۃ أحد- رقم الحدیث (۴۰۵۰)؛ اور مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی -کتاب صفات المنافقین وأحکامھم- رقم الحدیث (۲۷۷۶)؛ اور الإمام أحمد نے بھی اپنی مسند میں نقل کی- رقم الحدیث (۲۱۵۹۹)۔

([4]) مزید دیکھیں: فتح الباري (۸/ ۱۰۱)۔

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا ملے، اور انہیں کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا: ((اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليهما وعلى الله فليتوكل المؤمنون))[آل عمران: 122]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی: ((اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا)) بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے بارے میں، اور مجھے یہ بات پسند نہیں کی یہ آیت نازل نہ ہوتی، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ((والله وليهما)) [1]۔

ہم مشرکوں سے مدد نہ لیں گے:

اور احد کی طرف جاتے ہوئے راستے میں بنو قینقاع کے یہود آپ کے پاس آئے تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ جنگ کریں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا کیونکہ وہ مسلمان نہ ہوئے تھے، چنانچہ امام حاکم اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن نکلے، تو جب ثنیۃ الوداع کے آگے چلے گئے اس وقت ایک ہتھیاروں سے لیس ٹکڑی آئی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ کون ہیں؟

لوگوں نے کہا: بنو قینقاع اور یہ عبد اللہ بن السلام کی جماعت ہے اور وہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی قوم کے لوگ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسلام قبول کر لو، مگر انہوں نے

([1]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ کتاب المغازی۔ باب {إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا} ۔ رقم الحدیث (۴۰۵۱)؛ اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی۔ کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب من فضائل الأنصار۔ رقم الحدیث (۲۵۰۵)۔

انکار کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو وہ واپس چلے جائیں ہم مشرکوں سے مشرکوں کے خلاف مدد نہیں لیں گے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احد کی جانب راستہ کی تکمیل:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی واپسی کے بعد باقی بچے سات سو لوگوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ آگے بڑھے تاکہ قریش کی جانب اپنا راستہ پورا کریں، اور احد اور آپ کے درمیان مشرکوں کے قیام گاہ کا بہت بڑا حصہ آتا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :((کون شخص ہے جو ان لوگوں کے پاس ہمیں ایسے راستے سے لے کر جائے کہ ہمارا گزر ان کے پاس سے نہ ہو))۔

تو ابو حشمہ حارثی رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول میں!، پھر انہوں نے احد کی جانب جانے والا ایک مختصر راستہ اختیار کیا، جو بنو حارثہ کے حرہ اور ان کے کھیتوں کے درمیان سے گذرتا تھا، یہاں تک کہ وہ مربع ابن قیظ ی نامی ایک اندھے منافق کے باغ سے گذرے جب اسے لشکر کی آہٹ ملی تو وہ ان کے چہروں پر دھول جھونکنے لگا، اور کہنے لگا کہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو میں تمہیں اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا ہوں، پھر اس نے اپنے ہاتھ سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور بولا اے محمد اللہ کی قسم میں میں اگر جانتا کہ یہ تمہارے علاوہ کسی اور کو نہ لگے گی تو میں اس سے تمہارے چہرے پر مارتا، چنانچہ سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ اس کی جانب بڑھ رہے ہیں اور اس کے سر پر قوس سے دے مارا، اور اسے زخمی کر دیا، اور لوگوں نے اسے

([1]) یہ حدیث الحاکم نے اپنی المستدرک میں نقل کی - کتاب الجهاد - باب لا نستعين بالمشركين على المشركين - رقم الحديث (٢٦١٠)؛ اور الطحاوي نے بھی اپنی شرح مشکل الآثار میں نقل کی - رقم الحديث (٢٥٨٠)۔

قتل کرنا چاہا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل نہ کرو یہ اندھا ہے دل کا بھی اندھا اور نگاہ کا بھی[1]۔

اور پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک گھاٹی میں ٹھہرے، پہاڑ کی طرف والے وادی کے کنارے، چنانچہ آپ نے اپنے لشکر کو لے کر مدینہ کو سامنے کر کے اور جبل احد کو اپنے پیچھے کر کے پڑاؤ ڈالا، اور آپ نے جبل عینین[2] کو اپنے بائیں جانب کیا، اور اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان بیچ میں آیا[3]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر کو ترتیب دینا اور تیر اندازوں کو آپ کے وصیت:

اور شوال کی 15 تاریخ کو سنیچر کی صبح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو قتال کے لیے تیار کیا، اور ان کے صفوں کو درست کیا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری اوسی بدری رضی اللہ عنہ کو پچاس تیر اندازوں[4] پر امیر مقرر کیا، اور انہیں وادی قنات کے جنوبی سمت میں واقع ایک چھوٹے پہاڑ - جسے بعد میں جبل رماۃ کے نام سے جانا جاتا ہے - پر ڈٹے رہنے کی وصیت کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم کو گھوڑ سواروں کو تیروں کے ذریعے سے ہم سے دور رکھنا، وہ

---

(1) یہ واقعہ ابن اسحاق نے اپنی السیرۃ میں بیان کیا ہے (۳/ ۷۳) لیکن بغیر سند کے۔

(2) جبل عینین: وہ پہاڑ جہاں رسول اللہ ﷺ نے یوم احد کو تیر اندازوں کو کھڑا کیا تھا، اور یہ پہاڑ جبل الرماۃ کے نام سے مشہور ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (۳/ ۳۰۱۱)۔

(3) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۳/ ۷۳) - الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۲/ ۲۶۹)۔

(4) امام بخاری نے اپنی صحیح کتاب میں روایت کی ہے — حدیث نمبر ۳۰۳۹ — براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے یوم احد کو رجّالوں پر تعینات کیا، اور وہ پچاس افراد تھے، جن میں سے ایک عبداللہ بن جبیرؓ تھا۔ اور ایک اور روایت میں صحیح بخاری — حدیث نمبر ۴۰۴۳ — براء رضی اللہ عنہ سے نقل ہے: ... اور نبی ﷺ نے ایک فوج رماں دہندگان کی بٹھائی، اور ان پر عبداللہ کو امیر بنایا۔

ہمارے پیچھے سے نہ آسکیں اگر ہمارا پلڑا بھاری ہو یا ان کا پلڑا بھاری ہو تم اپنی جگہ پر ڈٹے رہنا، تمہاری طرف سے ہمارے پاس کوئی نہ آئے[1]۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں سے کہا: ((تم ہمارے پیٹھوں کو محفوظ رکھنا، اگر تم دیکھنا کہ ہم قتل کر دیے گئے، تو تم ہماری مدد نہ کرنا، اور اگر تم دیکھنا کہ ہم نے مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے تو بھی تم ہمارے ساتھ نہ آنا[2]۔

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں سے فرمایا: اگر تم دیکھنا کی چڑیوں نے ہمیں اچکنا شروع کر دیا ہے تو بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں، اور اگر تم دیکھنا کہ ہم نے لوگوں کو شکست دے دی ہے اور ہم نے انہیں کھدیڑ دیا ہے تو پھر بھی تم وہاں سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں[3]۔

رہی بات باقی لشکر کی: تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میمنہ پر منذر بن عمرو کو رکھا اور میسرہ پر زبیر بن العوام کو رکھا اور ان کی مدد کے لیے مقداد بن عمرو کو رکھا اور زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا بھی مشن تھا وہ یہ کہ وہ خالد بن ولید کے گھوڑے سواروں کے سامنے ڈٹے رہیں[4]۔

([1])تفصیلات کے لیے دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ۷٤)۔

([2])امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے—حدیث نمبر ۲٦۰۹ – اور اس کا اسناد حسن ہے۔

([3])امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الجهاد والسیر - باب: جنگ میں اختلاف اور تفرق سے منع - حدیث نمبر ۳۰۳۹۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی روایت کی ہے - حدیث نمبر ۱۸۵۹۳۔

([4])دیکھیں: زاد المعاد (جلد ۳، صفحہ ۱۷٤)۔

اور اسی بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ: ((واذ غدوت من اهلك تبوء المؤمنين مقاعد للقتال[1] والله سميع عليم))[آل عمران: ۱۲۱]۔ کا نزول ہوا۔

یہ ایک نہایت حکمتِ عملی اور دقیق منصوبہ بندی تھی جس میں رسولِ اللہ ﷺ کی عسکری ذہانت نمایاں ہے۔ کوئی بھی عام کمانڈر چاہے جتنا ہی تجربہ کار ہو، اس سے زیادہ درست اور مضبوط منصوبہ تیار نہ کر سکتا۔ نبی ﷺ نے میدانِ جنگ کا افضل ترین موضع اپنے قبضے میں لے لیا —— حالانکہ دشمن پہلے وہاں اتر آیا تھا —— لہٰذا آپ نے اپنی پیٹھ اور دائیں جانب کو جبلِ احد کی بلندیوں کے ذریعہ محفوظ کر لیا، اور اپنی بائیں جانب اور پچھلے رخ کو بھی مناسب انداز میں محفوظ رکھا، تاکہ جب جنگ شدت اختیار کرے اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہو بھی جائے تو لشکر کا وہ واحد فاصلہ جو ان کے دائیں یا بائیں جانب کھلا رہ جاتا تھا، اس کے ذریعے وہ فرار کا راستہ اختیار نہ کریں بلکہ دشمن کے پیچھا کرنے والوں کے ہاتھوں میں پھنس کر قیدی نہ بن جائیں۔ آپ نے اپنے خیمہ گاہ (محلِّ قیام) کے لیے ایک بلند مقام چُنا تاکہ اگر مسلمانوں پر شکست نازل ہوئی تب بھی وہ اسی جگہ پناہ لیں اور فرار کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے دشمن کے شکنجے میں آکر اس کے حوالے نہ ہو جائیں۔[2]

یوں اس طرح نبی اکرم ﷺ کی فوج کی ترتیب و تنظیم مکمل ہوئی، اور یہ واقعہ بروز ہفتہ، پندرہ شوال سنہ ۳ ہجری کو پیش آیا۔

([1]) حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا (جلد ۲، صفحہ ۱۱۰): یعنی ہم نے ان کے لیے ان کے ٹھکانوں کو واضح کیا، اور انہیں دائیں اور بائیں جانب اور جہاں بھی حکم دیا گیا تھا، وہاں رکھا۔

([2]) دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ ۲۵۶۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو قتال پر ابھارنا:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں جذبے، اور بہادری کی روح کو بھرنا شروع کیا، اور انہیں دشمنوں سے ملاقات کے وقت صبر وثابت قدمی پر ابھارا، پھر آپ نے انہیں ایک تیز دھاری تلوار دکھائی اور کہا: اس تلوار کو مجھ سے کون لے گا، چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ پھیلائے ہر انسان یہی کہہ رہا تھا: میں، میں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اس کے حق کے ساتھ کون لے گا، چنانچہ سارے لوگ ہیبت کے مارے پیچھے ہٹنے لگے [1]۔

اور ابن اسحاق کی سیرت میں موجود ایک روایت میں ہے: ابو دجانہ [2] جن کا نام سماک [3] بن خرشہ تھا انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حق کیا ہے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی کہ تم اس سے دشمن کو جھکنے تک مارنا [4]۔

اور بیہقی کے دلائل میں ایک روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے کسی مسلمان کو قتل نہ کرنا اور اس کے ذریعہ کسی کافر سے نہ بھاگنا [5]۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اسے اس کے حق کے ساتھ لوں گا۔

([1]) امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب: فضائل ابو دجانۃ رضی اللہ عنہ۔ حدیث نمبر ۲۴۷۰۔

([2]) حافظ ابن کثیر نے الفتح (جلد ۱۱، صفحہ ۱۵۸) میں فرمایا: دُجانۃ، دال پر ضم اور جیم پر تخفیف کے ساتھ۔

([3]) سماک: سین پر کسر اور میم پر فتح کے ساتھ۔

([4]) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ۷۴)۔

([5]) اور اسے البیہقی نے دلائل النبوۃ (جلد ۳، صفحہ ۲۳۳-۲۳۴) میں بھی بیان کیا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا: چنانچہ انہوں نے اسے لیا اور اس کے ذریعے سے مشرکوں کی کھوپڑیاں اڑادیں[1]۔

اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ایک بہادر شخص تھے، جو جنگ میں تکبرانہ چال چلتے تھے، ان کے پاس ایک لال پٹی تھی جب وہ اسے باندھ لیتے تھے تو لوگ سمجھ جاتے کہ یہ مرنے تک قتال کریں گے، پھر جب انہوں نے تلوار لی اس پٹی کو اپنے سر پہ باندھا پھر دونوں صفوں کے درمیان تکبرانہ چال چلنے لگے[2]، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تکبرانہ چال چلتے دیکھا تو فرمایا: یہ ایسی چال ہے کہ اللہ رب العالمین اس موقع کے علاوہ اسے پسند نہیں کرتا[3]۔

جنگ میں تکبر کے اظہار کا جواز:

اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عام حالات میں حرام تکبر کے مظاہر، جنگ کے احوال میں جائز ہو جایا کرتے ہیں، انہیں حرام تکبرانہ مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمان زمین پر اکڑ کر چلے لیکن جنگ کے میدان میں یہ ایک اچھا معاملہ ہے، اور ناپسندیدہ نہیں ہے، اور حرام تکبر کی

([1])امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب فضائل الصحابۃ - باب: فضائل ابو دجانۃ رضی اللہ عنہ - حدیث نمبر ۲۴۷۰۔ اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں بھی نقل کیا ہے - حدیث نمبر ۱۲۲۳۵۔

([2])یہ روایت البیہقي نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں نقل کی ہے (جلد ۳، صفحات ۲۳۳-۲۳۴)۔

اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے: " بے شک یہ ایسی چال ہے جسے اللہ رب العالمین ناپسند کرتے ہیں سوائے اس جگہ کے "، اس پر ابو داؤد کے یہاں سنن میں حدیث نمبر میں شاہد موجود ہے اور اس کی سند حسن لغیرہ ہے اور اسکے الفظ اسطرح سے ہے کہ : "تکبر اللہ کو ناپسند ہے اور اس میں سے کچھ ایسے قسم بھی ہے جسے اللہ تعالی پسند کرتے ہیں رہی بات اللہ کے یہاں محبوب تکبر کی تو وہ یہ ہے کہ انسان دشمنوں سے مڈبھیڑ کے وقت تکبر کا اظہار کرے"۔

([3])اللہ تعالی نے سورۃ لقمان، آیت ۱۸ میں فرمایا: {اور زمین پر غرور و تکبر کے ساتھ نہ چلو۔} حافظ ابن کثیر نے اپنے تفسیر میں فرمایا (جلد ٦، صفحہ ٣٣٩): اس کا مطلب ہے کہ تکبر، جبر، اور ضد کے ساتھ نہ چلو، کیونکہ ایسا کرنا اللہ کو ناپسند ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا: {بیشک اللہ ہر مغرور و فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔} یعنی جو اپنے آپ پر فخر کرے اور دوسروں پر برتری جتائے، وہ اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔

صورتوں میں سے، گھروں برتنوں اور پیالوں کو سونے اور چاندی سے مزین کرنا بھی ہے، لیکن جنگی ساز وسامان اور اسلحوں کی چاندی سے تزئین منع نہیں ہے۔ کیونکہ کبر کا مظہر یہاں حقیقی معنوں میں اسلام کے دشمنوں پر طاقت پر فخر ہے، پھر یہ ایک نفسیاتی جنگ کے معانی میں سے ایک معنی ہے، جس کی اہمیت مسلمانوں کو سمجھنی چاہیے[1]۔

قریش کا اپنے لشکر کی ترتیب:

رہی بات قریش کی تو اس نے اپنے لشکر کو صف بندی کے نظام کے تحت ترتیب دیا، چنانچہ ان کی عمومی قیادت ابوسفیان کے پاس تھی، اس کے میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل تھے، اور انہوں نے میمنہ پر اپنے گھڑ سوار خالد بن ولید کو مقرر کیا، اور ان کے پاس دو سو گھوڑے تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور انہوں نے پیدل چلنے والوں پر صفوان بن امیہ کو متعین کیا، اور کہا جاتا ہے کہ: عمرو بن عاص کو متعین کیا، اور تیر اندازوں پر جن کی تعداد سو تھی، عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا، اور جھنڈا بنو عبدالدار کے طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔

اور قصی بن کلاب سے وراثت میں ملے ہوئے مناصب کو بنو عبد مناف کے درمیان تقسیم کئے جانے سے ہی جھنڈے والے بنو عبدالدار ہی تھے، جو نسل در نسل انہیں میں چلی آ رہی تھی، اور کسی کے لئے اس کا ان سے چھیننا ممکن نہ تھا۔

لیکن ابو سفیان کے پاس آیا تاکہ انہیں قتال پر اکسائے اور انہیں ٹھنڈا کی حفاظت پر ابھارے، چنانچہ اس نے ان لوگوں سے کہا اے بنو عبدالدار تم نے بدر کے دن ہمارے جھنڈے کو اٹھایا تھا اور ہمیں وہاں پر شکست ہوئی جیسے کہ تم نے دیکھا، اور لوگوں کے پاس ان کے جھنڈوں کی

([1]) دیکھیں: فقہ السیرۃ صفحہ ۱۸۰، مصنف: ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی۔

طرف سے آیا جاتا ہے، اگر وہ گر جاتے ہیں تو لوگ بھی گر جاتے ہیں، لہذا یا تو تم ہمارے جھنڈے کی حفاظت کرو یا تم ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جاؤ ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

بنو عبدالدار ابو سُفیان کی بات پر شدت سے برہم ہو گئے؛ وہ اُس پر غصیلے ہوئے، اسے ڈرانا دھمکانا شروع کیا اور کہا: "ہم تمہیں اپنے علم (جھنڈا) سونپ دیں گے! کل جب ہم آمنے سامنے ہوں گے تو تم دیکھو گے ہم کیا کرتے ہیں۔" اور وہ جنگ کے عروج تک ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ جڑ سے اکھاڑ پھینکے گئے (یعنی بالکل ختم کر دیے گئے)۔[1]

اور یوں ابو سُفیان نے ان میں حمیت جگا کر ان میں وہ جوش بھڑکا دیا جس نے ان کے علم کے دفاع کے جذبے کو تقویت بخشی۔

مسلمانوں کے لشکر میں اختلاف اور جھگڑا پیدا کرنے کی ناکام کوششیں:

جنگ کی ابتدا سے تھوڑی دیر پہلے کچھ لوگوں نے مسلمانوں کی صفوں میں جھگڑا اور اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی چنانچہ ابو سفیان نے انصار کی جانب اپنے ایک قاصد کو بھیجا جس نے ان سے کہا: اے اوس اور خزرج کے لوگوں تم ہمارے اور ہمارے چچازاد بھائی کے درمیان سے ہٹ جاؤ ہم واپس چلے جائیں گے کیونکہ ہمیں تم سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اس ایمان کے سامنے جس کے سامنے پہاڑ تک نہ ٹک سکا اس کوشش کا کیا مقام چنانچہ انصار کے لوگوں نے ان پر سختی کے ساتھ جواب دیا اور اسے وہ چیز سنائیں جو وہ ناپسند کرتا تھا۔

([1]) دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی (جلد ۳، صفحہ ۲۰۹) - البدایۃ والنھایۃ (جلد ۴، صفحہ ۳۹۱) - سیرۃ ابن ھشام (جلد ۳، صفحہ ۷۵).

پھر انصار کی جانب ابو عامر فاسق نکلا جس کا نام عبد عمرو ابن صیفی تھا جو کی راہب کے نام سے جانا جاتا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فاسق کا نام دیا تھا، اور وہ جاہلیت میں اوس کا سردار تھا، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو اس نے کھلے طور پر آپ سے دشمنی ظاہر کی، چنانچہ وہ مدینہ سے نکلا اور اس کے ساتھ اس قبیلے کے پچاس بچے بھی تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پندرہ آدمی تھے، اور وہ قریش کی جانب ان کو جمع کرنے اور اللہ کے رسول سے قتال کرنے پر ابھارنے کے لیے گیا اور احد کے دن اس کی شازشوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے کئی ایک گڑھا کھودا تھا تاکہ اس میں مسلمان گر پڑیں، چنانچہ اس میں سے ایک میں گرنے والوں میں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے اور قریش کے لوگوں کے ساتھ اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اپنی قوم کے لوگوں سے ملاقات کرے گا تو اس کی قوم میں سے دو لوگ بھی اس کی مخالفت نہ کریں گے، چنانچہ وہ گیا اور اپنی قوم کو بلانے لگا تو اس نے کہا: اوس کے لوگوں میں ابو عامر ہوں لوگوں نے کہا: اے فاسق اللہ تجھ پر انعام نہ کرے، اس نے کہا: میرے بعد میری قوم کو برائی لاحق ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اور مسلمانوں نے اسے پتھر سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے[1]۔

اور اس طرح مسلمانوں کی صفوں کے درمیان اختلافات ڈالنے کی قریش کی جانب سے ساری کوشش ناکام رہی۔

قتال پر ابھارنے میں قریش کے عورتوں کی کوششیں:

ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ قریش کے عورتوں کے ساتھ صفوں کے درمیان کھڑی ہوئی، اور گھوم کر دف بجانے لگی اور قتال پر ابھارتے ہوئے یہ کہنے لگے:

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ۷۵) - البدایۃ والنھایۃ (جلد ۴، صفحہ ۳۹۱).

ويها بني عبد الدار ويهاحماة الأدبار ضربا بكل بتار

وہ یہ بھی کہہ رہی تھی:

ان تقبلوا نعانق ونفرش النمارق

او تدبروا نفارق فراق غير وامق[1]

جنگ کی شروعات اور مشرکوں کے جھنڈے کو اٹھانے والوں کا خاتمہ:

پھر دونوں گروہ بھڑ گئے اور لوگوں نے اس دن میدان جنگ کے ہر طرف خوب قتال کیا ،اور جنگ مشرکوں کے جھنڈے کے گرد چکر لگا رہا تھا، چنانچہ بنو عبدالدار کئی لوگوں کے بعد دیگرے اپنے قائد طلحہ بن ابی طلحہ کے قتل کیے جانے کے بعد جھنڈا اٹھاتے رہے، پس ان کے بھائی ابوشیبہ عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا اور قتال کے لئے آگے بڑھے، اور وہ کہہ رہے تھے:

ان على اهل اللواء حقا أن تخضب الصعدة او تندقا

چنانچہ اس پر حمزہ بن عبدالمط لب رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور اس کے گردن پر ایک مار مارا جس سے اس کا ہاتھ اس کے کندھے سے کٹ گیا، یہاں تک کہ اس کے ناف کے برابر پہنچ گیا اور پھر اس انتڑیاں باہر آ گئیں اور وہ مر گیا۔ پھر جھنڈے کو ان دونوں کے بھائی ابو سعد بن ابی طلحہ نے اٹھایا تو اسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر سے مارا جو اس کے گلے میں لگی اور وہ مر گیا۔

پھر جھنڈا مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھایا اسے عاصم بن ثابت بن ابوالاقلح نے تیر سے مارا اور قتل کر دیا پھر جھنڈا اس کے بعد اس کے بھائی حارث بن طلحہ بن ابو طلحہ نے اٹھایا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے بھی ایک تیر سے مارا اور قتل کر دیا۔

([1]) تفصیل کے لیے دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲۶۹) - سیرۃ ابن ھشام (جلد ۳، صفحہ ۷۶) - البدایۃ والنھایۃ (جلد ۴، صفحہ ۳۹۰).

پھران دونوں کی ماں سلافہ ان کے ساتھ تھی، جب اس نے دیکھا کہ عاصم نے اس کے بیٹوں کے ساتھ کیا کیا ہے تو اس نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے عاصم کا سر سے دے دیا تو وہ اس میں شراب پیئے گی، اور عاصم نے اللہ تعالی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ کبھی کسی مشرک کو نہ چھوئیں اور نہ ہی کوئی مشرک انہیں چھوئے، پھر جھنڈے کو کلاب بن طلحہ بن ابو طلحہ نے اٹھایا، تو اسے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔

یہ چاروں طلحہ بن عبید اللہ کے اولاد تھے، یہ سبھی مشرکوں کے جھنڈے کے گرد اپنے والد طلحہ اور اپنے چچا عثمان اور ابو سعد کے بعد یکے بعد دیگرے قتل کر دیئے گئے۔

پھران کے بعد جھنڈا بنو عبد الدار سے ارطاہ بن شرحبیل نے اٹھایا پھر انہیں علی ابن ابی طالب نے قتل کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب نے، پھر جھنڈا شریح بن قارظ نے اٹھایا، اور اسے قزمان نے قتل کر دیا، پھر مشرکوں کا جھنڈا ابو یزید بن عمیر بن ہاشم نے اٹھایا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابو زید عمرو بن عبد مناف بن ہاشم العبدری نے پھر اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا۔

اور اس طرح بنو عبد الدار سے مشرکوں کا جھنڈا اٹھانے والوں میں سے 11 آدمی قتل کر دیے گئے، اور ان میں سے کوئی بھی جھنڈا اٹھانے والا باقی نہ بچا۔

اور مشرکوں کا جھنڈا ان کے لیے بد شگونی کا سبب بن گیا، اس سے جو بھی قریب ہوتا قتل کر دیا جاتا، چنانچہ انہوں نے اسے زمین پر پڑا رہنے دیا[1]۔

([1]) اس کی تفصیل دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد ۲، صفحہ ۲۶۹) - سیرۃ ابن ہشام (جلد ۳، صفحہ ۸۲).

امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حق میں دن کا پہلا حصہ تھا یہاں تک کہ مشرکوں کے جھنڈے کو اٹھانے والوں میں سے سات یا نو لوگ قتل کر دیے گئے[1]۔

جنگ میں صحابہ کرام کی شدت:

اور جب مشرکوں کے جھنڈے کے گرد سخت جنگ جاری تھی، اور میدان معرکہ کے ہر طرف جنگ کی سختی چل رہی تھی، تو صحابہ رضی اللہ عنہ کے بہادری کے عظیم کارنامے ظاہر ہوئے انہیں میں سے چند یہ ہیں:

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں بہادری:

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ایک روایت نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اپنی سیرت میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:

میں نے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار مانگی اور آپ نے مجھے منع کر دیا اور اسے ابو دجانہ کو دیا تو مجھے برا لگا تھا، اور میں نے کہا کہ میں تو آپ کے پھوپھی صفیہ کا بیٹا ہوں، اور میں قریش کا فرد ہوں میں نے کھڑے ہو کر آپ سے وہ تلوار اس سے پہلے مانگی، مگر آپ نے اسے ان کو دے دیا اور مجھے چھوڑ دیا، اللہ کی قسم میں دیکھوں گا یہ کیا کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی ایک لال پٹی نکالی اور اسے اپنے سر پر باندھ لیا، انصار نے کہا: ابو دجانہ نے موت کی پٹی نکال لی، پھر وہ یہ کہتے ہوئے نکل گئے:

([1]) اسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے—حدیث نمبر (۲۶۰۹).

انا الذي عاهدني خليلي ونحن بالسفح لدى النخيل

ألا اقوم الدهر في الكيول اضرب بسيف الله والرسول

چنانچہ وہ جس کو بھی پاتے اسے قتل کر دیتے،اور مشرکوں میں ایک شخص تھا جو ہمارے کسی بھی زخمی کو پاتا تو اس کو دبوچ کر قتل کر ڈالتا، چنانچہ وہ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہونے لگے تو میں نے دعا کی کہ : اے اللہ ان دونوں کے درمیان لڑائی کرادے، چنانچہ وہ دونوں بھڑ گئے اور دونوں نے دو دو وار ایک دوسرے پر کئے، چنانچہ مشرک شخص نے ابو دجانہ کو مارا، تو انہوں نے اپنی ڈھال سے اس کے وار کو روک لیا اور اس کی تلوار اس سے لڑ کر رک گئی،اور پھر ابو دجانہ نے اسے مارا اور قتل کر دیا۔

پھر ابو دجانہ نے لوگوں کے صفوں میں دیکھا یہاں تک کہ پہاڑ کے نیچے کچھ عورتوں تک جا پہنچے اور انہوں نے اپنی تلوار ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کی مانگ پر اٹھایا مگر پھر رک گئے۔

زبیر کہتے ہیں: جب جنگ ختم ہو گئی تو میں نے ابو دجانہ سے کہا میں نے تمہارا سارا کام دیکھا سوائے اس عورت کے اوپر سے تلوار کا اٹھانا تم نے اسے مارا کیوں نہیں؟

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ایک انسان کو دیکھا جو لوگوں کو بہت سختی کے ساتھ ہانک رہا تھا۔ تو میں اس کے پیچھے بڑھا،اور جب میں نے اس پر تلوار اٹھایا تو وہ بلک اٹھا تو میں نے

دیکھا یہ تو عورت ہے چنانچہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو کسی عورت کو مارنے سے بچالیا[1]۔

جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن حرام کا قتل؛

احد کے دن جن لوگوں نے بہت محنت سے جنگ کی تھی اور انھیں قتل کر دیا گیا تھا ان میں سے جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی تھے شیخان نے اپنی صحیحین میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: احد کے دن میرے والد کو چادر سے ڈھک کر لایا گیا، ان کا مثلہ کر دیا گیا تھا، میں نے کپڑا اٹھانا چاہا تو میری قوم کے لوگوں نے مجھے منع کیا، پھر میں نے کپڑا اٹھانا چاہا مگر میری قوم کے لوگوں نے مجھے منع کیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اٹھایا آپ نے حکم دیا اور کپڑا اٹھایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رونے والی یا چیخنے والے کی آواز سنی تو فرمایا: "یہ کون ہے؟"، لوگوں نے کہا: "عمرو کی بیٹی یا عمرو کی بہن"[2]۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر کیوں رو رہی ہو[3] فرشتے برابر ان کو اپنے پروں سے سایہ کر رہے تھے یہاں تک کہ اٹھا دیا گیا[1]۔

([1]) یہ حدیث الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے – کتاب: معرفۃ الصحابۃ، باب: ذکر شجاعت أبي دجانۃ، حدیث نمبر (۵۰۶۹)۔ مزید دیکھیں: سیرت ابن ہشام (۳/ ۷۷)، البدایۃ والنھایۃ (۴/ ۳۹۱)، دلائل النبوۃ للبیہقی (۳/ ۲۳۳)۔

([2]) الحافظ نے الفتح میں (۳/ ۵۱۲) کہا: یہ سُفیان – جو راویوں میں سے ہے – کی طرف سے شک ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ بنتِ عمرو ہے، یعنی فاطمہ بنتِ عمرو۔

([3]) الحافظ نے الفتح میں (۳/ ۵۱۲) کہا: کیونکہ یہ عظیم مرتبہ والا شخص ہے جس پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ ڈالیں، اس پر رونا مناسب نہیں، بلکہ جو کچھ اس نے حاصل کیا، اس پر خوش ہونا چاہیے۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ترمذی اور حاکم نے جید سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھ سے کہا: اے جابر میں تمہیں مایوس کیوں دیکھ رہا ہوں؟ کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد شہید کر دیئے گئے اور انہوں نے میرے اوپر اہل وعیال کی ذمہ داری اور قرض چھوڑا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس بات کی بشارت نہ دوں جس کے ذریعہ اللہ رب العالمین نے تمہارے والد سے ملاقات کی ہے۔

میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العالمین نے نے پردے کے پیچھے کے علاوہ سے کسی سے بات نہیں کی، اور اللہ نے آپ کے والد کو زندہ کیا اور ان سے بغیر حجاب کے گفتگو کی، اور کہا اے میرے بندے، جس چیز کے چاہو تمنا کرو میں تمہیں دوں گا، انہوں نے کہا: اے اللہ تو مجھے زندہ کر دے تاکہ میں پھر دوبارہ شہید کیا جاؤں، اللہ تعالی نے فرمایا: میں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ لوگ دوبارہ واپس نہیں جا سکتے، اور یہ آیت نازل ہوئی: ((ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون))۔[آل عمران: 169] [2]۔

([1]) اسے البخاری نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب الجنائز، باب (۳۴)، رقم حدیث (۱۲۹۳)۔ اور کتاب المغازی، باب "کون قُتل من المسلمین یوم أحد"، رقم حدیث (۴۰۸۰)۔ اور مسلم نے بھی اپنے صحیح میں روایت کیا ہے: کتاب فضائل الصحابۃ، باب "من فضائل عبداللہ بن عمرو بن حرام"، رقم حدیث (۲۴۷۱) (۱۲۹)۔

([2]) یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: کتاب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب الصحابۃ، باب "ذکر البیان بأن اللہ تعالی کلم عبداللہ بن عمرو بن حرام بعد أن أحیاہ کفاحًا"، رقم حدیث (۷۰۲۲)۔ اور الترمذی نے بھی اپنے جامع میں روایت کی ہے: کتاب التفسیر، باب "ومن سورۃ آل عمران"، رقم حدیث (۳۲۵۶)۔ اور ابن ماجہ نے بھی سنن میں روایت کی ہے: في المقدمۃ، رقم حدیث (۱۹۰)۔

عبداللہ بن حرام کا اپنے بیٹے جابر کو وصیت:

اور عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ سے اپنے قرض کو پورا کرنے اور اپنے بہنوں کی دیکھ بھال کرنے کی وصیت کی تھی، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: جب احد کا دن آیا تو میرے والد نے رات مجھے بلایا اور کہا: مجھے لگتا ہے کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے سب سے پہلے قتل کیے جانے والوں میں سے ہوں گا، اور میں اپنے بعد خود پر تم سے زیادہ عزیز کسی کو نہیں چھوڑ رہا ہوں، سوائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے، میرے اوپر قرض ہے تو تم اسے پورا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا، چنانچہ ہم نے صبح کیا تو وہ سب سے پہلے قتل کیے گئے[1]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1- اولاد کو والدین کے ساتھ نیکی واحسان کرنے کی ہدایت، خصوصاً ان کی وفات کے بعد۔

2- اس نیکی پر مدد حاصل کرنے کے لیے یہ بتانا کہ والدین کے دل میں ان کے لیے کس قدر محبت ومقام ہے۔

([1]) یہ حدیث امام البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: کتاب الجنائز، باب "هل يخرج الميت من القبر؟"، رقم حدیث (۱۳۵۱)۔

3- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مضبوط ایمان کی علامت، کیونکہ انہوں نے اپنے والد کے اس قول سے رسول اللہ ﷺ کو مستثنیٰ قرار دیا کہ "میرا بیٹا سب سے زیادہ عزیز ہے"۔

4- ان کی کرامت ظاہر ہوتی ہے کہ معاملہ بالکل ویسا ہی پیش آیا جیسا انہوں نے گمان کیا تھا۔

5-اور اس میں جابر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ انہوں نے اپنے والد کی وصیت پر ان کی وفات کے بعد عمل کرتے ہوئے ان کا قرض ادا کیا[1]۔

فرشتوں کا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دینا:

اور اس عظیم معرکہ میں شہید کئے جانے والے بہادروں میں سے غسیل ملائکہ حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور ان کے والد ابو عامر فاسق، جس کی اسلام دشمنی کا ذکر ہم نے گزشتہ سطور میں کیا ہے، قریب تھا کہ حنظلہ کافروں کے قائد ابو سفیان بن حرب کو قتل کر دیتے لیکن شداد بن اسود نے ان تک پہنچنے سے پہلے انہیں قتل کر دیا تھا، چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھاگ چکے تھے یہاں تک کہ کچھ لوگ مدینہ کے کنارے پہاڑ کے پاس دیہاتوں کے پاس پہنچ گئے تھے، پھر وہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے، اور حنظلہ بن ابی عامر اور ابو سفیان بن حرب میں لڑائی ہوئی، تو جب شداد بن اسود نے دیکھا کہ حنظلہ ان پر غالب آ گئے ہیں، تو شداد نے اپنی تلوار ان پر رکھ دیں یہاں تک کہ قتل کر دیا، اور قریب تھا کہ وہ ابو سفیان کو قتل کر دیتے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارے

([1]) دیکھیں: فتح الباری (جلد ۳، صفحہ ۵۸۱)۔

ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں تو تم ان کے بیوی[1] سے پوچھو، انہوں نے کہا: جب انہوں نے جنگ کے لئے نکلنے کی منادی سنی تو وہ جنابت کے حالت میں نکلے تھے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسی وجہ سے فرشتوں نے انہیں غسل دی ہے"[2]۔

عمرو بن جموح اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں ٹہل رہے ہیں:

آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ لنگڑے تھے، ان کے 4 جوان بیٹے تھے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوا کرتے تھے، چنانچہ جب احد کا دن تھا، تو ان کے بیٹوں نے ان سے کہا: بے شک اللہ تعالی نے تمہیں معذور قرار دیا ہے، تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے انہیں اجازت دے دی[3]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: عمرو بن جموح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کیا خیال ہے اگر میں اللہ کے راستے میں جہاد کرو یہاں تک کی شہید کر دیا جاؤں تو کیا میں اپنے اس صحیح پیر سے جنت میں چلوں گا، اور ان کے پیر میں لنگڑا پن تھا تو آپ صل وسلم نے فرمایا: ہاں پس وہ احد کے دن شہید ہو گئے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان

([1])یعنی ان کی بیوی جو کہ جمیلہ بنت عبداللہ ابن ابی بن سلول منافق کی بیٹی تھی اور یہ نیک اور صاحب ایمان خاتون تھیں۔

([2])یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: کتاب إخباره عن مناقب الصحابة، باب "ذكر حنظلة غسيل الملائكة"، رقم حدیث (۷۰۲۵)۔ اور الحاکم نے بھی اپنی المستدرک میں روایت کی ہے: کتاب معرفة الصحابة، باب "ذكر شهادة حنظلة"، رقم حدیث (۴۹۷۰)۔

([3])دیکھیں: سیرت ابن ہشام (۳/ ۱۰۱) - زاد المعاد (۳/ ۱۸۷) - دلائل النبوة للبيهقي (۳/ ۲٤٦)۔

کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا: ((گویا میں تمہیں اپنے اس درست پیر سے جنت میں چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں)) [1]۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: عمر بن جموح رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس احد والے دن آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو آج شہید کیا جائے گا وہ جنت میں داخل ہو گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اپنے گھر اس وقت تک نہیں واپس جاؤں گا یہاں تک کہ میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں، تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے عمرو! اللہ رب العالمین پر قسم نہ کھاؤ، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے عمر ذرا بس کرو، لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں اگر وہ اللہ رب العالمین پر قسم کھالیں تو اللہ ان کو ان کے قسم سے بری کر دے، انہیں میں سے عمرو بن جموح بھی ہیں جو جنت میں اپنے لنگڑاپن کے ساتھ ٹہل رہے ہیں [2]۔

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی مختصر حالت زندگی:

میں کہتا ہوں: عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ جو کہ بنو سلمہ کے سردار تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو سلمہ تمہارا سردار کون ہے؟

([1]) امام احمد نے اسے المسند میں روایت کیا ہے- حدیث نمبر (۲۲۵۵۳)۔

([2]) یہ حدیث الإمام أحمد نے المسند میں روایت کی ہے- حدیث نمبر ۲۲۵۵۳۔

ہم نے کہا: جد بن قیس باوجود اسکے کی ہم انہیں بخیل پاتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر بخیلی سے بد تر بیماری کونسی ہے، بلکہ تمہارے سردار عمرو بن جموح ہیں[1]۔

اور طحاوی کے یہاں شرح مشکل الآثار میں اور امام حاکم کے یہاں حسن سند کے ساتھ مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے سردار بشر بن براء بن معرور ہیں"[2]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: اور ان دونوں حدیثوں کے درمیان جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ بشر[3] بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی قصے کو عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد کا مانا جائے[4]۔

اصیرم بغیر کوئی رکعت ادا کیے جنت میں داخل ہوئے:

اور عمرو بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ جو کہ اصیرم کے نام سے جانے جاتے تھے، ان کا تعلق بنی عبد الاشہل سے تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے وقت انہوں نے اسلام

([1])اسے ابن حبان نے صحیحہ میں روایت کیا ہے- کتاب إخبارہ- صلی اللہ علیہ وسلم- عن مناقب الصحابۃ- باب ذکر عمرو بن الجموح- حدیث نمبر (٧٠٢٤)۔

([2])اسے الإمام البخاري نے الأدب المفرد میں روایت کیا ہے- حدیث نمبر (٢٩٦).

([3])وہ بشر بن البراء بن معرور الأنصاري الخزرجي تھا، بنو سَلِمَة سے تعلق رکھتا تھا، اُس نے العقبۃ، بدر اور احد میں شرکت کی، اور خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فتح کے وقت سنۃ 7 ہجری میں شہید ہوا، جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زہر آلود میمنے کی خوراک کھا رہا تھا۔ دیکھیں: أسد الغابۃ (١/ ٢١١).

اسے الطحاوي نے شرح مشکل الآثار میں روایت کیا ہے- حدیث نمبر (٥٥٣٨) - اور الحاکم نے المستدرک- کتاب معرفۃ الصحابۃ- باب ذکر مناقب بشر بن البراء بن معرور میں بھی روایت کیا ہے- حدیث نمبر (٥٠١٨).

([4])دیکھیے: فتح الباری (487/5)۔

قبول نہ کیا تھا، جیسے کہ ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا ہے، مگر جب احد کا دن تھا تو اللہ رب العالمین نے ان کے دل میں اپنی طرف سے لکھی گئی بھلائی کو ڈال دیا، اور پھر وہ مسلمان ہو گئے اور اپنی تلوار لئے اور اللہ کے رسول سے جا ملے، اور پھر انہوں نے قتال کیا، ان کو بہت زیادہ زخم لگ گئے، ان کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں تھا، چنانچہ جب جنگ ختم ہوئی تو بنو عبد الاشہل کے لوگ قتل کیے گئے لوگوں کے درمیان گئے اور اپنے شہیدوں کو تلاش کر رہے تھے، تو انہوں نے اصیرم کو اس حالت میں پایا کہ ان کی آخری سانسیں چل رہی تھیں تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو اصیرم ہیں؟ یہ یہاں کیوں آئے تھے؟، وہ تو اسلام کا انکار کرتے تھے، پھر انہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو؟

کیا تم اپنے قوم کے لوگوں پر شفقت کے طور پر آئے تھے یا اسلام کی طرف رغبت تمہیں کھینچ لائی ہے، تو انہوں نے کہا: اسلام کی جانب رغبت نے مجھے یہاں پر لایا ہے، میں اللہ اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اسلام قبول کر چکا ہوں، پھر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر مشرکوں سے قتال کیا ہے، یہاں تک کہ مجھے یہ حالت آ پہنچی جس میں تم دیکھ رہے ہو، پھر اسی وقت وہ فوت ہو گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جنتی ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے کبھی بھی کوئی نماز اللہ کے لیے نہیں ادا کی تھی[1]۔

([1]) اُصیرم رضی اللہ عنہ کے شہادت کے واقعے کو بیان کیا ہے: امام احمد نے اسے المسند میں نقل کیا ہے — حدیث نمبر (23634) — اور ابن اسحاق نے اسے السیرہ میں ذکر کیا ہے (جلد 3/صفحہ 100) — اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ الحافظ نے الإصابۃ میں فرمایا (جلد 4/صفحہ 500)۔

ناک کٹے ہوئے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ:

ابن اثیر کہتے ہیں: عبداللہ بن جحش کو اللہ کے راستے میں ناک کٹا ہوا کہا جاتا تھا[1]، اور وہ ناک کٹنے کے بعد اللہ تعالی سے دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ انہیں احد کے دن شہادت نصیب کرے، چنانچہ امام حاکم نے مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ اسحاق بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے عبداللہ بن جحش کے بارے میں بیان کیا کہ انہوں نے احد کے دن کہا: آؤ چلو اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں چنانچہ وہ ایک طرف تنہائی میں گئے، تو سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کیا اور کہا: اے میرے اللہ جب کل ہم دشمنوں سے جنگ کریں تو میرا سامنا کسی بڑے جنگجو کے ساتھ ہو جس کا غصہ بہت زیادہ ہو تاکہ میں اس سے تیرے راستے میں قتال کروں اور وہ مجھ سے قتال کرے پھر تو مجھے اس پر کامیابی عطا فرمائے یہاں تک کہ اسے قتل کر دوں اور اس کا مال لے لوں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: اے اللہ تو کل مجھے کسی بہادر شخص سے لڑا جس کا غصہ بہت سخت ہو، اس سے راستے میں قتال کروں اور وہ مجھ سے قتال کرے، پھر وہ مجھے پکڑ کر میرے ناک اور کان کو کاٹ دے تاکہ جب میں کل تیرے پاس آؤں تو مجھ سے کہے: اے عبداللہ تیری ناک اور کان کیسے کٹی؟ تو میں کہوں: اے اللہ تیرے رسول کا ساتھ دینے میں، اور تو کہے: تو نے سچ کہا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اے میرے بیٹے عبداللہ بن جحش کی دعا مجھ سے بہتر تھی میں نے دن کے آخری حصے میں انہیں دیکھا تو ان کے کان اور ان کے ناک ایک دھاگے میں لٹکے ہوئے تھے[2]۔

([1]) ویکھیں: أسد الغابۃ (٢/ ٥٦٦).

([2]) اس کو الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے – کتاب الجھاد – باب "جو شخص اللہ سے خود اپنی طرف سے قتل مانگے" – حدیث نمبر (2456) – اور الحافظ نے اسے فتح میں ذکر کیا ہے (جلد 6/ صفحہ 378) اور اس کی سند کو بھی صحیح قرار دیا۔

یہ ہے غیر معمولی مردانگی کی وہ تصویر، جس سے کفر کی طاقتیں جنگ کے آغاز میں بھی ٹکرا گئیں اور اختتام پر بھی، مگر وہ اس کے سامنے جھک گئیں، زمین ان کے قدموں کے نیچے لرز اٹھی۔ نہ تو کفر کو جنگ کے آغاز میں کچھ حاصل ہوا، اور نہ ہی آخر میں اس کی کامیابی نے اسے کوئی فائدہ دیا۔ یہ الہام کہاں سے آیا؟ یہ نور کہاں سے چمکا؟ یہ قوت کہاں سے پیدا ہوئی؟ یقیناً یہ سب محمد رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا فیض تھا! انہی کے دلِ عظیم سے یہ قلوب لبریز ہوئے، جو اللہ کے لیے فنا ہونے اور آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دینے سے سرشار تھے۔[1]۔

سعد ابن ربیع رضی اللہ عنہ کا قتل:

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کے اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کی تھی، اور یہ انصار میں مالدار لوگوں میں تھے، اور اپنے مال کا عبدالرحمن اور اپنے درمیان دو حصہ میں تقسیم کرنے کا ان کا قصہ مشہور ہے، ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، وہ احد کے دن شہید کئے گئے، امام حاکم نے مستدرک میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے احد کے دن سعد بن ربیع کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا اور مجھ سے کہا: اگر تم انہیں دیکھنا تو میری طرف سے انہیں سلام عرض کرنا، اور ان سے کہنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں: تم کیسے ہو؟

([1]) دیکھیں: فقہ السیرۃ، شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ 263۔

زید کہتے ہیں: میں نے شہیدوں کے درمیان چکر لگانا شروع کیا، اور میں نے انہیں اس حال میں پایا کہ ان کی آخری سانسیں چل رہی تھیں اور ان کو نیزہ اور تلوار اور تیر کے ستر مارلگے تھے ، تو میں نے ان سے کہا: اے سعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مجھے بتاؤ تم کس حالت میں ہو؟

انہوں نے کہا: اللہ کے رسول پر سلام عرض ہے تم پر سلام عرض ہے، تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو اس حالت میں پاتا ہوں کہ جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے، اور انصار کے میری قوم سے کہنا: تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہے کہ دشمن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائیں، اس حال میں کہ تمہاری پلکیں اگیں۔

زید رضی اللہ عنہ نے کہا اور پھر ان کی روح پرواز کر گئی اللہ ان پر رحم فرمائے[1]۔

خودکشی کرنے والا جہنمی ہے:

احد کے دن حمیت اور غیرت کے جذبے سے قتال کرنے کرنے والے بھی تھے جن میں اللہ کے راستے میں جہاد کی نیت نہیں تھی، چنانچہ وہ جہنم والوں میں سے ہوئے، ایک شخص تھا جس کا نام قزمان تھا: چنانچہ ابن اسحاق سیرت میں عاصم بن عمرو بن قتادہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم میں ایک انجان شخص تھا، ہمیں نہیں پتہ تھا کہ وہ کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جسے قزمان[2] کہا جاتا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تذکرے کے وقت کہا کرتے تھے وہ

([1]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب معرفۃ الصحابۃ – باب شھادۃ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ – حدیث نمبر (4958) – اور امام مالک نے بھی الموطا میں روایت کیا ہے – کتاب الجھاد – باب الترغیب في الجھاد – حدیث نمبر (41)۔

([2]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (٨/ ٢٤٦): قُزمَان: قاف پر ضم اور زای پر سکون۔

جہنمی ہے، جب احد کا دن آیا تو اس نے بہت محنت کے ساتھ جنگ لڑی، اور اس نے سات یا آٹھ مشرکوں کو اکیلے قتل کیا، اور وہ اس دن بہت خطرناک تھا، مگر اسے زخموں نے بٹھا دیا، مسلمانوں میں سے کچھ لوگ کہنے لگے اللہ کی قسم اے قزمان ہم آج تم نے بہت بہادری دکھائی ہے، تو تم خوش ہو جاؤ، اس نے کہا: میں کس لئے خوش ہوں ہو اللہ کی قسم میں نے اپنی قوم کی عزت کے لیے لڑائی کی ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں قتال نہ کرتا، جب اس کا زخم زیادہ ہو گیا تو اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر لیا اور اس سے اپنے آپ کو قتل کر لیا[1]۔

خودکشی سے ترہیب سے متعلق ایک حدیث:

میں کہتا ہوں: انسان کا خود کو قتل کرنے کے سلسلے میں ترہیب کے طور پر بہت سی احادیث وارد ہیں، اور جو اپنے آپ کو قتل کرے گا وہ جہنم میں ہو گا، چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پہاڑ سے کود کر اپنے آپ کو قتل کر دے تو وہ جہنم میں ہمیشہ پہاڑ سے کودتا رہے گا، اور جو زہر پی لے اور اپنے آپ کو قتل کر دیں تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہو گا وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۳/ ۹۹).

یہ قصہ البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب المغازی – باب غزوۃ خیبر – حدیث نمبر ۴۲۰۳، اور مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الإیمان – باب غلظ تحریم قتل الإنسان نفسہ – حدیث نمبر ۱۱۲۔ امام احمد نے بھی اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – رقم الحدیث ۲۲۸۱۳، جس میں قصہ شیبہ کے ساتھ قُزمان کا ذکر ہے، مگر اس شخص کا نام نہیں بتایا جس نے خودکشی کی۔ البخاری نے اسے غزوۃ خیبر میں بھی ذکر کیا ہے، مگر وہاں بھی اس شخص کا نام نہیں آیا۔

اسے پیتا رہے گا، اور جو اپنے آپ کو لوہے سے قتل کریں تو اس کا وہ اس کے ہاتھ میں ہو گا جس سے وہ جہنم میں ہمیشہ اپنے پیٹ میں اسے گھونپتا رہے گا[1]۔

ابو رھم غفاری رضی اللہ عنہ جن کو نحر کیا گیا:

احد کے دن جنہوں نے سخت محنت کے ساتھ لڑائی کی اور انہیں سخت اور بہترین آزمائش کا سامنا ہوا ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، چنانچہ انہیں اس دن ایک تیر ان کے گلے میں آکر لگی، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنا لعاب مبارک لگایا، جس سے وہ ٹھیک ہو گئے اسی وجہ سے وہ ابو رہم منحور کے نام سے جانے جاتے تھے[2]۔

بہادر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس عظیم غزوہ میں بہت سخت قتال کیا، یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن سعد کے عمل کو بہت زیادہ پسند کر کے فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کسی کے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے سعد بن مالک کے، میں نے احد کے دن آپ

([1]) اسے البخاری نے صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الطب – باب شرب السم – حدیث نمبر (5778) – اور مسلم نے بھی صحیح میں روایت کیا ہے – کتاب الإیمان – باب غلظ تحریم قتل الإنسان نفسہ – حدیث نمبر (109) – اور امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے – حدیث نمبر (10195)۔

([2]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (۴/ ۴۴۲).

صلی اللہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا: ((اے سعد تم تیر چلاؤ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں))[1]۔

یہ حصر قابل نظر ہے:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حصر میں یعنی علی رضی اللہ عنہ کے اس بات میں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ کہا کہ میرے باپ ماں باپ آپ پر قربان ہوں، نظر ہے، کیوں کہ صحیح بخاری میں یہ بات ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے خندق[2] کے دن جمع کیا تھا، اور ان کے درمیان اس طرح سے جمع کیا جائے گا کہ علی کو اس بات کی اطلاع نہ تھی، یا اس سے مراد احد کے دن کی قید ہو گی، واللہ اعلم[3]۔

ابو سلمہ عبداللہ ابن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کی شدت:

([1])اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔کتاب المغازی۔باب {إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَنْ تَفْشَلَا}۔حدیث نمبر(٤٠٥٩) ۔ اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔کتاب فضائل الصحابۃ ۔ باب فضائل سعد بن أبي وقاص۔رضی اللہ عنہ۔حدیث نمبر (٢٤١١) ۔ اور امام احمد نے بھی اپنے مسند میں نقل کیا ہے۔حدیث نمبر(٧٠٩)۔

([2])امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔کتاب الفضائل۔باب مناقب الزبیر بن العوام۔رضی اللہ عنہ۔حدیث نمبر(٣٧٢٠)۔ میں نے کہا: اس کا ذکر غزوۃ الخندق میں آئے گا، إن شاء اللہ۔

([3])دیکھیں: فتح الباری (٧/ ٤٥٠)۔

اور ابو سلمہ بن عبد الاسد ب ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ کے شوہر نے قتال کیا اور احد کے دن ان کے بازوں میں ایک زخم لگا، جس سے ایک مہینے تک علاج کرنے سے اللہ نے ٹھیک کر دیا، مگر پھر لاشعوری طور پر وہ زخم بھر آیا اور احد کے بعد ان کی وفات ہو گئی، جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا [1]۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا قتل:

اور احد میں سخت قتال کرنے والوں میں سے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بھی تھے، چنانچہ امام احمد اور طیالسی نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی بیوی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد کے دن رافع کو ان کے چھاتی کے گوشت پر ایک تیر ماری گئی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول اس تیر کو نکال دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے رافع اگر تم چاہو تو میں تیر اور اس کا دھار دونوں نکال دیتا ہوں اور اگر چاہو تو میں تیر نکال دوں اور اس کے دانت کو چھوڑ دوں اور قیامت کے دن تمہارے لئے گواہی دوں کہ تم شہید ہوئے تھے، رافع نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تب آپ صرف تیر نکال دیں اور دھار کو رہنے اور میرے لیے قیامت کے دن گواہی دیں کہ میں شہید ہوں وہ کہتے ہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر کو نکال دیا اور دھار کو رہنے دیا [2]۔

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (۳/ ۱۲۸)۔

([2]) یہ روایت امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۲۷۱۲۸) - اور الطیالسی نے اپنے مسند میں - حدیث نمبر (۱۰۰٤) - اور الحاکم نے المستدرک میں - حدیث نمبر (٦٤٣٩)۔

رافع بن خدیج کو کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ گھاؤ پھول گیا اور ان کی وفات ہو گئی اور یہ معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ تعالی عنہ کے خلافت کی بات ہے [1]۔

احد کا پورا دن طلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا:

رہی بات طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی تو انہوں نے احد کے دن بہت ہی جاں بازی کے ساتھ جنگ لڑی، اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان پر کھیل کر حفاظت کی، اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیر کو جانے سے روکا یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ شل ہو گئے، جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

ترمذی نے اپنی جامع میں حسن سند کے ساتھ موسی اور عیسی بن طلحہ کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ایک جاہل دیہاتی سے کہا: تم ان سے [2] اس شخص کے بارے میں پوچھو جس نے اپنی نذر پوری کر دی، اور صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کی جرات نہ کرتے تھے، صحابہ آپ کی توقیر کرتے تھے آپ سے خوف کھاتے تھے، لہذا اس دیہاتی نے آپ سے پوچھا تو آپ نے اس سے منہ موڑ لیا پھر اس نے پوچھا تو آپ نے پھر اس سے منہ موڑ لیا۔

طلحہ کہتے ہیں: پھر میں مسجد کے دروازے سے باہر نکل گیا، اس وقت میں نے سبز کپڑے پہن رکھے تھے جب اللہ کے رسول صلی وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: اپنی نذر پوری کرنے والے شخص

([1]) دیکھیں: الإصابۃ (٢/ ٣٦٤)۔

([2]) یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے پوچھیں۔

کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ دیہاتی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم: میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی نذر کو پوری کر دی[1]۔

حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شدت اور بہادری:

احد کے دن زیادہ سختی سے قتال کرنے والے حمزہ ابن عبد المط لب رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کافروں کو ملیامیٹ کرنا شروع کر دیا تھا۔

چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی بن حرب کے حوالے سے نقل کیا ہے: میں لوگوں کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا جب لوگوں نے جنگ کے لیے صف بندی کر لی تو سباع بن عبد العزی خزاعی نکلا اور کہا: ہے کوئی مجھ سے مقابلہ کرنے والا؟

چنانچہ اس کی جانب حمزہ بن عبد المط لب رضی اللہ عنہ نکلے اور کہا: اے سباع! اے ابن ام انمار! ختنہ کرنے والی کے بیٹے کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اور ان سے دشمنی رکھتا ہے۔

وہ کہتے ہیں: پھر انہوں نے اس پر سختی کے ساتھ حملہ کیا تو وہ گزشتہ کل کے مانند ہو گیا[2]۔

([1])امام ترمذی نے اپنے جامع میں روایت کی۔ کتاب المناقب۔ باب مناقب طلحۃ بن عبید اللہؓ۔ حدیث نمبر (۳۷۵۱)۔

([2])اور یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب المغازی۔ باب قتل حمزۃ بن عبد المطلب۔ رضی اللہ عنہ۔ حدیث نمبر (٤٠٧٢)۔

کھجوریں پھینکنے والے شخص کا قصہ:

شیخان نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے احد کے دن کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں قتل کر دیا گیا تو میں کہاں رہوں گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں، چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود کھجوروں کو پھینکا اور پھر قتال شروع کیا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا [1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: مجھے اس شخص کا نام نہیں مل سکا، اور ابن بشکوال کا یہ گمان ہے کہ وہ عمیر بن حمام تھے، اور ان سے پہلے یہ بات خطیب نے کہی ہے، اور انہوں نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے: کہ عمیر بن حمام نے کھجوریں نکالیں اور اسے کھانے لگے، پھر کہا: اگر میں ان کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہا تو یہ بہت لمبی زندگی ہو جائے گی، چنانچہ انہوں نے اپنے پاس موجود کھجور کو پھینک اور پھر قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید کر دیئے گئے [2]۔

مگر انس رضی اللہ عنہ کے حدیث میں یہ تصریح واقع ہے کی یہ بدر کے دن کا قصہ ہے، اور اس باب میں موجود قصہ میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ احد

([1]) یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب المغازی - باب غزوۃ أُحد - حدیث نمبر (٤٠٤٦)، اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب الإمارۃ - باب ثبوت الجنۃ للشھید - حدیث نمبر (١٨٩٩)، نیز امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (١٤٣١٤).

([2]) اس کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں کی ہے - کتاب الإمارۃ - باب ثبوت الجنۃ للشھید - حدیث نمبر (١٩٠١)، اور امام احمد کے مسند میں - حدیث نمبر (١٢٣٩٨).

کے دن کا واقعہ ہے، ظاہر بات یہی ہے کہ یہ دونوں دو قصے ہیں جو دو الگ الگ لوگوں کے لیے پیش آئے، واللہ اعلم[1]۔

ابو طلحہ انصاری[2] رضی اللہ عنہ سب سے ماہر تیر انداز تھے؛

اور ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے وفات کے دن بہت عظیم جنگ کی، اور وہ سب سے ماہر تیر انداز تھے، شیخان نے اپنی صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب احد کا دن تھا تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹ گئے، اس وقت ابو طلحہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے، اور اپنے پاس موجود ڈھال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے، اور ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ سختی کے ساتھ تیر اندازی کرنے والے شخص تھے، اس دن انہوں نے دو یا تین کمانیں توڑی تھیں[3]۔

([1])دیکھیں: فتح الباري (٨/ ٩٩).

([2])یہ ابو طلحہ الأنصاری ہیں، جن کا اصل نام زید بن سهل الخزرجی ہے، وہ بنی النجار سے تعلق رکھتے ہیں اور نبی ﷺ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ وہ بدری صحابہ میں سے ایک ہیں، اور وہ ام سلیم، والدہ انس رضی اللہ عنہما کے شوہر تھے۔ رسول ﷺ نے انہیں اور ابو عبیدہ بن الجراح کے درمیان بھائی کے رشتہ میں قرار دیا۔ وہ رضی اللہ عنہ سنہ ٥٠ یا ٥١ ہجری میں وفات پا گئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: أسد الغابة (٢/ ٢٤٦).

([3])یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے - کتاب المغازي - باب {إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا} - حدیث نمبر (٤٠٦٤)، اور مسلم کی صحیح میں روایت ہے - کتاب السیر - باب غزوة النساء مع الرجال - حدیث نمبر (١٨١١)، نیز امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے - حدیث نمبر (١٢٠٢٤).

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بہادری کو پسند کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو طلحہ کی آواز مشرکوں پر ایک جماعت سے بھی زیادہ سخت ہے [1]۔

اور مسند میں ایک دوسری روایت کے اندر انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو طلحہ کی آواز لشکر میں ایک جماعت سے بہتر ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوران جنگ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ کر ان کے سامنے تیر کو پھیلاتے تھے، کہتے تھے آپ کا چہرہ میرے چہرے کے لیے ڈھال ہے میری جان آپ کے جانے پر قربان ہے [2]۔

یہودیوں میں سب سے بہتر شخص مخیریق [3]

اور جنگ احد میں شہید ہونے والوں میں ایک شخص مخیریق نامی بھی تھے جو کہ یہودیوں کے علماء میں سے تھے چنانچہ وہ احد والے دن یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے یہودیوں! اللہ کی قسم تمہارے اوپر محمد کی مدد کرنا واجب ہے جیسا کہ تم نے جان لیا ہے، انہوں نے کہا: آج سنیچر کا دن ہے، اس نے کہا تمہارے لئے کوئی سنیچر کا دن نہیں ہے، پھر انہوں نے اپنی تلوار اور تیاری کے سامان لیے اور کہا اگر آج میں شہید ہو گیا تو میرا مال محمد کے لئے ہے، وہ جو چاہے اس میں کرے، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ قتال کیا یہاں تک کہ شہید کر دیئے

([1]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۱۳۱۰۵)، اور اس کا اسناد صحیح ہے جیسا کہ مسلم کے شرط کے مطابق۔

([2]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (۱۳۷٤٥)، اور یہ حدیث صحیح ہے۔

([3]) الحافظ نے الفتح میں کہا (٦/ ۳۲۳): مُخَيْرِيق: بضم الميم، یہ ایک تصغیر شدہ نام ہے۔

گئے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہودیوں میں سب سے بہتر شخص مخیریق ہیں"[1]۔

اور مخیریق نے اللہ کے رسول کے لیے اپنے مال کی وصیت کر دی تھی، عمر بن شبہ نے ابو عون کے طریق سے زہری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں صدقہ جو تھا وہ مخیریق کا مال تھا، اور وہ بنو قینقاع کے باقی یہودیوں میں سے ایک شخص تھے جو بنو نظیر میں ٹھہرے ہوئے تھے، انہوں نے احد میں شرکت کی اور وہیں پر شہید کر دیے گئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخیریق یہودیوں میں سبقت کرنے والے ہیں، اور مخیریق نے اپنے مال کی وصیت نبی صلی اللہ وسلم کے لئے کی تھی [2]۔

مسلمانوں کی زبردست فتح اور تیر اندازوں کا کردار:

اور اس طرح جنگ کا پلڑا گھوما اور اللہ رب العالمین نے مسلمانوں کو اپنی فتح نصیب فرمائی، اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا، چنانچہ انہوں نے ان کو اپنی تلواروں سے قتل کیا، اور مشرکوں کی عورتیں کسی چیز پر متوجہ ہوئے بغیر پیٹھ پھیر بھاگنے لگیں، اور انہیں بلا شک وشبہ شکست کا سامنا ہوا، اور جنگ کے میدان پر مسلمانوں کا مکمل کنٹرول ہو گیا، اسی بارے میں اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ((ولقد صدقكم الله وعده اذ تحسونهم بأذنه))[آل عمران: ١٥٢]۔

([1]) دیکھیں: سیرت ابن ہشام (٣/ ٩٩) اور الإصابۃ (٦/ ٤٦)۔

([2]) اسے ابن حجر نے فتح الباری (323/6) میں نقل کیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں براابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں :... پھر مسلمانوں نے انہیں شکست دے دی اور میں نے اللہ کی قسم عورتوں کو اپنے کپڑے اٹھائے ہوئے دوڑتے ہوئے دیکھا،ان کے پازیب اور پنڈلیاں ظاہر ہو رہی تھیں [1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں احد کے دن مشرکوں کو ایسی شکست ہوئی جوان میں یاد کی جاتی تھی [2]۔

اور ابن اسحاق کے یہاں سیرت کی ایک روایت میں ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں نے ہند بنت عتبہ اور ان کی سہیلیوں کے پازیب کو دیکھا وہ کپڑے سمیٹ کر بھاگ رہی تھی [3]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے حسن سند کے ساتھ عبید اللہ بن عتبہ کے واسطے سے ابن عباس کے حوالے سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کبھی اس طرح نہیں کی گئی جس طرح احد میں کی گئی۔

وہ کہتے ہیں: ہم نے اس کا انکار کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میرے اور انکار کرنے والوں کے درمیان اللہ کی کتاب ہے،اللہ رب العالمین احد کے دن کے بارے میں کہتے ہیں: ((ولقد صدقكم الله وعده اذ تحسونهم بأذنه))[ال عمران: ١٥٢]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :"حس "قتل کے معنی میں ہے [4]۔

([1])یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے-کتاب الجھاد والسیر-باب: جنگ میں جھگڑا اور اختلاف سے اجتناب کی بابت-حدیث نمبر (٣٠٣٩) - اور اسی حدیث کو کتاب المغازی میں بھی نقل کیا ہے-باب غزوۃ اُحد-حدیث نمبر (٤٠٤٣)۔

([2])یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے-کتاب الأیمان والنذور-باب: اللہ تعالی کا قول: {وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ} - حدیث نمبر (٦٦٦٨)۔

([3])دیکھیں سیرۃ ابن ھشام (٣/ ٨٦) - اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

([4])اس کی تخریج امام احمد نے اپنے مسند میں نقل کی ہے - حدیث نمبر (٢٦٠٩) - اور الحاکم نے المستدرک میں کتاب التفسیر - باب: غزوۃ اُحد کی کہانی-حدیث نمبر (٣٢١٧) میں نقل کی ہے ۔

صحابہ کا مشرکوں کو کھدیڑنا

اور صحابہ کرام نے اس عظیم فتح کے بعد مشرکوں کا پیچھا کرنا اور مال غنیمت کا جمع کرنا شروع کیا، اور اس عظیم کامیابی میں تیر اندازوں کا بہت بڑا کردار تھا، کیونکہ مشرکوں کے گھڑسواروں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین مرتبہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی تاکہ مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب اور پریشانی برپا کریں، مگر تیر اندازوں کی طرف سے ان پر تیر برسائے جانے کے سبب اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، یہاں تک کہ ان کے گھڑسوار واپس ہو گئے اور ان کے تینوں حملے ناکام ہو گئے [1]۔

تیر اندازوں کا اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت:

اور جب مسلمان مشرکوں کا پیچھا کر کے ان کو قتل اور قید کرنے لگے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے تو جن تیر اندازوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی پر متعین کیا تھا انہوں نے جگہ چھوڑنا شروع کر دیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: چنانچہ مسلمانوں نے مشرکوں کو شکست دے دی، تو ابن جبیر کے ساتھیوں نے کہا: اے لوگو چلو مال غنیمت اکٹھا کرتے ہیں تمہارے ساتھی جیت گئے ہیں تو تم کس بات کے انتظار میں ہو۔

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھول گئے ہو [2]۔

([1]) دیکھیں دلائل النبوة للبيهقي (٣/ ٢١٠)۔

([2]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ کتاب الجهاد والسِّیَر۔ باب: جنگ میں اختلاف اور تفرقہ کرنے کی ناپسندیدگی۔ حدیث نمبر (٣٠٣٩)۔

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں براابن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے وہ کہتے ہیں عبداللہ بن جبیر نے ان سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ تم یہاں سے نہ ہٹنا [1]۔

انہوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم لوگوں کے پاس جائیں گے اور مال غنیمت سے حصہ لیں گے [2]۔

اور امام احمد کے یہاں مسند میں اور حاکم کے یہاں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت حاصل کیا اور مشرکوں کے لشکر کو شکست دے دی، تو سارے تیر انداز وہاں سے آگئے [3] اور لشکر کے درمیان داخل ہو کر مال غنیمت لینے لگے [4]۔

اور پچاس میں سے بیشتر تیر اندازوں نے اپنی اس جگہ کو چھوڑ دیا جہاں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہٹنے سے منع کیا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کی پیٹھ کو دشمن کے لیے چھوڑ دیا، اور عبداللہ بن جبیر اپنی جگہ پر کچھ لوگوں کے ساتھ جمے رہے جن کی تعداد دس تک نہ پہنچتی تھی [5]۔

([1]) یہ خبر البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب المغازی - باب: غزوۃ اُحد - حدیث نمبر (٤٠٤٣)۔

([2]) البخاری نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب الجهاد والسير - باب: جنگ میں اختلاف اور تفرقہ کرنے کی ناپسندیدگی - حدیث نمبر (٣٠٣٩)؛ اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں بھی روایت کیا ہے - حدیث نمبر (١٨٥٩٣)۔

([3]) میں کہتا ہوں: ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تمام تیر انداز جبل سے اُتر آئے تاکہ وہ غنائم حاصل کریں، اور یہ بات درست ہے، سوائے چند افراد کے جو دس سے زیادہ نہیں تھے۔

([4]) اور یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٢٦٠٩) - اور الحاکم نے المستدرک میں، کتاب التفسیر، باب غزوۃ اُحد میں روایت کی ہے - حدیث نمبر (٣٢١٧)۔

([5]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (٨٦/٣) - الطبقات الکبریٰ لابن سعد (٢٤٩/٣)۔

اور انہیں کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا: ((حتى اذا فشلتم وتنازعتم في الامر ماعطيت من بعد ما اراكم ما تحبون [1] منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الاخرة))[ال عمران: ۱۵۲] [2]۔

اور قرآن کریم دلوں کے بھیدوں پر روشنی ڈال رہا ہے جو مسلمان بھی اپنے دلوں میں موجود چیز کو نہیں جانتے تھے [3]۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے: اگر میں اس دن قسم کھاتا کہ اس دن ہم میں کوئی دنیا چاہنے والا نہ تھا، تو مجھے امید ہے کہ میں بری ہو جاتا، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ((منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الاخرة ثم صرفكم عنهم ليبتليكم)) [4]۔

اور اس طرح قرآن ان کے دلوں کو کھول کر ان کے سامنے رکھتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ شکست کہاں سے آئی تاکہ وہ اس سے بچ سکیں [5]۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پیچھے سے گھومتے ہیں:

اور اس سنہری موقع کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے غنیمت جانی، اور بجلی کی رفتار میں واپس ہوئے یہاں تک کہ مسلمانوں کے لشکر کے پیچھے پہنچ گئے، اور تھوڑی ہی دیر میں عبداللہ

([1]) براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، جیسا کہ امام احمد نے اپنے مسند میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے- حدیث نمبر (۱۸۶۰۰): یعنی کہ تم نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں غنیمت اور دشمن کی شکست دکھائی۔

([2]) امام القرطبی نے فرمایا (۳۶۳/۵): وہ لوگ جو اپنے مقامات پر ثابت قدم رہے، اور اپنے نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت نہ کی، اپنے امیر عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔۔

([3]) دیکھیں: في ظلال القرآن (494/1)۔

([4]) یہ اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے: امام احمد، مسند، حدیث نمبر (4414)، اور دیگر کے نزدیک اس کی سند حسن ہے۔

([5]) دیکھیں: ظلال القرآن (494/1)۔

بن جبیر [1] اور ان کے ساتھیوں کو شکست دے دی اور پھر مسلمانوں پر ان کے پیچھے سے ٹوٹ پڑے، اور پھر ان کے گھڑ سواروں نے زور دار چیخ ماری جس سے ہارے ہوئے مشرکوں نے جان لیا کہ ان کے گھوڑے سوار جنگ کر رہے ہیں اور انہیں بلا رہے ہیں، چنانچہ وہ لوگ واپس ہوئے اور ان میں سے ایک عورت بھی جلدی سے آئی جس کا نام عمرہ بنت علقمہ حارثیہ تھا، اور اس نے مشرکوں کے جھنڈے کو اٹھایا جو کہ زمین پر پڑا ہوا تھا، تو مشرک اس کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی یہاں تک کہ سارے لوگ مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے، اور ان کو آگے اور پیچھے سے گھیر لیا گیا [2]۔

مسلمانوں کا اضطراب اور ان میں قتل عام:

جب مسلمان مشرکوں کی طرف سے گھیرا بندی میں پھنسے تو ان کے صفوں میں ایک کھلبلی مچ گئی اور لگام کھل گیا، نظام درہم برہم ہو گیا اور مسلمانوں کا لشکر ایک ایسے جال کی مانند ہو گیا جس کا اول اور آخر نہیں جانا جا سکتا تھا، وہ ترتیب وار صفیں جو مضبوط دیوار کی طرح سے لڑ رہی تھیں تیر اندازوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے اسے ایک بے وقعت چیز میں بدل دیا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:۔۔۔جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت حاصل کیا اور مشرکوں کے لشکر کو شکست دے دی تو سبھی تیر انداز لشکر میں داخل ہوئے اور مال اکٹھا کرنے لگے، اور پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفیں ایک دوسرے سے مل گئیں گویا وہ اس طرح سے ہو گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک ساتھ جمع کیا اور

---

(1) ابن سعد کی الطبقات کی روایت (250/3) میں ہے: "... اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تیر چلاتے رہے یہاں تک کہ ان کے تیر ختم ہو گئے، پھر نیزے سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گیا، پھر ان کی تلوار کا نیام بھی ٹوٹ گیا، پھر وہ تلوار سے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ جب وہ گر پڑے تو کفار نے ان کے کپڑے اتار لیے اور ان کے جسم کے ساتھ نہایت بری طرح مثلہ کیا"۔

(2) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (87/3)، الرحیق المختوم صفحہ 264۔

وہ ایک دوسرے سے مل گئے، چنانچہ جب تیر اندازوں نے وہ راستہ چھوڑ دیا تو اسی جگہ سے گھوڑ سوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ٹوٹ پڑے، اور انہوں نے ایک دوسرے کو مارا اور ایک دوسرے پر بڑھ گئے اور پھر مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ قتل کیے گئے[1]۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب غزوۂ اُحد کے دن مشرکین ہار گئے، تو ابلیس لعین نے زور سے چیخ کر کہا: "اے اللہ کے بندو! تمہارے پیچھے سے (حملہ ہو گیا)!" یہ آواز سن کر مسلمانوں کی اگلی صفیں واپس پلٹ آئیں، اور پہلی صف اور پچھلی صف آپس میں ٹکرا گئیں، یعنی غلط فہمی سے مسلمانوں نے اپنے ہی ساتھیوں کو دشمن سمجھ لیا اور کچھ دیر کے لیے آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔[2]

مسلمانوں نے حذیفہ کے والد یمان کو غلطی سے قتل کیا:

پھر حذیفہ نے دیکھا تو وہ اپنے والد یمان کے پاس تھے اور کہا اے اللہ کے بندو یہ میرے والد ہیں میرے والد ہیں وہ کہتے ہیں اللہ کی قسم وہ لوگ نہ تھے یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا تو حضرت نے کہا اللہ تعالی تمہاری مغفرت فرمائے[3]۔

اور امام احمد کے یہاں مسند میں حسن سند کے ساتھ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مسلمانوں کی تلواریں حذیفہ کے والد یمان پر احد کے دن گرنے لگیں، اور وہ لوگ ان

([1])اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر 2609 — اور حاکم نے المستدرک میں کتاب التفسیر، باب قصۃ غزوۃ اُحد — حدیث نمبر 3217 — میں اسے روایت کیا ہے۔

([2])اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب المغازي، باب {إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا} — حدیث نمبر 4065۔

([3])اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب المغازي، باب {إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا} — حدیث نمبر 4065۔

کو نہیں پہچانتے تھے اس لیے انہیں قتل کر دیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیت دینی چاہی تو حذیفہ نے اپنی دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا[1]۔

اور امام حاکم اور ابن اسحاق نے سیرت میں صحیح سند کے ساتھ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احد کے لیے نکلے۔۔۔ تو حذیفہ کے والد یمان اور ثابت بن وقش عمر دراز بزرگ تھے تو ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ دیا۔

تو ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ہم آپ نے تلوار کیوں نہ لیں پھر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں ہو سکتا ہے اللہ رب العالمین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں شہادت نصیب کر دے۔

چنانچہ ان دونوں نے اپنی تلوار لئے اور نکل گئے یہاں تک کہ لوگوں میں داخل ہو گئے، اور ان کے بارے میں کسی کو جانکاری نہ تھی، رہی بات ثابت بن وقش کی تو انہیں مشرکوں نے قتل کر دیا، اور یمان جن کا نام حسیل بن جابر تھا جو کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے ان کے اوپر مسلمانوں کے تلوار گرے اور انہوں نے انہیں قتل کر دیا کیونکہ وہ لوگ ان کو نہیں پہچانتے نہیں تھے، حذیفہ نے کہا: میرے والد ہیں! میرے والد ہیں! انہوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم نے نہیں پہچانا اور انہوں نے سچ بھی کہا، تو حذیفہ نے کہا: اللہ تمہاری مغفرت فرمائے وہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیت دینی چاہی تو حذیفہ نے اپنی دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا تو اس کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا مقام بھلائی میں بڑھ گیا[2]۔

([1]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر 23639۔

([2]) اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں روایت کیا ہے — کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب: قصۃ شھادۃ الیمان بن جابر — حدیث نمبر 4961، اور ابن اسحاق نے اسے اپنی السیرۃ (جلد 3، صفحہ 97) میں بھی ذکر کیا ہے۔

انسانی کمزوری کے ایک چھوٹے سے لمحے نے جو فوج کے ایک حصے پر طاری ہوا، اس نے پورے لشکر میں انتشار پیدا کر دیا۔ یوں ایک لمحے کی جلد بازی اور بے صبری میں وہ تمام کامیابیاں ضائع ہو گئیں جو پہلے غیر معمولی شجاعت اور بے مثال قربانیوں کے ذریعے حاصل کی گئی تھیں۔[1]

حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل:

مسلمانوں کے درمیان پیش آنے والی اس بد نظمی اور انتشار کے درمیان وحشی کی نظر حمزہ رضی اللہ عنہ پر پڑی، تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان پر برچھی سے وار کیا اور قتل کر دیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور طیالسی نے اپنی مسند میں حمزہ کے قاتل وحشی بن حرب[2] کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا، تو اس نے مجھ سے کہا: حمزہ نے میرے چچا طعیمہ بن عدی کو بدر میں قتل کیا ہے، اگر تم میرے چچا کے بدلے حمزہ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو، وحشی نے کہا: پھر میں لوگوں کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا، اور میں ایک حبشی انسان تھا اور میں نیزہ حبشیوں کی مانند پھینکتا تھا، اور میرا نشانہ بہت کم ہی چوکتا تھا، تو ایک دن میں نکلا میرا ارادہ نہ کسی کو قتل کرنا تھا اور نہ ہی کسی سے قتال کرنا تھا سوائے حمزہ کے، جب لوگوں نے جنگ لڑنا شروع کر دیا تو میں حمزہ کو دیکھنے اور تاڑنے کے لئے نکلا، میں نے لوگوں کے درمیان انہیں سانولے اونٹ کے مانند دیکھا وہ لوگوں کو اپنے تلوار سے ڈھیر کر رہے تھے، جو بھی ان کے سامنے آتا

([1]) دیکھیے: فقہ السیرۃ از شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالی، صفحہ 255۔

([2]) حافظ ابن حجر نے تھذیب التھذیب (305/4) میں فرمایا ہے: وحشی بن حرب، جبیر بن مطعم کا غلام تھا، اور ایک قول کے مطابق طُعیمہ بن عَدی کا غلام تھا۔ وہی حمزہؓ — جو نبی کریم ﷺ کے چچا تھے — کے قاتل ہیں۔ بعد میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ معرکہ یمامہ میں شریک ہوئے اور مُسیلمہ کذّاب کے قتل میں حصہ لیا۔ پھر جنگِ یرموک میں بھی حاضر ہوا اور بعد میں حمص میں مقیم رہا۔ اسے شراب نوشی کا مرض تھا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اس کے لیے دو ہزار (درہم) وظیفہ مقرر کیا تھا، مگر شراب نوشی کی وجہ سے اسے کم کر کے تین سو کر دیا۔ اس کا اسلام فتح مکہ کے موقع پر ہوا، اور وہ وفدِ طائف کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

وہ اسے تلوار سے گرا دیتے، چنانچے مجھے ان سے خوف آیا، اور میں ان سے چھپنے لگا، اس لئے میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا اس وقت میرے پاس میرا نیزہ تھا، جب میں ان کو اچھی طرح سے دیکھنے لگا تو میں نے اپنے نیزے کو ہلایا پھر اسے پھینکا اور وہ ان کے پیٹ میں لگا یہاں تک کہ ان کے دونوں سرینوں کے درمیان سے نکل گیا[1]۔

اور ابن اسحاق کی سیرت میں موجود ایک روایت میں ہے کہ وحشی نے کہا:۔۔۔ یہاں تک کہ وہ ان کے دونوں پیروں کے درمیان سے نکل گیا، اور وہ میرے پاس بڑھنے لگے مگر وہ مغلوب ہو گئے[2] اور میں اور وہ وہیں پر چھوڑ دئے گئے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے، پھر میں ان کے پاس آیا اور میں نے اپنا نیزہ لیا، پھر لشکر کے پاس واپس گیا اور بیٹھ گیا، اور ان کے علاوہ مجھے کوئی ضرورت نہ تھی، میں نے انہیں قتل کیا تھا کہ آزاد کر دیا جاؤں پھر جب میں مکہ آیا تو مجھے آزاد کر دیا گیا[3]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: وحشی کی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں: جنگ میں چوکنا رہا جائے،، اور انسان اس دوران کسی کو حقیر نہ جانے، کیوں کہ حمزہ نے اس دن یقیناً وحشی کو دیکھا ہو گا، لیکن ان کو حقیر سمجھ کر ان سے بچنے کی کوشش نہ کی ہو گی یہاں تک کہ اس کی جانب سے انہیں نقصان کا سامنا کرنا پڑا[4]۔

([1]) یہ خبر امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے ـــ کتاب المغازي، باب: حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے قتل کا بیان، حدیث نمبر (4072) ـــ اور امام طیالسی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (1410).''

([2]) مسندِ طیالسی کی روایت میں ہے: پھر وہ اٹھنے کے لیے کھڑے ہونا چاہا مگر نہ اٹھ سکا، تو میں نے اسے قتل کر دیا۔''

([3]) سیرۃ ابنِ ھشام (77/3) ملاحظہ کریں۔

([4]) فتح الباری (121/8) دیکھیں۔

شہادت کے وقت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حمزہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے اور ابو سلمہ بن عبد الاسد کے بھی بھائی تھے ان سب کو ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا، جیسا کہ یہ بات متفق علیہ [1] حدیث میں ثابت ہے، اس طور پر حمزہ اپنی شہادت کے دن پچاس سے زیادہ سال کے رہے ہوں گے [2]۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قتل:

اور مسلمان واپس ہو گئے اور بعض لوگوں کو جنگ کے میدان میں چھوڑ دیا، اور مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ جو کہ مسلمانوں کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے قتال کرتے ہوئے ڈٹے رہے، ان کے پاس ابن قمیئہ نامی گھوڑ سوار آیا اور ان کے داہنے ہاتھ کو مارا اور اسے کاٹ دیا اور مصعب رضی اللہ تعالی عنہ کہ رہے تھے: ((وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل))[آل عمران: ١٤٤]، پھر انہوں نے جھنڈا اپنے بائیں ہاتھ سے لے لیا، ابن قمیہ نے ان کے بائیں ہاتھ پر مارا اور اسے کاٹ دیا، پھر انہوں نے جھنڈا اپنے دونوں بازو سے پکڑ کر سینے پر لگا لیا اور وہ پڑھ رہے تھے: ((وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل)) پھر ابن قمیہ نے ان پر دھاوا بولا اور انہیں نیزے سے مارا اور قتل کر دیا، اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو کر گر پڑے، اور پھر جھنڈا بھی گر پڑا اللہ کے رسول

([1]) یہ حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں ـــ کتاب الشہادات، باب: النسب پر گواہی ـــ حدیث نمبر (2645) کے تحت روایت کی ہے، اور کتاب النکاح ـــ باب (21) ـــ حدیث نمبر (5101) میں بھی روایت کی ہے۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں ـــ کتاب الرضاع ـــ باب: بھتیجی (بھائی کی بیٹی) کا رضاعت کی وجہ سے حرام ہونا ـــ حدیث نمبر (1446) کے تحت بیان کیا ہے، اور باب: ربیبہ اور عورت کی بہن کا حرام ہونا ـــ حدیث نمبر (1449) کے تحت بھی روایت کیا ہے۔

([2]) البدایہ والنہایہ (441/4) دیکھیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جھنڈا اٹھانے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے اسے اٹھالیا[1]۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر کا پھیلنا اور صحابہ پر اس کا اثر:

چنانچہ جب ابن قمیئہ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جو کہ اپنا جنگی لباس پہن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے، تو اس نے سمجھا کہ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے چنانچہ وہ قریش کی جانب گیا وہ کہہ رہا تھا میں نے محمد کو قتل کر دیا، اور شیطان نے بلند آواز سے چیخ لگائیں اور کہا: سنو! محمد کو قتل کر دیا گیا، جب مسلمانوں نے یہ بات سنی تو ان پر معاملہ بہت بھاری لگا اور ان کے خواب بکھر گئے، اور ان کے دلوں پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ حیرت میں مبتلا ہو گئے انہیں پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کریں چنانچہ وہ تین گروہوں میں بٹ گئے:

پہلا گروہ:

جس نے راہ فرار اختیار کی اور جنگ کے میدان کو چھوڑ دیا، چنانچہ انہیں کسی چیز نے واپس نہیں کیا سوائے مدینہ کے کھجور کے باغات کے، اور فرار ہونے والے کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہو رہے تھے، ان میں سے کچھ لوگ گھاٹی میں موجود مہراس[2] نامی چشمے کے قریب پہاڑ کے اوپر چلے گئے، اور کچھ لوگ تو بھاگتے ہی رہے، اور وہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہی واپس آئے، ان کی تعداد بہت کم تھی، پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لوگوں میں سے، عثمان بن عفان، حارث بن حاطب، سواد بن غزیہ، سعد اور عقبہ بن عثمان، رفاعہ بن معلی، خارجہ بن عمرو اور اوس بن قیظی تھے، اور انہیں

([1]) سیرۃ ابن ہشام (81/3) ملاحظہ کریں۔

([2]) المِهْرَاس: اُحد پہاڑ کے پاس واقع ایک چشمہ (پانی کی جگہ) ہے۔ النہایہ (224/5) ملاحظہ کریں۔

لوگوں کے بارے میں اللہ رب العالمین کا یہ فرمان نازل ہوا: ((ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم))، [آل عمران: ۱۵۵]۔

اللہ تعالیٰ نے تم سے جو کمزوری، اختلاف اور نافرمانی سرزد ہوئی، اس سے در گزر فرمایا، اور تم سے جو بھاگنا، پیٹھ پھیرنا اور پسپا ہونا پیش آیا، اس کو بھی معاف کر دیا... اُس نے تمہیں معاف کیا اپنے فضل واحسان سے، اور تمہاری اُس انسانی کمزوری کو نظر انداز فرمایا جس کے ساتھ کوئی بُری نیت یا گناہ پر اصرار شامل نہ تھا... اُس نے تمہیں معاف کیا، کیونکہ تمہاری خطائیں اور کمزوریاں ایمان اور اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے دائرے کے اندر تھیں۔[1]

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عثمان بن موہب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں ایک شخص بیت اللہ کے حج کے لئے آیا تو اس نے لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھا اور کہا: یہ بیٹھے ہوئے لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ قریش کے لوگ ہیں۔ اس نے کہا: یہ شیخ کون ہے؟ انہوں نے کہا: ابن عمر ہیں۔ تو وہ اس کے پاس آئے اور کہا میں تم سے ایک چیز کے بارے میں سوال کرتا ہوں کیا تم اس کو مجھ سے بیان کروگے انہوں نے کہا میں تمہیں اس گھر کے حرمت کا حوالہ دیتا ہوں کیا تم یہ جانتے ہو کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دن فرار ہوئے تھے؟۔۔۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رہی بات احد کے دن ان کے فرار ہونے کہ تو گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العالمین نے اسے ان سے در گزر کر دیا ہے[2]۔

([1]) فی ظلال القرآن (494/1) دیکھیں۔

([2]) اسے البخاري نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ کتاب المغازی۔ باب: اللہ تعالیٰ کے قول کے تحت: {بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پیچھے ہٹے جب دو فوجیں ملیں} ۔ حدیث نمبر (۴۰۶۶)۔

دوسری جماعت:

رہی بات دوسری جماعت کی تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سن کر حیران اور ششدر رہ گئے، اور ان میں سے ہر ایک کا مقصد بس اپنی جان بچانا یا اپنی بصیرت پر قائم رہتے ہوئے لڑتے لڑتے شہید ہو جانا تھا۔ یہی گروہ صحابہ کی اکثریت پر مشتمل تھا۔ پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول ﷺ زندہ ہیں، تو یہ دوسرا گروہ آہستہ آہستہ واپس نبی ﷺ کے پاس لوٹ آیا۔[1]

انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا قصہ:

پھر انس بن مالک کے چچا انس بن نضر کا گزر بعض صحابہ کے پاس سے ہوا، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قتل کی افواہ سے ہار بیٹھے تھے اور انہوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور کہا تمہیں کس چیز نے یہاں پر بٹھا دیا ہے؟

انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل کر دیئے گئے ہیں، انہوں نے کہا تو تم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے، اٹھو اور اسے پر تم بھی موت کو گلے لگا لو جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم فوت ہوئے، پھر انہوں نے کہا: اللہ میں ان کے یعنی اپنے ساتھیوں کے کام سے تیری جناب معذرت پیش کرتا ہوں، اور میں ان یعنی مشرکوں کے کام سے تیری جناب میں براءت ظاہر کرتا ہوں، پھر وہ آگے بڑھے اور ان کی ملاقات سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو کہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے ہوئے تھے انہوں نے کہا: ابو عمرو! کہاں جا رہے ہو؟

---

[1] دیکھیں: فتح الباری (۱۰۸/۸)۔

انہوں نے کہا: اے سعد بن معاذ نضر کے رب کی قسم جنت کی طرف جارہا ہوں، اور میں احد پہاڑی[1] کے پیچھے سے جنت کی ہوا پارہا ہوں، پھر انہوں نے مشرکوں سے قتال کرنا شروع کیا یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جنگ کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ کام نہیں کر سکا جو انس بن نضر[2] نے کیا، پھر ان کے بدن میں 80 سے زیادہ تلوار نیزے اور تیر کے زخم دیکھے گئے اور مشرکوں نے ان کا مثلہ کر دیا تھا، چنانچہ انہیں ان کی بہن[3] کے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا، اور انہوں نے انہیں ان کے انگلیوں سے[4] پہچانا تھا ان کی انگلیاں بہت خوبصورت تھیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم یہ جانتے تھے کہ یہ آیت ان ہی کے بارے میں یا ان کے مثل لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، اور وہ اللہ رب العالمین کا یہ فرمان ہے: ((من

([1]) یہ روایت البخاری کی صحیح میں ہے، اور امام مسلم کی صحیح میں بھی وارد ہوئی ہے، اور طیالسی اور نسائی نے بھی نقل کی ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں جنت کی خوشبو محسوس کرتا ہوں، جو میں اُحد کے پاس محسوس کرتا ہوں۔"

([2]) قال الحافظ فی الفتح (۸/۱۰۰): سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انس بن النضر رضی اللہ عنہ میں بے حد بہادری تھی، یہاں تک کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اُحد کے دن اپنی ثابت قدمی اور کامل بہادری کے ساتھ بھی وہ جرأت نہ دکھائی جو انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے دکھائی۔

([3]) امام مسلم کی صحیح میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے: الربیع بنت النضر۔

([4]) اور انس بن النضر رضی اللہ عنہ کی کہانی اس طرح روایت ہوئی ہے: البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب الجهاد والسیر - باب: اللہ تعالیٰ کے قول کے تحت: {مؤمنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس پر سچے رہے} - حدیث نمبر (۲۸۰۵)۔ اور اسے کتاب المغازی میں بھی نقل کیا ہے - باب: غزوہ احد - حدیث نمبر (۴۰۴۸)۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب الإمارة - باب: شہید کے لیے جنت کے ثبوت کے بارے میں - حدیث نمبر (۱۹۰۳)۔ طیالسی نے اسے مسند میں نقل کیا ہے - حدیث نمبر (۲۱۵۷)۔ نسائی نے اسے السنن الکبری میں نقل کیا ہے - کتاب التفسیر - باب: اللہ تعالیٰ کے قول کے تحت: {مؤمنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس پر سچے رہے} - حدیث نمبر (۱۱۳۳۸)۔ ترمذی نے اسے جامعہ میں نقل کیا ہے - کتاب التفسیر - باب: اور سورۃ الاحزاب سے - حدیث نمبر (۳۴۷۸)۔

المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا))،[الاحزاب: ٢٣]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے قصے میں بہت سے فوائد ہیں:

1- جہاد میں اپنے نفس کو جھونکنے کا جواز۔

2- اور اس میں عہد کے پورا کرنے کی فضیلت کا بیان ہے، کیونکہ انس نے اللہ رب العالمین سے یہ کہہ کر عہد کیا تھا کہ اگر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کے بعد قریش کے ساتھ کوئی جنگ کریں گے تو اللہ رب العالمین کو اپنا کارنامہ دکھائیں گے اگرچہ ان کے نفس پر وہ بات بھاری پڑے یہاں تک کہ وہ اسے ہلاک کر دیں۔

3- اور اس بات کا بیان ہے کی جہاد میں شہادت کا طالب ہونا یہ اس نہی میں داخل نہیں ہے جو نفس کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔

4- اور اس میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی ظاہری فضیلت کا بیان ہے، یہ کہ ان کا ایمان بہت سچا تھا وہ تقوی والے پرہیز گاری اختیار کرنے والے اور مضبوط یقین والے تھے[1]۔

تیسری جماعت:

رہی بات تیسری جماعت کی تو وہ لوگ تھے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمے ہوئے تھے، جیسا کہ بیان کیا جائے گا۔

([1]) دیکھیں: فتح الباری (٦/١٠٣)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے میدان میں مضبوط پہاڑوں کے مانند ڈٹے رہے، آپ نے اپنی جگہ نہ چھوڑی تھی، مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا تھا، آپ کی جگہ سے آپ کا قدم ایک بالشت بھی پیچھے نہ ہٹا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے بالکل سامنے تھے[1]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب جنگ اپنی رفتار پکڑ لیتا اور دونوں دشمن آپس میں ایک دوسرے سے بھڑ جاتے تو ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بچاؤ حاصل کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہم میں سے کوئی بھی دشمن سے قریب نہ ہوتا[2]۔

جب مسلمان پسپا ہو گئے تو رسولِ اللہ ﷺ انہیں آواز دینے لگے: "ادھر آؤ اے بندگانِ خدا! ادھر آؤ اے بندگانِ خدا! میں رسولُ اللہ ہوں"! جب مشرکوں نے نبی ﷺ کی آواز پہچان لی تو وہ پلٹ آئے اور آپ ﷺ پر حملہ کر دیا، اپنی پوری قوت کے ساتھ آپ کی طرف جھپٹ پڑے۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ انصاری صحابہ تھے، جن میں طلحہ بن عبید اللہ ؓ بھی شامل تھے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو قریشی صحابہ تھے۔

([1]) دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی (۳/۲۶۴)۔

([2]) امام احمد نے اسے اپنے مسند میں نقل کیا ہے۔ حدیث نمبر (۱۳۴۷)۔

اور ابن سعد کے یہاں طبقات[1] میں ہے وہ کہتے ہیں کہ: اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابہ میں سے 14 لوگ ڈٹے رہے، جن میں سے سات مہاجروں میں سے تھے جن میں ایک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور سات انصار میں سے تھے۔

سات انصاری صحابہ کا قتل:

امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابن حبان نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن سات انصاری صحابہ اور دو قریش[2] کے لوگوں کے ساتھ اکیلے رہ گئے، چنانچہ جب ان لوگوں نے آپ کو گھیر لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: انہیں ہم سے دور کون کرے گا؟ اس کے لیے جنت ہے، یا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، چنانچہ انصار میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے قتال کیا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا پھر ان لوگوں نے آپ کو گھیرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو ہم سے دور کون کرے گا؟ اس کے لیے جنت ہے اور جنت میں میرا ساتھی ہوگا، پھر انصار میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے قتال کیا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا گیا اسی طرح سے معاملہ چلتا رہا یہاں تک کہ ساتوں صحابہ قتل

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (۲/۲۷۰)۔

([2]) قال الحافظ فی الفتح (۸/۱۰۶): گویا مراد ان دونوں مردوں سے: طلحہ اور سعد ہیں، اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے جو البخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - حدیث نمبر (۴۰۶۰) - معمر عن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان نے کہا: "میرا خیال ہے کہ ان دنوں میں جو وہ لڑائی کے دوران گزارے، طلحہ اور سعد کے سوا کسی اور کے ساتھ نبی ﷺ موجود نہ تھے۔" پس گویا اس حدیث میں "الھر" کا مقصد مہاجرین تک محدود کرنا ہے، یعنی گویا فرمایا: مہاجرین میں ان دونوں کے سوا کسی اور کے ساتھ نبی ﷺ موجود نہ تھے۔ اور اس کا مطلب وہ ہے جو میں نے پہلے بیان کیا، اور یہ حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ لڑائی میں بکھر گئے تھے۔ جب شکست واقع ہوئی اور جو بھاگ گئے، شیطان نے پکارا: "محمد ﷺ قتل ہو گئے"، تو ہر ایک نے اپنی حفاظت میں مصروف ہو گیا۔ پھر قریب سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ زندہ ہیں، تو وہ پہلے ایک ایک کر کے واپس آئے، اور بعد میں وہ دوبارہ لڑائی کے لیے متوجہ ہوئے۔

کر دیئے گئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا: ہمارے ساتھیوں کے ساتھ ہم نے انصاف نہ کیا[1]۔

اور امام نسائی نے سنن کبریٰ میں اور بیہقی نے دلائل میں جید سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، احد کے دن لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے 12 لوگوں[2] کے درمیان ایک کنارے پر تھے، جن میں سے طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے مشرکوں نے انہیں پالیا اور پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اور فرمایا: ((لوگوں کا مقابلہ کون کرے گا))۔

طلحہ نے کہا: میں! تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے تم ہو۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم، چنانچہ اس نے قتال کیا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوئے تو مشرکین کو دیکھا اور فرمایا: ان کا مقابلہ کون کرے گا؟

تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے تم ہو۔

تو انصار میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی علیہ وسلم میں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تم چنانچہ انہوں نے بھی قتال کیا یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے، چنانچہ وہ اسی طرح سے کرتے رہے، اور انصار میں سے ایک شخص نکلتے رہے، اور وہ

([1]) امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب: غزوہ اُحد - حدیث نمبر (۱۷۸۹)۔ اور ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب السیر - باب: خروج اور جہاد کے طریقے کے بارے میں - حدیث نمبر (۴۷۱۸)۔

([2]) اور براہ بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ امام احمد کے مسند میں صحیح سند کے ساتھ (شیخین کے شرط پر) - حدیث نمبر (۱۸۵۹۳) - انہوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف بارہ مرد باقی رہ گئے۔" قال الحافظ فی الفتح (۱۰۶/۸): انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں وہ سات تھے، جبکہ جابر رضی اللہ عنہ اور براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں وہ بارہ تھے، اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں (۲۷۰/۲) کہا: چودہ مرد تھے، شاید وہ بعد میں آئے ہوں۔

اپنے پہلے کی طرح قتال کرتے رہے یہاں تک کہ قتل کر دیئے جاتے، یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور طلحہ بن عبید اللہ ہی بچے[1]۔

اور انصار میں سے سب سے آخر میں قتل ہونے والے عمارہ بن زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے قتال کیا یہاں تک کہ زخم نے انہیں بٹھا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں مجھ سے قریب کرو، انہیں آپ سے قریب کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر کے نیچے اپنا پیر تکیہ بنا دیا اور وہ فوت ہو گئے، اور اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر انکار خسار تھا[2]۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے زخم لگے؟

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جب وہ انصار شہید ہو گئے، تو آپ ﷺ کے پاس صرف دو صحابہ باقی رہ گئے: طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ۔ مشرکین نے نبی ﷺ پر سخت حملہ کر دیا۔ عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکا، جس سے آپ ﷺ گر پڑے، آپ ﷺ کے نیچے والے ہونٹ زخمی ہو گئے، اور آپ ﷺ کا دائیں جانب کا سامنے والا دانت (رِباعی)[3] ٹوٹ گیا، اور خود (ہیلمٹ) آپ ﷺ کے سر پر ٹوٹ گئی۔ پھر عبد اللہ بن شہاب الزہری آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے ماتھے پر زخم لگایا۔ اس کے بعد ابن قَمِئَہ نبی ﷺ کے قریب آیا اور تلوار سے آپ

([1]) اسے النسائی نے السنن الکبری میں نقل کیا ہے - کتاب الجهاد - باب: جو شخص دشمن سے چھلنی ہو اسے کیا کہنا چاہیے - حدیث نمبر (۴۳۴۲)۔ اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے (۲۳۶/۳)۔ اس کی سند کی موجودگی کا ذکر الحافظ نے فتح میں کیا ہے (۱۰۶/۸)۔

([2]) دیکھیے: دلائل نبوت از امام بیہقی (۲۳۴/۳)۔

([3]) "رباعیہ": چار دانتوں میں سے ایک دانت کو کہا جاتا ہے جو سامنے کے دونوں مرکزی دانتوں (ثنایا) کے بعد، ثنیہ اور ناب کے درمیان واقع ہوتا ہے، دیکھئے: لسان العرب (119/5)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (113/8) میں فرماتے ہیں: رِباعیہ ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ وہ دانت ٹوٹا، مگر پوری جڑ سے نہیں نکلا، بلکہ اس کا ایک ٹکڑا (فِلقہ) ٹوٹ کر جدا ہو گیا۔

ﷺ کے دائیں کندھے پر زور سے وار کیا، جس کے اثر سے رسولِ اللہ ﷺ ایک مہینے سے زیادہ تک تکلیف محسوس کرتے رہے۔ پھر اس نے آپ ﷺ کے رخساروں پر بھی چوٹ لگائی اور گستاخی سے کہا: "لے، یہ لے — میں ابن قمہ ئہ ہوں، چنانچہ مغفر کے کچھ کڑے آپ کے رخسار پہ دھنس گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " "اللہ تعالیٰ تجھے لنگڑا کردے"! [1]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکوں کو ڈھکیلنے لگے، تو آپ ابو عامر فاسق کے مسلمانوں کے لئے کھودے ہوئے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنوں میں چوٹ لگی، تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے آپ کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ صحیح طریقے سے کھڑے ہوئے [2]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور طحاوی شرح مشکل الآثار میں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی قوم پر اللہ رب العالمین کا غضب نازل ہو جنہوں نے اپنے رسول کے چہرے کو لہولہان کر دیا، اور انہوں نے اس پر اس کے خود کو توڑ دیا، اس کے رباعی دانت کو توڑ دیا" [3]۔

اللہ رب العالمین کا اپنے نبی کی دعا کو قبول کرنا:

اور اللہ رب العالمین نے ابن قمہ ئہ کے بارے میں اپنے نبی کی بد دعا کو قبول کیا، چنانچہ جب وہ اس دن اپنے گھر والوں کے پاس گیا، تو اپنی بکریوں کے پاس گیا اور اس نے انہیں پہاڑ کی چوٹی پر پایا، تو اللہ رب العالمین نے اس پر ایک سانڈ مسلط کر دیا اور وہ اسے سینگ سے مارتا رہا یہاں تک کہ اس کے ٹکڑے کر دیے۔

([1]) دیکھئے: ابن ہشام کی سیرت (89/3)، "الطبقات الکبریٰ" از ابن سعد (270/2)۔

([2]) سیرت ابن ہشام (89/3) ملاحظہ فرمائیں۔

([3]) اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب المغازی، باب: غزوۂ اُحد کے دن نبی ﷺ کو پہنچنے والے زخموں کا بیان — حدیث نمبر (4073) (4074)۔ اور اسے امام طحاویؒ نے شرح مشکل الآثار میں بھی روایت کیا ہے — حدیث نمبر (4915)۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کی: سانڈ نے اس پر حملہ کیا جس سے وہ پہاڑ کے اوپر سے گرا اور ٹکڑا ٹکڑا ہو گیا[1]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی وقاص پر بد دعا کی اور کہا اللہ اس پر سال بنا گزرے کہ یہ کفر کی حالت میں مر جائے چنانچہ وہ ایک سال بھی زندہ نہ رہا اور کفر پر مر کر جہنم واصل ہو گیا))[2]۔

اور امام بیہقی نے دلائل میں اور ابن اسحاق نے سیرت میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی کسی انسان کے قتل کا اتنا حریص نہیں تھا جتنا میں عتبہ بن وقاص کے قتل پر حریص تھا، اگرچہ میں اس کو اپنی قوم میں مبغوض اور برے اخلاق والا نہیں جانا تھا[3]۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع:

اور مشرکوں کا مقصد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا تھا، مگر طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے بہت بہادری کا مظاہرہ کیا اور انہوں بے نظیر بہادری دکھائی، یہاں تک کہ ان دونوں نے مشرکوں کے لیے اپنے مقصد کو پورا کرنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا[4]۔

چنانچہ جب مشرک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے، اور انصار کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے شہید کئے گئے، اور صرف اللہ کے رسول صلی

([1]) دیکھیے: دلائل النبوۃ لأبی نعیم (489/2)۔

([2]) دیکھیے: دلائل النبوۃ للبیہقی (265/3)۔

([3]) دیکھیے: دلائل النبوۃ للبیہقی (265/3) — سیرۃ ابن ہشام (96/3)۔

([4]) دیکھیے: الرّحیق المختوم، صفحہ 268۔

اللہ علیہ وسلم اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ باقی بچے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دشمنوں سے کون مقابلہ کرے گا؟"۔

طلحہ نے کہا "میں چنانچہ طلحہ نے گیارہ لوگوں کے مانند قتال کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر مار لگی اور ان کے انگلیاں کٹ گئیں تو انہوں نے درد بھری آواز نکالی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم بسم اللہ کہتے تو فرشتے تمہیں اٹھا لیتے اور لوگ دیکھتے رہتے"[1]۔

اور فضائل صحابہ میں ایک دوسری روایت کے اندر صحیح سند کے ساتھ موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے وہ کہتے ہیں: بے شک طلحہ کی ہتھیلی پر احد کے دن مار لگی تھی، تو انہوں نے تکلیف بھری آواز نکالتے ہوئے "حس" کہا تھا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: "اگر تم "بسم اللہ" کہتے تو میں نے دیکھا کہ تمہارے لئے جنت میں اس کی وجہ سے ایک گھر بنایا جا رہا تھا، جبکہ تم دنیا میں ابھی زندہ تھے"[2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے طلحہ کے کٹے ہوئے ہاتھ کو دیکھا جس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احد والے دن حفاظت کر رہے تھے[3]۔

اور امام احمد نے فضائل صحابہ میں صحیح سند کے ساتھ موسیٰ بن طلحہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: طلحہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیس سے زائد زخم لگے"[4]۔

([1]) اسے نسائی نے السنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے — کتاب الجہاد، باب: دشمن کے نیزہ مارنے پر کیا کہنا چاہیے — حدیث نمبر (4342)۔ اور اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ (236/3) میں بھی روایت کیا ہے — اور حافظ نے فتح الباری (106/8) میں اس کی سند کے وجود کا ذکر کیا ہے۔

([2]) اسے امام احمد نے فضائل الصحابہ میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر (1294)۔

([3]) اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب المغازی — باب: {إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا} — حدیث نمبر (4063)۔

([4]) اسے امام احمد نے **فضائل الصحابہ** میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر (1296)۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع:

رہی بات سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تو وہ احد کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سختی کے ساتھ جنگ کرنے والے تھے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، اور وہ لوگوں کے شکست خوردہ ہونے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے رہنے والوں میں سے تھے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ وسلم نے اپنے ترکش سے میرے پاس احد والے دن تیر بچھائے، اور فرمایا: "تم تیر چلاؤ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں"[1]۔

فرشتوں کا نزول

اور ان تنگ حالات میں اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کی حفاظت کے لئے اپنے فرشتوں کو بھیجا، جیسا کہ شیخان نے اپنی صحیحین میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو احد والے دن دیکھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو آدمی تھے[2]، ان پر سفید کپڑے تھے وہ بہت ہی سخت طرح سے آپ کی جانب سے قتال کر رہے تھے، میں نے انہیں پہلے یا بعد میں کبھی نہیں دیکھا[3]۔

([1]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب المغازی، باب: {إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا} — حدیث نمبر (4055)۔

([2]) طیالسی کی روایت میں سعدؓ کہتے ہیں: "میں نے غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو آدمیوں کو دیکھا۔"

([3]) طیالسی کی روایت میں سعدؓ نے فرمایا: "میں نے انہیں نہ اس دن سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد دیکھا۔"

اور مسلم نے اپنی روایت میں سے ان سے ہی یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: یعنی جبریل اور میکائیل علیہ السلام تھے[1]۔

میں کہتا ہوں: فرشتے اللہ کے رسول کی حفاظت کے لیے آئے تھے، اور انہوں نے بدر کبری کے علاوہ کبھی قتال نہ کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی جنگ میں قتال نہ کیا، اور وہ ان کے علاوہ دنوں میں تعداد اور مدد کے لیے آتے تھے لڑائی نہیں کرتے تھے[2]۔

صحابہ کرام کی اللہ کے رسول کے گرد واپسی اور ان کا آپ کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگانا:

اور جو صحابہ مشرکوں سے قتال کر رہے تھے، انہوں نے اللہ کے رسول کی پکار: "اے اللہ کے بندوں میرے پاس، اے اللہ کے بندوں میرے پاس" سنی تو وہ فوراً آپ کی جانب متوجہ ہو گئے، اور انہیں بہت زخم لگے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے صحابہ میں سے 14 لوگ اکٹھے ہو گئے، سات لوگ مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے تھے، جن میں: ابو بکر صدیق، عمر بن الخطاب، علی ابن ابی طالب، ابو عبیدہ ابن الجراح، عبد الرحمن بن عوف، ابو طلحہ انصاری، حارث بن صمہ، مالک بن سنان ابو سعید خدری کے والد، ابو دجانہ، ام عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

([1]) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب المغازی، باب: {إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنكُمْ أَنْ تَفْشَلَا} — حدیث نمبر (4054)۔ اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے — کتاب الفضائل، باب: نبی ﷺ کے ساتھ اُحد کے دن جبریل و میکائیل کے قتال — حدیث نمبر (2306)۔ اور اسے طیالسی نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر (203)۔

([2]) مزید دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (245/2) — تفسیر بغوی (412/1)۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع:

اور پھر صحابہ کرام مشرکوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے پوری طاقت کے ساتھ ہٹانے لگے، جب کہ وہ کافی زخمی تھے، چنانچہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بنا دیا، ان کی پیٹھ میں تیر لگتے اور وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے ہوئے تھے یہاں تک کہ ان کی پیٹھ میں تیر ہی تیر بھر گئے مگر وہ حرکت نہ کر رہے تھے، اللہ کے راستے میں پہنچنے والی تکلیف کی وہ کوئی پرواہ نہ کرتے تھے[1]۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع:

جن لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دفاع کے لیے موت سے لڑنا شروع کیا تھا، ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: "جب احد کا دن تھا، لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اور ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے ایک ترکش کو لئے ڈھال بن کر کھڑے تھے، اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بہت ہی سخت انداز میں تیر چلانے والے تھے، انہوں نے اس دن دو یا تین کمان توڑے تھے، اور جب کوئی شخص وہاں سے گزر رہا ہوتا جس کے پاس تیروں کا تھیلا ہوتا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ((اسے ابو طلحہ کے لیے پھیلا دو)) وہ کہتے ہیں راوی کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ دشمن کی طرف دیکھنے کے لیے جھانکنے لگے، تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ آگے مت جھانکیں، کہیں دشمن کا تیر آپ کو نہ لگ جائے۔ میرا گلا آپ کے گلے پر

([1]) سیرۃ ابن ہشام (91/3) دیکھیں ـــــ دلائل النبوۃ للبیہقی (234/3) ملاحظہ کریں۔

فدا ہے!" (یعنی: میں آپ کے دفاع میں اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں، دشمن کا کوئی تیر آپ تک نہیں پہنچنے دوں گا)۔[1]

اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو طلحہ کی آواز مشرکوں پر ایک جماعت سے زیادہ سخت ہے[2]۔

اور ایک دوسری روایت میں مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابو طلحہ کی آواز لشکر میں ایک پوری جماعت سے بہتر ہے"[3]۔ راوی کہتے ہیں: وہ (ابو طلحہ) جنگ کے دوران نبیِ کریم ﷺ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتے، اپنا ترکش (تیر دان) کھول کر تیر نکالتے اور کہتے: "میرا چہرہ آپ کے چہرے پر ڈھال ہو، اور میری جان آپ کی جان پر قربان ہو"![4]۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع:

اور انہیں میں سے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب سارے لوگ بھاگ گئے تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے، اور انہوں نے اس دن موت پر

([1]) یہ حدیث البخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے — کتاب المغازی — باب {جب تم میں سے دو گروہ ناکام ہونے والے تھے} — حدیث نمبر (4064)۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے — کتاب الجھاد والسیر — باب: خواتین کا مردوں کے ساتھ غزوہ — حدیث نمبر (1811)۔ اور امام احمد نے اسے اپنے مسند میں روایت کیا ہے — حدیث نمبر (12024)۔

([2]) یہ حدیث امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے — حدیث نمبر (13105)۔

([3]) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "یہ گروہ سب سے بہتر ہے"۔ السندی رحمہ اللہ نے شرح المسند (135/7) میں فرمایا: یعنی یہ گروہ دشمن کے سینوں میں سب سے زیادہ خوف پیدا کرنے والا ہے۔

([4]) اسے امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۱۳۷۴۵)۔

بیعت کی تھی، اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تیر چلاتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "سہل کو تیر دو یہ سہل ہیں" [1]۔

عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اللہ کا رسول صلی وسلم کا دفاع:

اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قتال کیا یہاں تک کہ ان کے منہ میں زخم لگیں اور ان کے سامنے والے دانت جڑ سے ٹوٹ گئے اور انہیں اکیس زخم لگے، اور ان کے پیر میں بھی زخم لگا جس سے وہ لنگڑایا کرتے تھے [2]۔

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اللہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع:

رہی بات مالک بن سنان کی جو کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد تھے، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گال کے اوپری حصے سے خون چوس کر صاف کیا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا: اسے تھوک دو، تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں کبھی نہیں تھوکوں گا، پھر وہ پیچھے مڑے اور قتال شروع کی اور نبی پاک صلی وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ خوشی ہو کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کا خون میرے خون سے ملا ہے تو وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے [3]۔

([1]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب معرفۃ الصحابۃ – باب قول النبي ﷺ: "نبلوا سهلًا" – حدیث نمبر (٥٧٨٨) – اور ابن سعد نے اسے اپنی الطبقات میں ذکر کیا ہے (٣/ ٢٤٧)۔

([2]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب معرفۃ الصحابۃ – باب حلیۃ عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه – حدیث نمبر (٥٣٩٦) – اور دیکھیں سیر أعلام النبلاء (١/ ٧٥) اور الإصابۃ (٤/ ٢٩٢)۔

([3]) اسے الحاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے – کتاب معرفۃ الصحابۃ – باب ذکر مالک بن سنان رضي الله عنه – حدیث نمبر (٦٤٤٦) – اور اس کی إسناد شواہد کے ساتھ حسن ہے۔

اور ابن اسحاق کی سیرت کے اندر ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے خون سے میرا خون چھو گیا اسے جہنم کی آگ نہ لگے گی[1]۔

نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہ کی بہادری:

اور ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازِنیہ نے بھی قتال کیا، ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں: ام عمارہ بنت کعب اپنے شوہر غزیہ بن عمرو اور اپنے دو بیٹوں کے ساتھ احد میں شریک ہوئیں، اور وہ پانی پلانے کے لیے نکلیں اور ان کے ساتھ ایک مشکا بھی تھا۔

اور انہوں نے اس دن سخت قتال کیا، ان پر سخت آزمائش آئی، انہوں نے اپنے کپڑے کو اپنے درمیان میں باندھ رکھا تھا، ان کو بارہ زخم لگے، انہیں ابن قمیئہ -قبحہ اللہ- نے ان کی گردن پر مارا تھا، اور یہ ان کا سب سے بڑا زخم تھا انہوں نے سال بھر اس کا علاج کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم فرماتے تھے: "اے ام عمارہ تمہاری طرح بہادری اور کون دکھا سکتا ہے؟" انہوں نے کہا: اللہ تعالی سے دعا کیجیے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی انہیں جنت میں میرے ساتھیوں میں سے بنا، انہوں نے کہا: دنیا میں پہنچنے والے زخم کی مجھے کوئی پرواہ نہیں[2]۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا": انسان اس غیر معمولی بہادری پر حیران رہ جاتا ہے جس کا مثیل ہمیں دنیا کی تاریخ میں کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ اور اس عظیم سردار (ابو طلحہ اور اُن جیسے ہی دیگر رہنما) کا جہادِ اسلام میں ایک بھرپور اور شاندار تاریخی ریکارڈ ہے۔ انہی کی مثالیں بیعتِ

([1]) دیکھیں: سیرۃ ابن ھشام (۳/ ۸۹)۔

([2]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (۸/ ٤٤١) – سیر أعلام النبلاء (۲/ ۲۷۹) – سیرۃ ابن ھشام (۳/ ۹۱)۔

رضوان میں بھی نظر آئیں، اور انہوں نے ردّۃ کی جنگوں میں بھی بہترین کارنامے انجام دیے۔"[1]۔

عورتوں کا جہاد:

بیشک صحابیات رضی اللہ عنہنّ نے غزوۂ اُحد کی عظیم جنگ میں سب سے بہترین مثالیں قائم کیں۔ وہ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور مجروحوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق اور حضرت اُمّ سُلیم [2] رضی اللہ عنہما کو دیکھا —— دونوں نے اپنے کپڑے کس لیے تھے (تاکہ خدمت میں آسانی ہو)۔ میں ان کی ٹانگوں کے پچھلے حصے (پنڈلیوں اور پائل) [3] کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پشت پر مشکیزے اٹھائے ہوئے تھیں، لشکریوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب مشکیزے خالی ہو جاتے تو واپس جاتیں، انہیں بھر کر پھر آتیں اور مجاہدین کے منہ میں پانی ڈالتی جاتیں"۔[4]

([1])دیکھیں: السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ ڈاکٹر محمد أبو شہبۃ (۲/ ۲۰۳)۔

([2])اُم سُلیم: وہ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

([3])امام النووي نے شرح مسلم میں فرمایا (۱۲/ ۱۵۸): اور انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے بازار کی خدمتگاروں کی طرف نظر کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا؛ کیونکہ یہ واقعہ غزوہ اُحد کا دن تھا، اس سے پہلے خواتین پر پردہ کرنے اور ان کی طرف دیکھنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ نیز یہاں یہ ذکر نہیں کہ انہوں نے خاص طور پر ساق کی طرف دیکھنے کا ارادہ کیا، لہٰذا یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ نظر اچانک ہوئی بغیر کسی قصد اًاور مسلسل نہیں رہی۔

([4])یہ حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب: غزوہ خواتین اور مردوں کے ساتھ لڑائی - رقم حدیث (۲۸۸۰)، اور اسی حدیث کو کتاب المغازی میں بھی ذکر کیا ہے - باب {إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا} - رقم حدیث (٤٠٦٤)، نیز امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب: غزوہ خواتین اور مردوں کے ساتھ لڑائی - رقم حدیث (۱۸۱۱)۔

ام سلیط رضی اللہ عنہا کا جہاد

اور انہیں خواتین میں سے ام سلیط ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی تھیں، یہ ابو سلیط کی بیوی تھیں، پھر ہجرت سے پہلے ان کی وفات ہو گئی تو مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے یہاں ابو سعید کی ولادت ہوئی، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین کے درمیان چادریں تقسیم کی تو ایک اچھی چادر بچ گئی تو ان کے پاس موجود بعض لوگوں نے کہا: امیر المومنین آپ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیٹی کو دے دیجئے جو آپ کے ماتحت ہے یعنی ام کلثوم بنت علی، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ام سلیط اس کی زیادہ حقدار ہیں، اور ام سلیط انصار کی ایک خاتون تھیں جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ احد کے دن ہمارے لئے پانی لاد کر لاتی تھیں[1]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کو اپنے ساتھ غزوہ میں لے کر جایا کرتے تھے، اور انصار کی اور دیگر خواتین بھی آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوتیں، اور وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کی علاج کرتی تھیں[2]۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں عورتوں کے جنگ کے لئے نکلنے کا جواز بھی موجود ہے اور یہ کہ ان سے پانی پلانے اور علاج کرنے والے غیرہ میں مدد لی جاسکتی ہے اور یہ علاج ان

([1]) یہ حدیث بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب: خواتین کو غزو میں لوگوں کے قریب لے جانے کے بارے میں - رقم حدیث (۲۸۸۱)۔

([2]) یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے - کتاب الجھاد والسیر - باب: خواتین کا مردوں کے ساتھ غزو میں شریک ہونا - رقم حدیث (۱۸۱۰).

کے محرم مردوں اور شوہروں کے لیے ہوتا تھا، اور اگران کے علاوہ کے لئے ہو ہو تو وہ بغیر لمس کے ہوتا تھا سوائے ضرورت اور حاجت کے وقت [1]۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ کہتے ہیں: اسلام عورت کے لیے جہاد میں شرکت کو جائز کہتا ہے، لیکن دینداری، عفت اور پاکدامنی کو لازم پکڑنے اور لاپرواہی نہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کی شرط پر، ورنہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہو جائے گا اور اس کا بگاڑ اصلاح سے زیادہ ہو گا[2]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں پناہ لینا:

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب واپس آنے والے صحابہ کرام نے مشرکوں کے حملوں کو روکنے میں کامیابی حاصل کی، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی مسلمانوں کی جانب راستہ بنانے کا موقع ملا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کے قتل کی افواہ پھیلنے کے بعد سب سے پہلے آپ کو پہچاننے والے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کہا میں نے آپ کی مبارک آنکھوں کو دیکھ کر پہچانا وہ مغفر کے نیچے سے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، چنانچہ انہوں نے بلند آواز سے پکارا اور کہا: اے مسلمانو خوش ہو جاؤ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کر کے کہا کہ وہ خاموش ہو جائیں، تاکہ مشرک لوگ آپ کی جگہ کو نہ جان سکیں، مگر یہ آواز مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ گئی اور مسلمان آپ کی جانب گئے یہاں تک کہ آپ کے گرد صحابہ کرام میں سے تیس لوگ جمع ہو گئے، جب لوگوں نے اپنے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باحیات پایا تو وہ بہت خوش ہوئے گویا انہیں کوئی بھی تکلیف پہنچی ہی نہ ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد انہوں نے جو کچھ کھویا تھا سب ان پر آسان ہو گئی، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

([1]) دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووي (١٢/ ١٥٨).

([2]) "ڈاکٹر محمد ابو شہبہ کی کتاب 'سیرتِ نبوی ﷺ قرآن وسنت کی روشنی میں' (جلد 2، صفحہ 205) دیکھیں۔"

طلب کیا کہ وہ پہاڑ کی طرف چلیں،اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کی گھاٹی کی طرف راستہ لیناشروع کیااور آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، حارث بن صمہ، کعب بن مالک، ابو دجانہ، سہل بن حنیف وغیرہ موجود تھے، مشرکین نے کوشش کی کہ رسولِ اکرم ﷺ کے مسلمانوں سمیت پیچھے ہٹنے (واپسی) کے عمل میں رکاوٹ ڈالیں،اور وہ اپنے حملوں میں شدت اختیار کر گئے تاکہ اس انخلا کو روک سکیں، لیکن وہ مسلمانوں کے شیر دل مجاہدوں کی بہادری کے سامنے ناکام ہو گئے۔[1]

اس طرح مشرکوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور مسلمانوں کی بہادری کے سامنے ان کی کوشش ناکام ہو گئی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چٹان کی طرف چڑھنا:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گھاٹی میں موجود چٹان پر چڑھنا چاہا مگر آپ نے جب چڑھنے کی کوشش کی تو آپ ایسا نہ کر سکے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن بھاری تھا اور آپ دو دروعیں پہنے ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ خون بہنے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہو گئی تھی، چنانچہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیٹھ پر چڑھے یہاں تک کہ چٹان پر بیٹھ گئے اور کہا طلحہ نے واجب کر لیا[2]۔

([1])"رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کے جبل اُحد کی طرف رجحان کی خبر امام اُحمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے-حدیث نمبر (2609) اور اس کا اسناد حسن ہے۔ جہاں تک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی رسول ﷺ سے معرفت کا تعلق ہے، یہ روایت درج ذیل میں ملتی ہے: ابو نعیم نے الدلائل میں (جلد 2، صفحہ 482) ابن اسحاق نے السیرۃ میں (جلد 3، صفحہ 93) البیہقی نے دلائل النبوۃ میں (جلد 3، صفحہ 237) اور اس کا اسناد صحیح ہے۔"

([2])"رسول ﷺ کے طلحہ رضی اللہ عنہ کی پشت پر چڑھنے کی خبر امام اُحمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے (1417)، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں –کتاب اخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابۃ، باب ذکر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر (6979) –نیز الترمذی نے اپنے جامع میں –کتاب الجھاد، باب ما جاء في الدرع، حدیث نمبر (1787) –اور اس نے کتاب المناقب میں بھی روایت کی، باب مناقب طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر (4071)، اور اس کا اسناد حسن ہے۔"

یعنی انہوں نے ایسا کام کیا جس سے انہوں نے جنت کو واجب کر لیا، جب انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ کام کیا۔

ابی بن خلف لعنہ اللہ کا قتل:

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گھاٹی میں ٹیک لگایا تو ابی بن خلف نے آپ کو دیکھ لیا، وہ کہہ رہا تھا: محمد کہاں ہیں؟ آج اگر وہ نجات پا گئے تو میں نجات نہیں پا سکتا، تو لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس پر ہم میں سے کوئی شخص حملہ کر دے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔

اور ابن سعد کی طبقات میں موجود ایک روایت میں ہے کہ: پھر مومنوں میں سے کچھ لوگ اس کے پاس گئے تاکہ اسے قتل کریں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: پیچھے ہٹ جاؤ پیچھے، ہٹ جاؤ، تو لوگوں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا، جب وہ اس سے قریب ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے ان کا نیزہ لیا چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لیا تو اسے ایسا پھینکا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اونٹ کی پیٹھ کے بال کے اڑنے کے مانند اُڑے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سامنا کیا اور اسے اس کے گردن پر درع اور خود کے درمیان موجود سوراخ سے وار کیا، جس سے وہ اپنے گھوڑے سے کئی مرتبہ لڑھکا، اور وہ بیل کی مانند چلانے لگا، چنانچہ جب وہ قریش کی جانب لوٹ کر گیا جبکہ اس کے گردن پر بہت زیادہ کھروچ آیا ہوا تھا، اس نے کہا: اللہ کی قسم محمد نے مجھے قتل کر دیا ہے، انہوں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم تیرا دل چلا گیا ہے، اللہ کی قسم! تجھے کچھ ہو گیا ہے، اس نے کہا: بے شک انہوں نے مدینہ میں مجھ سے کہا تھا: میں تجھے قتل کروں گا، اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دے تو مجھے قتل کر دے گا۔

اور اس کا قصہ یوں تھا کہ ابی ابن خلف مکہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا اور کہتا: اے محمد میرے پاس ایک گھوڑا ہے میں ہر دن اسے ایک فرق مکئی کھلاتا ہوں تاکہ اس پر سوار ہو کر تمہیں قتل کر سکوں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: نہیں، بلکہ میں تجھے اللہ نے چاہا تو قتل کروں گا۔

اور وہ اللہ کا دشمن ان کے مکہ لوٹتے ہوئے سرف[1] نامی مقام پر فوت ہوا[2]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اس شخص پر اللہ رب العالمین کا سخت غضب ہو جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستے میں قتل کریں)) [3]۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "اللہ کے راستے میں" اس سے ان لوگوں کا نکالنا مقصد ہے جنہیں حد یا قصاص کے طور پر قتل کیا گیا، کیونکہ جسے آپ نے اللہ کے راستے میں قتل کیا وہ اللہ کے نبی کے قتل کرنے کا خواہاں تھا[4]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا، جس نے کسی

([1])"سَرِف، یعنی راء کے ساتھ کھلا ہوا، مکہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 2، صفحہ 326)۔"۔

([2])"اُبی بن خلف کے قتل کی کہانی روایت کی گئی ہے: ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں (جلد 2، صفحہ 414) ابن سعد نے طبقاتہ میں (جلد 2، صفحہ 272) البیہقی نے دلائل النبوۃ میں (جلد 3، صفحہ 237) – یہ روایت سعید بن المسیب سے مرسل ہے، اور الواحدی نے اسے أسباب النزول میں ص 56 تک پہنچایا۔ الحاکم نے المستدرک، کتاب التفسیر، باب طعن رسول اللہ ﷺ أُبی بن خلف، حدیث نمبر (3316) میں روایت کی، اور اس کا اسناد صحیح ہے۔"

([3])"یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں درج کی ہے: کتاب المغازي، ما أصاب النبي ﷺ من الجراح یوم أُحد، حدیث نمبر (4073)، اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجھاد والسیر، باب غزوۃ أُحد، حدیث نمبر (1793) میں روایت کی ہے۔"

([4])"دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی (جلد 12، صفحہ 127)۔"

نبی کو قتل کیا یا اسے کسی نبی نے قتل کیا اور گمراہی کا امام اور تصویر بنانے والوں میں سے تصویر بنانے والا[1]۔

مشرکوں کا آخری حملہ:

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں ٹھہرے تو مشرکوں نے آخری حملہ کر کے مسلمانوں کو پریشان کرنے کی کوشش کی، مگر مسلمانوں نے انہیں پتھروں سے مارنا شروع کر دیا اور ان سے قتال کیا یہاں تک کہ وہ ناکام ہو گئے اور اپنے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گئے۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ تھے اسی وقت قریش کے گھوڑ سواروں میں سے کچھ اور گھوڑ سوار پہاڑ پر چڑھے جن کی قیادت ابوسفیان اور خالد بن ولید کر رہے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ہم سے اوپر جائیں[2] یا اللہ اگر تو چاہتا ہے کہ زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے[3] پھر اللہ رسول وسلم کے صحابہ تیار ہوئے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور انہوں نے ان سے قتال کیا اور پتھروں سے مارا یہاں تک کہ انہیں پہاڑ سے نیچے اتار دیا۔

([1])"یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (3868)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (6)۔"

([2])"یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (2609)، اور اس کا اسناد حسن ہے۔"

([3])"یہ روایت امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الجهاد والسير، باب استحباب الدعاء بالنصر، حدیث نمبر (1743)، اور ابن اسحاق نے السیرۃ میں بھی روایت کی ہے (جلد 3، صفحہ 96)۔"

مومنوں کو نیند کا ڈھانپنا:

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی جانب سے اطمینان کے طور پر اونگھ نازل فرمادی، جب ان پر خوف سخت ہوئی، تو کوئی بھی ایسا نہ بچا جو سویا نہ ہو، اسی بارے میں اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ((ثم انزل علیکم من بعد الغم امنہ نعاسا یغشی طائفہ منکم))[آل عمران: ۱۵٤]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں احد کے دن میں ان لوگوں میں سے تھا جنہیں اونگھ آئی تھی یہاں تک کہ میری تلوار میرے سامنے کئی مرتبہ گری، وہ گرتی اور میں اسے لیتا پھر گرتی اور میں اسے لیتا[1]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں احد کے دن جب کچھ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھاگ گئے۔۔۔تو اس وقت تلوار ابو طلحہ کے ہاتھ سے دو یا تین مرتبہ گری اونگھ آنے کی وجہ سے[2]۔

اور امام ترمذی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے احد کے دن اپنا سر اٹھایا تو میں نے دیکھا اس دن کوئی ایسا شخص نہیں تھا اونگھ کی وجہ سے جس کا ڈھال حرکت نہ کیا ہو، اور اسی بارے میں اللہ رب العالمین کا یہ فرمان ہے: ((ثم انزل علیکم من بعد الغم امنہ نعاسا یغشی طائفہ منکم))[3]۔

([1])"دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 3، صفحہ 96)۔"

([2])"یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب المغازی، باب (21)، حدیث نمبر (4068)۔"

([3])"یہ روایت مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الجھاد والسیر، باب غزوۃ النساء مع الرجال، حدیث نمبر (1811)۔"

"یہ روایت الترمذی نے اپنے جامع میں بیان کی ہے: کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ آل عمران، حدیث نمبر (3252)، اور الحاکم نے المستدرک، کتاب التفسیر، باب قصۃ غزوۃ أحد میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (3218)۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ احد میں کچھ باتیں ایسی ہوئیں جو بدر میں واقع ہوئی تھیں انہی میں سے جنگ کی سختی کے وقت اونگھ کا آنا بھی ہے، اور یہ اللہ رب العالمین کی مدد اور تائید اور اپنے خالد اور مالک پر مکمل توکل کے ساتھ دلوں کے اطمینان پر دلیل ہے[1]۔

اور ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جنگ اور خوف کے وقت میں اونگھ کا آنا امن واطمینان کی دلیل ہے، اور یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے، اور نماز، علم اور ذکر کی مجلسوں میں شیطان کی جانب سے ہوتا ہے"[2]۔

منافقوں کی حالت:

رہی بات منافقوں کی تو ان کا اپنے جان کو بچانے کے علاوہ کوئی مقصد نہ تھا، وہ سب سے بزدل اور سب سے بیوقوف لوگ تھے، اور وہ حق کو بے سہارا چھوڑنے والے تھے، ان ہی کے بارے میں اللہ رب العالمین نے یہ فرمان نازل کیا: ((ثم انزل عليكم من بعد الغم امنه نعاسا يغشى طائفه منكم وطائفه قد اهمتهم انفسهم[3] يظنون بالله غير الحق ظن الجاهلية[4] يقولون هل لنا من الامر من شيء قل ان الامر كله لله يخفون في انفسهم ما لا يبدون لك يقولون لو كان لنا من الامر شيء ما قتلنا هاهنا قل لو كنتم في بيوتكم لبرز الذين

([1]) دیکھیں: البدایۃ والنھایۃ (جلد 4، صفحہ 404)۔

([2]) دیکھیں: زاد المعاد (جلد 3، صفحہ 182)۔"

([3]) "حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالی نے اپنی تفسیر میں فرمایا (جلد 2، صفحہ 145): اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اضطراب، پریشانی اور خوف کی وجہ سے نیند نہ آئے۔"

([4]) "حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا (جلد 2، صفحہ 145): انہوں نے یہ سمجھا کہ جب مشرکین اس وقت ظاہر ہوئے تو یہ فیصلہ کن لمحہ ہے، اور اسلام اور اس کے لوگ ختم ہو گئے ہیں۔ یہ شک وشبہ رکھنے والوں کی حالت ہوتی ہے کہ جب کوئی بھیانک واقعہ پیش آتا ہے تو ان کے ذہن میں ایسی ناپسندیدہ قیاسات پیدا ہو جاتی ہیں۔"

كتب عليهم القتل الى مضاجعهم ولى ابتلى الله ما فى صدوركم وليمحص ما فى قلوبكم والله عليم بذات الصدور))[آل عمران: ١٥٤]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کا علاج:

اور جب معاملہ ٹھنڈا ہو گیا تو صحابہ کرام نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کا علاج شروع کیا، چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں قوی سند کے ساتھ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور وہ مہراس[1] نامی چشمے پر آئے اور وہاں سے اپنے ڈھال میں پانی بھر کر لائے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پینے کا ارادہ کیا مگر اس سے بدبو آرہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے پر موجود خون کو اس سے دھویا اور آپ فرمارہے تھے: ان لوگوں پر اللہ کا سخت غضب لاحق ہوں جنہوں نے اللہ کے رسول کے چہرے کو خون آلود کر دیا[2]۔

پھر فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کا علاج کرنا شروع کیا: طبرانی نے سعید بن عبدالرحمن کے حوالے سے ابو حازم کے واسطہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: "احد کے دن جب مشرک لوگ واپس ہو گئے تو عورتیں صحابہ کرام کے پاس ان کی مدد کے لیے آئی، چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آئیں اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ سے گلے لگ گئیں، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو ٹھنڈے پانی سے دھونا شروع کیا جس سے خون زیادہ ہو گیا[3]۔

([1])"المہراس: یہ جبل اُحد میں ایک پانی کا چشمہ ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 5، صفحہ 224)۔"

([2])"یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب إخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابۃ، باب ذکر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر (6979)۔"

([3])"اسے حافظ نے الفتح میں بیان کیا ہے (جلد 8، صفحہ 123) اور اس پر خاموش رہے۔"

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دھوتی اور علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے اس پر پانی کو گراتے، چنانچہ جب فاطمہ نے دیکھا کہ پانی سے خون اور زیادہ بہہ رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اسے جلایا یہاں تک کہ وہ راکھ ہو گئی تو اسے زخموں سے چپکا دیا اور خون رک گیا[1]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: "احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رباعی دانت ٹوٹ گئے تھے اور آپ کے سر پر زخم آیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون پوچھنا شروع کیا اور آپ فرما رہے تھے: وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کو زخم دیئے انہوں نے ان کے رباعی دانت کو توڑ دیا، جب کہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ تو اللہ رب العالمین یہ فرمان نازل کیا ((لیس لك من الامر شیء))[آل عمران: ۱۲۸][2]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1- دوا استعمال کرنے کا جواز۔

2- یہ کہ انبیاء بھی بسا اوقات دنیاوی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں تاکہ ان کا اجر اس سے بڑھ جائے، ان کے درجات بلند ہوں اور تاکہ پریشانیوں کے وقت ان کے پیروکار صبر میں آپ کی اتباع کریں، اور انجام متقین کے لئے ہوتا ہے۔

([1])"یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب المغازی، باب ما أصاب النبي ﷺ من الجراح یوم أُحد، حدیث نمبر (4075)، اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة أُحد، حدیث نمبر (1790) میں روایت کی ہے۔"

([2])"یہ حدیث مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة أُحد، حدیث نمبر (1791)، اور امام أحمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (11956) اور (13083)۔"

3-اور اس میں خاتون کا اپنے والد سے چمٹنے کا بیان ہے، اور دیگر محرم رشتہ داروں کے ساتھ بھی اور یہ کہ وہ ان کی بیماریوں پر ان کا علاج کر سکتی ہے[1]۔

مسلمانوں کے شہیدوں کی تشویہ:

جب مشرکوں نے دیکھا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے پاس نہیں پہنچ سکتے تو انہوں نے بھاگنے کو ترجیح دی، اور انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انجام کیا ہوا کیا انہیں قتل کیا گیا یا نہیں، چنانچہ انہوں نے مکہ جانے کے لیے تیاری شروع کر دی، اور ان کے بعض مردوں اور عورتوں کی جانب سے مسلمانوں کے شہیدوں کا مثلہ کیا جانا شروع کیا گیا، چنانچہ وہ کان، ناک، شرمگاہ کو کاٹتے اور پیٹ کو پھاڑ دیتے تھے۔

اور ہند بنت عتبہ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے کلیجے کو نکالا اور اسے زبان سے چاٹا مگر اسے نگل نہ سکیں تو پھینک دیا، انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ حمزہ رضی اللہ عنہ پر قدرت پالیں گی تو ان کا کلیجہ کھائیں گی[2]۔

اور مشرکوں نے مسلمانوں کے کسی بھی مقتول کو نہ چھوڑا مگر یہ کہ انہوں نے ان کا مثلہ کیا سوائے سیل ملائکہ حنظلہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے انہیں ان کے والد فاسق کے وجہ سے چھوڑ دیا گیا، جو کہ مشرکوں کے ساتھ تھے۔

اور اس دن جن لوگوں کا مثلہ کیا گیا ان میں سے عبداللہ بن عمرو بن حرام حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد بھی تھے، چنانچہ مشرکوں نے ان کے ناک اور کان کو کاٹ دیا تھا۔

([1])"دیکھیں: فتح الباری (جلد 1، صفحہ 472) اور (جلد 8، صفحہ 123)۔"

([2])"یہ روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے، کیونکہ وہ روز فتح مکہ ایمان لائی، حمزہ رضی اللہ عنہ کے جگر کاٹ کر کھایا۔ یہ امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4414)، اور یہ دیگر روایات کے اعتبار سے حدیث حسن ہے۔"

اور اس دن مثلہ کیے جانے والوں میں سے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے، لوگوں نے ان کے ناک اور دونوں کان کو کاٹ دیا تھا، مگر یہ کہ ان کے پیٹ کو نہیں پھاڑا گیا تھا[1]۔

جنگ کے بعد ابوسفیان کی بدبختی:

جب مشرکوں نے واپسی کا ارادہ کیا ابوسفیان پہاڑ پر کھڑا ہوا اور اس نے مسلمانوں کو تین مرتبہ آواز دی اور کہا: کیا تم میں محمد ہیں؟ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا جواب نہ دو، پھر اس نے تین مرتبہ کہا: کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: تم ان کا جواب نہ دو، پھر اس نے تین مرتبہ کہا: کیا تمہارے درمیان ابن خطاب ہیں؟، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے جواب نہ دو۔

پھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا گیا اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے، تو عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے[2] اور کہا: اے اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ کہا، بے شک اللہ تعالی نے تجھے ذلیل کرنے کے لئے لیے ہمیں باقی رکھا ہے[3]۔

ابوسفیان نے کہا: یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے، اور دن آتے جاتے رہتے ہیں، اور جنگ میں کبھی ہم جیتے ہیں کبھی تم جیتے ہو، تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: کوئی برابری نہیں ہے، ہمارے شہید جنت میں ہیں تمہارے مقتول جہنم میں۔

([1])"دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 3، صفحہ 101) اور دلائل النبوۃ للبیہقی (جلد 2، صفحہ 213)۔"

([2])"امام أحمد کے مسند کی روایت میں عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'یارسول اللہ ﷺ، کیا میں اس کا جواب دوں؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'ہاں۔'"۔

([3])"اور ایک اور روایت میں صحیح البخاری میں (حدیث نمبر 3039) عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'جو افراد آپ نے شمار کیے ہیں وہ سب زندہ ہیں، اور آپ کے لیے وہ باقی رہ گیا ہے جو آپ کو پریشانی دے گا۔'"

پھر ابو سفیان: "ہبل بلند ہوا ہبل بلند ہوا" کہہ کر گنگنانے لگے [1] تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ تو لوگوں نے کہا: ہم کیا کہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو اللہ تعالی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالی سب سے بلند سب سے بڑا ہے۔

ابو سفیان نے کہا ہمارے پاس عزی ہے تمہارے پاس عزی نہیں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے کہا: ہم کیا کہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو اللہ ہمارا کارساز اور مالک ہے اور تمہارا کوئی مالک نہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ ہمارا کارساز ہے اور تمہارا کوئی کارساز نہیں [2]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1-ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا نبی کے یہاں مقام، آپ کے ساتھ ان دونوں کی خصوصیت بایں طور کہ آپ کے دشمنوں کو ان کے علاوہ کسی کا نام پتہ نہیں تھا، کیونکہ ابو سفیان نے ان کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

2-اور یہ کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ رب العالمین کی نعمت کو یاد کرے، اور اس کے شکر کی ادائیگی پر اپنی کمی کا اعتراف کرے۔

([1])"الرّجز: یہ شعری بحر میں سے ایک معروف بحر ہے، اور اس کی ایک قسم ہے، اور جس نے اسے کہا اسے راجز کہا جاتا ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 2، صفحہ 182)۔

([2])یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الجھاد والسیر، باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف في الحرب، حدیث نمبر (3039)، اور کتاب المغازي، باب غزوۃ أُحد، حدیث نمبر (4043) میں بھی روایت کی گئی، نیز امام أحمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (2609) اور (18593)۔"

3-اور اس میں برائی کے ارتکاب کی نحوست کا بیان ہے، اور یہ کہ اس کا نقصان اس کو بھی شامل ہوتا ہے جو اس میں واقع نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ((واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة))[الأنفال: ٢٥]۔

4-اور اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اپنی دنیا کو ترجیح دیتا ہے، وہ اپنی آخرت کے معاملے کو نقصان پہنچاتا ہے، اور دنیا بھی اسے پوری طرح حاصل نہیں ہوتی۔ اور اس حادثے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سبق حاصل کیا کہ آئندہ وہ اس جیسی غلطی کی طرف واپس نہ لوٹیں، اور اللہ کی اطاعت میں مزید محنت اور مبالغہ کریں، اور ان دشمنوں سے زیادہ ہوشیار رہیں جو بظاہر مسلمانوں میں شامل نظر آتے تھے، مگر حقیقت میں ان میں سے نہیں تھے، اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ..))، یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ))[آل عمران: ١٤١]، اور اللہ رب العالمین نے یہ بھی فرمایا: ((مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ))[آل عمران: ١٧٩][1]۔

بدر میں لڑائی کا وعدہ:

جب ابو سفیان اور اس کے ساتھی واپس ہوئے تو ان لوگوں نے مسلمانوں کو آواز دی اور کہا: سال کے آخر میں تم بدر کے مقام پر ملاقات کرو، جہاں پر تم نے ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا تھا، تو

([1])"دیکھیں: حافظ کا بیان الفتح میں (جلد 8، صفحہ 96)۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ((تم کہو! ہاں ان شاء اللہ وہی ہمارے اور تمہارے درمیان کا وقت ہے، پھر لوگ اسی بات پر متفق ہو کر الگ ہو گئے[1]۔

مشرکوں کے حال کی خبر لینا:

جب مشرک لوگ چلے گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب[2] رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور کہا: لوگوں کے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کر رہے ہیں ان کا ارادہ کیا ہے، اگر وہ گھوڑوں کو کنارے رکھے ہوں اور اونٹوں پر سوار ہو تو وہ مکہ جا رہے ہیں، اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو مدینہ آ رہے ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ مدینہ آئیں گے تو میں ان کی طرف جاؤں گا اور پھر میں ان کا کام تمام کر دوں گا۔

علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: چنانچہ میں ان کے پیچھے نکلا تاکہ دیکھ سکوں کہ وہ کیا کر رہے ہیں تو انہوں نے گھوڑوں کو کنارے رکھا تھا اور اونٹوں پر سوار تھے اور مکہ کی طرف متوجہ تھے۔

علی رضی اللہ تعالی عنہ آئے اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مکہ کی طرف جانے کی خبر دی[3]۔

([1])"ابو سفیان کی مسلمانوں سے اگلے سال بدر کی جنگ کے لیے ملاقات کی خبر روایت کی گئی ہے: النسائی نے السنن الکبری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالی: {فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ}، حدیث نمبر (11017) میں ابن اسحاق نے السیرۃ میں (جلد 3، صفحہ 105) میں روایت کی اور اس کی سند حافظ نے الفتح میں (جلد 9، صفحہ 96) میں صحیح قرار دی۔"

([2])"یہ روایت ابن اسحاق کی السیرۃ میں (جلد 3، صفحہ 105) اور البیہقی کی دلائل النبوۃ میں (جلد 3، صفحہ 213) بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ شاید آپ ﷺ نے دونوں کو بھیجا ہو، اور اللہ سب سے بہتر جانتا ہے۔"

([3])"دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 3، صفحہ 105) اور دلائل النبوۃ للبیہقی (جلد 3، صفحہ 213)۔"

مسلمانوں کا اپنے شہیدوں اور زخمیوں کی تلاش:

اور جب قریش کے لوگ مکہ کی جانب واپس ہوئے تو ان کے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو اطمینان ہوا، اور وہ اپنے شہیدوں اور زخمیوں کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، چنانچے زخمیوں کے درمیان سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ ملے، جو اسی وقت فوت ہو گئے تھے، اور انہیں کے درمیان اصیرم رضی اللہ عنہ بھی ملے وہ تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی، اور قتل کئے گئے لوگوں کے درمیان عبداللہ بن جحش، جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام، عمرو بن جموح، مصعب بن عمیر اور مخیریق یہودی وغیرہ تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حمزہ کو تلاش کرتے ہیں:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حمزہ کو تلاش کرنے لگے، آپ نے ان کو دیکھا کہ ان کا مثلہ کر دیا گیا ہے، ان کے ناک اور دونوں کان کو کاٹ دیا گیا ہے: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر صفیہ روتی نہ تو میں ان کو یہیں پر چھوڑ دیتا تاکہ اللہ رب العالمین انہیں پرندوں اور درندوں کے پیٹ سے دوبارہ اٹھائے [1]۔

صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں تاکہ اپنے بھائی حمزہ کو دیکھ سکیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں واپس کر دیں، امام حاکم نے عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو صفیہ ان کو تلاش کرنے کے لئے آئیں انہیں نہیں پتہ تھا ان کا کیا انجام ہوا، چنانچہ ان کی ملاقات علی اور زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی، تو علی نے زبیر سے کہا تم اپنے والدہ کو بتاؤں، زبیر نے علی سے کہا تم اپنے پھوپھی کو بتاؤ

([1])"یہ روایت الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4913)، امام أحمد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (12300)، اور ابو داود نے اپنی سنن میں کتاب الجنائز، باب الشهيد يغسّل، حدیث نمبر (3136) میں روایت کی ہے، اور اس کا اسناد حسن ہے۔"

انہوں نے کہا حمزہ کا کیا ہوا تو انہوں نے ان سے یہ ظاہر کی کہ انہیں کچھ پتہ نہیں ہے چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان کے دماغ کا خدشہ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا اور ان کے لئے دعا کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئیں[1]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابو یعلی نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو زبیر نے خبر دی: کہ جب احد کے دن ایک عورت دوڑتے ہوئے آئیں یہاں تک کہ وہ شہیدوں کے پاس جانے والی تھیں وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار گزرا کہ وہ انہیں دیکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس عورت کو روکو اس عورت کو روکو"۔

زبیر کہتے ہیں تو میں نے دیکھا وہ میری والدہ صفیہ تھیں، وہ کہتے ہیں پھر میں ان کی طرف بڑھا اور میں نے انہیں شہیدوں کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے میرے سینے میں مارا جو کی طاقتور عورت تھیں اور کہا: مجھ سے دور ہٹ جاؤ تیرے پاس کوئی زمین نہیں، میں نے کہا: بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ حکم دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں: تو وہ کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے اپنے پاس موجود دو کپڑے نکالے اور کہا: میں یہ دو کپڑے لے کر آئی ہوں اپنے بھائی حمزہ کے لیے، مجھے ان کے قتل کی خبر پہنچی ہے تو تم انہیں ان دونوں میں دفنا دو، زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں نے دیکھا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بغل میں ایک

([1])"یہ روایت الحاکم نے المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب استشہاد حمزہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر (4947) میں بیان کی ہے اور اس پر خاموش رہے۔ الذھبی نے کہا: 'ابو بکر بن عیاش نے اسے یزید سے سنا، اور یہ معتبر نہیں ہیں، لیکن اس حدیث کے ایسے شواہد ہیں جن سے یہ درست ہو جاتی ہے۔' اسی باب میں: ابن مسعود سے روایت، امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4414)، اور یہ دیگر روایات کے اعتبار سے حدیث حسن ہے۔ زبیر بن عوام سے روایت، امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (1418)، اور اس کا اسناد حسن ہے۔"

انصاری صحابی کو قتل کیا گیا تھا اور ان کے ساتھ بھی وہی کیا گیا تھا جو حمزہ کے ساتھ کیا گیا چنانچہ ہمیں کمی اور شرم محسوس ہوئی کہ حمزہ کو دو کپڑے میں دفن کیا جائے اور انصاری کے پاس کوئی کپڑا نہ ہو، ہم نے کہا: ایک کپڑا حمزہ کے لیے ایک انصاری کے لیے ہے [1]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے بھائیوں کے ساتھ مثلہ کئے جانے پر غصہ:

اور جب مسلمانوں نے مشرکوں کے ذریعے اپنے شہیدوں کے ساتھ مثلہ کو دیکھا، انہوں نے کہا اللہ کی قسم اگر ہمیں ان پر غلبہ حاصل ہوا تو ہم بھی ان کے ساتھ اسی طرح سے مثلہ کریں گے، امام احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے حسن سند کے ساتھ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب احد کے دن انصار میں سے 64 لوگ اور مہاجرین میں سے چھ لوگ قتل کیے گئے ان میں حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے تو کافروں نے ان کے ساتھ مثلہ کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کہا اگر اسی طرح سے ہمیں بھی موقع ملے تو ہم اس سے بڑھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں گے، چنانچہ فتح مکہ کا دن آیا تو ایک نامعلوم شخص نے کہا: آج کے بعد قریش کا نام و نشان نہیں رہے گا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے آواز دی اور کہا کالے اور گورے سبھی کو امن و امان ہے سوائے فلاں اور فلاں کے اور ان کا نام لیا، اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به، ولا ان صبرتم لهو خير للصابرين))[النحل: ١٢٦] [2]۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم صبر کریں گے اور ہم بدلہ نہیں لیں گے۔

([1]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (1418)۔"

([2]) "امام القرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا (جلد 12، صفحہ 461): اہل تفسیر کے اکثریت کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، اور یہ آیت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہادت کے معاملے میں روزِ احد نازل ہوئی۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں سے رک جاؤ[1]۔

شہیدوں کا اکٹھا کیا جانا

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: میں ان لوگوں پر قیامت کے دن گواہ رہوں گا [2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں کو دیکھا تو کہا: میں ان لوگوں پر گواہ ہو، جو بھی اللہ کے راستے میں زخمی ہوا اللہ رب العالمین اسے قیامت کے دن اٹھائیں گے اس حال میں کی اس کا زخم خون بہا رہا ہو گا، اس کا رنگ خون کا رنگ ہو گا اور اس کی بو مسک کی بو ہو گی)) [3]۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں سے متعلق حکم فرمایا: "ان کے لوہوں اور چمڑوں کو نکال دیا جائے، اور انہیں وہیں پر دفن کیا جائے جہاں پر انہیں قتل کیا گیا ان کے خونوں اور کپڑوں کے ساتھ اور انہیں غسل نہ دیا جائے" ۔

([1])"یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (21229)، اور النسائی نے السنن الکبری، کتاب التفسیر، باب سورۃ النحل، حدیث نمبر (11215) میں روایت کی ہے۔"

([2])یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب المغازی، باب من قُتِل من المسلمین یوم أُحد، حدیث نمبر (4079)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (4913)۔

([3])یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (23658)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (258)۔"

چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا: "تم انہیں ان کے کپڑوں کو اوڑھا دو" [1]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: احد کے دن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دن قتل کئے گئے شہیدوں کو دیکھنا شروع کیا، اور فرمایا: انہیں ان کے خون کے ساتھ اوڑھا دو، میں نے قیامت کے دن ان کی گواہی دینے کا وعدہ کیا ہے [2]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " انہیں ان کے خونوں کے ساتھ دفن کر دو، یعنی احد کے دن اور انہیں غسل نہ دیا گیا" [3]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں کے بارے میں فرمایا: "انہیں غسل نہ دو کیونکہ ان کا ہر زخم اور ان کا خون قیامت کے دن مسک کے مانند مہک رہا ہو گا" [4]۔

([1]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (23657)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (258)۔"

([2]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (23660)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (4911)۔

([3]) یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الجنائز، باب من لم یر غسل الشهداء، حدیث نمبر (1346)، اور باب اللحد والشق في القبر، حدیث نمبر (1353)، نیز الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (4911)۔

([4]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (14189)۔

اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک احد کے شہیدوں کو غسل نہیں دیا گیا اور انہیں ان کے خونوں کے ساتھ دفن کیا گیا [1]۔

امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنہ میں فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ میں قتل کئے گئے شہید کو غسل نہ دیا جائے گا [2]۔

کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں کی نماز جنازہ ادا کی تھی یا نہیں؟

احد کے شہیدوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے متعلق اختلاف ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ نہیں ادا کی:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں قیامت کے دن ان پر گواہ رہوں گا، اور انہیں ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اور نہ ہی انہیں غسل دیا گیا"[3]۔

([1]) یہ روایت الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4912)، اور ابو داود نے اپنی سنن میں کتاب الجنائز، باب في الشهيد يُغسل، حدیث نمبر (3135) میں روایت کی ہے۔"

([2]) دیکھیں: شرح السنۃ (جلد 5، صفحہ 366) از امام البغوی رحمہ اللہ تعالی۔

([3]) یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب المغازی، باب من قُتل من المسلمين يوم أُحد، حدیث نمبر (4079)، اور الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں روایت کی ہے، حدیث نمبر (4911)۔

اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: احد کے شہیدوں کو غسل نہیں دیا گیا اور انہیں ان کے خونوں کے ساتھ دفن کیا گیا اور ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی [1]۔

جو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ ادا کی:

امام حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں۔۔۔۔ پھر مقتولوں کے بارے میں حکم دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نماز جنازہ پڑھنے لگے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نو شہید کو رکھتے اور حمزہ کو ان کے ساتھ رکھتے اور ان پر سات تکبیریں کہتے، پھر انہیں اٹھالیا جاتا اور حمزہ کو چھوڑ دیا جاتا، پھر دوسرے نو لوگوں کو لایا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر سات تکبیریں کہتے تھے پھر انہیں اٹھالیا جاتا اور حمزہ کو چھوڑ دیا جاتا، پھر نو لوگوں کو لایا جاتا آپ صلی اللہ اللہ علیہ وسلم اور سات تکبیریں کہتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلمان سب کی نماز جنازہ پڑھا کر فارغ ہو گئے [2]۔

یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کی تھی:

امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

([1]) یہ روایت الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4912)، اور ابو داود نے اپنی سنن میں کتاب الجنائز، باب في الشهيد يُغسل، حدیث نمبر (3135) میں روایت کی ہے۔"

([2]) یہ روایت الحاکم نے المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب استشهاد حمزہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر (4947) میں بیان کی ہے اور اس پر خاموش رہے۔ الذھبی نے کہا: 'ابو بکر بن عیاش نے اسے یزید سے سنا، اور یہ معتبر نہیں ہیں، لیکن اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جن سے یہ درست ہو جاتی ہے۔' اسی باب میں: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت، امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4414)، اور یہ دیگر روایات کے اعتبار سے حدیث حسن ہے۔ عبداللہ بن الزبیر سے روایت، الطحاوی نے شرح معانی الآثار (جلد 1، صفحہ 290) میں بیان کی، اور اس کا اسناد خوب ہے۔

وسلم نے صرف حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کی تھی جیسا کہ مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ ادا نہ کی تھی ان کے علاوہ [1]۔

روایات کے درمیان جمع کی صورت:

امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنہ میں کہتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے معرکے میں شہید شخص کو غسل نہ یا جائے گا، اور اس کی نماز جنازہ کے پڑھانے کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، بیشتر لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور یہی امام مالک اور شافعی [2] اور احمد کا قول ہے اور کچھ لوگ اس بات کی جانب سے ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی تو کیونکہ کن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھنا وارد ہے، اور یہی ثوری اور اصحاب رائے کا قول ہے، اور یہی اسحاق نے بھی کہا ہے [3]۔

اور ابن قیم رحمہ اللہ تہذیب السنن میں لکھتے ہیں: اس مسئلے میں درست بات یہی ہے ان پر نماز جنازہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے سلسلے میں اختیار ہے کیونکہ دونوں معاملوں کی دلیلیں موجود ہیں، اور یہی امام احمد سے بھی ایک روایت ہے، اور ان کے اصول اور مذہب کے زیادہ قریب بھی یہی ہے [4]۔

([1]) یہ روایت الطحاوی نے شرح مشکل الآثار میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4913)، اور ابو داود نے اپنی سنن میں کتاب الجنائز، باب في الشهيد يُغسل، حدیث نمبر (3137) میں روایت کی ہے۔"

([2]) امام الشافعی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب الأم میں، جیسا کہ حافظ نے الفتح (جلد 3، صفحہ 571) میں نقل کیا ہے، فرمایا: 'خبریں اس طرح واضح ہیں، جیسا کہ متعدد متواتر ذرائع سے ظاہر ہے، کہ نبی ﷺ نے احد کے شہداء پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور جو روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان پر نماز پڑھی اور حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ستر بار تکبیر کہی، وہ صحیح نہیں۔ اور جو شخص اس کے برخلاف ان صحیح احادیث کی مخالفت کرے، اسے چاہیے کہ اپنی ذات پر شرم کرے۔'

([3]) دیکھیں: شرح السنۃ (جلد 5، صفحہ 366) از امام البغوی رحمہ اللہ تعالی۔

([4]) دیکھیں: تھذیب السنن (جلد 4، صفحہ 295) از ابن القیم رحمہ اللہ تعالی۔

اور رہی بات انس رضی اللہ عنہ کے قول کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ کے علاوہ احد کے شہداء میں سے کسی کی نماز نہیں ادا کی۔

تو امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں کہا ہے کہ ہو سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ کی نماز پڑھی ہو اور ان کے علاوہ کی نماز چھوڑ دی ہو، کیونکہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشغول تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا تھا اور آپ کے سر پر جنگ کے لباسوں میں سے کچھ کڑیاں داخل ہو گئی تھیں[1]۔

شہدا کی تدفین

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہیدوں کو دفن کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک دو اور تین شخص کو ایک ہی قبر میں رکھا جاتا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو تین لوگوں کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلم نے ایسا اس لیے کیا تھا کیونکہ مسلمانوں کو بہت زخم لگے تھے اور اس کے ساتھ ہر ایک کیلئے الگ الگ قبر کی کھدائی بہت مشکل کام تھا، اور کپڑے بھی کم تھے، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ احد کے دن لوگوں کو سخت مشقت کا سامنا ہوا اور انہیں زخم بھی لگے تھے ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے احد کے دن زخم کی شکایت کی۔ اور انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کی تدفین کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گڑھا کھودو، اسے کشادہ کرو اچھا کرو اور قبر میں دو اور تین لوگوں کو ایک ساتھ دفن کر دو، لوگوں نے

([1]) دیکھیں: شرح مشکل الآثار (جلد 12، صفحہ 436)۔"

کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے کس کو رکھیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قرآن کا زیادہ حافظ ہو [1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احد کے شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں دو تین لوگوں کو جمع کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ ان میں زیادہ قرآن کس کو یاد تھا۔

جس کی جانب اشارہ کیا جاتا آپ اسے لحد میں آگے کرتے [2]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کئی فوائد ہیں:

1- دو لوگوں کا ایک ہی کپڑے میں ضرورت کے وقت کفن دینے کا جواز، یا تو ایک ہی کپڑے میں دونوں کو رکھا جائے یا دونوں کے درمیان کپڑے تقسیم کر دیا جائے۔

2- دو لوگوں کو ایک ساتھ ایک ہی لحد میں دفن کرنے کا جواز اور ان میں سے افضل کو لحد کے اندر آگے بڑھانے کا استحباب [3]۔

عبداللہ بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کا ایک ہی قبر میں دفن کیا جانا:

عبداللہ بن عمرو بن حرام جابر رضی اللہ عنہ کے والد اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں احد والے دن میرے والد نے مجھے رات میں بلایا اور کہا: مجھے لگتا

([1]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (16251) اور (16254)۔

([2]) یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بھی بیان کی ہے: كتاب المغازي، باب من قُتِل من المسلمين يوم أُحد، حدیث نمبر (4079) كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، حدیث نمبر (1343)۔"

([3]) دیکھیں: فتح الباری (جلد 3، صفحہ 572)۔

ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سب سے پہلے قتل کیا جاؤں گا، جابر نے کہا: وہ پہلے قتل کئے گئے اور ان کے ساتھ ایک ہی قبر میں [1] دوسرے شخص [2] کو دفن کیا گیا۔

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: چنانچہ میرے والد اور چچا [3] کو ایک ہی چادر [4] میں کفن دیا گیا [5]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: عمرو بن جموح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کا کیا خیال ہے اگر میں اللہ کے راستے میں قتال کروں یہاں تک کہ مجھے قتل کر دیا جائے تو کیا میں اپنے اس درست پاؤں سے جنت میں چلوں گا؟-اور ان کا پاؤں لنگڑا تھا-، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اور مشرکوں نے انہیں اور ان کے بھتیجے

([1]) یہ روایت امام اَحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (16251) اور (16254)۔ یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بھی بیان کی ہے: کتاب المغازي، باب من قتل من المسلمين يوم أُحد، حدیث نمبر (4079) کتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، حدیث نمبر (1343) اور کتاب الجنائز، باب هل يخرج الميت من القبر واللحد لعلة؟، حدیث نمبر (1351)۔"

([2]) حافظ نے الفتح (جلد 3، صفحہ 579) میں فرمایا: 'اور دوسرا شخص عمرُو بن الجموح رضی اللہ عنہ ہے، جو جابر کے والد کا صدیق تھا اور اپنی بہن ہند بنت عمرو کا شوہر تھا۔'

([3]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (جلد 3، صفحہ 579): 'گویا جابر نے اسے اپنے چچا کے تعظیم کے لیے نام دیا۔'

([4]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (جلد 3، صفحہ 575): 'نَمِرَة: نون پر فتح اور میم پر کسر کے ساتھ، یہ اون کا ایک کپڑا ہے۔' میں نے کہا: ابن سعد نے اپنی طبقات (جلد 3، صفحہ 287) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دونوں کو دو نمروں میں کفن کیا گیا۔ حافظ نے الفتح (جلد 3، صفحہ 575) میں کہا: 'اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ اس طرح لیا جائے کہ ایک نمرۃ کو درمیان سے تقسیم کر کے دونوں کے لیے نصف نصف کیا گیا۔'

([5]) یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الجنائز، باب من يقدم في اللحد، حدیث نمبر (1348)۔

[1] کو احد کے دن قتل کر دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا [2]۔

اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں صحیح سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کر دو، کیونکہ ان دونوں کے درمیان بالکل صاف معاملہ تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے: دنیا میں ان دونوں محبت کرنے والوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرو [3]۔

حمزہ اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا ایک ہی قبر میں دفن کیا جانا:

اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنی بہن امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ بن جحش کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے [4]۔

اور جس کپڑے میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفن دیا گیا، جب اس سے ان کا سر ڈھکا جاتا تو ان کے قدم کھل جاتے اور جب ان کا قدم ڈھکا جاتا تو ان کا سر کھل جاتا، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:..... لیکن حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی کفن نہیں ملا سوائے ایک چھوٹی چادر کے، جب وہ آپ کے سر پر رکھی جاتی تو پیر کھل جاتے اور جب قدم پر رکھے جاتے تو سر کھل جاتا، یہاں تک کہ اسے ان کے سر پر رکھا گیا اور ان کے قدم پر اذخر گھاس رکھ دی گئی [5]۔

([1]) ابن عبدالبر نے التمہید میں، جیسا کہ حافظ نے الفتح (جلد 3، صفحہ 580) میں نقل کیا، فرمایا: 'یہ اس کا بھتیجا نہیں بلکہ اس کا چچازاد بھائی ہے۔' حافظ نے الفتح (جلد 3، صفحہ 580) میں کہا: 'اور یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا۔'

([2]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (22553)۔"

([3]) یہ روایت ابن سعد نے اپنی طبقات (جلد 3، صفحہ 287) اور ابن اسحاق نے السیرۃ (جلد 3، صفحہ 109) میں بیان کی ہے۔

([4]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (جلد 3، صفحہ 108)، الإصابۃ (جلد 4، صفحہ 33)، اور الطبقات الکبری لابن سعد (جلد 3، صفحہ 50)۔"

([5]) "یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (21072)۔"

امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا، جب لوگ اسے سر پر ڈالتے تھے تو ان کے پیر نکل جاتے تھے اور جب ان کے پیر پر ڈالتے تھے تو ان کا سر نکل جاتا تھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ ان کے سر کو ڈھانپ دیں اور ان کے پیروں پر اذخر ڈال دیں[1]۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا کفن:

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو ان کے قدم نکل جاتے تھے اور جب ان کا قدم ڈھکا جاتا تو سر نکل جاتا تھا۔

چنانچہ شیخان نے اپنی صحیحین میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے آئے اور ہمیں اللہ کی خوشنودی چاہیے تھی، تو ہمارا اجر اللہ کے ذمہ ہو گیا، تو ہم میں سے کچھ لوگ چلے گئے اور اس نے اپنے اجر[2] کو نہ لیا جن میں سے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہیں احد کے دن قتل کیا گیا، اور انہوں نے ایک چادر چھوڑی تھی جب ہم اس سے ان کا سر ڈھانکتے تو ان کے پیر کھل جاتے اور جب ان کا سر ڈھانپتے تو ان کا سر کھول جاتا۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھک دیں اور ان کے پیروں پر اذخر[3] گھاس ڈال دیں۔

([1]) مرجع سابق (۱۲۳۰۰)(۱۴۵۲۱) اور اسکی تخریج امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار (۴۹۱۷) میں کی ہے۔

([2]) حافظ نے الفتح میں فرمایا (جلد 13، صفحہ 63): "یعنی دنیا کی چیزوں میں سے کوئی۔""۔

([3]) "الإذخِر (ہمزہ پر کسر کے ساتھ): یہ خوشبودار گھاس ہے جس سے گھروں کی چھت لکڑی کے اوپر ڈھانپی جاتی ہے۔ دیکھیں: النھایۃ (جلد 1، صفحہ 36)۔ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی آئی ہے: البخاری کی صحیح: کتاب المناقب، باب ہجرت نبی ﷺ اور صحابہ کی مدینہ کی طرف، حدیث نمبر (3897) البخاری کی صحیح: کتاب الرقائق، باب فضل الفقر، حدیث نمبر (6448) مسلم کی صحیح: کتاب

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں سعد بن ابراہیم کے حوالے سے ان کے والد ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کے پاس کھانا لایا گیا وہ روزے سے تھے تو انہوں نے کہا مصعب بن عمیر شہید کر دیئے گئے وہ مجھ سے بہتر تھے انہیں ایک ایسی چادر میں کفن دیا گیا اگر ان کا سر ڈھکا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ان کے پیر ڈھکے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا۔۔۔۔ پھر ہمارے لئے دنیا میں سے جو کشادہ کی گئی وہ کشادہ کی گئی [1] اور ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہمارے نیکیوں کو دنیا ہی ہمیں دے دیا جائے، پھر وہ رونے لگے یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیا [2]۔

فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں درج ذیل فوائد ہیں؛

1-زہد کی فضیلت۔

2-اور یہ کہ فضل و مقام والے شخص کے لیے مناسب ہے کہ وہ دنیا میں کشادگی اختیار کرنے سے بچے تاکہ اس کی نیکیاں کم نہ ہوں، اسی جانب عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ ہمیں خدشہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں نہ دیا جائے [3]۔

اور مصعب رضی اللہ عنہ مکہ میں خوبصورت نوجوان تھے ان کی والدہ انہیں سب سے اچھا لباس پہناتی تھیں، اور وہ اہل مکہ میں سب سے زیادہ خوشبو لگایا کرتے تھے، پھر جب انہوں نے

الجنائز، باب في كفن الميت، حديث نمبر (940) الطحاوی: شرح مشكل الآثار، حديث نمبر (4046) امام أحمد: مسند، حديث نمبر (21058)۔"

([1])حافظ نے الفتح میں فرمایا (جلد 8، صفحہ 98): 'یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں جو فتوحات اور غنائم نصیب ہوئیں، اور جو دولت حاصل ہوئی، اس میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی کافی تھا۔'۔

([2])یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی آئی ہے: البخاری کی صحیح: كتاب المغازي، باب غزوة أحد، حدیث نمبر (4045) الطحاوی: شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر (4048)۔

([3])دیکھیں: فتح الباری (جلد 8، صفحہ 98)۔"

اسلام قبول کیا تو ساری نعمتیں انہوں نے چھوڑ دیں اور شہید ہو گئے، اس وقت ان کے کفن کے لیے سوائے ایک چادر کے کچھ نہ ملی، جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو ان کے قدم کھل جاتے اور جب ان کے قدم ڈھکے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا ہے[1]۔

احد کے شہیدوں کا ان کے قتل کی جگہ پر دفن کیا جانا:

اور مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اپنے شہیدوں کو مدینہ اٹھا کر لے آئے تھے تاکہ انہیں وہاں دفن کریں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ان کے پاس آکر انہیں حکم دیا کہ جہاں انہیں قتل کیا گیا ہے انہیں آپ وہاں دفن کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک احد کے شہیدوں کو ان کی جگہ سے اٹھا لیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے یہ آواز لگائی تھی وہ شہیدوں کو ان کے قتل کی جگہ پر لوٹا دیں[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میری پھوپھی میرے والد اور میرے ماموں کو اپنے ایک اونٹ پر باندھ کر لے کر آئیں اور انہیں مدینہ میں داخل کیا تاکہ انہیں ہمارے قبرستان میں دفن کریں، مگر پیچھے سے ایک شخص نے آکر آواز دی اور کہا خبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے

([1]) دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد (جلد 3، صفحہ 62)۔

([2]) یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (14169)، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب الجنائز، باب في الشهيد، حدیث نمبر (3183) میں روایت کی ہے۔"

رہے ہیں کہ تم شہیدوں کو لوٹادو اور وہیں پر دفن کرو جہاں ان کو قتل کیا گیا ہے ہم ان کو واپس لے کر آئے اور ہم نے انہیں ان کے قتل کی جگہ میں دفن کیا[1]۔

شہید کے لئے اللہ رب العالمین کی کرامت:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں۔۔۔میرے والد سب سے پہلے قتل کیے گئے تھے اور ان کے ساتھ ایک ہی قبر میں دوسرے شخص کو بھی دفن کیا گیا تھا، پھر مجھے اچھا نہ لگا کہ میں انہیں کسی دوسرے شخص کے ساتھ چھوڑوں، تو میں نے چھ مہینے کے بعد انہیں واپس نکالا تو وہ اسی طرح سے تھے جس طرح سے انہیں دفن کیا گیا تھا ان سے کچھ بھی تبدیل نہ ہوا تھا سوائے ان کے کان کے[2]۔

اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں اور امام مالک نے مؤطا میں صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: چنانچہ ان کے یعنی عبداللہ بن عمرو بن حرام والد جابر اور عمرو بن جموح کے قبروں میں سیلاب کا پانی چلے گیا انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا، انہیں کھودا گیا تو عبداللہ کو ان کے چہرے میں زخم لگی تھی، اس لیے ان کا ہاتھ ان کے زخم پر تھا اور ان کے ہاتھ کو ان کے زخم سے ہٹایا گیا، تو خون بہہ نکلا، جب ان کے ہاتھ کو پھر اسی جگہ واپس کر دیا گیا، اور پھر خون بند ہو گیا۔

جابر کہتے ہیں: میں نے اپنے والد کو ان کی قبر میں دیکھا گویا وہ سو رہے ہوں ان کی حالت تھوڑی بہت بھی تبدیل نہ ہوئی تھی، ان سے کہا گیا کیا تم نے ان کے کفن کو دیکھا انہوں نے کہا انہیں ہیں ایک چادر میں کفن دیا گیا تھا جس سے ان کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا، اور ان کے پیر پر گھاس ڈالی گئی تھی، تو

([1])"یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (15281)، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب الجنائز، باب الشهید، حدیث نمبر (3184) میں روایت کی ہے۔"

([2])یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الجنائز، باب هل یخرج المیت من القبر واللحد لعلة؟، حدیث نمبر (1351)۔"

ہم نے وہ چادر ویسے ہی پائی اور وہ گھاس اسی طرح سے تھی، اور ان کے دفن اور اس واقعہ کے درمیان چھیالیس سال کا وقفہ تھا[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: یہ حدیث جس کی روایت امام بخاری نے جابر رضی اللہ عنہ سے کی ہے، ظاہر میں ابن سعد اور امام مالک کے قول کے مخالف ہے، کہ ان کی قبر کو 46 سال بعد کھودا گیا تھا، یا تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ دونوں ایک ہی قبر میں بالکل قریب تھے یا سیلاب نے دونوں میں سے ایک قبر کو کھود دیا تھا دونوں ایک قبر کے مانند ہو گئے تھے[2]۔

اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں شہداء کے قبروں کے پاس موجو چشمے کو جاری کرنا چاہا نے ایک شخص کو بھیجا اور اس نے آواز لگائی کہ جس کے پاس کوئی میت ہو وہ یہاں آئے، جابر کہتے ہیں میں اپنے والد کے پاس گیا، پھر ہم نے انہیں بالکل تازہ نکالا وہ جھک بھی رہے تھے، اسی وقت کدال ان میں سے ایک شخص کے انگلی پر لگی اور اس سے خون بہہ پڑا[3]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے جابر بن عبداللہ! اللہ کی قسم معاویہ کے عاملوں نے تمہارے والد کو باہر نکال دیا ہے، اور ان کا کچھ حصہ ظاہر ہو گیا ہے، چنانچہ میں ان کے پاس گیا تو میں نے انہیں اسی طرح سے پایا

([1])"یہ روایت ابن سعد نے اپنی طبقات (جلد 3، صفحہ 288) میں بیان کی ہے، اور امام مالک نے اپنی الموطأ، کتاب الجهاد، باب الدفن في قبر واحد للضرورة میں بھی روایت کی ہے، اور حافظ نے اس کے اسناد کو الفتح (جلد 3، صفحہ 580) میں صحیح قرار دیا۔"

([2])دیکھیں: فتح الباری (جلد 3، صفحہ 580)۔"

([3])"یہ روایت الطحاوی نے شرح مشکل الآثار (جلد 12، صفحہ 411) میں بیان کی ہے۔"

جس طرح سے دفن کیا تھا، ان کا کوئی بھی حصہ بدلہ نہیں تھا سوائے اُس کے جو قتل یا مقتول ہونے کی وجہ سے جسم پر اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر میں نے انہیں دوبارہ دفن کر دیا[1]۔

شہدائے احد کی فضیلت

رہی بات ان احادیث کی جو شہداء احد کی فضیلت میں وارد ہیں، تو ان میں سے میں اسے بیان کر رہا ہوں جس کی تخریج سے امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا- جب احد کے لوگوں کا تذکرہ ہوا-: "اللہ کی قسم مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں جبل احد کے قریب[2] میں قتل ہونے والوں کے ساتھ شہید کر دیا جاتا"۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب احد کے دن تمہارے بھائی شہید ہوئے، تو اللہ رب العالمین نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے جوف میں داخل کر دیا جو جنت کے نہروں پر پانی پیتی ہیں اور اس کے پھلوں سے کھاتی ہیں اور سونے کے قندیلوں کے پاس اللہ کے عرش کے سائے میں آرام کرتی ہیں، جب انہوں نے اپنے اچھے کھانے اور پانی اور آرام گاہ کو محسوس کیا، تو انہوں نے کہا: کاش ہمارے بھائی بھی اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہماری نعمتوں کو جان لیتے تاکہ وہ جہاد سے پیچھے نہ رہیں اور جنگ سے دور نہ رہیں، اللہ رب العالمین نے فرمایا: میں تمہاری طرف سے انہیں یہ بات پہنچا دیتا ہوں، اللہ رب العالمین نے

([1])"یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (15281)۔"

([2])"یہ روایت امام أحمد نے اپنے مسند میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (15025)، اور البیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ (جلد 3، صفحہ 304) میں بھی روایت کی ہے۔"

اپنے رسول پر یہ آیتیں نازل فرمائی: ((ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون))[آل عمران: ۱۶۹][1]۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ((رہی بات شہیدوں کے روحوں کی، تو وہ سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں وہ عام مومنوں کے روح کے مقابلے میں ستاروں کے مانند ہیں، وہ خود سے اڑ رہے ہیں، ہم اللہ رب العالمین سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے[2]۔

شہداء احد کی زیارت:

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے آپ شہداء کی قبروں کے پاس جا رہے تھے چنانچہ جب ہم حرہ[3] واقم پر کھڑے ہوئے، اور ہم نے اس سے نیچے اترنا شروع کیا، تو ہم نے وادی کے موڑ پر قبریں دیکھیں تو ہم نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں[4]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے صحابہ کی قبریں ہیں، چنانچہ جب ہم شہدا کی قبروں کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں))۔

([1])"یہ روایت درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: امام أحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (2388) ابو داود نے اپنی سنن میں، کتاب الجهاد، باب في فضل الشهادة، حدیث نمبر (2520) الحاکم نے المستدرک، کتاب التفسیر، باب أرواح الشهداء في جوف طير، حدیث نمبر (3219) میں روایت کی ہے۔

([2])دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (جلد 2، صفحہ 164)۔"

([3])"الحَرَّة: یہ مدینہ کے مضافات میں ایک زمین ہے جس میں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔ دیکھیں: النهاية (جلد 1، صفحہ 351)۔"

([4])"یہ روایت درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: امام أحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (1387) ابو داود نے اپنی سنن میں، کتاب المناسک، باب زيارة القبور، حدیث نمبر (2043) البیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوة (جلد 3، صفحہ 305) میں ابن الاثیر نے اپنی کتاب جامع الأصول، حدیث نمبر (8669) میں بھی بیان کی ہے۔"

اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں شواہد کے ساتھ حسن سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کے پاس آتے تھے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کے کنارے پہنچتے تو فرماتے: تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو: ((فنعم عقبى الدار))[الرعد: ٢٤]، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی طرح سے کرتے، اور ابو بکر کے بعد عمر رضی اللہ تعالی عنہ اسی طرح سے کرتے، اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اسی طرح سے کرتے[1]۔

شہدائے احد کی تعداد

احد کے دن شہید ہونے والوں کی تعداد ستر آدمیوں پر مشتمل تھی، چھ مہاجرین میں سے تھے جو کہ: حمزہ بن عبد المطلب، مصعب بن عمیر، عبد اللہ بن جحش، شماس بن عثمان، حاطب بن بلتعہ کے غلام سعد بن خولی، عمرو اسلمی اور انصار میں سے 64 لوگ تھے[2]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں قتادہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ہم عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلے کو قیامت کے دن زیادہ شہیدوں والا قبیلہ انصار سے زیادہ نہیں جانتے، قتادہ کہتے ہیں اور ہم سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ احد والے دن ان میں سے 70 لوگ شہید ہوئے[3]۔

([1]) یہ روایت البیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ (جلد 3، صفحہ 306) میں بیان کی ہے۔

([2]) دیکھیں: فتح الباری (جلد 8، صفحہ 126)۔

([3]) یہ روایت البخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: كتاب المغازي، باب من قُتِل من المسلمين يوم أُحد، حدیث نمبر (4078)۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: انس رضی اللہ عنہ کے کلام سے ظاہر ہے کہ وہ سبھی انصار میں سے تھے، اور بات بھی ایسے ہی ہے سوائے چند لوگوں کے [1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو تیر اندازوں کا سردار مقرر کیا تھا، چنانچہ کفار مکہ نے ہم میں سے ستر لوگوں کو شہید کیا تھا [2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں انہوں نے غزوہ بدر کی حدیث ذکر کی پھر کہا: دوسرے سال احد کا دن تھا تو بدر میں فدیہ لینے کی وجہ سے اس کا انجام انہیں بھگتنا پڑا، چنانچہ ان کے 70 لوگ شہید کئے گئے اور اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ((اولما اصابتكم مصيبه قد اصبتم مثليها قلتم انى هذا، هو من عند انفسكم ان الله على كل شىء قدير))[آل عمران: ١٦٥] [3]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے سند حسن کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب احد کا دن تھا تو انصار میں سے 64 لوگ قتل ہوئے اور مہاجرین میں سے چھ لوگ [4]۔

مشرکوں کے مقتول:

رہی بات مشرکوں کے مقتولوں کی تو ان کی تعداد تیئیس تھی۔

([1]) دیکھیں: فتح الباری (جلد 8، صفحہ 126)۔"

([2]) یہ روایت درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: البخاری کی صحیح: کتاب المغازي، باب (10)، حدیث نمبر (3986) امام أحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (18593)۔

([3]) امام أحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (208) بھی روایت کی ہے۔

([4]) امام أحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (21229) روایت کی ہے، اور النسائی نے اپنی السنن الکبری، کتاب التفسیر، باب سورۃ النحل میں حدیث نمبر (11215) بیان کی ہے۔

اللہ رب العالمین سے دعا اور تضرع:

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپسی کا ارادہ کرنے لگے، اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے، تو جبل احد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنے رب کی تعریف کی اور اس سے تضرع کیا چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے اور بخاری نے الادب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ عبید بن رفاعہ زرقی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: احد والے دن مشرک لوگ شکست کھا گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیدھے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ میں اللہ رب العالمین کی تعریف کروں، چنانچہ سارے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بستہ ہو کر کھڑے گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ ساری تعریف تیرے لیے ہیں، جس کو تو پکڑ لے اس کو کوئی کھولنے والا نہیں ہے، اور جس کو تو کھول دے اس کو کوئی پکڑنے والا نہیں ہے، اور جس کو تو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے، اور جس کو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، جس سے تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور جسے تو دے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں، جسے تو دور کر دے اسے کوئی قریب کرنے والا نہیں، اور جسے تو قریب کر لے اسے کوئی دور کرنے والا نہیں، اے اللہ! تو اپنی رحمتوں اور برکتوں اور اپنے فضل اور رزق کو ہم پر کھول دے، اے اللہ میں تجھ سے ہمیشگی والی نعمتوں کا سوال کرتا ہوں، جو نہ ختم ہو نہ زائل ہو، اللہ میں تجھ سے فقیری کے دنوں میں نعمتوں کا سوال کرتا ہوں، اور خوف کے دنوں میں امن کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ میں تیری عطا کردہ چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور جو تو نے ہم سے روک لیا ہم اس کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں، اے اللہ! تو ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دے، اسے ہمارے دلوں میں مزین کر دے، اے اللہ تو ہمارے نزدیک کفر و فسق اور عصیان کو ناپسندیدہ کر دے، اے الل! تو ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنا، اے اللہ تو ہمیں اسلام کی حالت میں موت دے، ہمیں اسلام کی حالت پہ زندہ رکھ، اے اللہ! تو ہمیں نیک لوگوں سے بغیر

رسوائی اور فتنے کے ملادے، اللہ تو کافروں کو قتل کر دے جو تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے راستے سے روکتے ہیں، اے اللہ! تو ان پر اپنی ڈانٹ اور اپنا عذاب مسلط کر دے، اے اللہ! کافروں کو قتل کر جنہیں کتاب عطا کی گئی اے اللہ! اے ہمارے حقیقی معبود[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی اور آپ کی اس سے سخت محبت:

رسول اللہ ﷺ کا مدینہ کی طرف واپسی اور اہلِ مدینہ کی شدید محبت: پھر رسول اللہ ﷺ ہفتے کی شام مدینہ منورہ کی طرف واپس تشریف لائے، اور وہاں مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ اس وقت مدینہ کی عورتیں لوگوں کا استقبال کرنے کے لیے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ان میں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ان سے پہلے ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی، تو انہوں نے ''إنا للہ وإنا إلیہ راجعون'' کہا اور ان کے لیے دعاے مغفرت کی۔ پھر انہیں ان کے ماموں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی، تو انہوں نے بھی استرجاع کہا (یعنی ''إنا للہ وإنا إلیہ راجعون'') اور ان کے لیے دعا کی۔ پھر ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی، تو وہ بلند آواز سے رو دیں اور چیخ اٹھیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک شوہر عورت کے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے'' اور ایک روایت میں فرمایا: ''بیشک شوہر کا عورت سے گہرا تعلق اور حصہ ہوتا ہے''۔[2]

([1]) ابن سعد نے اپنی طبقات (جلد 2، صفحہ 271) میں یہی ذکر کیا ہے، جبکہ ابن اسحاق نے اپنی السیرۃ (جلد 3، صفحہ 144) میں کہا کہ یوم احد مشرکین کے ہلاک شدگان کی تعداد بائیس مرد تھی۔ اللہ سب سے بہتر جانتا ہے۔"

"یہ روایت درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: امام أحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (15492) الحاکم نے المستدرک، کتاب الدعاء والتکبیر، باب دعاؤہ ﷺ یوم أُحد میں، حدیث نمبر (1911) اور (4364) النسائی نے اپنی السنن الکبری، کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں، حدیث نمبر (10370) البخاری نے اپنی الأدب المفرد میں، حدیث نمبر (699) میں بھی روایت کی ہے۔"

([2]) "یہ روایت درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، کتاب الجنائز، باب ما جاء في البکاء علی المیت، حدیث نمبر (1590) الحاکم نے المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب إن للزوج من المرأۃ الشعبۃ میں، حدیث نمبر (6990) بیان کی ہے، اور اس کا اسناد ضعیف ہے۔"

دینار یہ عورت کا قصہ

اور بنو دینار کی ایک عورت نکلی، اس کا شوہر اس کا بھائی اس کے والد احد میں شہید کر دیے گئے تھے، چنانچہ جب اسے ان کی وفات کی خبر دی گئی تو اس نے کہا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: اے ام فلاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک ہیں وہ اسی طرح جیسے آپ چاہتی ہیں: تو انہوں نے کہا: مجھے دکھایئے تاکہ میں انہیں دیکھوں، چنانچہ انہیں آپ صلی اللہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے بتایا گیا، یہاں تک کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور کہا: آپ کے بعد ہر مصیبت آسان ہے[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ:

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے، آپ نے رونے کی آواز سنی اور گھروں میں لوگ نوحہ خوانی کر رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کیا ہوا"؟

لوگوں نے کہا: یہ انصار کی عورتیں ہیں جو اپنے شہید ہونے والوں کے لئے رو رہی ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں آپ رو پڑے اور کہا: لیکن حمزہ کے اوپر کوئی رونے والا نہیں ہے۔

چنانچہ انصار کی عورتوں کو یہ بات پتہ چلی، تو وہ حمزہ رضی اللہ پر رونے کے لئے آئیں، امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب احد سے واپس آئے تو انصار کی عورتوں کو اپنے شوہروں پر روتے ہوئے پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن حمزہ کے اوپر کوئی رونے والا نہیں ہے، جب یہ بات انصار کی عورتوں کو پہنچی تو وہ حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے کے لئے آئیں وہ کہتے ہیں:

([1])"یہ خبر درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: ابن اسحاق نے اپنی السیرۃ (جلد 3، صفحہ 110) میں البیہقی نے اپنی دلائل النبوۃ (جلد 3، صفحہ 302) میں بیان کی ہے، اور اس کا اسناد حسن ہے۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں اٹھے تو انہیں روتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے یہ رات سے اب تک رو رہے ہیں، انہیں حکم دو واپس چلے جائیں اور وہ آج کے بعد کسی فوت ہونے والے پر نہ روئیں[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نوحہ کرنے سے منع کرنا:

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن نوحہ[2] کرنے سے منع کیا، اور اس پر وعید بیان کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو چیزیں ایسی ہیں جو لوگوں میں کفر کے کاموں میں سے ہیں: نسب پر طعن کرنا (یعنی کسی کے خاندان یا نسل کی بے عزتی کرنا)، اور میت پر نوحہ کرنا" [3]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں جاہلیت کے اعمال میں سے ہیں اہل اسلام انہیں نہیں چھوڑیں گے نوحہ کرنا نچھتروں[4] سے بارش طلب کرنا اور عار دلانا[1]۔

([1])"یہ روایت درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: امام أحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (5563) ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، کتاب الجنائز، باب ماجاء في ا لبكاء على الميت، حدیث نمبر (1591) الحاکم نے المستدرک، کتاب الجنائز، باب ا لبكاء على الميت میں، حدیث نمبر (1447) بیان کی ہے۔"

([2])"امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں فرمایا (جلد 2، صفحہ 50): اس میں مختلف آراء ہیں، ان میں سب سے صحیح یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں کفر کے اعمال اور جاہلیت کے اخلاق سے متعلق ہیں۔"

([3])"یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے: کتاب الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر على الطعن في النسب والنياحة، حدیث نمبر (67)۔"

([4])"ابن الاثیر رحمہ اللہ نے النھایۃ (جلد 5، صفحہ 107) میں فرمایا: الأنواء: یہ 28 برج ہیں جن میں ہر رات چاند ایک برج میں داخل ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے چاند کے لیے مقامات مقرر فرمائے، جیسا کہ سورۃ یٰسٓ کی آیت 39 میں فرمایا: {وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ}۔ عربوں کا خیال تھا کہ جب یہ برج غروب ہوتا ہے اور برجِ رقیب طلوع ہوتا ہے تو بارش ہوگی، اور وہ بارش کو اس برج سے منسوب کرتے، یوں کہتے: "ہم نے اس برج کے نوء سے بارش پائی"۔

احد کے دن کس نے اچھا قتال کیا؟

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے، آپ کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ نے اپنی تلوار فاطمہ کو دیا تاکہ اسے دھو دیں، امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم واپس آئے تو اپنی تلوار فاطمہ کو دیا اور کہا اے میری بیٹی اسے خون سے صاف کر دو، پھر انہیں علی نے بھی اپنی تلوار دی اور کہا: اور یہ میری تلوار بھی، اس کا خون بھی دھو دو، قسم ہے اللہ کی! آج میں نے جنگ میں اپنی جان سے خوب وفا کی ہے۔

"ایک روایت میں الفاظ ہیں: "یہ (تلوار) تو میرے لیے تسکین بن گئی ہے (یعنی میں نے خوب قتال کیا ہے)" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم نے اپنی تلوار سے اچھا قتال کیا ہے، تو بے شک سہل بن حُنیف، ابودُجانہ، عاصم بن ثابت، اور حارث بن صِمّہ نے بھی خوب قتال کیا ہے"[2]۔

مدینہ کی پہرہ داری:

اور مسلمانوں نے مدینہ میں اتوار کی رات معرکہ اُحد سے واپسی کے بعد مدینہ کے دیواروں اور راستوں پر پہرا داری کرتے ہوئے گزاری، حالانکہ وہ خوب تھکے ہوئے تھے، اور انصار

نبی ﷺ نے انواء کے معاملے میں سختی اس لیے فرمائی کیونکہ عرب بارش کو ان بُرجوں سے منسوب کرتے تھے۔ لیکن جو شخص بارش کو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے مانے اور کہے کہ "ہم نے اس نوء سے بارش پائی"، یعنی کسی مخصوص وقت میں جو یہ نوء ہے، تو یہ جائز ہے، یعنی اللہ نے معمول کے مطابق بارش اس وقت بھیجی۔"

([1])"یہ روایت درج ذیل کتب میں بیان ہوئی ہے: ابن حبان نے اپنی صحیح میں، کتاب الجنائز، باب في النياحة ونحوها، حدیث نمبر (3141) امام اُحمد نے اپنے مسند میں، حدیث نمبر (7560) بیان کی ہے، اور اس کا اسناد صحیح ہے۔"

([2])"یہ روایت الحاکم نے المستدرک، کتاب المغازي والسرايا، باب ذكر شجاعة علي وسهل بن حنيف وسماك بن خرشة رضی اللہ عنھم أجمعین یوم اُحد میں بیان کی ہے، حدیث نمبر (4365)۔"

کے لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر مسجد میں آپ کی حفاظت کرتے ہوئے، رات گزاری، اس خدشے سے کہیں دشمن مدینہ پر حملہ نہ کردے[1]۔

غزوہ حمراء الاسد[2]

یہ غزوہ احد کے صرف ایک دن بعد اتوار کے دن پیش آئی، کیونکہ احد ماہ شوال[3] کی دس راتیں گذرنے کے بعد سنیچر کے روز پیش آئی، اور کہا گیا ہے کہ آٹھ راتیں[4] گزرنے کے بعد۔

اس غزوے کا سبب

اور اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو سفیان بن حرب کے بارے میں یہ خبر پہنچی تھی، کہ وہ قریش کے ساتھ مدینہ کی طرف واپس ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ باقی بچے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ختم کرے۔

امام نسائی نے سنن کبریٰ میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب مشرک لوگ احد والے دن واپس ہوگئے، اور روحا[5] نامی مقام پر پہنچے تو انہوں نے کہا، نہ ہی محمد کو تم نے قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہی تم نے نوجوان عورتوں کو اٹھایا ہے

([1])"دیکھیں: الطبقات الکبری از ابن سعد (جلد 2، صفحہ 274)۔"

([2]) حمراء الأسد: یہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ مشرکین کی تلاش میں پہنچے۔ دیکھیں: معجم البلدان (جلد 3، صفحہ 181)۔

([3]) یہ ذکر ابن اسحاق نے اپنی السیرۃ (جلد 3، صفحہ 133) میں کیا ہے۔

([4]) یہ ذکر ابن سعد نے اپنی طبقات (جلد 2، صفحہ 274) میں کیا ہے۔

([5]) الرّوحاء: یہ مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ دیکھیں: جامع الأصول (جلد 9، صفحہ 379)۔"

اور تم نے بہت برا کام کیا ہے واپس چلو چنانچہ یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تیار کیا چنانچہ وہ لوگ تیار ہو کر حمراء الاسد تک پہنچ گئے[1]۔

پھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آواز دیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دے رہے ہیں، اور ہمارے ساتھ صرف وہی نکلے گا جو کل جنگ میں شریک تھا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا نکلنے کی اجازت طلب کرنا:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیشک میرے والد نے میرے لئے سات یا نو بہنیں چھوڑی ہیں اور کہا ہے: اے میرے بیٹے میرے یا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان بچیوں کو ان کی دیکھ بھال کرنے والے مرد کے بغیر چھوڑیں۔ اور میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے اپنے علاوہ تمہیں جانے کی اجازت نہیں دوں گا چنانچہ تم اپنی بہنوں کی دیکھ بھال کرو تو میں ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے رکا تھا اور مجھے یہ بات پسند نہیں کہ آپ کہیں بھی جائیں اور میں وہاں نہ جاؤں تو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں، آپ نے انہیں اجازت دے دی چنانچہ اس وقت آپ کے ساتھ قتال میں شریک نہ ہونے والوں میں سے ان کے علاوہ کوئی نہ نکلا۔

اور عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ آپ کے ساتھ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا اور اسے واپس کر دیا[2]۔

([1]) اس کے تخریج امام نسائی نے سنن کبری میں کتاب التفسیر باب قولہ تعالی: ((فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل)) آل عمران: ۱۷۴، حدیث نمبر (۱۱۰۱۷) پر کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو فتح الباری (۹۶/۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

([2]) دیکھیے: الطبقات الکبری از ابن سعد (۲۷۴/۲) سیرت ابن ہشام (۱۱۲/۳)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حمراء الاسد کی جانب نکلنا:

مسلمانوں کا جھنڈا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اٹھایا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر ابن ام مکتوم کو جانشین مقرر کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے چہرے پر زخم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر چوٹ کے نشان تھے اور آپ کے رباعی دانت ٹوٹے ہوئے تھے اور آپ کے داہنے کندھے میں ابن قمیہ کے مارنے کی وجہ سے تکلیف تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنوں میں کھروچیں تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد کی جنگ میں شریک تمام لوگ نکلے تھے باوجود اس کے کہ وہ تھکے ہوئے اور زخموں سے چور تھے[1]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا[2] کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں: ((الذین استجابوا لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذین احسنوا منهم واتقوا اجر عظیم))۔

[آل عمران:172]۔

انہوں نے عروہ سے کہا: اے میرے بھتیجے ان میں سے تمہارے والد زبیر بھی تھے، اور ابو بکر بھی تھے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو احد دن تکلیف پہنچی، اور مشرک واپس ہو گئے تو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں وہ پلٹ کر واپس نہ آئیں۔

آپ نے کہا: ان کا پیچھا کرنے کو نکلے گا، چنانچہ ان میں سے 70 لوگ تیار ہوئے[3]، وہ کہتے ہیں ان میں ابو بکر اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے[1]۔

([1]) دیکھیے: الطبقات الکبری از ابن سعد (۲/۲۷۴)۔

([2]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۸/۱۲۴) میں کہتے ہیں کہ اس کلام میں حذف ہے جس کی تقدیر یہ ہو گی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت: الذین استجابوا پڑھی یا ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا یا اس طرح کے کوئی اور بات۔

([3]) حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (جلد ۴، صفحہ ۴۲۸) میں کہا ہے کہ: یہ سیاق بہت زیادہ غریب ہے، کیونکہ اصحاب مغازی کے یہاں مشہور ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہمراہ الاسد کی جان بن کلے تھے، وہ سب ان لوگوں میں سے تھے جو غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے جن کی تعداد ۷۰۰ تھی۔ جیسا کہ گذر چکا ہے، ان میں سے ۷۰ لوگ شہید ہو گئے تھے اور باقی بچے تھے۔ اور شامی

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے راستے کے رہنما ثابت بن ضحاک الخزرجی نکلے، یہاں تک کہ حمراالاسد میں جا کر پڑاؤ ڈالا، اور اس جگہ مسلمان تین راتوں تک ٹھہرے رہے، اور وہ ہر رات وہاں پر آگ جلاتے یہاں تک کہ وہ بہت دور سے دکھائی دیتی۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حمراءالاسد میں معبد بن ابی معبد خزاعی سے ملے، اور خزاعہ کے مسلمان اور مشرک سبھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدرد تھے، اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں پر پیش آنے والے کسی بات کو نہیں چھپاتے تھے، معبد ان دنوں مشرک تھے، انہوں نے کہا: اے محمد: اللہ کی قسم آپ کو آپ کے صحابہ کے سلسلے میں جو تکلیف اٹھانی پڑی وہ ہمیں بہت بھاری گزری، ہم چاہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین آپ کو ان کے سلسلے میں عافیت عطا کرے، پھر وہ وہاں سے نکلے یہاں تک کہ روحاء نامی جگہ ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں سے ملے، ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی جانب پلٹنے کا ارادہ کر رکھا تھا، چنانچہ جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو کہا: اے معبد تمہارے پیچھے کیا حال ہے؟

انہوں نے کہا: محمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارا پیچھا کرنے کے لیے اتنی بڑی جماعت کے ساتھ نکلے ہیں میں نے اتنی بڑی جماعت کبھی نہیں دیکھی، وہ تمہارے اوپر بہت زیادہ غصے میں ہیں، تمہارے ساتھ جنگ کے دن جو لوگ پیچھے تھے وہ بھی آج ان کے ساتھ جمع ہیں، ان میں ایسی تپش دیکھی جا رہی ہیں جو میں نے کبھی نہ دیکھی، ابوسفیان نے کہا: تم کیا کہہ رہے ہو؟۔

سبلا الہدی والرشاد (جلد ۴، صفحہ ۳۱۴) میں کہتے ہیں کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا اور اصحاب مغازی کے قول کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ ۷۰ لوگ سب دوسروں سے پہلے گئے ہوں اور پھر باقی لوگ ان کے پیچھے وہاں پہنچے ہوں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی طرف تنبیہ نہیں کی ہے۔

([1])اس کا ذکر امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب المغازی، باب: الذین استجابوا للہ والرسول، حدیث نمبر (۴۰۷۷) پر کیا ہے، اور مسلم نے اپنے صحیح میں کتاب الفضائل، باب: من فضائل طلحۃ والزبیر رضي اللہ عنہما، حدیث نمبر (۲۴۱۸) پر کیا ہے۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ تم ابھی واپس چلے جاؤ یہاں تک کہ تم گھوڑوں کی پیہ ثانیوں کو دیکھو، اس نے کہا: اللہ کی قسم ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ہم ان کے باقی لوگوں کو بھی ختم کر دیں چنانچہ انہوں نے کہا: تو میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کر رہا ہوں۔

ابو سفیان کی اپنے لشکر کو لے کر مکہ کی طرف واپسی:

پھر ابو سفیان عورت کے ساتھی ڈر گئے اور وہ مکہ کی جانب جلدی سے بھاگ گئے، اور واپسی کے وقت ابو سفیان عبد القیس کے ایک قافلے سے گزرا، اور اس نے ان سے کہا تم کہاں جا رہے ہو انہوں نے کہا مدینہ جا رہے ہیں اس نے کہا: کیوں؟۔

اس نے کہا: ہم کھانا لینے جا رہے ہیں تو اس نے کہا کیا تم ہماری طرف سے محمد کو یہ خط پہنچا دو گے جو میں تمہیں دے رہا ہوں، اگر وہاں پہونچو گے تو میں عکاظ[1] میں تمہارے اونٹوں کو کشمش سے لاد دوں گا؟

انہوں نے کہا: ہاں۔

تو اس نے کہا: جب تم وہاں پہنچ جاؤ، تو اسے بتانا کہ ہم اس کے لیے لشکر کو جمع کر رہے ہیں تاکہ ہم اس کو اور اس کے باقی ساتھیوں کو ختم کر دیں۔

چنانچہ وہ لشکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حمراء الاسد سے گزرا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو سفیان کی کہی ہوئی بات سنائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((حسبنا الله ونعم الوكيل))۔

اسی موقف کے سلسلے میں اللہ رب العالمین کا یہ فرمان نازل ہوا: ((الذين استجابوا لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذين احسنوا منهم واتقوا اجر عظيم، الذين قال

([1]) عکاظ: یہ مقام قریب ایک جگہ ہے جہاں جہالتِ عرب میں ایک بازار لگتا تھا جو کئی دنوں تک چلتا تھا۔ دیکھیں: النہایہ (جلد ۳، صفحہ ۲۵۷)۔

لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله والله ذو فضل عظيم))[ال عمران: ۱۷۲-۱۷٤]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: حسبنا اللہ ونعم الوکیل ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب انہیں آگ میں پھینکا گیا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کہا جب لوگوں نے آپ سے ذکر کیا: ((ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل))[1]۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حمراءالاسد میں جیسے کہ ہم نے ذکر کیا تین دنوں تک ٹھہرے رہے، اور بدھ کے دن آپ مدینہ کی جانب واپس آگئے، جب کہ مسلمانوں نے اپنی بڑی تعداد میں ہیبت کو واپس کر لیا تھا، جو کہ غزوہ احد کے سب متزلزل ہونے کے قریب تھی[2]۔

ابو عزہ جمحی کا قتل

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپسی سے پہلے ابو عزہ جمحی[3] کو لیا، جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں میں سے اس کے فقر اور زیادہ بیٹیوں کی وجہ سے احسان کیا تھا، اور یہ معاہدہ لیا تھا کہ وہ آپ سے قتال نہ کرے گا کرے گا اور نہ ہی آپ کے خلاف کسی

([1])اس کا ذکر امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب التفسیر، باب: الذین قال لھم الناس، حدیث نمبر (۴۵۶۳) پر کیا ہے۔

([2])غزوہ حمراءالاسد کی تفصیل دیکھیے: الطبقات الکبری از ابن سعد (۲/۲۷۴) دلائل نبوت از بیہقی (۳/۳۱۲-۳۱۸) سبل الہدی والرشاد (۴/۳۰۸) البدایہ والنہایہ (۴/۴۲۶) سیرت ابن ہشام (۳/ ۱۳۳)۔

([3])حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (جلد ۴، صفحہ ۴۳۰) میں بیان کیا ہے کہ مشرکوں میں سے سوائے ابو عزۃ الجمحی کے کسی کو قید نہیں کیا گیا، جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے اپنے سامنے باندھ کر زبیر کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اگر عاصم ابن صامت کو حکم دیا جاتا تو وہ بھی اس کی گردن مار دیتا۔ ہر وہ شخص جو کسی لڑائی یا جنگ کے بغیر اور بغیر غلطی کے قتل کیا جائے، اسے باندھ کر قتل کیا جانے والا کہا جاتا ہے۔ دیکھیے: النہایہ (جلد ۳، صفحہ ۸)۔

کی مدد کرے گا مگر اس نے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور قریش کے ساتھ نکلا، اور وہ لوگوں کو اپنے اشعار کے ذریعے سے ابھارتا اور بھڑکاتا اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کے خلاف قتال کے لیے، جب وہ اس بار قیدی بنا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو کہا: اے محمد آپ مجھ پر احسان کیجئے اور میرے ساتھ درگزر کا معاملہ کیجئے کیونکہ میرے پاس بچیاں ہیں، اور میں تمہیں عہد دیتا ہوں کہ میں اپنے اس کیے کے مانند کبھی بھی نہ کروں گا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم، اب تو اس کے بعد اپنے گھر والوں کو کبھی مکہ میں نہیں پہونچ پائے گا، اور یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں نے محمد کو 2 مرتبہ دھوکا دیا۔

اور دوسرے لفظ میں ہے: میں نے محمد سے دو مرتبہ مذاق کیا، اے زبیر اس کی گردن اتار دو۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مومن ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ہے))[1] پھر اس کی گردن ماردی گئی[2]۔

احد کے دن سے متعلق نازل ہونے والی قرآن کی آیتیں:

غزوۂ اُحد کے دن نازل ہونے والی آیات: اللہ تعالیٰ نے غزوۂ اُحد کے موقع پر قرآنِ کریم میں سورۂ آلِ عمران کی ساٹھ (60) آیات نازل فرمائیں، جن میں اس عظیم معرکے کے واقعات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ آیات نہایت لطیف انداز میں نرمی کے ساتھ تنبیہ، نفع بخش سبق اور مؤمنوں کی تطہیرِ نفس پر مشتمل تھیں، تاکہ ان کی میدان میں وقتی شکست مایوسی اور کمزوری کا سبب نہ بنے، اور نہ ہی حسرت و غم ان کے جذبۂ عمل کو مفلوج کردے۔ یہ آیات اس فرمانِ باری تعالیٰ سے

([1]) اس کا ذکر کیا گیا ہے: امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب الأدب، باب: لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین، حدیث نمبر (6133) میں۔ امام مسلم نے اپنے صحیح میں کتاب الزھد والرقائق، باب: لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین، حدیث نمبر (2998) میں۔ امام احمد نے اپنے مسند میں حدیث نمبر 5964 پر۔

([2]) دیکھیے ابو عزہ جمحی کے قید کیے جانے کی تفصیل: فتح الباری (۱۲/۱۶۳)، سیرت ابن ہشام (۳/۱۱۶)، البدایہ والنہایہ (۴/۴۲۳)۔

شروع ہوتی ہیں: ((وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ))[آل عمران: ۱۲۱]۔

اور اس بارے میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے:

اللہ رب العالمین کا یہ فرمان ہے:((قد خلت من قبلكم سنن فسيروا فى الارض فانظروا كيف كان عاقبه المكذبين))[آل عمران: ۱۳۷]۔

((ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين))[آل عمران: ۱۳۹]]۔

((ان يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الايام نداولها بين الناس وليعلم الله الذين امنوا ويتخذ منكم شهداء والله لايحب الظالمين))[آل عمران:140]۔

وليمحص الله الذين امنوا ويمحق الكافرين))[آل عمران: ۱۴۱]۔

((أم حسبتم ان تدخلوا الجنه ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ويعلم الصابرين))[آل عمران: ۱۴۲].

((ولقد كنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوه فقد رايتموه وانتم تنظرون)ال عمران: ۱۴۲]

((وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزى الله الشاكرين))[آل عمران: ۱۴۴].

((يا ايها الذين امنوا ان تطيعوا الذين كفروا يردوكم على اعقابكم فتنقلبوا خاسرين))[آل عمران: ۱۴۹].

اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں جو سورہ آل عمران میں غزوہ احد سے متعلق نازل ہوئیں۔

غزوہ احد کے واقعہ میں موجود بعض احکام اور فقہ:

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی عظیم کتاب "زاد المعاد" میں، اس عظیم غزوہ میں موجود بعض احکام اور فقہ کو بیان کیا ہے جس میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

1- جہاد کو شروع کرنے سے وہ لازم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی جہاد کے لباس پہن لے اور اس کے اسباب کی شروعات کر دے اور نکلنے کی تیاری کر لے تو اس کے لئے اس سے نکلنا جائز نہیں ہوتا جب تک کہ وہ دشمنوں سے قتال نہ کر لے۔

2- اور انہیں احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ دشمنوں کی جانب سے ان کے دیار کی طرف چڑھائی پر ان کے لیے واجب نہیں ہے کی کہ وہ نکل کر ان کی جانب جائیں بلکہ ان کا اپنے گھروں کو لازم پکڑ لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ اس میں رہ کر دشمنوں سے قتال کریں کیونکہ یہ دشمنوں پر کامیابی کے لیے زیادہ مددگار ہے، جیسے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو احد کے دن اشارہ دیا تھا۔

3- اور انہیں احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ امام کے لیے راستے میں پڑنے والے لوگوں کے زمینوں میں سے اپنے لشکر کو لے کر گزرنا جائز ہے اگر وہ راستے میں پڑ جائے تو اگرچہ اس کا مالک پسند نہ کرے۔

4- اور انہیں احکام میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ امام جنگ کی طاقت نہ رکھنے والے نابالغ بچوں کو اجازت نہ دے، بلکہ اگر وہ نکلیں تو انہیں واپس کر دے جیسے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر اور ان کے ساتھ کے بچوں کو واپس کیا تھا۔

5- ان احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ عورتوں کے ساتھ غزوے کے لئے نکلنا جائز ہے اور ان سے جہاد کے بعض امور میں مدد لی جاسکتی ہے۔

6- انہی احکام میں سے ایک پہلو یہ بھی ہے کی دشمن کے بیچ جانا جائز ہے، جیسے کہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ لوگ دشمنوں کے بیچ گئے تھے۔

7- اور ان ہی میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کی آدمی یہ دعا کر سکتا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے، اور اس کی تمنا بھی کی جاسکتی ہے اور یہ موت کی منع کردہ تمنا کرنے کے باب سے نہیں ہے، جیسا کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

8- اور انہیں احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ مسلمان جو اپنے آپ کو قتل کر دے تو وہ جہنم والوں میں سے ہوگا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن محنت سے جنگ لڑنے والے قزمان کے بارے میں کہا تھا جب اس کا زخم بڑھ گیا تو اس نے اپنے آپ کو مار لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنم والوں میں سے ہے۔

9- اور انہیں احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ شہید کے سلسلے میں مسنون یہی ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے[1] اور اسے اس کے کپڑے کے علاوہ میں کفن نہ دیا جائے بلکہ اس کو اسی میں دفن کیا جائے اس کے زخموں اور خون کے ساتھ، الا یہ کی اس کے کپڑے چھین لئے گئے ہوں تو دوسرے کپڑے میں کفن کر دیا جائے۔

10- اور انہیں فرائض اور احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کی شہداء کے سلسلے میں مسنون یہ ہے کہ انہیں ان کے قتل کی جگہ میں دفن کیا جائے، اور انہیں کسی دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے، کیونکہ بعض صحابہ نے اپنے قتل کیے گئے لوگوں کو مدینہ منتقل کیا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ

([1]) دیکھیے: جو باتیں اس سلسلے میں گزر چکی ہیں کہ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھی تھی یا نہیں۔

علیہ وسلم کے منادی نے آواز دی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قتل کیے گئے لوگوں کو ان کے قتل کی جگہ واپس کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

11-اور انہیں احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک قبر میں تین یا دو لوگوں کو دفن کرنا جائز ہے جب اس کی ضرورت اور حاجت ہو۔

12-اور انہیں احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس شخص کو اللہ رب العالمین معذور قرار دے کہ وہ مرض یا لنگڑے پن کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو، تو بھی اس کے لیے جہاد میں نکلنا جائز ہے اگرچہ اس پر واجب نہیں ہے، جیسے کہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نکلے تھے حالانکہ وہ لنگڑے تھے۔

13-اور انہیں احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر مسلمان اپنے میں سے ہیں کسی ایک شخص کو جہاد میں قتل کر دے کیونکہ وہ اسے کافر سمجھ رہے ہو تو امام کے اوپر واجب ہے کہ وہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کرے، کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ کے والد یمان کی دیت ادا کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر حذیفہ نے دیت لینے سے منع کر دیا تھا اور اسے مسلمانوں کو صدقہ کر دیا تھا[1]۔

غزوہ احد کی بعض قابل تعریف حکمتوں اور مقاصد کا تذکرہ:

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی بے مثال کتاب "زاد المعاد" میں غزوہ احد سے حاصل ہونے والے دروس اور عبرتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

1-انہیں دروس میں ایک درس یہ بھی ہے کہ انہیں یہ بات بتائی گئی کہ نافرمانی، ناکامی اور اختلاف کا انجام لاحق ہوا وہ اس کی نحوست کے سبب تھا، جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ((ولقد صدقكم الله وعده اذ تحسونهم باذنه حتى اذا فشلتم وتنازعتم فى الامر وعصيتم من بعد

([1]) دیکھیے: زاد المعاد (۳/۱۸۹-۱۹۶)۔

ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین))[آل عمران: ۱۵۲]۔چنانچہ جب انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت،اختلاف اور ناکامی کے انجام کو چکھ لیا،تو وہ اس کے بعد بہت ہی چوکنے اور خبردار رہے اور وہ ناکامی کے اسباب سے بچنے والے ہو گئے۔

2-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ اپنے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کے سلسلے میں اللہ رب العالمین کی حکمت یہ ہے کہ کبھی وہ جیتتے ہیں کبھی وہ ہارتے مگر انجام انہی کے لیے ہوگا کیونکہ اگر وہ ہمیشہ جیتتے رہیں اور ان کے ساتھ مومن اور غیر مومن سبھی داخل ہو جائیں،اور سچا جھوٹے سے الگ نہ ہو،اور اگر وہ ہمیشہ ہارتے رہیں تو بعثت اور رسالت کا مقصد بھی حاصل نہ ہوگا،لہذا اللہ رب العالمین کی حکمت کا تقاضہ یہ ہوا کہ اللہ رب العالمین نے دونوں معاملوں کو ان کے لیے جمع کر دیا تاکہ وہ لوگ ممتاز ہو جائیں جو ان کی اتباع کرتے ہیں اور حق کے لیے ان کی پیروی کرتے ہیں،اور وہ لوگ جو ان کی کامیابی اور غلبہ پر خاص طور سے ان کی پیروی کرتے ہیں۔

3-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ یہ رسولوں کے علامات میں سے ہے جیسا کہ ہرقل نے ابوسفیان سے کہا تھا: کیا تم نے اس سے قبل بھی قتال کیا ہے؟انہوں نے کہا :ہاں! تو اس نے کہا: تمہارے درمیان اور اس کے درمیان جنگ کا کیا نتیجہ نکلا؟تو انہوں نے کہا: وہ تو ڈھول کے مانند ہے کبھی ہمارے اوپر آتا ہے کبھی ان کے اوپر آتا ہے تو اس نے کہا تھا اسی طرح رسولوں کو آزمایا جاتا ہے پھر انجام انہیں کا ہوتا ہے[1]۔

4-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ اللہ رب العالمین سچے مومن کو جھوٹے منافق سے نکالتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کو جب اللہ رب العالمین نے ان کے دشمنوں پر بدر

([1])اسکی تخریج امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب بدء الوحي، باب(٦)حدیث نمبر(٧)اور مسلم نے اپنے صحیح میں کتاب الجهاد والسیر، باب کتاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم إلی هرقل، حدیث نمبر(١٧٧٣)پر کی ہے۔

کے دن غالب کیا اور ان کی شہرت ہو گئی تو ان کے ساتھ اسلام میں ظاہری طور پر ایسے لوگ داخل ہوئے جو ان کے ساتھ باطن میں نہ تھے، اللہ رب العالمین کی حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے ایک ایسے محنت کا سبب بنایا جس سے مومن اور منافق الگ ہو گئے، منافقوں نے اس غزوہ میں اپنے سر کو اٹھایا اور انہوں نے اپنے دل کی چھپی ہوئی بات کو بولا اور ان کی چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہو گئیں، ان کے اشارات صراحت میں بدل گئے، اور لوگ کافر مومن اور منافق میں ظاہری طور پر تقسیم ہو گئے، اور اہل ایمان نے یہ جان لیا کہ ان کے گھروں میں بھی ان کے دشمن موجود ہیں وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے ہیں جو ان کو الگ نہیں کرتے تو ان کے لیے بھی انہوں نے تیاری کی اور ان سے بھی وہ محتاط رہنے لگے۔

5-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ اللہ رب العالمین اگر ہمیشہ ان کی مدد کرے، اور انہیں ان کے دشمنوں پر ہمیشہ ہر جگہ کامیابی عطا کرے، اور وہ ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب رہیں، تو ان کے نفوس میں سرکشی آجائے گی اور وہ خود کو بڑا اور بلند تصور کریں گے، اگر ان کے لئے کامیابی اور نصرت کو بکھیر دیا جائے تو وہ اس حالت میں رہیں گے جس میں ان کے لئے رزق کو کشادہ کر دیا جائے لہذا اللہ کے بندوں کے لیے آسانی اور سختی دونوں کا ہونا ضروری ہے، وہی اللہ رب العالمین اپنے بندوں کے امور کی تدبیر کرتا ہے جیسا اس کی حکمت کے لائق ہے وہ ان سے باخبر اور ان کے بارے میں واقف ہے۔

6-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ جب اللہ رب العالمین نے غلبہ دے کر اور شکست دے کر ان کو آزمایا تو وہ ذلیل اور خاکسار ہوئے اور انہوں نے خشوع و خضوع اختیار کیا جس کی وجہ سے انہیں عزت اور نصرت حاصل ہوئی، اس لیے کہ نصر اور کامیابی ذل و انکساری کے ساتھ ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ((ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة))[ال عمران: ۱۲۳]، اور اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ((ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم

فلم تغن عنكم شيئا))[التوبہ: ۲۵]۔ اللہ رب العالمین جب اپنے بندوں کو عزت اور نصرت عطا کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے توڑتا ہے اور پھر اس کی مدد اس کے ذل اور انکسار کے مقدار میں ہوتی ہے۔

7-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے مومن بندوں کے لیے اپنی کرامت کے گھر میں منزلیں تیار کی ہیں، جن تک ان کے اعمال نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی وہاں تک بغیر محنت اور مشقت کے پہنچ سکتے تھے تو اللہ رب العالمین نے ان کے لیے وہ اسباب پیدا کرتے ہیں جو امتحان اور آزمائش انہیں وہاں تک پہنچا سکیں، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے وہاں تک پہنچنے کے منجملہ اسباب میں سے انہیں نیک اعمال کی توفیق بخشی۔

8-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کی نفوس ہمیشگی کی عافیت، کامیابی، مالداری سرکشی اور دنیا کی طرف جھکاؤ کو جنم دیتی ہے، جو ایسی بیماری ہے جو اسے اللہ اور آخرت کے گھر کی طرف چلنے سے روکتی ہے، لہذا جب اس کا رب اور اس کا مالک اور اس کا رحم کرنے والا اس کی کرامت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے امتحان اور آزمائش کو اس سیر حثیث سے روکنے والی بیماری کے دوا کے طور پر مہیا کرتا ہے، وہ محنت اور مشقت اس ڈاکٹر کے مقام پر ہوتی ہے جو بیمار کو ناپسندیدہ اور کڑوی دوا پلاتا ہے، اور اس کے تکلیف کو کاٹتا ہے تاکہ اس سے بیماری کو نکالے اور اگر اسے چھوڑ دے تو بیماری غالب آجائے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو سکتا ہے۔

9-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ اس کے نزدیک شہادت اولیاء کے مراتب میں سب سے بلند مرتبہ ہے، اور شہداء اللہ رب العالمین کے بندوں میں سب سے خاص اور قریبی لوگ ہیں، اور صدیقیت کے درجے کے بعد شہادت ہی ہے، اور اللہ رب العالمین کو یہ پسند ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے کچھ شہید بنائے جن کے خون اس کی محبت اور رضا کی خاطر بہائے جائیں اور وہ اس کی رضا اور محبت کو اپنے جانوں پر بھی ترجیح دیں اور اس درجہ کو پانے کے لئے وہاں تک پہنچانے کے لئے دشمن کو مسلط کرکے اسباب مقدر کئے بغیر ممکن نہیں۔

10-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے کہ اللہ رب العالمین جب ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور انہیں مٹانا چاہتا ہے، تو ان کے لیے کچھ اسباب کو مہیا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان کے ہلاکت اور تباہی کا سبب بنتے ہیں، اور ان اسباب میں سب سے عظیم سبب ان کے کفر کے بعد ان کا سرکش ہونا اور ان کی طغیانی اور اولیاء اللہ کے تکلیف دینے لڑنے اور قتال کرنے اور ان پر تسلط حاصل کرنے میں ان کا مبالغہ کرنا ہے، اس طرح سے اللہ کے ولی اپنے گناہوں اور برائیوں سے پاک ہو جائیں گے اور اس طرح سے اللہ کے دشمن اپنے ہلاکت اور تباہی کے اسباب کو زیادہ کر لیں گے۔ اور اللہ رب العالمین نے یہی بات اپنے اس فرمان میں ذکر کیا ہے: ((ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين ان يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الايام نداولها بين الناس وليعلم الله الذين امنوا ويتخذ منكم شهداء والله لايحب الظالمين))[آل عمران: ۱۳۹-۱۴۱]۔

چنانچہ اللہ رب العالمین نے اس کتاب میں ان کی ہمت افزائی اور ان کے نفسوں کی تقویت اور ان کے عزائم اور ہمتوں کے احیا اور تسلی دینے کے درمیان جمع کیا ہے۔

11-اور انہیں دروس میں سے ایک درس یہ بھی ہے احد کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ایک مقدمہ اور تمہید تھا، اور اللہ رب العالمین نے انہیں ثابت قدم رہنے تلقین کی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موت یا قتل کئے جانے کے بعد ایڑیوں کے بل لوٹنے سے توبیخ فرمائی ہے، بلکہ واجب یہ ہے ان کے اوپر کہ وہ اپنے دین اور توحید پر قائم رہیں، اور اسی پر مریں یا قتل کیے جائیں، کیونکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو ان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ انہیں آپ کے دین اور آپ کی تعلیمات سے موڑ دے دی کیونکہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں

بھیجا گیا ہے اور نہ ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، بلکہ سارے کے سارے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اسلام اور توحید پر مریں ، موت کا آنا یقینی ہے، چاہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں یا باقی رہیں[1]۔

(1) ابن القیم رحمہ اللہ کا قول زاد المعاد میں دیکھیے: (۳/۱۹۶-۲۰۱)۔

فہرست

ہجرت سے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں داخل ہونے تک 3

مدینہ کی طرف ہجرت ^O کی اجازت 3

● مہاجرین حبشہ کا مدینہ کی جانب ہجرت کرنا: 5

● سب سے پہلے ہجرت کرنے والے: 6

مہاجروں کو درپیش مشکلات: 7

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی آزمائش: 7

عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی کی ہجرت 11

بنو جحش کی ہجرت: 11

مصعب، ابن ام مکتوم، بلال، سعد اور عمار رضی اللہ عنہم کی ہجرت: 12

عمر بن خطاب اور عیاش بن ابی ربیعہ کا مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہجرت کرنا: 13

عیاش رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ ابو جہل کا قصہ: 16

عیاش رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی دعا: 18

ابو حذیفہ کے غلام سالم مہاجرین کی امامت کرتے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں: 19

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم کے بارے میں مختصر جانکاری: 20

انصاری مہاجرین: 20

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لئے ہجرت کے حکم کا انتظار کرنا: 21

● قریش کا دار الندوہ میں اجتماع اور ان کا نبی پاک ﷺ کے قتل کا ارادہ کرنا: 22

اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو مشرکین کی چالوں سے باخبر کر دیا: 26
ہجرت نبوی ﷺ 28
اللہ رب العالمین کا اپنے رسول ﷺ کو قریش کے معاملے کی خبر دینا: 29
عبداللہ بن اریقط ؓ کو رہنما کے طور پر کرائے پر رکھنا: 32
ایک عجیب تناقض 33
نبی ﷺ کی قیام گاہ پر مشرکوں کو کا گھیراؤ: 33
● اللہ کے رسول ﷺ کا اپنے گھر سے اور صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی جانب نکلنا: 34
رسول ﷺ اور ابو بکر کا غار ثور کی جانب نکلنا: 35
مکہ کی طرف آخری نظر 37

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا، بے شمار ملک دیکھے، لیکن مجھے ان سب میں دمشق سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں لگا۔ تو کیا واقعی وہ ایسی ہی خوبصورت ہے، یا یہ میری نظر میں اس لیے حسین ہے کہ وہ میرا وطن ہے؟ اور ہر انسان اپنے وطن کو باقی تمام شہروں پر ترجیح دیتا ہے"۔ 38

میں نے ایسے لوگوں کو جانا ہے جو امریکہ گئے اور اس کے بڑے شہروں میں رہے۔ وہاں کی تہذیب کی پیداوار سے لطف اندوز ہوئے اور عیش و آرام کے وسائل پائے۔ لیکن نیویارک اور اس کی بلند و بالا عمارتیں بھی انہیں ان کے گاؤں اور ان کے اُس گھر کو نہیں بھلا سکیں، جو لکڑی اور کچی اینٹوں سے بنا تھا۔ وہ امریکہ میں ہمیشہ ایک اجنبی کی طرح محسوس کرتے تھے، جیسے کسی ہوٹل کے مہمان ہوں۔ انہیں سکون اور قرار صرف اس وقت ملا جب وہ اپنے گاؤں پہنچے اور اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ اور یہ، قسم ہے میری عمر کی، اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تقدیر کا حصہ ہے۔ اور اللہ کی ہر تقدیر میں کامل حکمت ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سب لوگ مال و جمال کے مقامات میں جمع ہو جاتے، اور غریب علاقے ویران اور سنسان ہو جاتے"۔ 38

اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ واپسی کی خوشخبری: 38
جب وہ دونوں غار میں تھے 39

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے شرف مندانہ مواقف: 40
عامر بن فہیرہ یہ ذمہ داری 41
اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا کی ذمہ داری 41
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے راستے میں اپنا سارا کا سارا مال خرچ کر دیا 42
رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کے طلب میں قریش کا نکلنا 44
ابو جہل کا اسماء رضی اللہ تعالی عنہا کو مارنے کا قصہ ثابت نہیں ہے 46
غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے 46
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کا غار سے نکلنا 49
مدینہ کی جانب راستہ 50
مدینہ کے راستے میں واقع ہونے والے قصے 51
سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کا قصہ 52
ایک مشہور ضعیف روایت: 55
دودھ پینا 56
حدیث کے فوائد 58
چرواہے کا قبول اسلام 59
ایک ضعیف قصہ 60
ام معبد خزاعیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا واقعہ 61
حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے راستے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت نہیں ہے 64
زبیر اور طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کو کپڑے دیئے 66

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقام قباؑ میں نزول 68
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کا قیام 69
مہاجرین کا مقام اور ان کی فضیلت 73
علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت: 74
سہل بن حنیف ؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض فضائل: 75
حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت: 76
حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام 77
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دن قبا کے مقام پر ٹھہرے رہے؟ 88
مسجد قباء کی تاسیس 89
مسجد قباء کے فضائل: 92
قباء سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور پہلی نماز جمعہ 94
مدینہ کے لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کا استقبال اور ان کی خوشی: 95
یہ اشعار محل نظر ہیں 101
ہجرت کی نمایاں جھلکیاں اور اس کے کامیابی کے عوامل 102
نبی کریم ﷺ کا حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر قیام 106
ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مدت 109
ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا ابوایوب رضی اللہ عنہ کی تعظیم واکرام کرنا 110
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کی آمد 111
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت: 112

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا تعارف: 113
براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وفات: 114
مدینہ کی بیماری 115
فوائد حدیث 118
عائشہ رضی اللہ عنہ کو بیماری لاحق ہونا 118
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کے لیے دعا 119
رسول اللہ ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 121
حدیث کے فوائد 123
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس داخل ہونے کی صفت 123
عائشہ رضی اللہ عنہ کی کنیت 125
رسول اللہ ﷺ کی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نرمی اور محبت: 126
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مقام اور انکے بعض فضائل: 131
آپ رضی اللہ عنہا کی وفات: 135
یثرب کا نام طیبہ طابہ اور مدینہ رکھا جانا 136
مدینہ منورہ کے فضائل 138
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں موت کی تمنا: 140
مدنی زندگی 142
مسجد نبوی کی تعمیر سے زکاۃ الفطر کے فرضیت تک 143
مدینہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کی بنیادیں 143

پہلا: مسجد نبوی کی تعمیر 143
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ 145
حدیث کے فوائد 145
مسجد کی تعمیر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت 146
طلق یمامی کو کدال دو: 147
عمار رضی اللہ تعالی عنہ کا کام میں محنت کرنا 148
امام ذہبی کا ایک خوبصورت قول 150
مسجد نبوی کی تعمیر میں کتنے دن لگے؟ 150
ایک ضعیف حدیث 150
حجروں کی تعمیر 151
مسجد نبوی شریف کی توسیع 153
خلفاء راشدین کے زمانے میں مسجد نبوی کی توسیع 154
اسلام میں مسجد کا مقام 155
منبر کی تعمیر 157
حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک خوبصورت قول 159
اس تنے کا انجام 159
منبر کے فضائل 160
مسجد نبوی کے فضائل 162
دوسرا: مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ 164

امام سہیلی رحمہ اللہ کا خوبصورت قول: 166
کتنے مرتبہ بھائی چارہ واقع ہوا: 167
انصار کے جاویداں کارنامے: 170
فوائد حدیث: 172
انصار کی فضیلت میں وارد آیات اور احادیث ○ 177
رہی بات انصار کی فضیلت میں وارد احادیث کی تو وہ بہت ہی زیادہ ہیں: 178
تیسرا: صحیفہ کی کتابت 184
ا- مسلمانوں سے متعلق صحیفہ کے بنود: 184
صحیفہ کی وہ شقیں جو مشرکین سے متعلق ہیں: 186
ج- صحیفہ کی وہ شقیں جو یہود سے متعلق ہیں: 186
د- صحیفہ کی وہ شقیں جو عمومی قواعد سے متعلق ہیں: 187
اذان کی مشروعیت ○ 190
اذان کی مشروعیت کب ہوئی؟ 191
عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کا خواب 191
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے مؤذن تھے 193
اذان کی فضیلت 195
فوائد حدیث: 196
ضعیف اور کمزور روایتیں: 201
عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام 203

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے فضائل: 207
فوائد حدیث: 210
عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا رومہ ○ نامی کنواں خریدنا 211
نماز میں اضافہ 214
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف کہ کہیں مدینہ خالی نہ ہو جائے 216
فوائد حدیث 217
یہود کی دشمنی 219
یہود کا آپ سے ظاہر دشمنی اور ان کی بعض خبریں 223
یہود میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن 224
ان کی جانب سے فتنہ پھیلانے کا ارادہ 229
اللہ رب العالمین کا مسلمانوں کو ان سے محبت کرنے سے منع کرنا 230
● ان کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں نازل ہونے والے قرآن سے متعلق سوال: 231
فوائد حدیث 233
ابن اسحاق کا آیت کے نزول میں وہم 237
یہودیوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رجم کے حکم سے متعلق سوال: 238
یہودیوں کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دیت کے حکم سے متعلق سوال: 241
عبداللہ بن ابی بن سلول کا قصہ: 244
فوائد حدیث: 248
قریش کا مشرکین مدینہ کے ذریعے استغلال: 249

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نگرانی 250
فوائد حدیث : 251
قریش کی طرف سے انصار کو مسجد حرام سے روکنے کی کوشش 253
فوائد حدیث 255
جہاد کی مشروعیت 256
جہاد کے مراتب 258
جہاد نفس کے بھی چار مراتب ہیں: 258
رہی بات شیطان کے ساتھ جہاد کی : 259
رہی بات کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کی 259
رہی بات ظالموں اور بدعات اور منکرات کے پاس داروں سے جہاد کی 259
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا غزوہ کیا؟..... 261
وہ بڑے غزوات جن کے بارے میں قرآن نازل ہوئی: 262
قتال کا حکم 264
غزوہ بدر کبری سے پہلے بھیجے گئے گئے چھوٹے لشکر اور پیش آنے والے سرایہ ()اور غزوات() 270
سریہ سیف البحر..... 270
رابغ کی طرف عبیدہ ابن حارث رضی اللہ عنہ کا لشکر 272
خرار کی جانب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کا لشکر..... 274
پہلے ہجری سال میں ہونے والی وفاتیں 275
مسلمانوں میں سے کم لوگوں کے وفات کا سبب 276

ہجرت کا دوسرا سال 277
غزوہ ابواء یا ودان ○ 277
غزوہ بواط ○ 279
غزوہ عشیرہ 280
کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں علی رضی اللہ تعالی عنہ ابو تراب کنیت سے پکارا تھا؟ . 281
ابو تراب کی کنیت کے سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد دیا گیا 282
علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کی اس کنیت سے خوشی: 284
لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت جو علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کرنے والا ہے: 284
غزوہ سفوان ○ یا پہلی غزوہ بدر 287
عبداللہ بن جحش کا سریہ نخلہ ○ کی جانب 288
تحویل قبلہ 294
اہل قبا کو تحویل قبلہ کی خبر کا پہنچنا 296
فوائد حدیث 297
تحویل قبلہ کے وقت لوگوں کا رد عمل 298
یہودیوں کا حسد 300
یوم عاشورا کے روزے 301
عاشورہ کے روزے کی فضیلت 304
رمضان کے روزوں کی فرضیت 305
ماہ رمضان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل 308

زکاۃ فطر کی فضیلت 309
غزوہ بدر کبری ابتدا سے انتہا تک 311
غزوہ بدر کبری ○ 311
اس کی تاریخ 311
اس سے متعلق اقوال 311
غزوہ بدر کبریٰ کے خصائص 312
اس غزوہ کا سبب 314
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری اور آپ کا مقام بدر کی طرف نکلنا 314
ایک ضعیف قصہ 316
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے نکلنے کی تاریخ : 317
مسلمانوں کی تعداد 318
عذر کے سبب پیچھے رہنے والے لوگ: 320
جو بدر میں شریک ہوئے تھے مگر انہوں نے قتال نہ کیا تھا: 325
سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بدر میں شریک ہونے کے سلسلے میں اختلاف: 327
غزوہ بدر میں قتال میں شریک لوگوں کی حقیقی تعداد 327
مسلمانوں کی تیاری 328
اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیوں کا کاٹنا 329
مسلمانوں کے گھوڑے سوار کتنے تھے 331
فتح و کامیابی اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے 331

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ دیکھنا اور آپ کا چھوٹوں کو واپس کر دینا 333
کمانڈری کی تقسیم 335
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اپنے صحابہ کو افطار کا حکم دیا جانا: 336
بدر کی جانب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ 337
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرک سے مدد لینے سے انکار 338
ابو سفیان کا قریش کے لوگوں کو نکلنے کی دعوت دینا 340
عاتکہ ؓ کا خواب: 341
قریش کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کی تیاری 344
امیہ کا خروج کو ناپسند کرنے کا سبب 346
فوائد حدیث: 348
مشرکین کے تیاری اور ان کی تعداد 348
قریش اور کنانہ کے درمیان ثار 349
قریش میں سے کھانا کھلانے والے لوگ 350
مشرکوں کا راستہ 351
قافلے کا بچ نکلنا اور ابو سفیان کا اہل مکہ کی جانب خط 352
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ سے مشورہ ؓ 354
کمانڈر صحابہ کرام کی گفتگو 355
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو مشرکوں کے قتل کی جگہ کی بابت خبر دینا 358
رسول اللہ ﷺ کا العُدوۃ الدُّنیا (قریب بدر) پر قیام : 359

رسول اللہ ﷺ کی استکشافی کاروائی: 360
بارش کا نزول: 363
مسلمانوں کی حرکت اور بدر کے پانی پر قبضہ: 364
مشہور مگر ضعیف روایت: 364
عریش کی تعمیر O: 365
رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کو تیار کرنا اور شب بیداری: 367
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ کا طاری ہونا: 368
رات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز: 370
جمعہ کے دن کی فجر کی نماز، اور وہی یومُ الفُرقان تھا: 371
صفوں کی درستگی اور قتال کی کیفیت کے بارے میں آپ کی رہنمائی: 372
بدر کی وادی میں قریش کے لشکر کا اترنا اور ان میں پھوٹ پڑنا: 374
قتال کی ابتدا اور معرکہ میں پہلا مقتول: 379
اصل لڑائی کی شروعات: 380
فوائد حدیث: 383
عام ہجوم اور جنگ کا بھڑکنا: 384
شہداء کا گرنا: 384
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے دعا: 388
فرشتوں کا نزول 391
اللہ تعالی نے مسلمانوں کی کتنے فرشتوں سے مدد کی؟ 393

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کو قتال کے لیے تیار کرنا: 395
عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کا قصہ: 396
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کو پتھر مارنا اور ان پر دھاوا بولنا: 397
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قتال میں شرکت: 398
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بہادری: 399
✓ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بہادری: 399
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بہادری 400
ابو عبیدہ بن الجراح کا ان کے والد کو قتل کرنے والا قصہ ثابت نہیں ہے: 401
حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بہادری: 403
فرشتوں کی طرف سے کافروں کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کی ابتدا: 403
ابلیس کا ایڑی کے بل کھسکنا: 407
شرمناک سکشت: 408
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کے کچھ لوگوں کو قتل کرنے سے منع کرنا: 409
ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا موقف: 410
ابو البختری بن ہشام کا قتل: 411
سرکشوں کے قتل گاہ: 412
امیہ بن خلف لعنہ اللہ کی قتل گاہ: 412
عبیدہ بن سعید بن العاص کا قتل: 414
ابو جہل لعنہ اللہ کا قتل: 415

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ابو جہل کو ختم کرنا: 418
معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا سوال کہ رب کس بات پر ہنستا ہے: 420
دونوں گروہوں کے مقتول: 420
مشرکوں کا کنویں میں پھینکا جانا: 423
ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کا موقف: 424
رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کو کنویں میں آواز دے رہے تھے: 425
روایت میں ایک غلطی؛ 427
شکست کی خبر شہر مکہ میں پہونچنا اور ابولہب کی موت: 429
اسود ابن عبدالمطلب کا ایک مزاحیہ واقعہ: 433
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی: 434
اموال غنیمت کا معاملہ: 435
بدر کے مال غنیمت کے سلسلے میں اختلاف کا سبب: 436
ایک دوسرا سبب: 438
مال غنیمت کی تقسیم: 440
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص حصہ 441
مال غنیمت میں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ: 443
اس امت کے لئے مال غنیمت کا خاص طور پر حلال ہونا 444
نضر بن حارث اور عقبہ ابن ابی معیط کا قتل: 446
اہل مدینہ کو فتح کی خوشخبری: 448

فتح پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارکباد: 451
قیدیوں کا معاملہ: 452
سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہ کا موقف: 453
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیوں سے متعلق اپنے صحابہ سے مشورہ: 454
ابن قیم رحمہ اللہ کی ابو بکر کی رائے کو ترجیح 456
فدیہ کے حکم کا منسوخ ہونا اور اس کا امام کے سپرد کیا جانا: 458
قیدیوں کا فدیہ :..... 461
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کچھ لوگوں سے فدیہ لیے بغیر ان پر احسان کیا : 463
قیدیوں میں سے سب سے پہلے فدیہ کس نے دیا: 464
سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کا فدیہ: 465
ابو العاص ابن الربیع کا فدیہ: 466
ہبار بن اسود کا معاملہ: 469
عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا فدیہ: 471
عباس سے انصار کا موقف: 474
ایک آیت کا نزول..... 475
فوائد حدیث: 477
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا عباس کا احترام: 478
عباس رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام:..... 479
جبیر بن مطعم کے دل میں اسلام کی دستک: 479

عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: 482
بدر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فتحیابی پر نجاشی کی خوشی: 487
غزوہ بدر کبریٰ میں شریک ہونے والے لوگوں کی فضیلت: 488
ایک حدیث کا اشکال: 490
غزوہ بدر کے سلسلے میں قرآن کا کونسا حصہ نازل ہوا: 493
غزوہ بدر اور احد کے درمیان کے واقعات 495
رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات 495
مسلمانوں کے لئے پہلی عید فطر 497
عید میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل: 498
راستہ تبدیل کرنے کی حکمت: 500
فاطمہ رضی اللہ عنہا سے علی رضی اللہ عنہ کا نکاح 502
ان کے نکاح کا پیغام اور ان کا مہر: 503
فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ساز وسامان: 506
شادی کا ولیمہ: 506
ان کی اولاد: 507
حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ: 509
حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا مقام اور ان کی فضیلت: 510
فوائد حدیث: 514
حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا مقام اور ان کی فضیلت: 516

حسین بن علی رضی اللہ عنہن کا قتل: 518
محسن بن علی رضی اللہ عنہ کا مقام: 519
ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کا مقام: 519
زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کا مقام: 520
اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی: 521
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے ناراضگی کا سبب: 523
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیٹی فاطمہ سے محبت: 524
فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل: 525
ایک مضبوط استدلال: 526
احادیث کے درمیان کوئی تعارض نہیں: 527
فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات: 528
مدینہ میں نفاق اور منافقوں کا ظہور 528
غزوہ بنو قینقاع 531
بنو قینقاع کا محاصرہ اور ان کی جلاوطنی: 533
غزوہ سویق 536
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا 537
مسلمانوں کا سب سے پہلا عید الاضحی 539
عید الاضحیٰ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ: 541
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات 542

ضعیف حدیث: 543
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی فضیلت: 544
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بہتا ہوا چشمہ: 544
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی تدفین: 546
ہجرت کا تیسرا سال 547
غزوہ بنو سلیم یا قرقرہ کدر 547
غزوہ ذی امر یا غطفان 549
دعثور بن حارث کا قصہ: 549
دعثور کے قصے سے مشابہ ایک دوسرا قصہ: 550
کعب بن اشرف کا قتل 552
فوائد حدیث: 559
قردہ کی جانب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا سریہ 561
زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نکلنا: 562
قافلے کی رہنمائی کرنے والے کا قید کیا جانا اور اس کا قبول اسلام: 562
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہؓ کی ام کلثوم بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی 565
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے شادی 567
فوائد حدیث: 568
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حفصہ کو طلاق اور ان سے رجوع کرنا: 570
حفصہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختصر بات: 570

زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح 572
غزوہ احد ابتداء تا انتہاء 573
غزوہ اُحد 573
اس کا وقت: 574
اس کا سبب: 574
قریش کا عرب کے لوگوں کو جمع کرنا اور حمزہ کے قتل پر ابھارنا: 575
جبیر بن مطعم اور حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل: 576
مشرکین کی فوج کی تیاری اور ان کا روانہ ہونا: 576
عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی خبریں بھیجنا: 577
مدینہ کی نگرانی: 579
مشرکوں کے لشکر کا مدینہ پہنچنا: 579
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور صحابہ سے مشورہ: 580
نوجوان صحابہ کی رائے: 583
عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق کی رائے: 583
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نکلنے کے لیے تیاری: 584
جھنڈے کا باندھنا اور مسلمانوں کا احد کی جانب نکلنا: 586
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لشکر کا معائنہ: 586
رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب کو اجازت: 587
عبداللہ بن ابی بن سلول کا منافقوں کے ساتھ واپسی: 588

بنو سلمہ اور بنو حارثہ کا منافقین سے تاثر: 590
ہم مشرکوں سے مدد نہ لیں گے: 591
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احد کی جانب راستہ کی تکمیل: 591
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر کو ترتیب دینا اور تیر اندازوں کو آپ کے وصیت: 593
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو قتال پر ابھارنا: 595
جنگ میں تکبر کے اظہار کا جواز: 597
قریش کا اپنے لشکر کی ترتیب: 597
مسلمانوں کے لشکر میں اختلاف اور جھگڑا پیدا کرنے کی ناکام کوششیں: 599
قتال پر ابھارنے میں قریش کے عورتوں کی کوششیں: 600
جنگ کی شروعات اور مشرکوں کے جھنڈے کو اٹھانے والوں کا خاتمہ: 600
جنگ میں صحابہ کرام کی شدت: 602
ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں بہادری: 603
جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن حرام کا قتل؛ 604
عبداللہ بن حرام کا اپنے بیٹے جابر کو وصیت: 606
فوائد حدیث: 606
فرشتوں کا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دینا: 607
عمرو بن جموح اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں ٹہل رہے ہیں: 608
عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی مختصر حالت زندگی: 610
اصیرم بغیر کوئی رکعت ادا کیے جنت میں داخل ہوئے: 611

ناک کٹے ہوئے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ: 612
سعد ابن ربیع رضی اللہ عنہ کا قتل: 613
خودکشی کرنے والا جہنمی ہے: 614
خودکشی سے ترہیب سے متعلق ایک حدیث: 615
ابو رھم غفاری رضی اللہ عنہ جن کو نحر کیا گیا: 616
بہادر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ: 616
یہ حصر قابل نظر ہے: 617
ابو سلمہ عبداللہ ابن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کی شدت: 617
رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا قتل: 618
احد کا پورا دن طلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا: 619
حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدت اور بہادری: 620
کھجوریں پھینکنے والے شخص کا قصہ: 621
ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سب سے ماہر تیر انداز تھے؛ 622
یہودیوں میں سب سے بہتر شخص مخیریق 623
مسلمانوں کی زبردست فتح اور تیر اندازوں کا کردار: 624
صحابہ کا مشرکوں کو کھدیڑنا 626
تیر اندازوں کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت: 626
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پیچھے سے گھومتے ہیں: 628
مسلمانوں کا اضطراب اور ان میں قتل عام: 629

مسلمانوں نے حذیفہ کے والد یمان کو غلطی سے قتل کیا: 630
حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل: 632
شہادت کے وقت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر: 634
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قتل: 634
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر کا پھیلنا اور صحابہ پر اس کا اثر: 635
پہلا گروہ: 635
دوسری جماعت: 637
انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا قصہ: 637
فوائد حدیث: 639
تیسری جماعت: 639
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی: 640
سات انصاری صحابہ کا قتل: 641
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے زخم لگے؟ 643
اللہ رب العالمین کا اپنے نبی کی دعا کو قبول کرنا: 644
طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع: 645
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع: 647
فرشتوں کا نزول 647
صحابہ کرام کی اللہ کے رسول کے گرد واپسی اور ان کا آپ کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگانا: 648
ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع: 649

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع: 649
سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع: 650
عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اللہ کا رسول صلی وسلم کا دفاع؛ 651
مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اللہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع: 651
نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہ کی بہادری: 652
عورتوں کا جہاد: 653
ام سلیط رضی اللہ عنہا کا جہاد 654
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں پناہ لینا: 655
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چٹان کی طرف چڑھنا: 656
ابی بن خلف لعنہ اللہ کا قتل: 657
مشرکوں کا آخری حملہ: 659
مومنوں کو نیند کا ڈھانپنا: 660
منافقوں کی حالت: 661
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کا علاج: 662
فوائد حدیث: 663
مسلمانوں کے شہیدوں کی تشویہ: 664
جنگ کے بعد ابو سفیان کی بد بختی: 665
فوائد حدیث: 666
بدر میں لڑائی کا وعدہ: 667

مسلمانوں کا اپنے شہیدوں اور زخمیوں کی تلاش: 669
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حمزہ کو تلاش کرتے ہیں: 669
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے بھائیوں کے ساتھ مثلہ کئے جانے پر غصہ: 671
شہیدوں کا اکٹھا کیا جانا 672
کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں کی نماز جنازہ ادا کی تھی یا نہیں؟ 674
جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ نہیں ادا کی: 674
جو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ ادا کی: 675
یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کی تھی: 675
روایات کے درمیان جمع کی صورت: 676
شہدا کی تدفین 677
فوائد حدیث: 678
عبداللہ بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کا ایک ہی قبر میں دفن کیا جانا: 678
حمزہ اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا ایک ہی قبر میں دفن کیا جانا: 680
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا کفن: 681
فوائد حدیث: 682
احد کے شہیدوں کا ان کے قتل کی جگہ پر دفن کیا جانا: 683
شہید کے لئے اللہ رب العالمین کی کرامت: 684
شہدائے احد کی فضیلت 686
شہداء احد کی زیارت: 687

شہدائے احد کی تعداد 688
مشرکوں کے مقتول: 689
اللہ رب العالمین سے دعا اور تضرع: 690
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی اور آپ کی اس سے سخت محبت: 691
دینار یہ عورت کا قصہ 692
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ: 692
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نوحہ کرنے سے منع کرنا: 693
احد کے دن کس نے اچھا قتال کیا؟ 694
مدینہ کی پہرہ داری: 694
غزوہ حمراء الاسد 695
اس غزوے کا سبب 695
جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا نکلنے کی اجازت طلب کرنا: 696
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حمراء الاسد کی جانب نکلنا: 697
ابوسفیان کی اپنے لشکر کو لے کر مکہ کی طرف واپسی: 699
ابو عزہ جمحی کا قتل 700
احد کے دن سے متعلق نازل ہونے والی قرآن کی آیتیں: 701
غزوہ احد کے واقعہ میں موجود بعض احکام اور فقہ: 703
غزوہ احد کی بعض قابل تعریف حکمتوں اور مقاصد کا تذکرہ: 705